

شازیہ مصطفیٰ

جمال و دل کی جماعت

WWW.PAKSOCIETY.COM

شازیہ مصطفیٰ

پہلی قسط -

سلسلے وار ناول

جہانگیر کی رحمت



”میں عتابہ کو لے کر جا رہا ہوں، اماں جی کی بہت لمبیعت خراب ہے۔“ جواد احمد نے انہیں صرف اتنا بتایا وہ تن فٹ ہی ہو گئی تھیں۔

”جب تمہاری ماں کو میں پسند نہیں ہوں تو کیوں میری ادا کو اتنا چاہتی ہیں۔“ لہجے میں نفرت، حقارت، نخوت اور ناگواری سب ہی تھا۔

”یہ مت بھولو کہ یہ میری اولاد بھی ہے۔“ گویا انہوں نے جتایا۔

”تمہاری ماں کے ناشروع سے یہ بیماری کے ذرا سے ہیں۔“

”بند کرو بکواس اور احترام سے نام لو میری ماں کا۔“ آج اگر تم یہاں موجود ہو تو صرف میری ماں کی وجہ سے درنہ میں منٹ نہ لگاؤں۔“ وہ اپنی ماں کی شان میں ایسے الفاظ تو بھی برداشت ہی نہیں کرتے تھے۔

”اونہہ..... شروع سے وہ اور تمہارا خاندان جلتا ہے مجھے کبھی قبول نہیں کیا انہوں نے۔“ انہوں نے یا تم نے تمہیں سوائے نئے سنور نے اور اپنے پارلر سے فرصت ہی کب رہی ہے۔“ انہیں سیرا کا یہ غرور و تکبر شروع سے ناگوار ہی گزرتا جو بھری محفل میں بیٹھ کے اپنی خوبصورتی کی خود ہی تعریف گوئی کرتی رہتی تھیں اور پھر اس پر ان کا بیوٹی پارلر جس نے انہیں مزید تباہ کیا ہوا تھا۔

”یہ میرا شوق ہے اور تم سب ہو ہی بیک درڈ۔“ وہ پھنکاریں۔

”اس وقت میں تمہارے ساتھ کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ کمرے سے نکلنے ہی لگے تھے۔

باہر عتابہ اور دوشہ کھڑی تھیں انہیں دیکھ کر وہ جھل سی ہو گئیں تھیں۔

”بیٹا! یہ تمہاری ماں کا روز کا تماشا ہے کیوں باہر کھڑے ہو کے سنتے ہو تمہاری ماں کو تو شروع سے ایسی آواز میں بولنے کی عادت ہے۔“ لہجے میں دکھ، طنز سب ہی کچھ تھا سیرا تو اندر ہی اندر گرم گھونٹ اتارنے لگیں دونوں بیٹیاں ان کے سامنے تھیں۔

”جواد احمد! یہ مت بھولو یہ میری بیٹیاں ہیں۔“

”اچھا..... تمہیں بھی یاد ہے تمہاری بیٹیاں ہیں ورنہ تو تم خود ابھی تک یہ قبول ہی نہیں کر پائی ہو کہ جوان بیٹیوں کی ماں ہو۔“ پھر طنز میں ڈوبا تیر پھینکا کیونکہ اشارہ ان کے بنے سنورے میک اپ سے مزین سراپے کی جانب تھا جو فیشن میں اتنی اندھی ہو گئی تھیں کہ اپنی عمر اور بچوں تک کا خیال نہ تھا۔

”جواد! تم میری انسلٹ کر رہے ہو۔“ وہ تو شیر کی طرح پھریں۔

”ارے..... انسلٹ تو میری ہوتی ہے جہاں تم جانی ہو سناٹا۔“ انہیں کانپیں رکھتی ہو۔

عتابہ اور دوشہ دونوں اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں سیرا کو ان کا بولنا اور غصہ ہی دلارہا تھا۔

”شروع سے میری خوبصورتی سے تم اور تمہارا خاندان جلتا ہے۔“

”پتہ نہیں کس نے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے تمہیں کہ تم خوبصورت ہو جب ہمارا باطن خوبصورت نہیں تو ایسی ظاہری خوبصورتی پر لعنت ہے۔“ وہ ان کی دل کھول کر تضحیک کر رہے تھے اور یہ آج کا نہیں روز کا معمول تھا سیرا ان سے ایسے ہی الجھتی تھیں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتی تھیں اور جواد احمد جواب میں انہیں ایسے ہی سناتے تھے۔

”اونہہ..... تم سب ہی نفسیاتی ہو۔“

”شکر ہے ہم سب ہی ہیں تم تو ایک صحیح ہونا پھر کوئی اچھی خاصیت تو بتاؤ۔“ لہجہ فہمائشی اور تسخیر زدہ ہی تھا۔

”ابو! کب تک چلتا ہے۔“ عتابہ ڈرتی ہوئی آئی تھی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں جانے کی۔“ سیرا نے جھٹ کہا۔

”یہ مت بھولو کہ باپ ہوں میں اس کا سارے اختیارات رکھتا ہوں۔ عتابہ! تم اپنے ایک دو دن کے لئے کپڑے بھی رکھ لو کیونکہ اماں جی نے کہا ہے کہ تمہیں کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دوں۔“ وہ اسے پیار بھرے لہجے میں بولے۔ وہ ہر بلا نے لگی اور اندر اپنے روم میں گھس گئی مبادا سیرا پھر کچھ نہ کہہ دیں۔ سیرا! جلتے پیر کی بلی کی طرح تن فٹ کرتی ہوئی کمرے میں گھس گئی تھیں۔

”دیکھو دوشہ! معارج سے کہنا امی کو تنگ نہ کرے۔“ وہ جاتے ہوئے دوشہ کو ہدایت بھی دینے لگی۔

”آپ! امیرا بھی دل چاہ رہا ہے جانے کو۔“

”تم معارج کے ساتھ آ جانا کسی دن کیونکہ تم بھی جاؤ گی تو امی کو اور غصہ آئے گا۔“ وہ اپنے کپڑے بیک میں رکھ چکی تھی۔

”پتہ نہیں آئی امی کب دادی جان سے معافی مانگیں گی کب آپ کی شادی محریب بھائی سے ہوگی۔“ وہ انفرادی سے گویا ہوئی۔

”اچھا زیادہ منہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے امی جیسے ہی پارلر جائیں تم ان کا کمرہ سیٹ کر دینا ماسی سے نہیں کروانا اب تو چیزیں ادھر ادھر کر دیتی ہے۔“ وہ اس کا چہرہ تھپتھپانے لگی جو خاموش سی ہو گئی تھی۔ عتابہ خود بیس بائیس سال سے یہ جنگ اپنے والدین میں دیکھ رہی تھی اور پھر چار سال پہلے ہی جواد احمد نے گھر بھی الگ کر لیا، محض سیرا کی وجہ سے جو آئے دن کوئی نہ کوئی تماشا لگائے رکھتی تھیں۔

☆.....

”جانے کب سیرا کو عقل آئے گی وہ سب کو غلط سمجھتی ہے۔“ دادی جان مسلسل روئے جا رہی تھیں سارے ہی ان کے کمرے میں جمع تھے۔

”دادی جان! آپ کی پھر طبیعت خراب ہوگی۔“ محریب نے ان کے ہاتھ تھامے۔

”بیٹا! میں کیا کروں میرا جواد کیسا بکھر گیا ہے اس کے بچے ڈرے سہے رہتے ہیں۔“

”دادی جان! عتابہ بھابھو آ گئی ہیں۔“ مائز کی خوشی سے بھرپور آواز نے ان کی توجہ مبذول کروائی اسی وقت محریب بھی سیدھا ہوا۔ عتابہ پنک پلین کاٹن کے کپڑوں میں ملبوس جھٹ دادی جان کے گلے آ کے لگ گئی۔

”میں تو سوچ رہی تھی جانے تو آئے گی بھی یا نہیں۔“

”آپ بلائیں اور میں نہ آؤں۔“ اس نے مسکرا کے ہی کہا۔ محریب قدرے فاصلے پر بیڈ پر ہی بیٹھا تھا اور وہ دادی جان کے سر ہانے ہی بیٹھ گئی تھی۔

”اماں جی! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“ جواد احمد نے فکر مندی سے ان کے مزاج پوچھے وہ روز ہی یہاں کا چکر لگاتے تھے مگر آج تو دو تین بار لگائے تھے۔

”طبیعت اب کہاں ٹھیک ہوگی میری آنکھوں کے سامنے تم لوگ میرے ان بچوں کی شادی کر دو۔“ وہ رونے ہی لگی تھیں۔

عتابہ نے پہلو بدلا جبکہ محریب بھی گھبرا گیا جو کل سے ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھیں کہ شادی ہو جائے۔

”اماں جی! کیسی مایوسی والی باتیں کرتی ہیں آپ ٹھیک رہیں گی اور دیکھیے گا عتابہ اور محریب کی شادی آپ کے سامنے ہی ہوگی۔“ انہوں نے تسلی دی۔

۴۲

وہ یہاں آ کر دادی جان کے ہی کمرے میں تھکی رہتی تھی مگر مائز تو اسے چھوڑتا ہی نہ تھا اور سب کزن کے درمیان لاکر بٹھادیتا تھا۔

”یار! آپ کس صدی کی لڑکی ہیں ارے بولڈ نیسے۔“

”زیادہ فضول مت بکا کرو۔“ فوراً ہی اس نے مائز کو بھرا دیا۔ سارے ہی ہال کمرے میں محفل جما کے بیٹھے تھے مگر محریب کے علاوہ جو ابھی تک آفس میں ہی تھا۔

”تمہاری طرح مجھ سے بولڈ نیس بنا جاتا ہے۔“ عنائہ نے اس کے بولنے پر ہی اشارہ کیا جو ہر ایک کو ہر بات پر اعتماد انداز میں کہہ دیتا تھا۔

”ابھی میری بولڈ نیس دیکھی کب ہے آپ نے دیکھیں گے گا چائیک ہی دھماکہ ہوگا۔“ وہ ذومعنی لہجے میں بولا۔

”خیریت ہے کیا سوچی ہوئی ہے بولڈ نیس۔“ فائق نے سرگوشی میں ہی پوچھ لیا کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے معاملات سے آگاہ ہی تھے کیونکہ دونوں ہی ایم بی اے کر رہے تھے لائن بھی ایک ہی تھی۔

”مائز بھائی! کہیں کوئی لڑکی کا چکر تو نہیں ہے۔“ رافع نے بھی لہجہ دیا۔

”تم چپ کر دو آئے بڑے کلڑے لگانے والے۔“ اس نے فائق کی بیک سے کشن نکال کر رانچ پر ہی اچھالا جو اسے تو نہ لگا کارزننیل پر رکھے ڈیکوریشن پیسز کو شہید کر گیا۔

”اب بڑے گی ڈانٹ آپ کو بڑی امی سے۔“ رافع تو خوش ہو گیا۔ عنائہ ان سب کی نوک جھونک سنگل صوفے پر بیٹھی لیسن مگر کے کپڑوں میں ملبوس دیکھ رہی تھی اسے اپنے زندہ دل۔ سارے کزن ہمیشہ اچھے لگتے تھے۔

”بڑی امی بڑی امی۔“ رافع نے تو تیز آواز میں پکارنا شروع کیا مائز نے اس کی گدی پر دو ہتھیر لگائے وہ بڑی امی سے مخفی نہ ہو سکے تھے۔

”یہ سب کس نے کیا؟“ ان کے کڑے اور فہمائی تیوروں نے مائز کی سی ہی گم کردی کیونکہ شک انہیں اس پر ہی تھا۔

”امی! غلطی میری نہیں اس رافع کی ہے کیوں ہٹا سانسے سے جو یہ سب شہیر ہو گیا۔“ وہ منمنانہ نے کہ ساتھ سر کھانے لگا۔ عنائہ کرشل کے باؤل اور گلڈان کی کرچیاں سینے بیٹھ گئی تھی۔

”نہیں سدھرنا تم کتنے بڑے گھوڑے ہو رہے ہو۔“

”پھر جلدی سے میرا بھی رشتہ طے کریں بے چاری کتنا انتظار کرے گی۔“ وہ مرد آہ بھر کے دہائی ہی دینے لگا تھا۔

”نہت نے اس کے سر پر چھبت لگائی۔“

”بکواس نہیں کرو۔“

”یار امی! میں کیا ایسے ہی خوار رہوں گا ہماری سیراچی آخر ایسے مانیں گی جو پھر میرا بھی نمبر آئے۔“ وہ پھر رونے کے ساتھ اداسی کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

”تمیز سے میری امی کا نام لیا کرو۔“ عنائہ اسے ٹوکے بنانہ رہ سکی۔

”محترمہ! میں نے سیراچی کہا ہے ادب و احترام سے۔“

”السلام و علیکم۔“ احد کی آواز پر سب ہی چونکے۔ کوریڈر میں وہ کھڑا تھا شامین اور حسنہ بھی ساتھ ہی تھیں سب ہی حیران رہ گئے تھے۔

”اوہ..... تو آپ کو بھی فرصت مل گئی۔“ مائز نے اب اپنا رخ ان کی جانب کر دیا۔ حسنہ نے تو عنائہ کو گلے ہی لگا لیا وہ خود اپنی بیٹی کو اتنے دنوں بعد دیکھ رہی تھیں۔

”سمیرا کب مان رہی ہے۔“

”کم آن دادی جان! آپ تو بالکل ہی چانس ختم کر دیتی ہیں سمیراچی سب مانیں گی کیا کی ہے ہمارے بھیا میں۔“ مائز نے اپنے لیے چوڑے ڈینٹ سے بھائی کے شانے پر دونوں ہاتھ رکھے وہ جھینپ ہی گیا۔ ایسے افسردہ ماحول کو اکثر مائز اپنی شوخ باتوں سے کچھ رنگیں بنادیتا تھا سب ہی ان کی دلجوئی میں لگے تھے۔

”کی تو لگتا ہے ہم سب میں ہے جو اسے ہم بڑے لگتے ہیں۔“ جواد احمد ایک دم ہی تلخ ہو گئے تھے۔ عنائہ سے اپنے ابو کا رنجور چہرہ دیکھنا نہیں جاتا تھا وہ کتنے بے بس سے ہو جاتے تھے صرف اپنے بچوں کی خاطر۔

”یہ بتائیے بھابھو! کیس کی نا آپ؟“ مائز نے مسکرا کے پوچھا عنائہ نے سر ہلایا۔ مائز تو اسے شرارت میں اسی نام سے ہی پکارتا تھا اور پھر وہ اس کے بھائی کی بچپن کی مگتیر تھی سب ہی گھر کے بچے واقف بھی تھے۔

”اچھا اماں جی! میں کل آؤں گا۔“ جواد احمد گھڑی میں ٹائم دیکھنے لگے تو بج رہے تھے انہیں پتہ تھا سمیرا حسب معمول اپنے بیوٹی بارلر میں ہی ہوں گی۔

”ارے جواد! کھانا لگ رہا ہے کھا کے جانا۔“ نہت نے انہیں روکا۔

”بھائی! ابھی مجھے کچھ ضروری کام بھی ہے پھر وشد اور معارج اکیلے ہوں گے۔“ وہ عذر پیش کر کے سب سے ہی رخصت لے کر چلے گئے تھے محریب گیٹ تک چھوڑنے کے بعد دادی جان کے کمرے میں ہی آ گیا تھا عنائہ انہیں سوپ پلا رہی تھی ایک اچھتی نگاہ ضرور اٹھائی محریب چیئر گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔

”جانے کب میرا رمان پورا ہوگا اپنی بچی کو میں یہاں اس گھر میں دیکھوں گی۔“ دادی جان پھر افسردگی سے گویا ہوئیں۔

”ارے سارے ارمان پورے ہوں گی اور دیکھیں گے گا آپ پڑدادی تک بنیں گی۔“ محریب نے انہیں خوش کرنے کے لیے ہی کہا عنائہ تو شرم سے نگاہ نہ ملا پائی۔

”کتنے سکون سے میرے بچے یہاں تھے سمیرا کو جانے کیا سوچھی کہ الگ گھر میں چلی گئی۔“ انہیں یہ قلق بھی مارے ڈالتا تھا۔ محریب جب یہاں سے گیا تھا سب ہی تو ساتھ رہتے تھے اب جبکہ وہ کئی سال بعد امریکہ سے آیا تو سب ہی کچھ بدلا ہوا تھا۔ وہ انہیں سوپ پلانے کے بعد برتن لے کر کمرے سے باہر نکل گئی اسے محریب کی موجودگی شروع سے ہی پزل کرتی تھی وہ تھی بھی تم گواور ڈری سہی سی کچھ بچپن سے اپنے ماں باپ کی لڑائیوں نے بھی اس کی شخصیت پر اثر ڈالا تھا۔

”خیریت کیا سوچا جارہا تھا؟“ مائز نے اسے دیکھا جو کوریڈر میں پڑے بیٹھ کے صوفے پر بیٹھی تھی۔

”کک..... کچھ نہیں۔“ وہ ہڑبڑاہی گئی۔

”ارے..... آپ تو ڈر جاتی ہیں۔“ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے مسکرایا۔ عنائہ جھینپ گئی دادی جان کے کمرے سے نکلتے فان ٹکر کے تمیض شلواریں ملبوس محریب کو دیکھ کر گڑبڑاہی گئی۔

”لو پھر ڈر رہی ہیں ارے یہ آپ کے بچپن کے مگتیر ہیں کوئی نئے نہیں۔“

”ہر وقت ہاکتے رہتے ہو۔“ وہ چھینپی ہوئی جانے لگی۔

محریب کو یہ کوئل سے نقش و نگار والی لڑکی بچپن سے ہی اچھی لگتی تھی سب کزن اس سے فری تھے ایک یہ بالکل الگ مزاج کی تھی کم بولتی تھی کم ہنستی تھی اور زیادہ اس سے چھپی ہوئی ہی رہتی تھی اس کا شر مایا لایا انداز اسے اور مغرور و خوبصورت بناتا تھا۔

☆.....☆

”جلدی کرو فون اور ہاں معارج آئے تو اسے کہنا کہ گھر پر ہی رہے مجھے اسے اپنے ساتھ شاپنگ کے لئے لے کر جانا ہے۔“ نیا آرڈر نافذ کیا۔

دشہ تو ممبر کے گھونٹ اندر اتارتی ہی رہتی تھی کبھی بھی تو انہیں پیار و محبت سے مخاطب کرتے نہ سنا تھا، کتنی حسرت تھی کہ وہ بھی اس کی فریڈز کی امی کی طرح ان سے دوستانہ انداز میں بات کیا کریں وہ لاؤنج میں آگئی تھی آنکھوں میں نمی بھی آگئی تھی۔

”میں پارلر میں جا رہی ہوں تم چاہو تو سو جانا ٹمر گیت کولاک کر کے۔“ وہ اپنا موبائل اٹھا کر ڈائنگ ہال سے باہر نکلی تھیں پارلر ان کا گھر کے پچھلے حصے میں ہی بنا ہوا تھا چند دروازے بھی رکھی تھیں پھر ہر وقت رش بھی بہت رہتا تھا اس لئے گھر کا گیٹ الگ رکھا ہوا تھا۔

دشہ نے نمبر ڈائل کر لیا تھا حالانکہ اس کا بھی دل کر رہا تھا کہ وہ بھی ان سب کے درمیان چلی جائے یہاں ایک ہفتے سے اسے بوریت ہو رہی تھی، تھرڈ ایئر میں تھی، کچھ وقت تو اچھا اس کا کالج میں گزر جاتا تھا۔

”ہیلو السلام وعلیکم! میں دشہ بول رہی ہوں۔“ دوسری جانب سے آواز آئی تو سلام کر ڈالا۔

”ارے دشہ بیٹی۔“ چھوٹی تائی تھیں ان کا شہد آگئیں لہجہ ہوتا تھا۔

”چھوٹی تائی! وہ آئی سے بات ہو سکتی ہے۔“ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے کیا بات کرے اس لئے جھٹ اپنا مدعا بیان کر دیا، کچھ ہی دیر میں عنائے پھر فون پر آگئی تھی۔

”کیسی ہو دشہ! گھر میں سب خیریت تو ہے؟“ اس نے خاصی فکر مندی سے پوچھا۔

”آئی! امی بہت غصہ ہو رہی ہیں وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کو کبوں کہ گھر آ جائیں آپ جانتی ہی ہیں وہ جب بولنے پر آتی ہیں تو کچھ نہیں دیکھتی ہیں۔“ اس کی تیز اور بے زاری آواز ابھری تھی۔

”اچھا میں آ جاؤں گی تم ایسا کرو امی سے کہنا کہ میں آج یا کل آ جاؤں گی دادی جان کی طبیعت کچھ بہتر تو ہونی ہے لیکن وہ مجھے پتہ ہے جانے نہیں دیں گی۔“ وہ بھی جانتی تھی کہ دادی جان کا تو دل نہیں کرنا تھا کہ وہ یہاں سے جائے۔

”پھر بھی آئی! آپ آنے کی کوشش تو کریں۔“ عنائے نے اسے تسلی دی کہ وہ آنے کی پوری کوشش کرے گی دشہ اس سے بات کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھی معارج بھی کالج سے ابھی نہیں آیا تھا اسے اور ہی بوریت ہو رہی تھی وہ آرام کیا کرتی دوبارہ فون اٹھا کے ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھ گئی تھی۔

”میں دشہ بات کر رہی ہوں۔“ دوسری جانب گیمیری آواز پر کچھ اچھل سی گئی۔

”جی یہ تو مجھے بھی پتہ ہے کیونکہ عنائے بھا بھو تو ادھر ہیں ادھر صرف تم ہی فون کر سکتی ہو جبکہ آپ کی والدہ محترمہ کو حسن جمع کرنے سے فرصت نہیں۔“ اس نے اپنی پر شوخ آواز کے ساتھ کچھ طنز کے ساتھ ہی کہا۔

”پلیز! آپ میری امی کو کچھ نہ کہا کریں۔“ وہ سمجھ گئی تھی مائز ہے اور اکثر اس کی مائز سے لڑائی بھی اسی بات پر ہوتی تھی۔

”ہاں وہ سب کو کہہ لیں انہیں کوئی کچھ نہ کہے محترمہ دشہ جو! آپ کی والدہ میری چچی بھی لگتی ہیں اور چچی بھیجے کی نوک جھونک چلتی ہی رہتی ہے۔“ وہ فوراً ہی بولا۔

”آپ پلیز یمنی کو یا آپ کی کو بلا دیں۔“ وہ جیسے کھسیا گئی ہو۔

”ندرت آئی آئی ہوئی ہیں ان کو بلا دوں۔“ مائز نے تہیہ کر لیا تھا کہ اسے زچ کر کے ہی چھوڑے گا پھر ہوتا بھی یہی تھا وہ چڑ جاتی اور لڑائی ہو جاتی۔

”میں نے سوچا کہ سب ساتھ ہی چلتے ہیں اماں جی کی طبیعت پوچھ آئیں گے۔“

”دادی جان تو اس دن سے ایک دم ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں جس دن سے بھا بھو آئی ہیں۔“ مائز نے اس کی جانب اشارہ کیا جو حسنہ پچھو کے پہلو میں ہی بیٹھی تھی۔

”اماں جی کو سب سے زیادہ محبت بھی تو اسی سے ہے۔“

”کیا کریں اب لڑکی ہی اتنی پیاری ہے کہ ہر کوئی محبت میں ڈوب جاتا ہے۔“

”یہ ہر کوئی تو واضح کر دے جلدی اور نہ محریب کے ہاتھوں کوئی نہیں بچے گا۔“ احد نے شوخی سے کہا تو سب ہی ہنسنے لگے کہ وہ گئے عنائے بے چاری جھینپ ہی گئی۔

”ایک تو مجھے اپنے بگ برادر پر حیرانگی ہوتی ہے کہ کسی بھی موسم کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔“ مائز نے سرد آہ ٹھکر زدہ انداز میں ہی بھری تھی۔

”تمہارے بھائی پر واقعی کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔“ احد نے بھی تائید کی محریب بھی آجکا تھا عنائے تو کھسک ہی لی تھی کیونکہ شامین کو ریان تنگ کرنے لگا تو وہ اس کے ساتھ دادی جان کے کمرے میں جانے لگی تھی۔

”السلام وعلیکم بھالی! کیا بات ہے بھول گئی ہیں۔“ محریب نے شامین کو روک لیا وہ مسکرانے ہی لگی۔

”ارے کیسی بات کرتے ہیں۔“

”شامین! اسے تو ایسی دیکھی بھی نہیں آتی ہے جانے ویسی کرے گا بھی یا نہیں۔“ احد نے شامین سے سرگوشی میں ہی کہا جو محریب نے بھی سنا وہ جواب میں گھورنے لگا ریان نے ردنا شروع کیا تو شامین اندر چلی گئی۔

”بہت ہی فضول بکواس کرتے ہو یا ر! بھالی کے سامنے تو نہ کیا کرو۔“ دونوں کو تنہائی ملی تو محریب نے احد کو ٹوکا۔

”یار! شامین میری بیوی ہے اور ہم دونوں ایک بچے کے والدین ہیں اس لئے بکواس کر سکتے ہیں۔“ اس نے محریب کی پشت پر چپت رسید کی۔

”سن عنائے آئی ہوئی ہے کچھ پیار و محبت کی باتیں بھی کیس یا نہیں؟“

”وہ یہی سب کرنے تو آئی ہے۔“ وہ تپ ہی گیا۔

”یار! کس مٹی کے بنے ہو؟ ذرا دل نہیں کرتا کہ جلدی شادی ہو جبکہ مجھ سے ایک سال بڑے ہی ہو۔“ اس نے گویا محریب کو اس کی بڑھتی ہوئی عمر کا احساس دلایا۔

”تمہاری طرح بے صبر نہیں ہوں ہر کام کو تسائل پسندی سے کرنے کا عادی ہوں۔“ اس نے احد کو طنزیہ ہی کہا۔

”ہاں مجھ پر آ جایا کر اپنی محرومی نہ عیاں کر۔“ وہ ہر امان گیا۔ دونوں امیں کافی دیر تک بحث و مباحثہ بھی چلتا رہا تھا یمنی سب کے لئے چائے وغیرہ بنا کے لائی تو ان دونوں کو بھی بلا لیا جب کہیں جا کر دونوں کی تکرار بھی ختم ہوئی تھی۔

☆.....☆.....

”دشہ! فون کرو اپنی دادی کے گھر کہوان سے عنائے کو بھیج دیں۔“ سمیرا نے گویا خاصے ناگوار اور درشت لہجے میں اسے حکم دیا وہ کالج سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کرتی تھی کمرے میں جانے ہی لگی تھی کہ رُک گئی۔

”ابو کہہ رہے تھے کہ وہ خود آئیں گے۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے ہی کہا۔

”عنائے کوئی نوکر نہیں ہے جو ان کی دیکھ بھال کے لئے چلی گئی اتنے لوگ ہیں وہ کم ہیں کیا ان کے لئے۔“

ڈائنگ ٹیبل پر وہ بیٹھی تھیں اپنے پارلر سے وہ بیچ کے لئے آگئی تھیں ورنہ اکثر بیچ بھی وہ گول کر دیتی تھیں کلائنٹ کی وجہ سے ہی آج موقع ملا تو چلی آئی تھیں۔

”آخر آپ اتنا کیوں بولتے ہیں؟“
”کیا کروں وقت وقت کی بات ہوتی ہے آج میں بول رہا ہوں کل صرف تم ہی بولو گی۔“ لہجہ میں حسرت و افسردگی پنہاں تھی۔

”کیا بکواس ہے۔“ اس کے تو خاک بھی پلے نہ پڑا۔
”ارے مطلب واضح ہے کہ تم اپنی شادی کے بعد اپنے میاں کی بولیں بند نہیں کرادو گی۔“
”یہاں میری شادی کا کیا ذکر۔“ وہ تنک ہی گئی۔
”ذکر کر کے یہ ہوگا کہ تم بھی سوچنا شروع کر دو گی۔“

”اتنا فضول بولتے ہیں شروع سے ہی۔“ اس نے اکتاہٹ اور بے زاری سے فون ہی کرڈال پر بیخ دیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی ”آج کا دن تو تھا ہی خراب وہ بد مزہ ہی لاؤنج میں آکر ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی۔“

☆.....☆.....☆.....

وہ زور زور سے قہقہے لگا رہا تھا سب کی استغفہامیہ اور فہمائشی نگاہوں نے اسے گھورا تھا نزہت کو تو اس کی ہر وقت کی چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق بہت ہی بُرا لگتا تھا۔

”کس کا فون تھا؟“ وہ اسے کڑے تیوروں کے ساتھ گھورنے کے بعد استفسار کرنے لگیں ”ماز کے قہقہہ کو ایک دم بریک لگا فوراً ہی کارڈ لیس کرشل کے کارنر پر رکھا وہ یونیورسٹی سے آکے ہال کمرے میں کارپٹ پر فلور کشن پر لیٹ گیا تھا۔
”وہ وہ شہی۔“

”فون کیوں بند کیا ضرور بکواس کی ہوگی تم نے۔“ وہ اس کی عادت سے واقف تھیں جو دوشہ کو چھیڑنے کا کوئی بھی وار خالی نہیں جانے دیتا تھا۔

”امی! آپ اتنا غصہ نہیں کیا کریں ذرا اچھی نہیں لگتا ہیں کل کو آپ کو ساس بھی بننا ہے پھر دادی بھی بننا ہے سب کیا کہیں گے کہ ساس کتنی غصہ والی ہیں ارے بیٹا آپ کی دادی کتنا غصہ کرتی ہیں۔“ وہ تو نان اسناپ اپنی ہانکنے شروع ہو گیا تھا ندرت نے ماز کے دھپ لگائی وہ صبح سے بچوں سمیت آگئی تھیں ہفتہ کو چھٹی تھی اس لئے وہ اتوار کی شام کو چلی جاتی تھیں۔
”ماز! کتنا بولتے ہو۔“

”آپ! آپ ہی بتائیے میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔“ وہ خاصے زنا نے انداز میں ہاتھ ہلا کے بول رہا تھا۔
”ابھی دیکھ لیا یا سن لیا تا تمہارے ابو نے سیدھا کر کے رکھ دیں گے۔“ انہوں نے گویا اسے الرٹ ہی کیا وہ تو کسی سے بھی نہیں جھجکتا تھا اکثر اپنے ابو سے بھی مذاق شروع کر دیتا تھا۔

”بڑی امی! مجھے آج گھر جانا ہے۔“ عنائہ نے فوراً مداخلت کی تاکہ وہ ماز کو ڈانٹا بھول ہی جائیں۔
”لو انہیں جانے کی پڑ گئی ہے۔“ ماز کو اعتراض ہوا۔

”عنائہ! میں تو آج ہی آئی ہوں کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی۔“ ندرت نے اسے ڈانٹ دیا وہ لب بھینچ کے ہی رہ گئی۔

”امی! آپ ان کا اور بھائی جان کا نکاح میں نہیں پڑھا دیتی ہیں کم از کم یہ آنے جانے کا چکر تو ختم ہو اور میرے بھائی کا بھی انتظار ختم ہو۔“ وہ پھر اپنی ہانکنے لگا۔

”میری تو خود یہی خواہش ہے جلدی سے عنائہ یہاں آ جائے۔“

رداڈ انجسٹ 188 جون 2009ء

”پھر آج ہی یہ عمل کریں دیکھیے گا سیرا چچی دوڑی آئیں گی اور پھر نئی جنگ تیار ہوگی۔“ اس پر عنائہ نے غراتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

”تمیز تو نام کو نہیں ہے اس لڑکے کو۔“ نزہت ایک دھپ اس کی پشت پر رسید کر کے چلی گئیں وہ ان کے پیچھے ہی دوڑی تھی کیونکہ آج وہ ہر صورت جانا چاہتی تھی۔

”پلیز بڑی امی! مجھے آپ ماز کے ساتھ گھر بھیج دیں۔“
”اچھا ٹھیک ہے میں کہتی ہوں ابھی تو دیکھو یونیورسٹی سے آیا ہے بلکہ ایسا کرو محریب کے ساتھ چلی جانا۔“ انہوں نے کہا۔

”ان کے ساتھ نہیں آپ ماز سے کہیں۔“ وہ شرمیں لہجے میں بولی۔

”میرا بیٹا بہت شریف ہے تم ڈرو نہیں۔“ وہ اسے چھیڑنے لگیں۔ عنائہ کے رخساروں پر خون ہی چھلک پڑا۔
”تم فکر نہیں کرو ماز سے ہی کہہ دوں گی۔“ عنائہ پھر فوراً ہی دادی جان کے کمرے میں چلی گئی ان کی شائد آنکھ لگ گئی تھی وہ بھی ان کے قریب ہی نیٹ کے سو گئی تھی شام میں ابھی تو گھر میں ایک ہلچل تھی پھر ندرت کے دونوں بچے عروہ اور منان اودھم مچائے ہوئے تھے۔

وہ اپنی ساری پیکنگ کر کے بیٹھ گئی دادی جان کو اس نے ابھی بتایا نہیں تھا وہ کمرے سے نکلی تو سانسے ہی ہال کمرے میں محریب پر نگاہ پڑ گئی جو عروہ کے ساتھ باتوں میں لگا ہوا تھا باقی سب بھی اپنی خوش گپیوں میں لگے ہوئے تھے۔ ماز کی رگ ظرافت پھڑکی تو وہ اٹھا۔

”بھائی جان! وہ آپ سے بھا بھو کچھ کہنا چاہتی ہیں۔“ اسی وقت چونک کر محریب نے نگاہ اٹھائی ”عنائہ تو گھبرا گئی پھر ماز کی شرارت بھی سمجھتی تھی۔“

”مم..... میں..... میں تو کچھ نہیں کہہ رہی۔“ محریب کی پر شوخ اور دلچسپ نگاہوں نے نازک موہنے سے سراپے کا طواف کرنا شروع کر دیا تھا وہ تو اسے آنکھ تنک ملا کر بات نہیں کرتی تھی کچھ کہنا چاہتی ہے۔

”کیوں ماز عنائہ کی جان نکلوانے کے درپے ہوؤ تو پہلے ہی محریب کو دیکھ کر پسینے پسینے ہو جاتی ہے۔“ ندرت نے مسکرا کے معنی خیزی نگاہ ڈالی اور عنائہ کا رکتا دھبہ ہو گیا سب ہی اس کی جانب ہو گئے تھے وہ فوراً ہی وہاں سے ہٹ گئی تھی لاکھ اس نے کہا کہ جانا ہے مگر دادی جان نے تو روٹا شروع کر دیا ”نواسے ناچار رکتا پڑا“ مگر اسے گھر میں دشا اور معارج کی بھی فکر ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆.....

”تمہاری ماں نے میری بیٹی پر بالکل ہی قبضہ جما لیا ہے کتنے دن ہو گئے ہیں اسے وہاں گئے ہوئے۔“ وہ ڈرینک فیمیل کے آگے اسٹول پر بیٹھی ہوں اپنے لیے ناخنوں سے کیونکس ریو کر رہی تھیں۔ جواد احمد نے ناگوار اور نخوت سے بھرپور نگاہ تھنے پھلا کر ڈالی وہ سونے کی ناکام کوشش کر رہے تھے مگر سیرا کی تو زبان جب چلتی تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی وہ جتنے کڑے ضبط کے مراحل سے گزر رہے تھے یہ وہی جانتے تھے دو منٹ میں سیرا کو باہر کا راستہ دکھا سکتے تھے مگر صرف اپنے بچوں کی خاطر یہ گرم گرم گھونٹ اندر اتار رہے تھے بائیس تیس سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے جو انہوں نے ان کے ساتھ گزارا تھا کسی سے بھی تو ہٹا کے نہ رکھی تھی اور ہمیشہ ان کے گھر والوں کو برا بھلا ہی کہا تھا۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔“ وہ تو تنک ہی گئیں۔
”مجھے بھی خبر ہے کہ کتنے دن ہو گئے ہیں وہ کسی غیر کے گھر نہیں بیٹھی ہے۔“

رداڈ انجسٹ 189 جون 2009ء

”لیکن بیٹھی تو تمہاری ماں کے گھر ہے نا“۔ وہ جب بھی بات کرتی تھیں ان کا انداز اتنا برا ہوتا تھا کہ جواد احمد مٹھیاں بھینچ کے رہ جاتے تھے۔

”کاش سیرا بیگم! تم نے میک اپ سیکھنے کے ساتھ خوبصورت اخلاق کی بھی ٹریننگ کر لی ہوتی“۔ طنز یہ اور کنیلا لہجہ تھا۔ وہ تو تملہا ہی گئیں، کیونکہ ریسوڈ کر چکی تھیں، کاش ڈریسنگ ٹیبل پر چھینکی اور سیدیں ان کے سامنے تن کے کٹڑی ہو گئیں۔

”میرا اخلاق جیسا ہے ویسا رہنے دو، تم کون سا مجھ سے پیار و محبت کے بول بولتے ہو، چھتاری ہوں تم سے شادی کر کے“۔ وہ جیسے اپنی غلطی پر افسردگی دکھانے لگی تھیں۔

”پیار و محبت ہمیشہ وہاں ہوتا ہے جہاں دلوں میں کدورت نہ ہو، میل نہ ہو، کینہ نہ ہو، تم خود کو اس قابل تو بنالو“۔

”تم لمحہ لمحہ میری توہین کرتے ہو“۔ وہ تو بھنانے لگیں۔

”کیوں تو ہین کرنے کا پریشانی نہیں، ہی ملا ہے“۔ انہوں نے گھورا۔

”تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے“۔

”اوپنہ..... جواب نہیں ملا تو بات کو ہی فضول کہہ دو“۔ پھر طنز کے ساتھ سلگایا۔

”میں کہے دے رہی ہوں، عنائے کو وہاں سے بلا لیں“۔

”آجائے گی اور پھر ایک دن اسے وہاں جانا ہی ہے“۔ انہوں نے گویا کچھ یاد دلایا۔

”لطف جواد احمد! میری بیٹی کی زندگی کا فیصلہ تم نہیں کرو گے، میں کبھی بھی اس کی شادی تمہارے بھتیجے سے نہیں ہونے دوں گی“۔

”تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو بچپن سے طے ہے کہ عنائے محریب کی ہی ہے“۔

”جیسے تم ویسے تمہارے سو کالڈ گھر والے میں اپنی بیٹی کی شادی اپنی مرضی سے کروں گی“۔

”زیادہ مجھ سے بحث نہیں کرنا سیرا بیگم! کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ابھی جا کر اس کا نکاح پڑھوا دوں، محریب سے“۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھے۔ سیرا تو حق دق سی رہی تھیں کیونکہ وہ اتنے سنجیدہ اور برہم لگ رہے تھے وہ آگے سے کچھ نہ بولیں۔

”روز تم رات کو تماشا لگاتی ہو، فضول بکواس کرتی ہو، میں صرف بچوں کی وجہ سے تمہیں برداشت کر رہا ہوں، ورنہ مجھے ذرا شرم نہیں ہوگی کہ اس عمر میں تمہیں کاغذ تھماؤں“۔

”ہاں یہ کسر رہ گئی ہے“۔ وہ روہا سی ہو گئی تھیں اور مزید انہوں نے جواد احمد سے بات ہی نہ کی، بلکہ کمرے سے نکل گئی تھیں۔

معارج اور وشلا ڈنچ میں بیٹھے تھے، فون ان کے پاس رکھا تھا دونوں چونک کے ہی کھڑے ہو گئے۔

”تم دونوں یہاں اتنی رات کو کیا کر رہے ہو؟“ خاصے درشت لہجے میں پوچھا۔

”امی! اصل میں میں آپ سے بات کر رہا تھا فون پر وہ ندرت باجی بھی آئی ہوئی ہیں ان سے بھی بات کرنے لگا“۔ معارج بر جوش اور خوش باش لہجے میں بتانے لگا۔

”تمہیں صبح کالج نہیں جانا ہے جو یہاں بیٹھ کر وقت ضائع کر رہے ہو“۔ وشلا تو پہلے ہی ڈر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، البتہ معارج ان سے تھوڑا انک جاتا تھا کیونکہ اکلوتا ہونے کا بھرپور فائدہ بھی اٹھاتا تھا۔

”یہ وقت ضائع نہیں کر رہے تھے ہم ان سے باتیں کر رہے تھے ایک تو آپ کو ہر ایک پر اعتراض ہوتا ہے“۔

”معارج! تمیز سے میں ماں ہوں تمہاری“۔ گویا انہوں نے جتایا۔

”اچھی طرح یاد ہے“۔ وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

”جیسا باپ ویسا ہی بیٹا، بالکل ویسی گفتگو کرتا ہے دو کوڑی کی عزت کر دی ہے جواد احمد تم نے میری“۔ وہ لب بکلی ہوئی اپنی حراماں نصیبی پر آنسو بہانے لگی تھیں۔

”امی! کیا ہوا؟“ وشلا نے انہیں روٹا دیکھ لیا تھا۔

”آ جاؤ اپنی ماں کا تماشا دیکھ لو تمہارا باپ روز بناتا ہے اولادوں نے بھی کسر نہیں چھوڑی“۔

”امی! آخر بات کیا ہوئی ہے معارج نے کچھ کہا ہے“۔ وشلا کو اپنی ماں پر بھی غصہ آتا تو ساتھ ہی افسوس بھی ہوتا تھا کہ وہ آخر اتنا مفتی کیوں سوچتی ہیں اور الزام سامنے والے کو ہی دیتی ہیں۔

”تم سب اپنے باپ کے حمایتی ہو اپنے دھیال کے حمایتی ہو، میری اولاد بھی تو میری نہیں ہے“۔ وہ باقاعدہ آنسو بہا رہی تھیں۔ وشلا ان کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی رات کے ایک بجے وہ اپنے کمرے سے باہر تھیں ضرور ابو سے ہی جھگڑا ہوا ہوگا۔

”آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں، ہم آپ کے ہی ہیں“۔

”وہ تمہارا باپ اسے فیصلے کرنے کی عادت ہے، میری ہی اولاد کہہ میرے دشمنوں میں بیاہ رہا ہے ایک دن تمہیں بھی دے دے گا“۔

”سیرا بیگم! بند کر دیہ روٹا دھونا“۔ جواد احمد کمرے سے نکل آئے تھے وشلا ڈر گئی اب ضرور گھمسان کا رن پڑے گا، وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆.....

سارے ہی محفل جما کے بیٹھے تھے عنائے کو جمائیاں آنے لگی تھیں معارج سے بات کرنے کے بعد وہ ہال کمرے میں ہی آگئی تھی، سنگل صوفے پر وہ سکرسمٹ کے سو رہی تھی، پریوڈ لیسن کلر کا سوٹ اس کی شہابی رنگت پر دمک رہا تھا، روز بالوں کی چوٹی سائڈ پر پڑی تھی اتنی بے خبر تھی وہ کہ اسے محریب کی گہری نظروں کی تپش تک نے نہ اٹھایا، وہ بھی اپنے کمرے میں سونے کے لئے جا رہا تھا کہ اس کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو وہ دردناکے پرک کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہوا برادر! بھابھو کو دیکھ رہے ہیں“۔ مائز تو مل کے جن کی طرح نمودار ہوا تھا۔

”بکومت“۔ وہ جھینپ کر آگے بڑھ گیا۔

”یار بھائی جان! آپ کے تو موسم ہی پتہ نہیں چلتے ہیں کہ کیا ہیں“۔ اس نے مسخرے پن سے ہی تمسخر اڑایا، محریب نے دونوں ہاتھ پشت پر رکھے اور اسے گھورنے لگا، دونوں آنسو سانسے کوریڈر میں کھڑے تھے۔

”کیوں تم محکمہ موسمیات میں جانے کا سوچ رہے ہو اپنی اسٹڈی کے بعد“۔

”مجھے وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے ہمارے خاندان میں ہی مختلف موسموں کے لوگ موجود ہیں، تو جیسے گرمی کا موسم ہیں ہماری سیرا چچی“۔ اس نے بڑے پراعتماد اور تمسخر زدہ لہجے میں ایسے بتایا کہ یہ بھی کوئی ٹیلنٹ ہی ہے کسی کے مزاج کے بارے میں بتانے کا۔ اسی وقت عنائے کی نیند ٹوٹی اور وہ ہڑبڑا کے اٹھ کر باہر آگئی، دونوں کو راہ میں محو گفتگو دیکھا تو جھجک کے ڈک گئی، محریب اور مائز نے بھی حیرانگی سے دیکھا، وہ بے چاری کچھ نروس سی بھی ہو رہی تھی۔

”بڑی جلدی آنکھ کھل گئی، جبکہ ہم تو آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے“۔ مائز نے معنی خیزی سے کہا۔

”وہ میری بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی“۔ وہ کچھ جھجکی سی بھی ہوئی۔

”بھائی جان! بعد میں تو یہ آپ کی ہلکی سی آہٹ پر بھی اٹھ جائیں گی“۔ محریب کے ہونٹوں پر مبہمی مسکراہٹ ریک گئی اور وہ تو شرم و حیا کا پیکر لب بھینچ کر رہ گئی۔



شازیہ مصطفیٰ
سلسلے وار ناول - قطب نمبر 2 -

جمال و دل کی جہالت



”پتہ ہے عتاب! یہ زندگی ہمیں قدرت کا انعام ہے اس لئے جتنی اچھی اور خوش کن ہم گزار سکتے ہیں یہ زیادہ اچھا ہے۔“

”مطلب؟“ وہ جیسے سمجھ نہیں۔

”یہی کہ تم سیراچی کو سمجھانے کی کوشش کرو۔“

”سوری میں ابھی اتنی بے باک نہیں ہوں اور نہ ہی اتنی پُر اعتماد کہ آپ کی طرح خود سے یہ بات کروں۔“ اس نے طنز ہی کیا۔ محریب تو لا جواب ہی ہو گیا وہ اس ریزرو لڑکی کے جذبات تک سے نا آشنا تھا وہ نہ گرجتی تھی اور نہ ہی برستی تھی بچپن سے ڈرا سہا اور کم گوئی دیکھا تھا یا پھر یہ سب اس کی شخصیت میں ماحول کا ہی اثر تھا کہ شروع سے والدین کی کھٹ پٹ ہی دیکھی تھی عتاب نے اس سے اندر تک آنے کو نہ کہا اور نہ وہ کچھ بولا تھا۔

☆.....

”فاقہ یار! میں پریشان ہوں، چھڑا میری جان اس بلا سے۔“ وہ ادھر سے ادھر پست پر ہاتھ لگائے کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا اور فاقہ تو ہنس ہنس کے اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

”خامسے کہنے اور خبیث انسان ہو وہ میری جان کو چمٹ رہی ہے تجھے ہنسی کے دورے پڑ رہے ہیں۔“ اس نے مکہ ہی ہن لیا۔ فاقہ اسی کے بیڈ پر نیم دراز تھا کہباؤں اسٹڈی کرتے تھے اس لئے درمیان میں کبھی کبھی باتیں بھی کر لیتے تھے۔

”کیوں تم نے اس کی تعریفیں کی تھیں بھکتو!“

”یار! مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ گلے ہی پڑ جائے گی۔“ مائز تھک کر اب سنگل صوفے پر بیٹھ چکا تھا یونیورسٹی میں اس نے اپنی ایک کلاس فیلو کی تعریف کیا کر دی محترمہ اس کے پیچھے ہی لگ گئی تھیں۔

”تم کہہ دو اسے کہ تم انگلیج ہو۔“ فاقہ نے مشورہ دیا۔

”یو پیچھے کی نہیں کس سے۔“

”از سہل کہنا کہ اپنی کزن سے ہوں۔“ وہ عام لہجے میں بول رہا تھا۔

”اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوگی کہ میں اس سے انگلیج ہوں۔“ اس نے فاقہ کو بتایا ہوا تھا کہ وہ دوشہ کو پسند کرتا ہے لیکن یہ بات صرف ان دونوں تک ہی محدود تھی اور پھر ابھی تو محریب اور عتاب کا بھی تو معاملہ اٹکا ہوا تھا۔ سیراچی ان کی شادی کے لئے راضی نہیں ہو رہی تھیں۔

”اپنے لئے جان کا عذاب خود پیدا کیا ہے کس نے کہا کہ اس لڑکی کو پسند کر ڈ ایک بے چارے محریب بھائی پریشان ہیں پتہ نہیں ان کی تیل منڈھے کب چڑھے گی۔“

”اے سنو! وہ بھائی جان ہیں اور میں ان کا چھوٹا لاڈلا بھائی ہوں میں تو وہ طریقے نکالوں گا کہ سیراچی کی عقل ٹھکانے آ جائے گی۔“ وہ جیسے چڑ گیا ہوا فاقہ نے استغناء میں اور بھی لگا ہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

”جانے یہ لوگ آخر سیراچی سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔“

”ہمارے خاندان میں وہ چیز ہی ایسی ہیں۔“ وہ بولا۔

”اچھا سب چھوڑ دیو بتاؤ دوشہ کو بھی بتایا یا نہیں؟“

”ہاں اسے بتا دوں تاکہ دوسرے دن میرے ابا جان سب کے سامنے مرقا بتا دیں، دیے ہی وہ میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں اگر ڈرا بھی بھک پڑ گئی تاخیر نہیں ہوگی۔“ وہ ابو سے ڈرتا بھی تھا مگر وہ تو محریب کی وجہ سے اس کی

رواڈ انجسٹ [10] جولائی 2009ء

بچت ہو جاتی تھی۔

”میں تو یہ سوچتا ہوں کہ بھائی جان کی شادی پتہ نہیں کب تک ہوگی، ہم سب کزنز میں سب سے کول مائنڈڈ میرے بھائی جان ہیں۔“

”ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔“ فاقہ نے بھی تائید کی۔

”میں سوچ رہا ہوں فاقہ! ایسا کچھ کرنا چاہیے کہ بھائی جان کی شادی جلد سے جلد ہو جائے، مجھے ڈر ہے کہ سیراچی کبھی مسئلہ نہ کھڑا کر دیں۔“ اسے ہر وقت یہ بھی فکر رہتی تھی، سیراچی کو شروع سے ہی سب نے لڑتا جھگڑتا ہوا ہی دیکھا تھا کسی کی بھی بات کو وہ سمجھتی ہی نہیں تھیں۔

”عتابہ باجی بے چاری وہ خود ذری سہمی ہوئی رہتی ہیں۔“ فاقہ نے پھر کچھ ٹھکر زدہ لہجے میں کہا۔

”جب تک بھائی جان کی شادی نہیں ہوگی یا فاقہ! میری تو کوئین انگی رہے گی، کہیں ایسا نہ ہو سیراچی کا بھیجا راہ میں آ جائے۔“

”وہ چغند سا جبران۔“ فاقہ کے منہ کا ذائقہ جیسے کڑوا ہی ہو گیا۔

”یاد ہے معارج کی برتھ ڈے پرتم نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا۔“ فاقہ زوردار ہنسی کے ساتھ یاد دلانے لگا۔

”ہاں یار! بیچ گیا بس دم لگانے کی دیر تھی پورا بندر لگ رہا تھا اچھلتا ہوا۔“

”آج تک کسی کو بھی نہیں پتا چلا کہ تم نے اس کی کالر میں کھلی کا باؤڈر ڈالا تھا۔“ فاقہ نے اس کے زانو پر ہاتھ مارا۔ اسی دوران دروازے پر دستک دے کر رافع چلا آیا، دونوں کی تھنگوڑک گئی۔

”مجھے بڑے ابو نے بھیجا ہے یہ دیکھنے کے کہ آپ دونوں پڑھائی کر رہے ہیں یا.....؟“ آنکھیں گھما کے اس نے باقی جملہ منہ میں ہی داب لیا۔

”نہیں ڈالس کر رہے تھے بتا دو چغلی لگا دوساری عورتوں والی عادت گھسالی ہیں تم نے خود میں۔“ مائز اس کے گھونرے پر چڑ کر ہی گویا ہوا۔

”آپ تو ہر وقت منہ سے آگ نکالتے رہتے ہیں، کبھی پیار سے بھی بول لیا کریں۔“ وہ بھی خاصا بد مزہ سا ہو کر پورے کمرے میں چکر ہی کاٹنے لگا۔

”تم تو جیسے پھول جھاڑتے ہو پورے بی جھالو ہو! ادھر ادھر کی کرتے ہو۔“

”مائز بھائی! خدا کو مہینے ابھی تک بڑے ابو کو میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ آپ کے پیچھے کوئی لڑکی پڑی ہے۔“

”رافع! ہر وقت مذاق اچھا نہیں ہوتا ہے اور مائز تم سے بڑا ہے ذرا تمیز سے بولا کرو۔“ فاقہ نے اسے سرزنش کی۔

”یہ جیسے بہت تمیز سے بولتے ہیں۔“

”یار فاقہ! اسے نکال دو ورنہ میرے ہاتھوں آج بچے گا نہیں۔“ جھنجھلایا ہوا تو وہ پہلے ہی سے تھا رافع کی درگت مٹانے وہ آگے بڑھ چکا تھا۔

☆.....

جب شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو سب سے پہلے اسے یہ بات ہی باور کرائی گئی تھی کہ عتابہ محریب سے منسوب ہے مگر وہ جیسے جیسے بڑی ہوئی گئی محریب کو ہی سوچتی گئی، پھر محریب بائیس سال کے لئے ہائر اسٹڈی کے لئے امریکہ چلا گیا تو وہ اس وقت خود کو ایسا محسوس کرنے لگی تھی کہ جیسے کوئی چیز کم ہو گئی ہو۔ محریب اسے بہت کم مخاطب کرتا تھا اور وہ تو

رواڈ انجسٹ [11] جولائی 2009ء

سامنے ہی نہیں آتی تھی محض اس لئے کہ امی کو پسند نہ تھا اس کا یہ رشتہ بچپن سے ملے تھا وہ چھپ چھپ کے روتی آتی تھی مگر سوچتی کہ آخر کب تک یہ دراز رہے گی۔ وہ محریب کی وارنٹیاں، معنی خیزی سب ہی تو بھگتی تھی مگر کبھی رسپانس نہیں دیتی تھی لیکن کل سے تو ذہن بدل الجھ کر رہ گئے کہ وہ کیسے ایسی بات کرے وہ بھی اپنی ماں سے وہ تو اسی دن ہی یہ رشتہ توڑ دیں گی۔

”آپی! آپی!“ معارج اسے پکارتا ہوا چلا آیا جو اسٹڈی روم میں صوفے پر سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔
”آں..... ہاں کیا بات ہے؟“ اس نے اپنا دوپٹہ شانوں پر درست کیا اور بغور اسے دیکھنے لگی جو اس کے سامنے نیچے ہی کارپٹ پر بچوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔
”آپی! ادھر دیکھیں۔“

”تم کہو کیوں پکار رہے تھے؟“ اس نے اپنے بکھرے دراز بالوں کو سمیٹا اور کچر لگایا، معارج کی پرتجسس نگاہیں اپنی بہن کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں۔

”آپ پہلے مجھے یہ بتائیے کہ اداسی کا پھر دورہ پڑ گیا ہے نا۔“
”ارے نہیں ایسی بات نہیں ہے۔“ وہ زبردستی مسکرائی۔
”ایسی ہی بات ہے کیونکہ آپ جب بھی دادی جان سے مل کر آتی ہیں آپ پر اداسی کا بسیرا ہو جاتا ہے۔“
”لو کہ تم تو پیچھے ہی پڑ جاتے ہو کیا کام تھا۔“ وہ چپل پاؤں میں ڈالتے ہوئے کھڑی ہوئی معارج بھی کھڑا ہوا گیا مگر وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی تھی۔

”آپی! پلیز مجھ سے اپنے بھائی سے بھی نہیں کہیں گی۔“ اس نے عنایت کا ہاتھ پکڑ لیا۔
”ابھی تو کچھ نہیں کہہ رہی میں کیونکہ رات کے کھانے کی تیاری کرنی ہے امی بھی آنے والی ہیں۔“ اس نے لاؤنج میں لگی کھڑی پر نگاہ ڈالی جہاں سات بج رہے تھے۔

”آپ کو پتہ ہے آج رات کو ابو کو دادی جان نے گھر بلا یا ہے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔“
”تمہیں کس نے بتایا؟“ کچن میں جاتے جاتے وہ رُک گئی چونکہ کمر معارج کو دیکھنے لگی تھی دل بھی دھڑک اٹھا تھا ضروری بات کہیں وہی تو نہیں جو محریب نے کی تھی عجیب گھبراہٹ سی ہونے لگی۔
”مجھے ابو نے آج سوبائل پر کال کی تھی کہ نو بجے تک گھر میں ہی رہوں دادی جان سے ملنے جانا ہے۔“

”ضروری بات وہ کیا کہنی ہے۔“ وہ آہستگی سے بولی۔
”آپی! آپ تو فوراً ڈرنے لگتی ہیں مجھے پتہ ہے وہ ضروری بات کیا ہوگی۔“ اس نے فریج کھولا پانی کی بوتل نکال اور کاؤنٹر پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

”آپی! رات کو کیا بتا رہی ہیں۔“ وشہ اپنے اسائنمنٹ کمپلیٹ کرنے کے بعد کچن میں چلی آئی۔
”سوچ رہی ہوں کہ دال بتا لیتی ہوں ابو اور معارج تو دادی جان کی طرف جا رہے ہیں یہ لوگ پھر وہیں کھائیں گے۔“

”ہیں..... ابو دادی جان کی طرف جا رہے ہیں میں بھی چلوں گی معارج۔“ وہ سن کے خوش ہو گئی۔
”ابو سے پوچھ لیجئے گا۔“ وہ پانی پینے کے بعد کاؤنٹر سے اُترا۔
”تم پھر کسی اور دن چلی جانا امی پھر ابو سے کہیں گی تو لڑائی ہی ہوگی۔“
”آپی! آخر ہم اپنے کزنز سے کیوں نہیں مل سکتے لڑائی امی کی تو فضول ہی ہے ہمیں کیوں روکتی ہیں۔“

کھانے کے ساتھ روہانسی بھی ہو رہی تھی۔
”آہستہ بولو امی کے آنے کا وقت ہے سن لیا نا تمہاری خیر نہیں ہے۔“ عنایت نے اسے حبیہ کی کینٹ سے دالوں کے ڈبے نکال کر وہ کاؤنٹر پر رکھ رہی تھی۔

معارج کچن سے نکل گیا تھا وشہ سنگ میں پڑے برتن دھونے لگی تھی دونوں نے مل کر رات کے کھانے کی تیاری کی تھی سمیرا بیگم اپنا پارلر بند کر کے آچکی تھیں جدید اسٹائلش ریڈ اور بلیو کنٹراسٹ سوٹ میں اپنے شو لڈر کٹ بالوں کی پرمنگ کئے میک اپ سے مزین کہیں سے بھی تو وہ تین بچوں کی ماں نہیں لگتی تھیں پھر فیشن اور میک اپ کی تو شروع سے دلدادہ تھیں اور انہوں نے اپنا یہ شوق شادی کے بعد بھی جاری رکھا تھا۔

وشہ نے کھانا لگانا شروع کر دیا تھا کیونکہ سمیرا بیگم آتے ہی پہلے کھانا کھاتی تھیں جواد احمد اور معارج کی غیر موجودگی انہیں اجنبی میں مبتلا کر گئی۔

”یہ تمہارے ابو اور معارج کہاں ہیں؟“ پلیٹ میں وہ دال نکالنے لگی تھیں۔ وشہ اور عنایت دونوں آنے سامنے کی چیئر پر بیٹھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھیں سمیرا بیگم نے بھی بنور دیکھا۔
”کچھ پوچھا ہے میں نے تم دونوں سے۔“ تیز لہجے میں ہی آگئیں۔
”وہ دادی جان کی طرف گئے ہیں۔“

”تمہارے باپ کا تو بس نہیں چلا کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر ابھی رخصت کر دے وہ تو میں ہوں جس کی وجہ سے وہ دبا ہوا ہے۔“ وہ اتنے ناگوار لہجے میں بول رہی تھیں کہ ان کا چہرہ تک بگڑا ہوا لگتا تھا۔
”دادی جان نے بلایا تھا انہیں۔“ وشہ کو برا لگا تو گویا ہوئی۔

”تینوں ہی اولادیں پوری باپ پر گئی ہیں۔“ وہ کھانے میں بھی مصروف تھیں اذرا اپنے جلے دل کے پھپھولے بھی پھوڑ رہی تھیں۔

”سن لو تم کان کھول کے تمہاری شادی قطعی میں اپنے دشمنوں میں نہیں ہونے دوں گی تمہیں خود سے منع کرنا ہو گا اس رشتے کے لئے اپنے باپ کو۔“ وہ چیئر دھکیل کے کھڑی ہو گئی تھیں عنایت تو متوحش زدہ سی ہو گئی تھی۔

”امی! آپ آپی کے ساتھ یہ ظلم کر رہی ہیں ان کا رشتہ بچپن سے ملے ہے محریب بھائی سے۔“ وشہ تو تڑپ ہی گئی۔ عنایت لب پھل رہی تھی وہ تو ان کے سامنے بولنے کی جسارت ہی نہیں کر سکتی تھی شروع سے ہی ان کی غصے والی آواز سنتی تھی۔

”تم چپ کر دہر بات میں مت بولا کرو۔“ کڑے تیوروں کے ساتھ اسے بھی گویا سرزنش ہی کیا۔ وہ لب کھلنے لگی جبکہ عنایت کا تو دل ایسا لگا کہ دھڑ دھڑ کر کے باہر آ جائے گا۔

”تم خود ہی اپنے ابو سے کہو اور یہ معاملہ ختم کرو جو خاندان مجھ سے جلا ہو وہ میری بیٹی کو خاک خوش رکھے گا۔“
”امی! آپ یہ غلط بول رہی ہیں۔“ وشہ سے تو برداشت ہی نہیں ہو رہا تھا۔

”پھر تم بولیں۔“ عنایت نے اسے اشارے سے چپ رہنے کو کہا تھا سمیرا بیگم ٹھک ٹھک کرتی ہوئیں اپنے بیڈ روم کی سمت بڑھ گئی تھیں عنایت نے رُکا ہوا سانس بحال کیا وشہ نے ایک افسردہ نگاہ ڈالی۔
”آپی! یہ تو بہت بُرا ہوگا۔“

”ہاں سچی تو میں سوچ رہی ہوں۔“ وہ خود پریشان ہو گئی تھی۔
”آپی! ایک حل ہے آئی سے بات کرتے ہیں۔“

”اماں جی! آپ فکر مند نہ ہوں اللہ بہتر کرنے والا ہے اگر محریب اور عنایت کا جوڑا اور دالے نے لکھا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی ہے۔“ نزہت نے انہیں تسلی دی جو باقاعدہ رونے ہی لگی تھیں۔

”آپ کیوں فکر کرتی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ عنایت! آپ کے سامنے ہی رخصت ہو کر آپ کے پاس آئے گی۔“

جواد احمد ان کے دونوں ہاتھوں کو دبائے تسلی دینے کے ساتھ مطمئن بھی کرنے لگے۔

وہ سب کمرے سے چلے گئے تھے جواد احمد اپنی ماں کے پاس ہی کچھ افسردہ سے بیٹھے ہوئے تھے دادی جان کو اپنا یہ چھوٹا بیٹا بہت پیارا تھا دنیا میں آیا بھی نہیں تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا وہ کتنا بیمار بھی ہوئی تھیں ایسے میں ان کے بڑے بیٹوں نے سنبھالا تھا جواد احمد ان سب کے ہی لاڈلے بیٹے تھے جواد احمد کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی پھر تھے بھی لمبے چوڑے اور ہینڈسم سے وہ جاہلی تھیں کہ ان کے خوب روپیے کی شادی بھی اسی کی طرح خوبصورت لڑکی سے ہی ہو پھر انہیں ایک محفل میں سمیرا نظر آئیں تو وہ تو پیچھے ہی پڑ گئیں سمیرا تین بہن بھائی تھے وہ سب سے چھوٹی تھیں انہوں نے ہی تو اسے خوبصورت بول بول کے سر پر چڑھایا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سمیرا کی زبان لمبی ہو گئی ہر جگہ اور ہر محفل میں بے ٹکان بولتی تھیں اور ہر ایک کو یہ بتانا ضروری سمجھتی تھیں کہ انہیں پسند کیا گیا ہے جبکہ جواد احمد خود ان سے کم نہ تھے پھر بھی وہ انہیں خاطر میں نہ لاتی تھیں انہوں نے اپنا ایک بیوی پارلر بھی کھول لیا تھا کتنا منع کیا تھا سب نے مگر وہ تو لڑنے پر اتر آئی تھیں۔

جواد احمد گہری سوچ سے باہر نکلے اور متاسف سانس بھری وہ جب مامی سوچے انہیں تکلیف ہی ہوتی تھی۔

”جواد! میں اپنی بچی کو اپنی آنکھوں کے سامنے اس گھر میں دیکھنا چاہتی ہوں۔“ وہ ان کی چپ سے کچھ ڈرنے کی لگی تھیں۔

”اماں جی! ایک بات کہوں آپ نے ہی سمیرا کو سر پر چڑھایا تھا اور آج دیکھیے وہ ہم سب کے سروں پر چڑھ گئی ہے۔“

”مجھے کیا پتہ تھا میرے بچے کہ وہ ایسی نکلے گی اس سے اچھی اس کی بڑی بہن کتنی گنوں والی ہے ہر چیز میں طاق ہے۔“ وہ سمیرا کی بڑی بہن ثمنہ کی تعریف کرنے لگی تھیں۔

”جب ہی میری بچیاں بھی ثمنہ سے زیادہ قریب ہیں۔“ جواد احمد نے بھی تائید کی۔

”کاش اماں جی! سمیرا کی شکل کے ساتھ عادت و اخلاق بھی اچھے ہوتے وہ تو اماں جی اچھی بیوی تو کیا ماں بھی ثابت نہیں ہوئی ہے میرے بچے اس سے دور دور ڈرے ڈرے رہتے ہیں۔“

”شروع سے سمیرا نے اپنے فیشن کے آگے بچوں تک کو نہ لگایا تھا یاد ہے عنایت کو چھوڑ چھوڑ کر جاتی تھی کتنا میری بچی روتی تھی۔“ انہیں گزری باتیں یاد آئے۔

”اماں جی! اسے بس ہر وقت اپنے حسن کی تعریفیں پسند تھیں اور ہیں مجھے اتنی شرمندگی ہوتی ہے اس کا حلیہ دیکھ کر“

اماں اسے ذرا بھی فکر نہیں ہے وہ کس دھارے پر جا رہی ہے۔ انہیں اکثر یہ فکر دوڑھکی پریشان کرتا تھا۔

”چل چھوڑ اب ہم کیا کر سکتے ہیں تو اپنا دل خراب نہ کر ایک دن اسے احساس ہوگا۔“ انہوں نے فوراً جواد احمد کو خود ہی تسلی دی حالانکہ کچھ لمحوں پہلے وہ خود خاصی رنجور ہو رہی تھیں۔ جواد احمد پھر زیادہ رُکے نہیں کھانا تو

انہوں نے سب کے ساتھ ہی کھایا تھا اماں جی سے اجازت لے کر وہ باہر آ گئے تھے۔

”چاچو! کبھی وشہ کو بھی یہاں چھوڑ جائیں کتنے دنوں سے آئی نہیں ہے۔“ یعنی نے ان سے کہا جو سب سے اجازت لے رہے تھے۔

”آئی ہے۔“ وہ زرب بولی۔

”ہاں آئی! آئی ہی کچھ ہی کو سمجھا سکتی ہیں۔“

”مجھے پھر ان کے گھر جانا پڑے گا کیونکہ آئی سے یہاں بات ممکن نہیں ہے اور پھر امی اور آئی کی ہر دفع لڑائی ہو جاتی ہے۔“ عنایت اپنی ماں کی تنک مزاجی اور غصہ کو بھی جانتی تھی شروع سے ہی اس نے یہ دیکھا تھا کہ امی کی اور آئی کی کبھی نہ بنی تھی لیکن ہمیشہ لفظ امی ہی ہوتی تھیں آئی ان کی بات کا برا بھی نہیں مانتی تھیں ہمیشہ ہی عنایت اور وشہ سے ان کی محبت زیادہ تھی کسی بھی محفل میں سمیرا بیگم جاتیں تو کبھی بیٹیوں کو ساتھ نہ لے جاتی تھیں اس لئے کہ انہیں اپنی شان اور فیشن میں کمی لگتی تھی۔

”آئی! آپ ایسا کرنا ابو سے کیسے گا؟ وہ آفس جاتے ہوئے آئی کے گھر ڈراپ کر دیں گے۔“ وشہ نے چٹکی بجا کے کہا۔

”ادنیہہ..... یہ ٹھیک ہے۔“ وہ ڈانٹنگ ٹینل سے برتن اٹھانے لگی لیکن ذہن بھی بھٹک رہا تھا کہ دادی جان نے یہ نہیں کیوں ابو کو بلایا تھا کیا بات کرنی تھی سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ عشاء کی نماز کے لئے کھڑی ہو گئی تھی۔

☆.....

دادی جان کے کمرے میں بڑے ابو تاتیا ابو بڑی امی تاتیا امی اور حسنہ پیمو موجود تھیں جواد احمد سر جھکائے بیٹھے تھے۔

”جواد! سوچ لو اب کرنا کیا ہے؟“ ریحان احمد نے ان کی جانب دیکھا۔

”ارے کرنا کیا ہے لگے ہاتھوں جلدی شادی کر دو میری بچی میرے پاس آ جائے گی۔“ دادی جان نے جھٹ کہا۔

”نہیں جواد اور ریحان اتنی جلدی نہیں کر دو جب تک سمیرا کی مرضی نہیں ہوگی ہم عنایت کو رخصت نہیں کر سکتے ہیں۔“ نزہت بڑے غور و خوض کے بعد بولی تھیں۔

”بھابی! آپ اگر سمیرا کی مرضی کے لئے انتظار کریں گی تو پھر مشکل ہی ہوگا۔“ جواد احمد کو گویا ان کی یہ بات پسند نہ آئی۔

”نہیں جواد! تمہاری بھابی ٹھیک کہہ رہی ہے کیونکہ دیکھو سمیرا ہم سب سے پہلے ہی ناراض ہے مبادا اگر ہم اس کی مرضی و منشا کے بغیر عنایت کو رخصت کر بھی لیتے ہیں تو بعد میں عنایت ہی خوش نہیں رہے گی۔“

”بھائی صاحب! عنایت میری بیٹی ہے وہ اپنی ماں کی طرح عقل سے پیدل نہیں ہے ہر بات کو پھویشن کو بہت جلد سمجھ جاتی ہے مجھے اپنی بیٹی کی بہت فکر ہے۔“ وہ افسردگی سے گویا ہوئے۔

”جواد اتم پھر بھی سمیرا سے بات کر لو کیونکہ دیکھو وہ ماں ہے اور پھر ماں سے مشورہ بھی کرنا چاہیے۔“ ناظمہ خاتون بھی تائید کی گویا ہوئیں۔

”چھوٹی بھابی! یہ مشکل ہے۔“

”پوچھ لینے میں حرج نہیں ہے۔“ ریحان احمد بر سوچ لہجے میں گویا ہوئے۔

”اس سے تم سب پوچھو گے تو وہ بالکل راضی نہیں ہوگی۔“ دادی جان کو تو یہ فکر اور پریشانی الگ مارے ڈال رہی تھی۔

”دشہ بجو کہہ رہی تھیں آنے کو آج بھی مگر ابو نے کہا کہ وہ کسی چھٹی والے دن صبح سے چھوڑ جائیں گے۔“ معارج نے جواب دیا۔ مائز کے لب مسکرانے لگے وہ خود دشہ کو دیکھنے کو بھل رہا تھا مگر خود کو کنٹرول میں رکھا ہوا تھا۔ ”ارے بھئی آپ سب لوگ آئیے نا کسی دن۔“ جواد احمد کو خیال آیا کہ وہ لوگ بھی تو کتنے دنوں سے نہیں آئے تھے۔

”ہاں آئیں گے بھئی کیوں نہیں؟“ نزہت اور ناظمہ نے ایک آواز میں کہا اور سر ہلایا تھا۔ جواد احمد یہاں سے نکلے تو بہت زیادہ افسردہ اور انتشار کا شکار ہو گئے تھے کیونکہ میرا بیگم سے بات کرنا دیوار سے سر پھوڑنے کے مترادف تھا وہ کسی طور نہیں مانیں گی اور سوائے لمبی بحث اور لڑائی کے کچھ نہ ہوتا بچے تینوں الگ الگ کمرے میں بیٹھ جاتے تھے۔

☆.....

دوسرے دن اس نے ناشتے کے بعد جواد احمد سے کہہ دیا تھا کہ اسے آنی کے گھر ڈراپ کر دیجئے گا اور واپسی پر لے لیجئے گا یا پھر معارج کو بھیج دیجئے گا۔ میرا بیگم تو بارہ بجے ہی اپنے پارلر میں چلی جاتی تھیں دشہ اور معارج کا ج چلے جاتے تھے مگر آج دشہ نے جان بوجھ کر چھٹی کر لی تھی تاکہ عتابہ بے فکری سے آنی سے بات کر سکے۔ ”تم نے مجھے رات کو ہی فون کیوں نہیں کیا؟“ ثمنینہ نے اس کا ستا ہوا فکر مند سا چہرہ دیکھا جو زرد کپڑوں میں مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔

”آنی! مجھے تو رات ہی پتہ چلا ہے معارج نے وہاں سے آنے کے بعد بتایا کہ ابوکس سلسلے میں دادی جان کے پاس گئے تھے۔“ وہ نگاہ نیچی کئے بیٹھی تھی۔ ”جواد بھائی نے ابھی میرا سے بات نہیں کی؟“ انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھ سے ادھر اٹھایا عتابہ نے نفی میں دائیں بائیں سر ہلایا۔

”آنی! آپ خود سوچئے پچھن سے میری بات طے ہے اور پھر میرے ذہن و دل میں شروع سے یہی ہے تو میں کیسے بولوں ابوسے۔“ وہ بے بس اور روہانسی ہونے لگی۔ ”اس میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کیسے نہ ہوں آپ بتائیے برسوں پر انارشتہ لمحوں میں کیسے توڑ دوں۔“ وہ تیز لہجے میں بولی ثمنینہ نے اپنی پیاری اور کم گوئی بھانجی کو اپنے شانے سے لگا لیا۔ وہ تو خود حیران ہوتی تھیں کہ میرا جیسی عورت کی اتنی پیاری فرمانبردار اور اخلاق سے مالا مال لڑکیاں تھیں اتنی سادہ تھیں عتابہ میں تو ذرا بھی نمود و نمائش نہ تھی نہ ہار نہ سنگھار کرتی تھی ہمیشہ سادہ ہی رہتی تھی۔

”پتہ ہے عتابہ! جب بندوں سے کوئی کام کوشش کے باوجود بھی پورا نہ ہو تو اسے اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے وہ صحیح وقت پر ہی فیصلہ وہ بھی بہتر ہی کرے گا تم کیوں اتنا ڈر رہی ہو۔“ انہوں نے مدبرانہ انداز میں اسے سمجھایا۔ ”امی کی آپ ضدی طبیعت جانتی ہی ہیں وہ جو کرنے کی ٹھان لیں کرتی ہیں۔“

”تم اپنی سوچوں کو ارادوں کو مضبوط رکھو اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھو دیکھنا تم فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا۔“ ”لیکن آنی! اکثر مجھ پر کفر کا غلبہ بھی ہو جاتا ہے میں پھر توبہ کرتی ہوں۔“ ”یہ جو تم ناامیدی والی کوئی بات سوچتی ہوگی کفر بھی اسی وقت ہوتا ہے دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا اور ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔“

رداؤ انجسٹ 116 جولائی 2009ء

”لیکن آنی! میں یہ سوچتی ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی اور اپنے بندوں کو اس دنیا میں بھیجا قسمت اور نصیب تو وہ پہلے ہی بنالیتا ہے پھر ہم بندے کیوں اس کی باتوں سے انکار کرتے ہیں۔“ وہ اپنی اس الجھن کو بھی شیر کرنے لگی۔

”اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں اپنے اختیار میں رکھی ہیں اور کچھ باتیں انسانوں کے لئے رکھی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کوشش تم کرو اور ہمت و حوصلہ میں پیدا کروں گا۔“ قدرے توقف کے لئے وہ رکی تھیں۔ ”اگر ہم اپنے دل میں یہ پختہ ایمان اور یقین رکھ لیں کہ ہمیں اللہ نہیں بلکہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں تو پھر دیکھنا یہ ناامیدی اور کفر کی کیفیت سب ختم ہو جائے گی۔“

”ہم اپنے سارے فیصلے اللہ تعالیٰ پر چھوڑیں لیکن یہ فیصلے جواد پر سے لکھ کر آئے ہیں تو ہم بندے اسے کیوں نہیں مانتے ہیں کیوں اللہ کے حکم کی پاسداری نہیں کرتے۔“

”اس لئے کہ کچھ لوگوں کے دلوں سے اللہ کا خوف ہٹ چکا ہوتا ہے وہ بس اپنا فیصلہ مسلط کرنا چاہتے ہیں اپنی بات ادھنی رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔“ انہوں نے اس کا تلخ چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا اور پیشانی پر لب رکھ دیئے۔

”آنی! مجھے کبھی کبھی یہ حیرانگی ہوتی ہے کہ امی آپ کی بہن ہیں لیکن آپ کی اور ان کی سوچوں میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ کیا شروع سے ایسی تھیں؟“ اس نے معصومیت سے پوچھا۔

”دیکھو! اگر میں میرا کے متعلق کچھ کہوں گی تو یہ بُرائی میں آئے گا اور مجھے اللہ سے ہر وقت ہر لمحہ ڈر لگا ہے اور لگتا ہے بس اتنا کہوں گی شاید میرا یہ سب باتیں سوچتے ہوئے جانتے بوجھتے پھر بھی کرتی ہو۔“

”میرا دل اتنا چاہتا ہے کہ ادا سے میں اپنے دل کی تمام باتیں کروں مگر امی کا غصہ اور پھر ابو سے ان کی جھڑپ یہ تو روز کا معمول ہے بتائیے ایسے میں کس سے کہوں دشہ اور معارج خود چھوٹے ہیں وہ خود پریشان رہتے ہیں۔“ ”عتابہ! مجھے خوشی ہوتی ہے کہ تم ہر بات سمجھتی ہو اور کبھی غصہ بھی نہیں کرتی ہے اور پتہ ہے جس نے غصہ کو قابو میں رکھا سمجھو اس کی جیت ہوتی ہے۔“ وہ اسے اتنے پیار و محبت سے سمجھاتی تھیں کہ عتابہ حیرانگی سے ان کا چہرہ نکلے جاتی تھی وہ اتنی اچھی سوچوں اور خیالوں کی مالک تھیں کہ ان کا چہرہ تک عتابہ کو لگتا کہ جیسے بھٹکے ہوئے کو روشنی دیکھا رہا ہو اور وہ اس روشنی میں آگے بڑھتا جا رہا ہو۔

”نماز تو باقاعدگی سے پڑھتی ہوتا؟“ انہوں نے پوچھا۔ عتابہ نے اثبات میں سر ہلایا ثمنینہ نے مسکرا کے اس کا رخسار چھوا۔

”میرا چاہا ہے کتنا ہی بولے کہ تم جواد احمد سے اس رشتے سے انکار کرو تم قطعی کچھ نہیں بولوگی سمجھیں۔“ ”آنی! اگر امی نے مجھے بھجور کیا تو؟“

”پھر غلط بات سوچتی ہو لڑکی اچھی بات ذہن میں رکھو جتنا غلط اور الٹا سوچو دیکھا ہی ہوتا ہے تم اپنے دماغ میں یہی سوچو کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا اور ہاں عشاء کی نماز کے بعد ”یا حی یا قیوم“ کی ایک تسبیح پڑھ لیا کرو اور چلتے پھرتے بھی بڑھتی رہا کرو۔“ انہوں نے بتایا۔

”آنی! میں تو دو گھنٹہ حاجات بھی تہجد میں پڑھنے لگی ہوں کہ کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ ابو اور امی کے غصے کو کم کر دے۔“

”تم نے اللہ تعالیٰ سے رابطہ کیا ہے نا دیکھنا سارے مسئلے حل ہوتے جائیں گے اور پھر دیکھنا ایک دن تم محریب

رداؤ انجسٹ 117 جولائی 2009ء

”لگتا ہے ڈانٹ آج کل نہیں پڑ رہی ہے۔“

”ارے وہ کون سا دن نہیں ہوتا جو ہمارے والد صاحب نہ ڈانٹیں لگتا ہے یقیناً چنگیز خان سے ان کا تعلق تھا ہر وقت لڑنے مرنے پر تیار رہتے ہیں۔“

”ماز! تمیز سے ابو ہیں وہ۔“ محریب نے سرزنش کرنے کے ساتھ شرمندہ بھی کیا۔

”دیکھیے گا میں ابو بنوں گا نا اپنے بچوں کو مکمل آزادی دوں گا بیٹا جب دل چاہے گھر میں آؤ اور جاؤ یہ تمہارے گھونٹنے پھرنے کے ہی دن ہیں۔“

”واہ بیٹا واہ شاباش ہے کیا خیالات اور سوچ ہے میرے اس بیٹے کی۔“ نزہت نے سنا تو وہ فہمائشی انداز میں گویا ہوئی تھیں۔ دونوں بھائی گڑ بڑا گئے جبکہ ماز فوراً مودب بن گیا اب تو ضروری کی لعن طعن سنے گا۔

”تم کچھ سبق دے دیا کرو صاحبزادے کو بچپنا ہی نہیں جا رہا ہے اس کا۔“

”یارا! میں ویسے بھی بھائی جان سے چھوٹا ہوں اس لئے میرا بچپنا جانا مشکل ہے۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر ایسے بولا کہ جیسے بہت مشکل کام ہو جسے کرنا ممکن ہی نہ ہو۔

”جب تک بھائی جان کے چھوٹے چھوٹے پیارے بچے نہیں آجائیں گے میں تو ایسے ہی کروں گا۔“

”بہت فضول ہانکتے ہو تم۔“ محریب جھینپ کے اس کی پشت پر ہلکا سا مکہ جڑ گیا۔

”میں کوئی فضول نہیں ہانکتا ہوں۔“ وہ اب دھڑا دے کر بیڈ پر ہی بیٹھ گیا۔ محریب نے حیرانگی سے اس کا اطمینان دیکھا جو پھیل کے بیٹھ گیا تھا نزہت کی تنقیدی اور گھورتی ہوئی نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا تھا۔

”بھائی جان! امی آپ سے ضروری بات کرنے آئی ہیں اور وہ چاہ رہی ہیں کہ میں یہاں سے کھسک لوں۔“ وہ اپنی ماں کے تیور دیکھنے لگا۔

”اٹھو اور فوراً نکلو یہاں سے بک بک کرتے رہتے ہو اتنی لمبی زبان ہے تمہاری سوچتی ہوں کہ جانے میں نے کیا کھایا تھا جو تجھ میں یہ اثر آیا۔“

”واہ میری ماں کا تو جواب نہیں ہے دے اے امی! راز کی بات ہے دوسری بار ہم عتاب بھابھو کو آ زما کے دیکھیں گے کہ واقعی ایسا ہی ہوتا ہے کہ میری طرح زبان لمبی ہوتی ہے بس آپ انہیں وہ جڑ کھلا دیجیے گا۔“

”ماز! اذرا شرم لگاؤ نہیں ہے کیسے بولے جا رہا ہے۔“

”کیا کریں کمپیوٹر اور کیبل نے خراب کیا ہے۔“ اس نے ٹکڑا لگایا۔

”اچھا جاؤ صبح پھر اٹھنا مشکل ہوگا۔“ انہوں نے ذرا درشت لہجے میں اسے جانے کا اشارہ کیا محریب مسکرا رہا تھا اسے اپنا یہ شرارتی سا بھائی منٹوں میں ہنسا دیتا تھا حالانکہ عمروں میں بھی خاصا فرق تھے۔

”کیا بات ہے تمہیں دیکھ رہی ہوں تم تین چار دن سے چپ چپ سے ہو۔“

”بس کچھ آفس میں کام کا لوڈ ہے ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ اس نے خود کو فریض ظاہر کیا پھر وہ اپنی کوئی پریشانی بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

”آفس کے کام کی وجہ سے تم کبھی نہیں گھبراتے ہو یہ میں جانتی ہوں کیونکہ اپنے ابو سے تم بڑے آرام سے باتیں کرتے ہو۔“ وہ جیسے مطمئن نہ ہوئی ہوں۔

”دیکھو محریب! تم اگر اپنی شادی سے پریشان ہو تو یہ ٹینشن بالکل نہیں لو کیونکہ ہم سب نے جواد سے بات کی ہے ہو سکتا ہے کہ میرا مان جائے۔“

کی دلہن بنی اس کے پہلو میں بیٹھی ہوگی۔“ وہ مسکراتے لگیں عتاب نے جھینپ کے لب بھینچ لئے۔

”چلو اب تم ذرا میرے ساتھ کچن میں چلو میرے بچے اسکول سے آنے والے ہوں گے تمہیں پتہ ہے تمہاری آنی وقت کی کتنی پابند ہے۔“ وہ فوراً ہی کھڑی ہو گئیں۔

ثمینہ کی شادی اکبر علی سے ہوئی تھی وہ بھی اس طرح کہ ان کے بھائی کے دوست تھے وہ اپنی والدہ کے ساتھ ملنے آئے اکبر علی کو کبھی ہوئی گفتگو کرنے والی ثمینہ بہت پسند آتی تھیں جھٹ رشتہ بھیج دیا مگر ان کی قسمت اتنی اچھی تھی کہ اکبر علی قابل بزنس مین تھے دو بڑی بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے ثمینہ نے تو آتے ہی گھر کو جنت ہی بنا دیا تھا ان کے اخلاق اور لب و لہجے کی وجہ سے وہ اپنے سسرال میں سب کی پسندیدہ ہو گئی تھیں۔ بڑے ہوں یا بچے ہر ایک سے بڑی دلچسپی اور لگاؤ سے پیش آتی تھیں اس لئے تو بچے تک ان کے دوست تھے جو کوئی بھی آتا سب سے پہلے ان سے اپنے مسئلے شیئر کرتا تھا اور ہر ایک کو اپنی محدود سوچ کے مطابق مخلصانہ مشورہ ضرور دیتی تھیں عتاب ان سے بہت قریب تھی جہاں کوئی مسئلہ ہوایا ابھن وہ فوراً سلجھانے ان کے پاس چلی آتی تھی۔ شکر تھا سمیرا نے یہاں آنے کی کوئی پابندی نہیں رکھی تھی ورنہ دادی جان کے گھر یوں آزادانہ جانے کی اجازت ہی نہ تھی تین بہن بھائیوں میں ثمینہ کی عادت صلح جو تھی جبکہ سمیرا اتنی ہی تنگ مزاج تھیں کسی کی بھی کوئی سمجھانے والی بات نہیں سنتی تھیں۔

☆.....

وہ دو دن سے بہت جھنجھلایا ہوا تھا مگر غصہ وہ کم ہی کسی کو دکھاتا تھا البتہ جب اسے چپ لگ جاتی تھی بس کام کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا نزہت تو ماں تھیں وہ بیٹے کی اس خاموشی کو بھی نوٹ کر رہی تھیں جو اب اٹھتا ناشتہ کرتا اور رات کو آتے ہی کمرے میں چلا جاتا تھا یا پھر کچھ دیر دادی جان کے پاس بیٹھتا تھا۔ اس دن بھی وہ اپنے کمرے میں ہی جا رہا تھا کہ ماز نے اس کا راستہ روک لیا نزہت کی جانچتی اور تشویش بھری نگاہیں اس پر تھیں۔

”بھائی جان! ایک بات تو بتائیے کہیں چپ شاہ کا روزہ تو نہیں رکھ لیا۔“ وہ شرارتی لہجے میں پوچھنے لگا۔

محریب نے چتون سکیڑے اور اسے گھورا ماز ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا ہوا اس کے سامنے کھڑا تھا لہجوں میں وہ بندے کو ہنسا دیتا تھا۔

”کیوں تمہیں ایسا کیوں لگا؟“ بلیک اور آف دائٹ شرٹ میں تھا کھاتا محریب الٹا سوال کر بیٹھا۔

”وہ اس لئے کہ گھر میں آپ کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔“

”مجھے ایسی کوئی خاص خوشی نہیں ہے۔“ وہ بے زاری سے بولا اور آگے بڑھ گیا۔ نزہت کو تو الگ اس کی فکر بھی تھی کہ وہ تو اپنے دل کی بات بھی کم ہی کسی سے شیئر کرتا تھا انہیں ماز کی فکر نہ ہوتی اس کی زیادہ ہوتی تھی۔

وہ کمرے میں آ کر دھڑ سے گرنے کے انداز میں بیڈ پر لیٹا ہی تھا ذہن دول بہت بوجھل بھی ہو رہے تھے اسے کبھی کبھی عتاب کی بے زنی لائق غصہ دلاتی تھی مگر پھر وہ خود کو کنٹرول میں کر لیتا تھا۔ زندگی کے پانچ سال اس نے امریکہ میں گزارے تھے مگر ایسی بے چینی تو اسے وہاں دور رہ کر بھی نہ ہوئی تھی جتنی یہاں آ کر ہوئی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک گیا اور پھر اٹھ کر بیٹھا وہ کھلے دروازے سے جھانکتا ماز کا مسکراتا سراپا نمودار ہوا۔

”خیریت۔“

”خیریت ہی تو نہیں ہے نیند نہیں آتی ہے راتوں کو عجیب بے کلی ہی ہوتی ہے کبھی سوچتا ہوں کہ کسی کو تو یہ کیفیت بتا دوں شاید کسی کے پاس اس کا حل ہو۔“ اس کی زبان نان اسٹاپ چلنے لگی تھی۔ محریب نے بہم سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھا جواب پورے کمرے میں پھیل رہا تھا وہ اس کا اشارہ سمجھ رہا تھا۔

”امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ معاملہ آپ بڑوں کا ہے میں کیوں ٹینشن لوں۔“ وہ مسکرایا۔
”تمہاری دادی جان کو بہت جلدی ہے کہ تمہارے سر پر سہرا دیکھ لیں، عنائے کو اپنے سامنے ہنستا بستا دیکھ لیں۔“
محریب سر جھکائے بیٹھا تھا وہ ان سے بولا بھی تو کیا، جب سب کچھ ہی اس کے سامنے تھا پھر اس نے عنائے کا رویہ بھی دیکھ لیا تھا جب وہ چھوڑنے جا رہا تھا اسے وہ کتنی روڈی لگ رہی تھی۔
”عنائے سے بھی پوچھا جائے گا کیونکہ جواد کہہ رہا تھا کہ وہ بھی مشکل سے مانے گی اپنی ماں کی وجہ سے مجبور ہے۔“

”اس کی کوئی مرضی نہیں ہے۔“ لہجے میں حسرت ویسا پنہاں تھی۔
”وہ بھی خود مجبور ہے ماں کی بات مانے یا اپنے دو حیال کی۔“
”پھر ایسا کریں اسے اپنی ماں کی بات ماننے دیں، خواہ وہ آپ سب مجبور کر کے شادی کے لئے رضامند کر بھی لیں گے وہ خوش نہ رہے گی۔“ اسے عنائے کی بات سن کے غصہ آیا جو بچپن کے رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔
”میں بھی یہی کہہ رہی ہوں کہ جب تک میرا رضامند نہ ہو تو ہم زبردستی بھی نہیں کریں گے، عنائے اس کی بیٹی ہے پھر بیٹی جب رخصت ہوتی ہے تو اسے ماں سے چھٹنے کا زیادہ غم ہوتا ہے جبکہ وہ بچی جن حالات میں ہے وہی جانتی ہے۔“ وہ مغموم سے لہجے میں بول رہی تھیں، محریب نے لب سمجھنے لئے۔
”آپ لوگوں کو یہ رشتہ بچپن میں کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔“

”محریب! کیا بات ہے بیٹا تم نے تو آج تک ایسی بات کبھی نہیں بولی آج کیسے بولنے لگے۔“ ان کے لہجے میں استعجاب تھا۔
”پہلے کبھی احساس نہیں ہوا، لیکن اب ہو رہا ہے اس لئے زبردستی یہ رشتہ نہ کریں، پلیز سوچئے مجھے آپ سب کا فیصلہ جیسا بھی ہوگا منظور ہوگا۔“ وہ سنجیدگی سے بولتا ہوا نزہت کو اتنا ترحم آمیز لگا کہ وہ اسے ہنسی باندھے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆.....

”مجھے تمہیں صرف بتانا تھا بتا دیا ہے۔“
”کیا مطلب ہے تمہارا، میری مرضی کے بغیر تم میری بیٹی کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ خود کر دے؟“ وہ تو تن فن کرتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔
”آہستہ بولنے بچے لاؤنج میں ہی ہیں تمہاری آواز وہاں تک جاسکتی ہے۔“ جواد احمد کو ان کا جال عورتوں کی طرح چھنا چلانا سخت طبیعت بر گراں گزرتا تھا۔
”کاش میرا تم جتنی محنت خود کو ظاہری طور پر سنوارنے کے لئے کرتی ہو اگر تھوڑی محنت اپنا اخلاق اور عادت کو سنوارنے میں لگا دو تو کیا ہی اچھا ہو۔“ طنزیہ اور ناگوار انداز تھا وہ تو تنک ہی لگیں۔
”شروع سے تم سب میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔“
”خود کو دیکھ بھی تو لو کیا ہو مجھے اتنی شرمندگی ہوتی ہے تمہیں دیکھ کر، میرا کچھ تو خیال کر لو بچے ہمارے جوان ہو گئے ہیں لوگ دس طرح کی باتیں بتاتے ہیں۔“
”مجھے نہیں پرواہ لوگوں کی میری زندگی ہے اپنی مرضی سے گزروں گی۔“ وہ ریش ہو گئیں تھیں۔
”پھر عنائے کی بھی زندگی ہے اس سے پوچھ کر ہی کوئی فیصلہ ہوگا۔“

رداؤ انجسٹ [120] جولائی 2009ء

”عنائے کی میں ماں ہوں، میں بہتر فیصلہ کر سکتی ہوں، نہیں خوش رہ سکے گی وہ تمہارے بیک ورڈ گھروالوں کے ساتھ۔“ لہجے میں جتنی حقارت اور اہانت تھی جواد احمد دانت پیس کے رہ گئے، ان کے گھروالوں کو انہی کے سامنے اتنا بڑا بھلا کہتی تھیں مگر وہ ضبط کا ہی مظاہرہ کرتے تھے۔
”میں اس کا باپ ہوں اور عنائے کا رشتہ بچپن سے ملے ہے اس لئے توڑنے کا جواز ہی نہیں ہے، محریب پڑھا لکھا ہنڈ سم سمجھدار لڑکا ہے۔“
”لیکن مجھے نہیں پسند وہ سناتم نے۔“ وہ زور دے کر بولیں۔

”تمہیں تو اپنی ذات کے علاوہ کچھ پسند نہیں ہوتا، نہ اپنے سے زیادہ خوبصورت لوگ تمہیں پسند ہیں اور نہ کسی کی تعریف کرنا پسند ہے۔“
”تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔“ وہ کھسیاں لگیں۔
”لیکن میری ناں ہے اور ناں ہی رہے گی، مجھے نہیں کرنی ہے اپنی بیٹی کی شادی اس گھر میں جہاں مجھ پر تنقیدیں کی گئی ہیں۔“
”تمہاری سن بھی کون رہا ہے، میں عنائے سے پوچھ کر ہی قدم اٹھاؤں گا۔“ وہ جیسے ان کی بات کو نظر انداز کر گئے تھے۔
”جواد! اگر تم نے ایسا کچھ کیا ناں تو اچھا نہیں ہوگا۔“

”کیا کر لوگی، اس گھر سے نکل کر چلی جاؤ گی، اپنی ماں کے گھر ارے میں تو شکر ادا کر دوں گا جان چھوٹی تم سے۔“ وہ بیڈ پر لیٹنے کے لئے چلے گئے تھے۔
”تمہاری تو یہی خواہش ہے کہ میں اس گھر سے نکل کر چلی جاؤں لیکن اپنے بچوں کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔“ وہ تو چلبلا ہی گئیں۔

”آج تمہیں بچوں کی محبت بہت یاد آ رہی ہے یاد کرو جب چھوٹے تھے تم انہیں اپنے سے دور دور رکھتی تھیں کہ تمہاری شان میں کی آتی تھی، تمہیں شادی شدہ ہو کر غیر شادی شدہ بننے کا بہت شوق تھا۔“ وہ تو جیسے تمام حساب کتاب کرنے پر تلے ہوئے تھے، میرا تو لا جواب سی ہو کر لب سمجھنے لگی تھیں کیونکہ جواد احمد جو بھی بات کرتے تھے بالکل سچی اور کھری کرتے تھے۔

”تم چاہے مجھے کچھ بھی کہو لیکن میری بات یاد رکھنا میں اپنی بیٹی کی شادی وہاں ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔“ وہ سچ پائی ہو گئیں۔

”اب فیصلہ عنائے کرے گی اس کا جو فیصلہ ہوگا وہی مانا جائے گا۔“ وہ تیزی سے کمرے سے نکلے تھے، میرا بیگم تو دانت پیسنے لگیں۔ انہوں نے دیکھا اور شدہ اور معارج توئی دی دیکھ رہے تھے البتہ عنائے نہیں تھی۔ انہیں بتا تھا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد کافی دیر تک صبح وغیرہ پڑھتی تھی۔ وہ ناک کر کے کمرے میں چلے آئے عنائے انہیں دیکھ کر چونک گئی کیونکہ وہ اور اس کے کمرے میں صبح اس نے بیڈ کی سائیڈ پر رکھی۔

”ابو! خیریت تو ہے؟“ اپنا پنک آچل قرینے سے اپنے سر پر اوڑھا، اس کے چہرے پر اتنی پاکیزگی تھی کہ جواد احمد نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی، انہیں اپنی یہ صابر و شاکر بیٹی بہت عزیز تھی جو کبھی کسی بات کا شکوہ تک نہ کرتی تھی، شروع سے اسے انہوں نے اسے اماں جی کی آغوش میں ہی دیکھا تھا، میرا کو تو اپنے فیشن سے فرصت نہ تھی کہ بیٹی پر کچھ توجہ دیتیں۔

رداؤ انجسٹ [121] جولائی 2009ء

”بیٹا! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے اور میں چاہ رہا تھا کہ تم سے اکیلے میں بات کروں۔“ وہ قدرے وقف کے بعد گویا ہوئے۔ عنایتہ کی چھٹی حس تو ویسے ہی تیز تھی اور وہ جانتی تھی کہ انہیں بات کیا کرنی ہے وہ تو خواہش تھی مگر پھر آنی کے سمجھانے پر اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا وہ نہ اپنے باپ کو ناراض کر سکتی تھی اور نہ ہی ماں کو کر سکتی تھی مگر دادی جان کی خواہش کا بھی اسے احترام تھا لیکن وہ اس تذبذب کا شکار تھی کہ وہ کرے تو کیے۔

”بیٹا! تم سمجھتی ہو اور مجھے خبر بھی ہے کہ میری بیٹی بہت سمجھدار ہے ہر بات وہ جلدی سمجھ بھی جاتی ہے۔“

”ابو! آپ تمہید نہ باندھیں آپ کہیں۔“ اس نے مسکرا کے جواد احمد کے ہاتھوں پر اپنے نرم ملائم ہاتھ رکھ کر گویا کی ہمت بڑھائی۔

”دیکھو عنایتہ! میں چاہتا ہوں کہ اب تمہاری شادی کر دینی چاہیے کیونکہ محریب کو امریکہ سے آئے ہوئے بھی دو ہو گئے ہیں سب کی ہی خواہش ہے کہ تم اب رخصت ہو جاؤ۔“

”ابو! مجھے نہ پہلے اس رشتے پر اعتراض تھا اور نہ اب ہے لیکن میں اتنا کہنا چاہوں گی کہ ہم کچھ عرصہ اور رُک نہیں میں میرا مطلب ہے کہ میں.....“ وہ بولتے بولتے رک گئی جواد احمد نے اپنے دھمے سروں والی بیٹی کی یہ حیل و حجت سنی وہ سب سمجھتے تھے وہ اپنی ماں کی وجہ سے اس طرح کہہ رہی ہے۔

”عنایتہ! میں کہتا ہوں کہ ہر کام کا وقت ہوتا ہے اور پھر بیٹا تم اس قابل ہو کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔“

ہوں نے عنایتہ کے سر پر ہاتھ رکھا وہ سر جھکائے لب چل رہی تھی وہ تو بس کچھ وقت کا انتظار کرنا چاہ رہی تھی کہ شاید سرائیکم اور جواد احمد میں مفاہمت ہو جائے اور جو رشتے زندگی بھر کے لئے قائم کئے جانے ہیں اگر وہ سب کی سامندی اور خوشی سے کئے جائیں تو زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

”ابو! میں کچھ وقت چاہتی ہوں۔“ اسے بولتے ہوئے شرم بھی آرہی تھی۔

”عنایتہ بیٹا! اگر تم اپنی ماں کی وجہ سے پریشان ہو کہ وہ کچھ کہے گی یا راضی نہیں ہوگی تو بے کار ہے کیونکہ وہ عقل سے پیدل ہے شروع سے اپنی من مانی ہی کی ہے ہر ایک کو وہ ہڈا بھجھتی ہے۔“

”پلیز ابو! آپ تو نہ بولیں۔“ سب کو پتہ ہے اسی کیسے مزاج کی ہیں لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہم کسی بھی شخص کو برا کہہ کر اور اس کی برائی میں اضافہ کریں آپ یہ نہیں سمجھتے گا کہ میں آپ کو خدا نخواستہ برا کہہ رہی ہوں۔“

”نہیں میری بچی مجھے تمہاری ہر بات شروع سے ہی اچھی لگی ہے کیونکہ وقت سے پہلے ہی تم اتنی سمجھدار ہو گئی ہو کہ مجھے تو کچھ کہنا نہیں پڑتا میری بیٹی ہر بات سمجھ جاتی ہے۔“ وہ پشیمانی مسکراہٹ لئے گویا ہوئے۔

”بس ابو! میں اتنا کہنا چاہوں گی آپ ان سب سے کہہ دیں کہ کچھ وقت اور رُک جائیں شاید فیصلہ ہمارے حق میں ہو لیکن مجھے اپنے اللہ پر نوی امید ہے کہ وہ ہمارے حق میں اچھا فیصلہ کرے گا۔“ وہ ایک جذب سے بولتی اتنی مصوم اور سادہ لگ رہی تھی کہ جواد احمد گنگ رہ گئے۔

”ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی میں کہہ دوں گا ان سے لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہیں اپنی ماں کی باتوں میں بیٹا آتا ہے۔“

”ابو! آپ اطمینان رکھیں ایسا کچھ نہیں ہوگا ای مجھ سے کچھ نہیں کہیں گی کیونکہ امی میں بس خدا اور غصہ ہے مجھے یقین ہے کہ ایک دن وہ سب بھلا دیں گی۔“ عنایتہ کے لہجے میں اور آواز میں ایک یقین تھا۔ اس نے اپنے مارے فیصلے اوپر والے پر چھوڑے تھے اور اسے یقین تھا کہ فیصلہ اچھا ہی ہوگا۔ جواد احمد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا

اور مسکرا دیئے عنایتہ ان کے شانے سے لگ گئی اسے اپنے باپ اور ماں دونوں کی ہی انا اور عزت عزیز تھی۔

☆.....

ادھر جب سب کو جواد احمد نے یہ کہا کہ کچھ ماہ اور رُک جائیں کیونکہ عنایتہ کی خواہش ہے مگر سب سے زیادہ افسوس اور رونا جو آیا دادی جان کو تھا محریب سے دادی جان کا رونا بلکتا نہیں دیکھا جا رہا تھا حالانکہ وہ چپ تھا نہ پہلے اسے اس رشتے پر اعتراض تھا اور نہ ہی آج تھا مگر جانے کیوں عنایتہ کی بات پر اسے غصہ ہی آ گیا جب یہ رشتہ دادی جان نے جوڑا تھا تو پھر وہ کیوں اتنا اکڑ دکھا رہی تھی سیدھا آفس سے وہ گھر آیا تھا سوچا تھا کہ عنایتہ سے بات کرے گا لیکن اس کے لئے عنایتہ سے ملنا ضروری تھا اور وہ وہاں جاتا بھی کم ہی تھا کیونکہ سمیرا بیگم کا ناگوار انداز اسے دکھ بھی دیتا تھا مگر آج وہ لچ ٹائم میں آ گیا تھا ہمت بھی کر لی تھی کہ اسی کے گھر میں جا کے بات کرے گا مگر کیسے وہ حسنہ پھپھو کی طرف چلا آیا تھا۔ دوپہر سے شام ہو گئی تھی احد بھی آفس سے آچکا تھا اور اپنی ساری بات بھی اس سے کہہ دی تھی۔

”یارا کسی طرح بھی اسے یہاں بلائے مجھے دو ٹوک بات کرنی ہے۔“ وہ بلیو پینٹ پر اسکاٹی بلیو کاشن کی شرٹ میں خاصا جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔

”آج پہلی بار میں تمہیں اتنا ٹینس اور غصے میں دیکھ رہا ہوں ورنہ تو تمہیں مسکراتے ہوئے ہی دیکھا تھا۔“ احد نے شوخی سے کہا۔

”یہاں میری جان پر بنی ہے تمہیں مزے سوچ رہے ہیں۔“ وہ جھینپ گیا۔

”ارے یار! اس میں اتنا پریشان کیوں ہوتے ہو امی سے کہہ دیا ہے نا وہ بلا لیں گی عنایتہ کو یہاں۔“

”ارے محریب! تم کھڑے کیوں ہو بیٹا بیٹھو۔“

”امی! اسے اپنی سلی سے ملنے کی زیادہ بے چینی ہے۔“ احد نے شرارت سے کہا۔

”احمد! بکومت یار۔“ وہ حسنہ پھپھو کے سامنے جھینپ گیا۔

”وہ پھپھو میں اب چلا ہوں۔“

”بالکل نہیں اتنا کچھ میں نے بتایا ہے کبھی کبھی تو آپ آتے ہیں۔“ شامین لوازمات سے بھری ٹرے اٹھائے چلی گئی تھی اور کرشل کی سینٹرل ٹیبل پر رکھی۔

”بھابی! میں گھر سے بچ کر کے نکلا تھا۔“ اسے تو اس وقت کھانے پینے سے زیادہ عنایتہ سے ملنے کی بے چینی تھی۔

”لیکن بچ آپ نے دوپہر میں کیا ہوگا“ ٹائم دیکھتے چھوٹ رہے ہیں۔“ وہ اس کی سن ہی نہیں رہی تھی لوازمات سے پلیٹ بھر دی جو ناچار محریب کو لیتی ہی پڑی احد کو اس کی حالت پر ترس بھی آرہا تھا اور ہنسی بھی آرہی تھی۔

”محریب بھابی! آپ کو پہلے ہی بتا رہی ہوں آیان کی برتھ ڈے آرہی ہے اگلے مہینے آپ کو آنا ہوگا کبھی کوئی م نکال لیں۔“ شامین نے یاد دلایا۔

”اس وقت تو محریب کو کچھ یاد نہیں ہے۔“ احد سوسہ منہ میں ڈالنے لگا جبکہ محریب اسے ہی گھور رہا تھا۔

”محریب! تم ابھی جانا نہیں میں عصر کی نماز پڑھ لوں وقت نکل جائے گا۔“ پھپھو کھڑی ہو گئی تھیں محریب بھی مایوسی نکل کرنے لگا تھا کہ ان کے سامنے بات کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”شامین! تم نے عنایتہ کو فون کر دیا ہے نا آجائے گی وہ یا میں لینے جاؤں۔“ احد نے ہی کہا تھا کہ وہ عنایتہ کو کسی م کے بھانے بلا لے۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 3 -

سلسلے وار ناول

جمال و دل کی جدائی



”فون تو کر دیا ہے منع کر رہی تھی لیکن میں نے ڈانٹ کے کہا تو پھر آنے کو رضامند ہوئی ہے آپ ایسا کریں اسے جا کر لے آئیں کیونکہ کہہ رہی تھی کہ معارج کو چنگ سے دیر سے آتا ہے کس کے ساتھ آئے گی۔“ اب وہ چائے پکوں میں نکالنے لگی تھی۔

”پھر ٹھیک ہے ایسا کرنا محریب! تم رات کو دس بجے تک آ جاؤ میں اسے لے آؤں گا۔“

”یار خیال سے پھسکو نہیں پتہ چلے کہ میں نے اسے بلانے کو کہا ہے۔ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا پھر ویسے اس کی ریزرو طبیعت تھی ایسے کام وہ کرتا نہیں تھا مگر دادی جان کی وجہ سے وہ رنجور ہوا تھا۔“

”محریب بھائی! جانے کی کیا ضرورت ہے کھانا کھا کے جائے گا۔“

”بھائی! ابھی مجھے کچھ ضروری کام بھی ہیں کیونکہ آج آفس سے جلدی آ گیا تھا امی سے بھی کچھ نہیں کہا تھا سیدھا یہاں آ گیا ہوں۔“ پلیٹ اس نے ٹیبل پر رکھی اور چائے کا کپ اٹھا کر جلدی جلدی گھونٹ اندر اتارنے لگا۔

”محریب بھائی! آپ بھی چھوٹے ماموں سے کہتے تھے تو ابھی کرنی ہے شادی۔“

”محریب! سوچ لے اگر عتابہ نہیں مانی تیرے سبھانے کے باوجود بھی۔“ احد کو ڈر بھی تھا کیونکہ جیسا کہ سب ہی جانتے تھے کہ سمیرا بیگم کی قطعی مرضی نہیں ہے۔

”یہ اس کے بعد سوچوں گا کہ کیا کرنا ہے۔“

”مجھے یار! تو پہلے ہی بتا دے کیا کرے گا۔“ احد رازداری سے سرگوشی میں پوچھنے لگا۔ شامین کی ہنسی چھوٹ گئی وہ دونوں ہی جڑبڑ سے ہو گئے۔

”زندگی میں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھ پر یہ وقت بھی آئے گا۔“ محریب خود پر ہی افسوس کرنے لگا۔

”یار! کیا کریں سمیرا امی نے پورے خاندان کو ہلا کر رکھا ہوا ہے عتابہ بے چاری جائے تو جائے کہاں۔“ وہ بھی افسوس ظاہر کرنے لگا۔ شامین کو ریان کی رونے کی آواز آئی جو وہ علینہ کو دے کر آئی تھی اسے جانا ہی پڑا۔

”پتہ ہے مجھ سے دادی جان کا رونا نہیں دیکھا جا رہا ہے۔“

”محض توانائی جان کی وجہ سے اس سے بات کرنا چاہ رہا ہے نا۔“ احد نے تائید چاہی۔

”جی ہاں مجھے کوئی شوق نہیں ہے ایسا شادی دادی کا آرام سے زندگی گزار رہی ہے۔“ وہ جیسے تپ ہی گیا ہو۔

”مجھے کونسا تھی بس سمجھو کہ ہماری والدہ کو جلدی تھی کہ احد تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔“

”تمہارے ساتھ یہ معاملہ تو نہیں تھا کہ بچپن سے رشتہ لگا ہو شامین بھابی پھپھائی کے دوست کی بیٹی تھیں پھپھو کو پسند آئیں اور ہو گئی شادی۔“ وہ بولا۔

”میں تو سخت خلاف ہوں بچپن کے رشتے طے کئے جانے پر۔“ احد نے کہا۔ محریب نے سر ہلایا۔

”میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ نانی جان کو تم میں ایسی کیا خوبی نظر آئی کہ عتابہ جیسی معصوم بیاری سے لڑکی کو منسوب کیا۔“

”یہ تم اعتراض کر رہے ہو یا حیرانگی ظاہر کر رہے ہو؟“ محریب نے چتون چیکے کئے اور مکہ لہرایا۔

”وہ..... وہ..... یار! میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ مجھے تو نہیں لگتا کہ تم شادی کر کے بھی چیخ ہو تمہارے موڈ کا ایک ہی موسم ہوتا ہے۔“

”ایک تو میں پریشان ہوں تم یہ فضول ہانکنے لگے یہ نہیں کہ مجھے تسلی دو۔“ وہ کپ ہاسر میں رکھ کر کھڑا ہوا۔

”تسلی تو تمہیں اس دن دوں گا جب ضرورت پڑے گی۔“ احد کا لہجہ معنی خیز تھا اور شرارتی سا تھا۔ محریب نے اس کے دو تین کے پشت پر جڑ دیئے احد اسے چھیڑ کے مزے لیتا تھا اور جواب میں محریب اس کی خوب درگت بناتا تھا۔

”یار! گھر میں میری بیوی ہے لحاظ کر لے۔“ احد ہنس رہا تھا۔

”ابھی تو جا رہا ہوں رات کو آؤں گا۔“ وہ اپنی گاڑی کی چابیاں پاکٹ سے نکال ہوا جانے لگا احد سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

”رات کو کیوں آؤ گے؟“

”زیادہ بکواس نہیں کرنا مجھے تو جانتا ہے اگر یہاں بھابی آ بھی جائیں گی میں ان کے سامنے بھی تیری ہڈی پھلی توڑتا رہا ہوں۔“ محریب نے گویا دارنگ دی تھی احد نے کل کر قبضہ لگایا تھا۔

☆.....

”کیا کام پڑ گیا ہے شامین کو تم سے؟“ سمیرا کو تو ہمیشہ اعتراض ہی ہوتا تھا ان کے جانے سے دونوں ہی تیار کھڑی تھیں۔

”امی! شامین بھابی کہہ رہی تھیں کہ ریان کی برتھ ڈے آنے والی ہے وہ شاپنگ وغیرہ کا کہہ رہی تھیں۔“ عتابہ نے کچھ ڈرتے جھجکتے ہوئے کہا۔

”اگر جانا تھا تو کل صبح جاتیں اس تا تم جانے کی کیا تک ہے۔“ وہ کچن سے اپنے لئے چائے کا کپ لئے نکلی تھیں۔

”امی! کل تو سنڈے ہے ہم شام تک آ جائیں گے اتنے دنوں سے ہم پھپھو سے ملے بھی نہیں۔“ وش نے منہ بسورا۔

سمیرا بیگم کی تنقیدی نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا جو پنک کاٹن کے ایمر ایڈری کے لباس میں سادہ سی کھڑی تھی ان کی یہ دونوں ہی بیٹیاں میک اپ کے نام پر لپ اسٹک تک نہیں لگاتی تھیں نہ انہوں نے بھی کہا ہی تھا کہ کچھ جگ سنور کے جایا کریں۔

”شامین یہاں خود کیوں نہیں آ گئی۔“ وہ تو اعتراضات کے نکتے نکالے جا رہی تھیں عتابہ کو ان کا ایسا روکھا اور سرد انداز بہت رونا بھی تھا مگر وہ انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

”اگر امی! آپ پسند نہیں کر رہی ہیں تو ہم فون پر منع کر دیتے ہیں۔“ اتنے میں ڈور بیل ہوئی تو معارج لاؤنج سے نکل کر گیٹ کھولنے چلا گیا۔

”آپ! احد بھائی آ گئے ہیں۔“ اس کا پورچ سے ہی نعرہ بلند ہوا۔ احد ہنستا مسکراتا اندر آیا آتے ہی سمیرا بیگم کو زوردار پر جوش سلام کیا تھا سمیرا بیگم جڑبڑی ہو گئی تھیں۔

”اور امی! ٹھیک ٹھاک کیسا چل رہا ہے آپ کا کام؟“ اس نے عام سے لہجے میں پوچھا تھا مگر جانے کیوں سمیرا بیگم کو ہمیشہ ایسا لگتا کہ ہر کوئی ان پر طنز ہی کر رہا ہو۔

”سب ٹھیک ہے اور تم سناؤ گھر میں خیریت تو ہے؟“ عتابہ اور وش پہلو بدل کر کھڑی ہو گئی تھیں چہرے کو فریش ہی رکھا تھا کہ اسے محسوس نہ ہو کہ کچھ دیر پہلے کیا ماحول تھا۔

”سب فرسٹ کلاس ہیں شامین نے بلایا ہے اور امی میں انہیں کل چھوڑ جاؤں گا۔“ وہ فوراً ہی کھڑا بھی ہو گیا۔

”یار احد بھائی بیٹھے تو“۔ معارج فریق سے کولڈ ڈرنک کی لیٹر بوتل اور گلاس لے آیا تھا۔
”پھر بیٹھوں گا اور ہاں ماما! امی نے کھلوا دیا ہے کہ کسی دن چکر تو لگا لیں۔“

”ہوں..... آؤں گی ذرا مصروفیت کم ہوگی تو“۔ وہ ایک اپنی اس سند سے ہی ذرا خوشدلی سے مل لیتی تھیں ورنہ تو اپنی سسرال میں جانا انہیں ہمیشہ ناگوار ہی گزرتا تھا۔

وہ ان دونوں کو لے کر چلا آیا تھا سارے راستے عتابہ تو خاموش رہی البتہ دوشہ پورے راستے احد سے باتیں ہی کرتی آئی تھی۔ جیسے ہی گھر پہنچی تھیں جسٹہ پھونکے تو دونوں کو گلے لگا لیا تھا شامین کی کچھ عتابہ سے فریڈ شپ بھی تھی وہ بھی شامین کی شادی کے بعد ہی ہوئی تھی علینہ چھوٹی اس کی اگر بچی تھی تو دوشہ سے بچی تھی ابھی بھی آتے ہی علینہ کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

”کیا بات ہے اتنی خاموشی کیوں ہو؟“ شامین کچن میں رات کا کھانا تیار کر رہی تھی اور ڈشز بھی وہ چائیز بنا رہی تھی کیونکہ محریب کو چائیز رائس اور اسٹیکٹھی بہت پسند تھی احد نے ہی خاص فرمائش سے یہ بنوایا تھا۔

”نہیں کوئی بات نہیں ہے۔“ دھانی کاٹن پر ایمبر ایڈری دھاگوں سے کڑھائی ہوئی تھی لائے سلکی بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی میں وہ اتنی سادہ اور پروقار لگتی تھی کہ شامین تو رشک ہی کرتی تھی۔

”ارے بھئی شامین! کتنی دیر اور ہے کھانے میں محریب آ گیا ہے۔“ احد نے کچن کی چوکھٹ پر دونوں ہاتھ رکھے۔ عتابہ تو گڑبڑا ہی گئی دل دھک دھک کرنے لگا چہرے کا رنگ بھی بدل گیا عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی۔

”تیار ہی ہے میں ٹیبل پر برتن لگواتی ہوں۔“ وہ سنک کائل بند کر کے ایپرن سے ہاتھ پونچھنے لگی۔
”پلیز عتابہ! تم ذرا علینہ کو تو بلاؤ وہ کھانا لگوا دے گی۔“

”وہ..... وہ..... بھابی! ام..... میں۔“ وہ محریب کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی اسے خبر تھی محریب کو بھی اس کے انکار کی وجہ سے چل گئی ہوگی۔

”ارے عتابہ! محریب بھائی لاؤنج میں ہوں گے تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو؟“ وہ حیرانگی ظاہر کرنے لگی جبکہ عتابہ تو نگاہ اٹھا کر اسے تنک نہیں دیکھ رہی تھی۔

”میں ان کی وجہ سے نہیں کہہ رہی ہوں۔“ وہ جھینپ گئی۔
”لو کی تمہارا بنے گا کیا سوچتی ہوں کہ جب تمہاری باقاعدہ محریب بھائی سے شادی ہو جائے گی تم جب بھی ان سے ایسے ہی گھبراؤ گی۔“ وہ معنی خیز مسکراہٹ لئے گویا ہوئی۔

”پلیز بھابی! آپ ہر وقت تو مذاق نہ کیا کریں۔“ وہ نما مان کے گویا ہوئی۔
”میں مذاق نہیں کر رہی ہوں ایک بات تھی دل میں آئی تو کہہ رہی ہوں۔“ وہ برز بند کر کے کچن سمیٹنے لگی تھی۔

عتابہ کچن میں ہی جم کر رہ گئی تھی علینہ آگئی تو اس نے دوشہ کو ساتھ لگا کر کھانا لگوا دیا پھر جان بھی آگئے تھے سب ہی ساتھ کھانا کھا رہے تھے لیکن عتابہ بہت جھجک رہی تھی پھپھو نے زبردستی اپنے ساتھ بٹھالیا تھا محریب نے بھولے سے بھی اس پر نگاہ نہ ڈالی تھی عتابہ نے زبردستی ہی کھانا کھایا تھا۔

”چائے چلے گی؟“ احد نے محریب سے پوچھا جو کھانے کے بعد لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا۔
”چائے رہنے دو مجھے جو کام ہے وہ کرنے دو یار! زبردستی تم نے کھانے پر روکا ہے دل نہیں کر رہا تھا۔“ وہ خاصا بے زار اور جھنجھلایا ہوا تھا۔

”اچھا اچھا اتنے بھی بے زار نہ ہو تم اٹھو اور ایسا کرو گیسٹ روم میں چلے جاؤ وہاں آسانی سے بات بھی کر سکتے

ہوئی اور اب تو اپنے کمرے میں ہی فکر کی کوئی بات نہ ہوگی۔“ وہ کچھ سوچ کر اسے جگہ کا تعین کر کے بتانے لگا۔
”دیکھو جلدی بلاؤ اسے مجھے گھر جانا ہے گیارہ بج رہے ہیں۔“ اپنی ریٹ داچ آگے کی کوریڈر سے گزر کر وہ رائٹ سائیڈ پر مڑ گیا تھا۔

”اٹھو لڑکی جلدی سے۔“ احد نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خاصے بارعب انداز میں کہا وہ ریان کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

”کہاں؟“ عتابہ جیسے کچھ ہی نہیں۔ شامین کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی وہ کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد عتابہ کو اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی۔ احد اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا باہر لے آیا وہ حیران دہریشان تھی کہ آخر وہ لے جا کہاں رہا ہے اسے لا کر گیسٹ روم کا دروازہ کھولا اور اندر لے آیا محریب کمرے میں ٹھہل رہا تھا عتابہ اسے دیکھ کر تو بوکھلا ہی گئی یعنی کہ یہ سب اس کے کہنے پر ہو رہا تھا۔

”محریب! آرام سے بات کرنا اور فکر نہیں کرنا کہ یہاں کوئی آئے گا۔“
”احد بھائی! مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔“ وہ تو غصے میں ہی آگئی۔

”دیکھو لڑکی! امیدیں اچھی رکھو اور اس وقت میں تمہارے لئے اتنا فکر مند ہوں جتنا ایک بھائی اپنی بہن کے لیے ہو سکتا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ عتابہ نے بھی پشت گھمائی جانے کے لیے مگر اس کی بائیں کلائی محریب کے مضبوط ہمدست ہاتھ میں آچکی تھی وہ جھٹکا کھا کے رک گئی جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی دل لگتا تھا کہ پسلیاں توڑ کے باہر آ جائے گا۔

”تم میری بات سننے بغیر نہیں جاسکتی ہو۔“
”کیسی بات؟“ وہ جان کر بھی انجان بن رہی تھی اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑائی محریب اس کے سامنے سر اپا سوال بنا گیا تھا بلیو پرنٹ پر اسکاٹی بلیو شرٹ میں وہ اتنا مضطرب اور نکھسیا ہوا لگ رہا تھا کہ عتابہ نے نگاہ ہی جھکا لی۔

”مجھے یہ بتا دو کہ تم نے آخر کب تک کی مہلت مانگی ہے کہ شادی نہیں کرو گی۔“
”جب تک امی اور آپ کے گھر والوں میں صلح نہیں ہو جاتی۔“ لہجہ کو مضبوط اور بڑا اعتماد دیتا تھا۔

”تم شادی لگتا ہے کرنا ہی نہیں چاہتی ہو بھی ایسی شرط رکھ رہی ہو۔“
”یہ شرط نہیں ہے میں ایسا چاہتی ہوں۔“ اسے دیکھنے سے گریز ہی کر رہی تھی مگر محریب کی گہری اور سحر انگیز آنکھیں اس پر تھیں۔

”جہیں ذرا احساس نہیں ہے کہ دادی جان کو کتنا ارمان ہے ہم دونوں کی شادی کا۔“
”میں دادی جان کو سمجھا لوں گی کچھ دن انتظار کر لیں گے۔“ اسے بولتے ہوئے حیا سی آنے لگی کیونکہ دونوں میں ایسی بے تکلفی کبھی رہی ہی نہیں تھی کہ وہ مستقبل کی پلاننگ کرتے۔

”عتابہ! تم کتنا انتظار کرو گی مجھے کیا اندازہ نہیں ہے کہ سیراچی کبھی مانیں گی بھی۔“
”مجھے لیکن اندازہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ ایک دن وہ مانیں گی۔“ اسے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا ہر حال کہتی تھی اسے قوی امید تھی کہ ایک دن سب کچھ ٹھیک بھی ہو جائے گا۔

”تم ناممکن بات کر رہی ہو۔“
”میں ناممکن کو ہی ممکن بنانا چاہتی ہوں۔“ اس نے نگاہ اٹھائی۔

”دادی جان کا بھی نہیں خیال تمہیں۔“

”انہی کا ہی خیال ہے مجھے۔“ ترکی بہ ترکی بولی۔

”لیکن مجھے تمہاری ایسی کسی بات کو تو ماننا ہی نہیں ہے۔“ وہ دادی جان کا رونا دھونا روز ہی دیکھ رہا تھا جب ہی تو اس سے بات کرنے کے لئے سوچا تھا۔

”اگر آپ کو شادی کی اتنی ہی جلدی ہے تو آپ اپنی پسند سے کسی بھی لڑکی سے کر لیں۔“

”عتابہ! سوچ سمجھ کر بولو کہ کیا بول رہی ہو۔“ وہ تو بھٹا گیا۔

”سوچ سمجھ تو میں رہی ہوں آپ ہی سوچ سمجھ نہیں رہے ہیں اس لئے اس کا یہی حل ہے کہ آپ کسی بھی لڑکی سے شادی کر لیں۔“ اس نے بغیر جھجکتے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی وہ خود بھی حیران تھی۔

”اگر مجھے کہیں اور شادی کرنی ہوتی تاہیں پاکستان لوٹ کے نہیں آتا۔“

”کون روک رہا ہے چلے جائے دوبارہ۔“ اتنی روکھی اور رڈ ہو رہی تھی کہ محریب کو افسوس ہو رہا تھا۔

”میں تمہیں خاصا سمجھدار سمجھتا تھا لیکن تم میری سوچ کے برعکس نکلی ہو۔“

”میں نے بھی آپ کو بہت کچھ سمجھا تھا۔“ لہجہ دھواں دھواں ہو گیا۔

”عتابہ! آج کے بعد تم ہمیشہ میری یہ بات یاد رکھنا تم نے جو کچھ سوچ کے شادی کو ملتوی کیا ہے اس کی ذمہ داری ہوگی کیونکہ میں اب تم سے شادی نہیں کروں گا جب تم کہو گی تمہارے پاس یہی مہلت ہے ابھی تو پھر کبھی نہیں۔“ وہ اتنا رڈ اور سرد مہر بن گیا کہ عتابہ تو تنگ رہ گئی وہ کیا کہہ رہا تھا پہلے تو ایک ہی پریشانی تھی کہ امی ناراض نہیں اس کے دو خیال والوں سے اب تو یہ بھی ناراض ہو گیا تھا۔

”پلیز! آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں۔“ وہ روہا ہنسی ہو گئی۔

”اب کوئی بات نہیں سمجھی جائے گی میں شادی صرف دادی جان کی وجہ سے کر رہا تھا ورنہ مجھے ایسا کوئی شوق بھی نہیں ہے نہ یہ رشتہ مجھ سے پوچھ کے طے کیا گیا تھا۔“ وہ پشت پھیر کر جانے لگا تھا عتابہ کو تو لگا کہ اس کی دنیا ہی ڈول گئی ہو اس کے جانے کے بعد وہ بہت روٹی تھی شامین چلی آئی تھی۔

”میں تو یہ سمجھی تھی کہ تم دونوں نے ایک دوسرے کی بات سمجھ لی ہوگی۔“

”شامین بھائی! آپ ہی بتائیے کیا میں نے غلط کہا ہے۔“ وہ روئے جارہی تھی۔

”میری شادی پر امی راضی نہیں ہیں میں کیسے اپنی ماں کو انور کر دوں۔“

”اچھا! اچھا! تمہیں تمہارے اہل بھائی محریب بھائی سے بات کریں گے۔“ اس نے تسلی دی۔

”بھائی! وہاں دادی جان کے گھر سب کو پتہ چل جائے گا وہ سب کو بتا دیں گے۔“ اسے یہ بھی ڈر لگ رہا تھا۔

”محریب بھائی نہیں بتائیں گے اس کا مجھے اندازہ ہے باقی کی معلومات میں تمہیں دوں گی پلیز اب خاموش ہو جاؤ اگر امی آئیں نا وہ پوچھیں گی تم سے پھر۔“ شامین نے ٹشو بکس اٹھا کے اس کے آگے کیا وہ منسل رو رہی تھی محریب کی باتوں نے اسے کافی دکھ دیا تھا بچپن کا رشتہ قلب کے رشتے میں ڈھل گیا تھا کیسے انور کر دیتی۔

☆.....

اس نے عتابہ کو کہہ تو دیا تھا مگر اس کے دل پر بوجھ بڑھ گیا تھا پوری رات اسے نیند نہ آئی تھی وہ تو دوسرے دن سٹڈے تھا تو وہ دیر تک سو بھی گیا تھا ورنہ تو سارا دن اس کا آفس میں بھی بوجھل گزرتا گیا رہے بچے اٹھا تھا ناشتے کے بعد

لاؤنج میں آ گیا اور اسپورٹس چیمبر لگا کے بیٹھ گیا۔ امی اور چچی جان بھی وہیں بیٹھی تھیں دونوں جانے کیا باتیں کر رہی تھیں وہ بھی چپکے چپکے محریب گا ہے لگا ہے ان پر نگاہ بھی ڈال لیتا تھا۔ مائز کی رگ طرافت ہر وقت پھڑکنے کو تیار رہتی تھی وہ دبے قدموں اندر آیا امی اور چچی جان کے قریب کان لے آیا۔

”کیا بد تمیزی ہے مائز؟“ نزہت کو ہمیشہ اس کی الٹی سیدھی حرکتیں بُری لگتی تھیں۔

”امی! میں کب سے آپ دونوں کو دیکھ رہا ہوں ایک دوسرے سے جانے آہستہ آہستہ کیا باتیں کر رہی ہیں۔“

”تمہیں کیا فکر ہے؟“ انہوں نے مائز کے دھبے ہی لگا دی۔

”بھائی جان! آپ ادھر ہی بیٹھے ہیں کچھ سنائی دے رہا ہے یا نہیں؟“ اس نے سوچوں میں گم محریب کو مخاطب کیا وہ چونک گیا۔

”وہ تمہاری طرح نہیں ہے ٹی دی دیکھ رہا ہے۔“ انہوں نے محریب پر بھی نگاہ ڈالی۔

”یہ تو آپ کو لگ رہا ہے کیا پتہ بھائی جان آپ دونوں کی باتیں سن رہے ہوں۔“ شرارتی لہجے میں کہتے ہوئے اس نے مسکرا کے آنکھیں گھمائیں بیٹھا وہ محریب کے سامنے ہی تھا۔

”یہ تو تمہیں لگ رہا ہوگا کہ میں باتیں سن رہا ہوں۔“ محریب نے ٹی دی کی آواز دہرائی۔

”کیا بات ہے بھائی جان! صبح سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کچھ خاموش سے ہیں۔“

”تمہاری طرح اس کی فضول بک بک کی عادت نہیں ہے۔“

”ایک تو امی! آپ میری ہر بات کو بک بک ہی کہتی ہیں۔“ وہ منہ بسورنے لگا۔

”مائز بھائی! مائز بھائی!“ راجح اسے پکارتا ہوا چلا آیا۔

”چلیے! میں تو کانوں کے پردے پھاڑتا ہوں بڑے ابو آپ کو بلارہے ہیں۔“ اس نے کچھ مسکرا کے گویا اسے چلایا۔

”مگر! مگر کیوں؟“ وہ کچھ چونک سا گیا۔

”مائز! مائز!“ ریحان احمد کی لمبیر اور گرجدار آواز پر وہ سب چونک گئے مائز تو مودب بن کے کھڑا ہو گیا۔

”جی ابو!“

”رات کو کتنے بجے گھر آئے تھے؟“

”جی وہ.....“ مائز کی تو سٹی گم ہو گئی صبح سے وہ ان سے بچتا پھر رہا تھا تا کہ ابو اس کی شامت نہ لے آئیں مگر اس کی بچت کب تک ہوتی۔

”میں گیارہ بجے تک آ گیا تھا۔“ سر کھانے کے ساتھ کچھ منمنایا۔

”جھوٹ نہیں بولو ساڑھے گیارہ پر محریب آیا تھا تم جب بھی نہیں آئے تھے۔“ وہ تیز لہجے میں اس سے استفسار کر رہے تھے اور وہ شرمندہ سا سر جھکا کر کھڑا تھا محریب کو ہنسی آ رہی تھی امی اور چچی جان بھی کچھ ڈر سی گئی تھیں۔

”وہ میں آ گیا تھا آپ بھائی جان سے پوچھ لیں۔“

”میں اس سے کیوں پوچھوں تم سے پوچھ رہا ہوں۔“ وہ تو خامے برہم ہو رہے تھے۔

”ابو Saturday تھا اتنا تو میرا حق بنتا ہے کہ میں دوستوں میں کچھ وقت گزاروں۔“ وہ بھی الٹا فصرہ ہی دکھانے لگا۔

”تمہاری اور عائشہ کی حرکتیں خاصی مشکوک ہو رہی ہیں کان کھول کر سن لو اگر کوئی الٹی سیدھی حرکت کی خبر ملی تا گھر

”لیکن امی! بھائی جان کہہ تو ٹھیک ہی رہے ہیں کہ وہ تو آس لگا کے بیٹھی ہوں گی۔“ مائز نے بھی تائید کی۔

”آس لگانا بے کار ہے آپ ساری بات بتائیے انہیں۔“

”مجھ میں تو ہمت نہیں ہے جو آدے گامیں اس سے کہوں گی وہ خود تسلی دے۔“ انہیں اماں جی کی بگڑتی حالت کا بھی اندازہ تھا۔

محریب لب بھینچ کے رہ گیا مائز بھی وہاں سے کھسک لیا۔ اب وہ وہاں تھا تھا اسے اتنا غصہ تو کبھی نہیں آیا تھا جتنا اب آ رہا تھا عتابہ بر جو صرف اپنی امی کا سوچ رہی تھی دادی جان کی ذرا پروا نہیں تھی وہ کیا کیا ارمان دل میں رکھے ہوئے ہیں اس نے ابھی تک کسی کو اپنی اور عتابہ کی گفتگو کے متعلق احدا اور شامین کو بتانے کو منع کیا تھا۔

☆

محریب سے بات کرنے کے بعد وہ اتنی ٹینشن میں آ گئی تھی کہ اس کی نیندیں لگ رہا تھا کہ اڑ گئی ہوں اسے یہ بھی ڈر لگ رہا تھا کہ محریب نے کہیں گھر میں سب کو نہ بتا دیا ہو اگر دادی جان کو پتہ چل گیا تو وہ اور ہی رورو کر اپنی حالت خراب کر لیں گی حالانکہ جو ادا احمد نے تو بڑے ابو کو کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ مہینے رک جائیں کب سے وہ کمرے میں ٹہل رہی تھی وشہ بے خبر سو رہی تھی کیونکہ وہ بارہ بجے سو جاتی تھی صبح جلدی اٹھنا بھی ہوتا تھا سائیڈ ٹیبل پر رکھے الارم سیٹ پر نگاہ دوڑائی 12:20 ہو رہے تھے دل کہہ رہا تھا کہ محریب سے یہ تو ضرور پوچھئے کہ اس نے گھر میں کسی کو بتایا تو نہیں ہے۔

وہ ٹیلی فون سیٹ کا کارڈ لیس اپنے کمرے میں لے آئی اگر گھر کے نمبر پر کیا تو کوئی بھی اٹھا سکتا ہے محریب سے پھر بھی بات نہیں ہو سکتی گی کارڈ لیس واپس رکھا اور معارج کے روم میں چلی آئی کہ اس کے سیل سے ہی محریب کے سیل پر بات کر لے گی۔

”خیریت آپ! معارج کمپیوٹر پر بیٹھا کام کر رہا تھا اسے دیکھ کر چونک گیا۔“

”معارج! اپنا سیل دو گے مجھے کال کرنی ہے۔“ وہ کچھ بھگتی ہوئی اندر آئی تھی پھر اسے رات کے اس پہر سیل مانگنا بھی عجیب لگ رہا تھا کہ جانے وہ کیا سمجھے۔

”سیل؟“ وہ حیرانگی سے چونکا۔

”مجھے آنی سے بات کرنی ہے نا ان کا فون لگتا ہے خراب ہو گیا ہے۔“

”آپ! اس ٹائم؟“ وہ اپنا موبائل ڈھونڈنے لگا جو بیڈ پر ڈال کے بھول گیا تھا۔

”ارے تو کیا ہوا ٹائم کا کیا ہے آنی دیسے بھی دیر تک جاگتی ہیں۔“ اس نے سیل معارج سے لیا اور جلدی سے کمرے سے نکل گئی کہ وہ دوبارہ سوالات نہ شروع کر دے۔

کمرے میں آتے ہی وہ دھڑ سے اپنی ایڑی چیر پر بیٹھی محریب کا نمبر تو اس میں فیڈ تھا ہی جلدی جلدی فون بک میں چیک کیا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ کال کر ہی ڈالی کچھ لمحوں میں ہی کال ریسیو بھی کر لی گئی۔

”ہیلو!“ عتابہ نے خود جلدی سے کہہ دیا تا کہ وہ معارج نہ سمجھ لے۔

”کون؟“ دوسری جانب خاصی حیرانگی تھی۔

”میں عتابہ بول رہی ہوں۔“ ڈرتے جھپکتے ہوئے گویا ہوئی۔

”خیریت آپ کو کیا ایمر جنسی پڑ گئی کہ موبائل پر کال کی۔“ وہ روکھا سرد مہر سا طنزیہ کرنے لگا۔

”مجھے آپ سے بات کرنی ہے کچھ ضروری۔“

سے باہر نکال دوں گا۔“

”کیا مطلب الٹی سیدھی حرکت سے؟“ وہ نہ ہی ماننے لگا۔

”ابو! معاف کر دیں میں اسے سمجھا لوں گا۔“ محریب کو مائز پر ترس آنے لگا جو کچھ وہاں سادہ پریشان سا بھی لگ رہا تھا۔

”تم کیا سمجھا لو گے دو سال سے اس کی یہی حرکتیں ہیں وہ تو میں ذرا اس پر نظر رکھتا ہوں تو گھر جلدی بھی آ جاتا ہے۔“

”ابو! مائز سمجھدار بچہ ہے۔“

”تم چپ کر دو کیا اس کی طرف داری کر رہے ہو۔“ انہوں نے محریب کو بھی ڈانٹ دیا وہ بھی جڑ بڑ سا ہو گیا مائز نے جب دیکھا کہ ابو کی توپوں کا رخ محریب کی طرف ہو گیا ہے تو اسے شرمندگی ہوئی۔

”مائز! لاسٹ وارننگ ہے اگر تم نے اگلے ہفتے پھر یہی حرکت کی نا پھر میں کان سے پکڑ کر نکال باہر کروں گا۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے چلے گئے۔ مائز نے رکا ہوا سانس بحال کیا محریب نے اس کا جائزہ لیا دھڑ سے وہ صوفے پر بیٹھا امی نے خاصی تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔

”محریب! اسے سمجھا دو اگر باپ کا ذرا بھی اسے ڈر ہے تو اتنی رات تک باہر نہ رہا کرے۔“ امی کو خود اس کی یہ عادت سخت ناگوار گزرتی تھی اس پر ریحان احمد کی ڈانٹ سے انہیں بہت ڈر لگتا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی دیک اینڈ تو مجھے اپنی مرضی سے گزارنے دیا کریں۔“ وہ منہ ہٹانے لگا۔

”بے وقوف یہ کون کہہ رہا ہے کہ تم دیک اینڈ نہ گزارو مگر یار ذرا ٹائم کا خیال کر لیا کرو اتنے بڑے چھ فٹے کو اگر ابو کہیں کہ مرغا بنو تو اچھا لگے گا۔“ محریب نے اس کے سر پر ہلکی سی چپٹ لگائی۔

”اس پر بڑے ابو کہہ دیں انڈا دو بتائیے کتنا بڑا لگے گا۔“ رافع کی برجستگی بے موقع ہی ہوئی تھی مائز کی اور اس کی تو دیسے ہی کم بنتی تھی۔

”رافع! تمیز سے بڑا ہے وہ تم سے۔“ ناظمہ نے اسے سرزنش کی جو خفیف سا ہو گیا۔

”یہ تو جیسے بہت تمیز سے میرے ساتھ پیش آتے ہیں ابو سے لگائی بھائی کرتے ہیں بی جملو کہیں کے۔“ اسے مائز سے الگ پڑ خاش رہتی جو چچا جان سے اسے ڈانٹ پڑا کر حساب برابر کرتا تھا۔

”بڑی امی! آپ کو دادی جان بلا رہی ہیں۔“ یعنی انہیں بلانے چلی آئی تھیں۔ نزہت اور ناظمہ نے ایک دوسرے کو دیکھا محریب نے بھی پڑ سوچ نگاہ اٹھائی۔

”اماں جی ضرور وہی پوچھیں گی کہ جو اد نے کیا جواب دیا۔“

”امی! آپ نے دادی جان کو بتایا نہیں کہ عتابہ کی مرضی کیا ہے؟“ محریب کو حیرانگی بھی ہوئی کہ ان سے ابھی تک چھپایا ہوا تھا۔

”ارے بیٹا! کیسے بتا دیں وہ تو رورور کر اپنی طبیعت خراب کر لیں گی۔“ نزہت فکر مند لہجے میں گویا ہوئیں اور پھر جانے کے لئے کھڑی ہوئیں۔

”جو بات ہے آپ ان کو بتائیے تو۔“ محریب بھند تھا۔

”کیسے بتا دیں جتنا انہیں ارمان تمہاری اور عتابہ کی شادی کا ہے شاید ہی انہیں اپنے کسی بیٹے کی شادی پر ہوا ہو۔“ وہ جھٹ بولیں۔

”مم..... میں عتابہ بول رہی ہوں۔“ ڈری سہمی اور جھجکتی ہوئی آواز میں پتلی سے نکلتی تھی۔
”خیریت..... اب کون سا فیصلہ سنانا ہے۔“ طہر سے باز نہ آیا۔

”دادی جان کی طبیعت کیسی ہے؟“

”اوہ..... مائی گاڈ عتابہ! اتنی رات کو تم نے دادی جان کی خیریت پوچھنا مجھ سے ہی مناسب سمجھا اور لوگوں سے نہیں پوچھ سکتی ہو۔“ جھنجھلائی کھسکی ہوئی آواز میں گویا ہوا تھا۔

”جی وہ میں پوچھ سکتی تھی مگر پھر۔“

”سنو! اگر دادی جان کی اتنی ہی فکر ہے تو اپنے فیصلے مسلط کر کے بار بار یہ کیوں چیک کر رہی ہو کہ میرا موڈ کیسا ہے۔“ وہ تو جیسے ہر بات سے ہی آگاہ تھا۔

”جی ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر لائن ہی کٹ کر دی۔

”بے وقوف لڑکی! اتنا بڑا قدم اٹھالیا ہے اب فکر بھی ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔ اٹھلائی آف کی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ صبح آٹھ بجے وہ اٹھتا تھا، دوسرے دن بھی حسب معمول فریش چہرے کے ساتھ اٹھتا تھا، تک سب سے تیار بلیو پینٹ پر اسکاٹی بلیو کٹن کی کلف لگی شرٹ میں خاصا ڈینٹ اور چار منگ لگ رہا تھا، ناشتہ اور اخبار ساتھ ساتھ ہی ہوتا تھا۔

”محرِب! تمہاری دادی جان تمہاری شادی کے متعلق ہی پوچھ رہی ہیں بیٹا تم انہیں تھوڑا سمجھا دو۔“ نزہت نے اس کے کپ میں گرم چائے ڈالی اس نے اخبار سائیڈ پر رکھا اور سر ہلا کر رہ گیا۔

”جی اچھا۔“ جلدی جلدی ناشتہ ختم کیا اور دادی جان کو سلام کرنے ان کے کمرے میں آ گیا، وہ لیٹی ہوئی تھیں اسے دیکھ کر جیسے کل ہی گئیں۔

”السلام علیکم دادی جان۔“ مسکرا کے انہیں دیکھا، دادی جان نے اس کے ماتھے پر پیر کیا۔
”جیتا رہے ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔“ دل سے دعائیں دے ڈالیں۔

”یہ بتائیے طبیعت کیسی ہے؟“

”ارے بیٹا! طبیعت کا کیا ہے اب تو یہ زندگی کی ساتھی ہے، بس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ دے۔“
”ارے آپ تو فوراً اداس ہو جاتی ہیں۔“ اس نے ان کے ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر جھپکے تھے۔

”یہ جو اب بھی پلٹ کے نہیں آیا، کب تک کرے گا شادی؟“

”دادی جان! آپ کو اتنی جلدی بھی کیا ہے شادی کی۔“ وہ پہلو بدل کے گویا ہوا، اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ انہیں تسلی دے تو کیسے دے۔

”میری بچی کو اس گھر سے گئے دو سال ہو گئے ہیں، میں چاہتی ہوں کہ اب ہمیشہ کے لئے وہ اس گھر میں آ جائے۔“ ان کے چہرے اور انداز میں بے تابی تھی، محراب لب بچھڑ کر رہ گیا تھا، اگر انہیں تسلی اور اطمینان کے الفاظ کہے بھی تو کیسے کیونکہ وہ رونے ہی لگتی تھیں۔

”سمیرا نے میرے بچوں کو مجھ سے دور کر دیا، ارے اسے کاہے کی کمی تھی آئے دن کے ہنگاموں سے جھنجھلا کے ہی تو جو ادھوا لگ ہو گیا تھا کہ وہ سب کو ہی تنگ کرتی تھی۔“

”دادی جان! کیا عتابہ بھی ان کی طرح ہو اور اگر اس نے بھی یہی کچھ کیا تو.....“

”نہ میری بچی ایسی نہیں ہے، وہ تو اتنی خاموش سی ہے کہ اپنی ماں کے آگے تک بھی کبھی زبان نہ چلائی، ہاں البتہ

رداؤ انجمن [118] اگست 2009ء

”جو بھی بات کرنی ہے آپ کال بند کریں میں آپ کے گھر کے نمبر پر کال کرتا ہوں، کیونکہ سیل معارج کا یوزر کر رہی ہوں، اس کے پاس اتنا بیلنس نہیں ہوگا کہ تمہاری ضروری بات پوری کر سکے۔“ یہ کہہ کر محراب نے لائن کٹ کر دی۔

عتابہ کے تو سینے ہی چھوٹ گئے، موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور لاونچ میں آ کر ٹیلی فون سیٹ کے پاس آگئی پہلی ٹیل پراٹھالیا، کارڈ لیس لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔

”جی! اب کہو کیا رہ گیا ہے کہنے سے کہ تمہیں اتنی ارجنٹ کال کرنی پڑگئی۔“ وہ اسے اپنی نگلی دکھا رہا تھا۔
”مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ آپ.....“

”کہ آپ اس دن کی باتیں پلیز گھر میں کسی کو نہ بتائیے گا، یہی کہنا تھا نا۔“ آگے کا جملہ محراب نے ادا کیا۔ عتابہ تو تنگ رہ گئی، یعنی وہ سب ہی جانتا تھا اسے اور ہی شرمندگی ہوئی، آگے بات کیا کرتی جب وہ سب بول چکا تھا۔

”مس عتابہ جو ادھوا میں آپ کی طرح بے وقوفیاں نہیں کرتا، کیا بات کرنی ہے اور کب کرنی ہے، کس سے کرنی ہے سب سمجھتا ہوں۔“ حیر لہجے میں بتایا۔ وہ لب کھلنے لگی، محراب کے لب دلہجے میں ناگواری اور غصہ بھی تھا۔

”دادی جان کی وجہ سے کہہ رہی ہوں میں۔“

”بہت پروا ہے نا تمہیں دادی جان کی جب ہی اپنا فیصلہ سنا کے یہاں روانہ کر دیا ہمیں اپنا لیزر۔“ وہ پھر بولا۔
”میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا ہے۔“ وہ رو ہانسی ہوگئی۔

”جنہوں نے یہ رشتہ طے کیا ہے وہ سب غلط ہیں کیونکہ عقل تو آپ ہی رکھتی ہیں باقی تو سارے گھاس چر گئے ہیں۔“ محراب کو بھی آج اسے سنانے کا موقع مل گیا۔

”یاد رکھنا عتابہ! لاکھ تم کہو اور چاہو میں شادی ناں اب نہیں کبھی کروں گا۔“
”پلیز! آپ میری بات سمجھئے تو۔“

”تم زیادہ عقلمند ہو تم سمجھتی رہو میرا دماغ اتنا فضول نہیں ہے کہ تمہاری بے معرف باتوں کو سمجھتا ہوں لیکن عتابہ! یہ تم یاد رکھنا اگر دادی جان کو کچھ ہوا اس کی ذمہ دار تم ہوگی۔“ وہ چیخا در نہ وہ بھی کسی پر غصہ تک نہیں کرتا تھا۔ عتابہ ہکا بکا سی رہ گئی تھی، فون وہ بند کر چکا تھا، اس کی آنکھوں میں موتی آگئے تھے، کتنی بڑی بات اس نے کہہ دی تھی، لب کاٹنے لگی وہ آخر کرے تو کیا کرے اپنی ماں کو انور کرے یا اپنی دادی جان کو انور کرے، وہ اس جگہ آ کر بھٹک رہی تھی کسی سے کہتی بھی تو کیا لانا اسے ہی سننے کو ملتا تھا، مگر اس نے اپنے اللہ سے خوب رورو کے دعائیں مانگی تھیں کہ حالات اس کے حق میں کر دے۔

☆.....

”میری خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے اپنے آپ کو زیادہ ہی عقلمند سمجھتی ہے۔“ محراب نے ریسپور کرڈل پر زور سے چٹا تھا اور اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا، ذہن اس وقت صرف اسے ہی سوچ رہا تھا جو دل کے ایوانوں میں بچپن سے جی ہوئی تھی۔

”صرف ایک بار مجھے یہ تو کہتی کہ میں اور آپ مل کر اس خاندان کو جوڑیں گے لیکن تم نے خود ہی فیصلہ کیا، میری ذرا بھی اہمیت نہیں تھی تمہاری نظر میں۔“ وہ خود سے ہلکا ہوا تھا، نیم دراز وہ بیڈ پر تھا فون کی ٹیل ہوئی تو محراب کی ساری حیات بیدار ہو گئیں، سی ایل آئی پر نمبر دیکھا تو سیدھا ہو کر بیٹھا۔

”لیس محراب! سہیلنگ۔“ لہجے کو کچھ سرد سا بنایا۔

رداؤ انجمن [118] اگست 2009ء

وشر اور معارج کبھی ماں سے اڑ جاتے تھے۔ وہ جھٹ اس کی نفی کرنے لگیں۔
 ”میری بچی تو اتنی صابر و شاکر ہے کہ کبھی منہ سے کسی بات کی شکایت نہیں کی ہے۔“ دادی جان کے لہجے میں
 عنایت کے لئے شہد ہی ہلک رہا تھا اور اس لمحے بس خاموشی سے سنتا رہا تھا۔
 ”اچھا آپ اتنی فکر مند نہ ہوں شادی بھی ہو ہی جائے گی۔“
 ”محریب! ہمیں تو کسی دوسری لڑکی کے چکر میں تو نہیں پڑ گیا، دیکھ میری بہت معصوم سی بچی ہے اس کے ساتھ
 کوئی ظلم نہیں کرتا۔“ انہوں نے محریب کو گویا ڈپٹ کے ہی کہا تھا۔
 ”ارے آپ نے ایسا سوچا بھی کیوں؟“ وہ ان کی سادگی پر مسکرایا۔ جتنی دیر وہ بیٹھا انہیں تسلیاں ہی دیتا رہا تھا
 وہ انہیں کیا بتاتا کہ ان کی لاڈلی چیتتی پوتی کیا کچھ پلان کر کے بیٹھی تھی وہ تو صبر کے گھونٹ اندر اتار چکا تھا اس کی
 عادت بھی نہ تھی کہ کسی پر غصہ ظاہر کرتا لیکن کل سے وہ جس انتشار کا شکار تھا وہی جانتا تھا بچپن سے ہی وہ ڈری سبھی ہی
 نظر آتی تھی مگر اب تو اس کا روپ ہی دوسرا تھا پُر اعتماد یقین سا اسے عنایت کو خفگی دکھانے کو دل چاہ رہا تھا کہ اگر وہ
 اس کے لئے فکر مند ہے تو اچھا ہے کم از کم اسے اس کی پردہ تو ہے۔

☆.....

شامین نے اسے بازار جانے کے لئے بلوایا تھا حالانکہ وہ کئی دنوں سے ڈسٹرب تھی کیونکہ محریب کا سرد مہر انداز
 پھر اسے یہ بھی ڈرتھا کہ سب کو وہ بتا نہ دے کتنی شرمندگی بھی ہوگی پھر دادی جان پر کیا گزرے گی۔
 ”سنو عنایت! ایک دن پہلے سے آنا ہوگا تمہیں۔“ شامین نے اسے کم صم دیکھا جو شاپنگ کے دوران بھی غائب
 دماغی سے ہی مشورے دیتی رہی تھی۔
 ”اے لڑکی! کیا ہو گیا ہے کیوں اتنی سوچوں میں گم ہو؟“ اس نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے کے بعد عنایت کا
 جائزہ لیا، چہرہ کچھ پریشان تھا۔
 ”آں..... ہاں کچھ نہیں۔“ فوراً ہی سنبھل بھی گئی۔
 ”بات تو خیر مجھے پتہ ہے کچھ ہے اور جانتی بھی ہوں کہ کسے سوچ رہی ہو۔“ وہ معنی خیزی سے استفسار کر رہی تھی
 جبکہ وہ پہلو بدل کر اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔
 ”جانتی ہیں تو کیوں پوچھ رہی ہیں۔“ دھیمی سی اس کی مسکراہٹ تھی۔
 ”دیکھو عنایت! جب تم نے سب اللہ پر چھوڑ دیا ہے تو بے فکر ہو جاؤ وہ بہتر ہی فیصلہ کرے گا۔“ اس نے
 اطمینان دلایا۔
 ”مجھے اپنے اللہ پر یقین ہے ایک دن فیصلہ میرے حق میں ہی ہوگا۔“ لہجے میں یقین، اعتماد اور وثوق چھلک
 رہا تھا۔
 ”لیکن شامین بھائی! مجھے ان سے اس حد تک رُو ڈھونے کی توقع نہیں تھی۔“
 ”محریب بھائی صرف نانی جان کی وجہ سے مجبور ہیں، ان کی خاطر ہی وہ یہ سب چاہ رہے ہیں کہ شادی
 جلدی ہو۔“
 ”دادی جان کا مجھے بھی خیال ہے اور پھر سب سے زیادہ میں ان کے قریب رہی ہوں بچپن سے ہی انہیں
 ہی تو اپنے اطراف میں دیکھا ہے میں ان کا خیال کر کے ہی تو کہہ رہی ہوں کہ کچھ دن ٹک جائیں۔“ وہ نگاہ نیچی
 کئے لب چمکنے لگی۔

رداؤ انجسٹ [170] اگست 2009ء

”تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ محریب بھائی جتنے ٹھنڈے مزاج کے ہیں اتنے ہی کم گو بھی ہیں، عنایت! تمہیں ان کی بات
 جانتا ہوگی، ان کی بھی تو بات سنو۔“
 ”کیسے سنوں میں؟ جب انہوں نے اتنی بڑی بات کہہ دی کہ وہ اس رشتے پر کب خوش ہیں کہہ رہے ہیں کہ مجھ
 سے پوچھ کر کب کیا گیا تھا۔“ اسے ایک یہی احساس تو اور مارے ڈال رہا تھا کہ محریب نے اس کے دل و دماغ کو ہلا
 کے رکھ دیا تھا۔
 ”وہ تو انہوں نے غصے میں کہہ دیا ہے مجھے پتہ ہے وہ تمہیں پسند کرتے ہیں۔“
 ”بھائی! اس بات کے بعد تو میں اور ہی ٹوٹ گئی ہوں، لیکن مجھے اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ امی اور دادی
 جان میں صلح ضرور ہوگی۔“
 ”انشاء اللہ! ضرور ہوگی تم اپنا دل محریب بھائی کی طرف سے بدگمان نہیں کرنا، وہ بس نانی جان کی وجہ سے
 ایسا بولے ہیں۔“ شامین نے گویا اس کو تسلی دی۔
 ”کیا بات ہے کھانا لگا یا نہیں۔“ احد ریان کو لئے لاؤنج میں ہی آ گیا، دونوں خاموش ہو گئیں۔
 ”ابھی لگاتی ہوں ساری چیزیں امی کو دکھا رہی تھی۔“ شامین بکھرے شارپز سمیٹنے لگی تھی۔
 ریان نے صوفے پکڑ کر لاؤنج میں چلنا شروع کر دیا تھا، عنایت بھی لاؤنج سے بکھری چیزیں سمیٹوانے لگی، پھر اس
 نے علیحدہ کے ساتھ مل کر کھانا لگوا دیا کیونکہ عنایت کو گھر جانا تھا، ریان کی برتھ ڈے سنڈے کو بھی۔ صرف ایک ہفتہ باقی تھا
 احد نے ہوٹل میں ہی فنکشن ارنج کیا تھا، حالانکہ احمد منع بھی کر رہا تھا کہ اتنے بڑے پیمانے پر نہیں کریں گے برتھ ڈے
 کا فنکشن وہ تو حسد نے کہا کہ ان کا پہلا پوتا ہے دھوم دھام سے برتھ ڈے اور عقیقہ ساتھ ہی کریں گے۔
 کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ محریب کی آمد ہوئی، عنایت تو جھجک سی گئی، لیکن کمر کے پرچہ کاٹن کے لباس
 میں اپنے سادہ سر اے سمیت وہ اسے دیکھنے پر مجبور کر گئی۔
 ”نہیں تو سمجھا کہ تم نہیں آؤ گے۔“ احد نے شرارت سے کہا۔ وہ جھینپا ہوا ہال کمرے میں ہی ان سب کے درمیان
 بیٹھ گیا مگر چہرہ عنایت کی جانب سے سپاٹ بنا لیا۔
 ”محریب! گھر میں تو سب ٹھیک ہیں؟“ حسد نے پوچھا۔
 ”الحمد للہ! سب ٹھیک ہیں، مگر دادی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کل بھی ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا۔“ اس
 نے گویا عنایت کو ہی بتایا۔
 ”اماں جی کو ہر وقت جواد بھائی کی اور بچوں کی فکر رہتی ہے، جب سے وہ گھر سے گئے ہیں۔“ حسد تا سف
 سے گویا ہوئیں۔ محریب سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا، پھمپھا جان سے کچھ دیر طیک سلیک کرنے کے بعد
 اسے احد نے گھیر لیا۔
 ”اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم نے اس وجہ سے بلایا ہے تو کبھی نہیں آتا۔“ اشارہ عنایت کی جانب تھا جو اٹھ کر اندر چلی گئی
 تھی اسے جانے کی جلدی تھی۔
 ”میں نے سوچا کہ ثواب حاصل کر لوں، کافی دنوں سے دیدار سے محروم ہو۔“
 ”فضول بکواس نہیں کیا کرؤ۔“ وہ جھینپ گیا۔
 ”احد بھائی! عنایت باجی کہہ رہی ہیں کہ انہیں جلدی مگر چھوڑ آئیں، گھر سے وشہ کا فون آ گیا ہے۔“ علیحدہ سے
 کہتے اندر آئی تھی۔

رداؤ انجسٹ [121] اگست 2009ء

”اس سے کہو کہ تیار ہو کے باہر آئے۔“ احد نے ہانک لگائی۔
”سنو! تم اسے گھر چھوڑ کے آؤ کیونکہ بہت ڈری ہوئی ہے تمہارے اس دن کے زوڈروئے کی وجہ سے۔“
”میں نے کوئی ایسا رویہ نہیں رکھا تھا جو اصل بات بھی بیان کی تھی۔“ وہ تنک گیا۔
”یار! تم اس کی بات بھی تو سمجھو۔“ احد نے سر پیٹ لیا۔

”میں سمجھتا ہوں جو وہ چاہ رہی ہے لیکن احد! دادی جان اتنا انتظار تو نہیں کریں گی ذرا سی طبیعت بگڑتی ہے مایوسی کی باتیں کرتی ہیں۔“ وہ رنجور اور دل گرفتہ بھی ہو رہا تھا۔
”جو بھی ہو تم نے عقل مندی سے یہ سب کرنا ہے دیکھو عتاب بہت صلح جوڑ کی ہے جیسا تو ٹھنڈے مزاج کا ہے ویسی ہی وہ ہے عام لڑکیوں کی طرح ذرا غرہ نہیں ہے شکر کرو جو اتنی اچھی لڑکی تجھے مل رہی ہے۔“ احد نے اس کے شانے پر ہلکی دے کر گویا احساس دلایا تھا۔ اتنے میں وہ سر پر قریب سے دوپٹہ اوڑھ کے چلی آئی تھی، محریب کو دیکھ کر ندوس ہی ہونے لگی۔

”سنو! موقع مل رہا ہے چھوڑ کے آؤ اسے۔“
”کیا میں.....“ وہ گھبرا گیا۔

احد نے اس کی بالکل نہ سنی، عتاب کی بھی دھڑکن تیز ہو گئی، آج دوسری بار وہ اور محریب اتنے قریب تھے مسلسل خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی، محریب نے گاگنی رکھے ہوئے گاڑی ڈرائیور کر رہا تھا، دل کی ہر دھڑکن عتاب کو پکار رہی تھی جو اس کے اتنے پاس تھی کہ وہ محسوس کر سکتا تھا۔

☆.....

تمام سفر خاموشی کی نذر ہوا تھا، دونوں میں سے کسی نے بھی بات نہ کی تھی، گاڑی خوبصورت سے بنگلے کے آگے رکی تو عتاب چوبک گئی، گھر آ چکا تھا محریب فان کلر کے قمیص شلوار میں ملبوس اتنا وجہہ دکھیل اور سنجیدہ تھا کہ ایک نگاہ ضرور ڈال کر رہ گئی تھی یہ کیا وہ بھی ڈرائیور ڈور سے نکلا اور گاڑی لاک کی اور آگے آ گیا، آج وہ کتنے عرصے بعد اندر قدم رکھ رہا تھا، ٹیل پر ہاتھ اسی نے رکھا تھا، رات کے دس بج چکے تھے، گیٹ معارج نے کھولا تھا۔
”السلام علیکم! آپ.....“ وہ خوشی سے بولا اور فوراً بنگلہ گھیر ہو گیا، عتاب تو فوراً ہی اندر آ گئی، اسے امی سے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ پتہ نہیں وہ محریب سے کیسے انداز میں ملیں۔

”ارے محریب بیٹا! کیسے ہو؟“ جواد احمد تو حیرت زدہ ہی رہ گئے، دشت بھی آگئی تھی، محریب کو ڈانٹنگ روم سے ملحق لاؤنج میں ہی بٹھا دیا گیا تھا، سمیرا بیگم کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر چہل قدمی کر کے وہ پورچ سے اندر آ گئی تھیں ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات واضح موجود تھے۔
”تم تو حسد کے گئی تھیں۔“ سمیرا بیگم کے لہجے میں طنز اور ناگواری چھلکی۔

”چچی جان! میں پھپھو کے گھر گیا تھا میں نے سوچا کہ میں ڈراپ کر دیتا ہوں عتاب کو۔“ محریب کو ان کا انداز چہما۔ عتاب تو لب کھل رہی تھی وہ محریب کی بھی بے عزتی نہیں چاہتی تھی کہ سمیرا بیگم کریں۔

”چلو اچھا کیا بیٹا! تم اس بہانے آؤ گئے۔“ جواد احمد کو زیادہ خوشی ہو رہی تھی۔
”اور سمیرا چچی! آپ کیسی ہیں؟“ اس نے فارملٹی بھائی۔

”کیوں تم بھی پوچھنے آئے ہو؟“ ایک تیرہ بیٹکا۔
”سمیرا! لہجے کو درست رکھو۔“

رداؤ انجسٹ [122] اگست 2009ء

”کیوں میرا لہجہ ایسا کون سا بنا رہا ہے جو درست رکھوں۔“ وہ کلس کے گویا ہوئیں۔ محریب پہلو بدل کر ہی رہ گیا۔
دشہ لوازمات سے ہڈ ٹرے لے کے آئی تھی وہ بھی تاسف بھری سانس بھر کے رہ گئی۔
”ارے چاچو! ایسی کوئی بات نہیں ہے، سمیرا چچی نے ٹھیک انداز میں پوچھا ہے۔“ اس نے ہی بات برابر کرنی چاہی۔ سمیرا کچھ جھل سی ہوئیں کیونکہ محریب کی فراخ پیشانی پر ایک بل بھی نہیں آیا تھا۔
”ہر بات کی حد ہوتی ہے۔“

”ارے چاچو! آپ کیوں اتنا غصہ ہو رہے ہیں۔“ محریب انہیں ٹھنڈا کرنے کے لئے ان کے قریب ہی بیٹھا تھا، دشہ نے لوازمات مکمل کر کے شروع کر دیئے تھے، عتاب کمرے سے باہر کھڑی لب کھلتی ہوئی سن رہی تھی وہ محریب کے اتنے صلح جو انداز پر شہر زدہ بھی رہ گئی تھی، اس نے ذرا بھی امی کی بات کا مذا نہیں منایا تھا۔
”ایک تو بیٹا! تم کتنے دنوں بعد آئے ہو مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔“ ندامت میں گھرنے لگے، سمیرا سخت زدہ انداز میں انہیں دیکھتی ہوئی چلی گئی تھیں۔
”کوئی بات نہیں، مجھے کچھ بھی مذا نہیں لگا ہے۔“ وہ مسکرایا۔

”محریب بھائی! شروع کریں۔“ دشہ نے کسٹرڈ ایک پیالی میں نکال کر دیا، جو اس نے معارج کے کہنے پر آج بنایا تھا۔

”اس وقت گنجائش تو نہیں ہے لیکن تم اتنے پیار سے لائی ہو اس لئے تمہوڑا اچکھ لیتا ہوں۔“ اس نے دشہ کے ہاتھ سے پیالی لی تھی۔ معارج بھی آگیا تھا، وہ اس سے پڑھائی کے متعلق بات کرنے لگا تھا۔ اتنے میں عتاب چائے بنا کے لے آئی تھی، محریب نے اپنی نگاہ ڈالی تھی وہ سینٹرل ٹیبل پر پڑے رکھ چکی تھی۔
”میں آنے کا بھی سوچ رہا تھا، آج کل ذرا آفس کی مصروفیت بھی بہت ہے۔“

جواد احمد نے بتایا انہوں نے لیڈر فیکٹری دو سال پہلے ہی شروع کی تھی اب انہیں کافی ترقی بھی ملی تھی کہ ان کے حالات اور گھر گئے تھے۔

”آپ کو دادی جان بہت یاد کر رہی تھیں۔“ وہ چائے کے سب لینے لگا۔ عتاب اس کا کپ رکھ کر چلی گئی تھی، اس کا دل عجیب گھبراہٹ کا شکار تھا، اسے یہ ڈر بھی ہو رہا تھا کہ اگر خدا نخواستہ دادی جان کی طبیعت بگڑ گئی تو محریب پھر تو اسے بالکل ہی معاف نہیں کرے گا، وہ فوراً ہی عشبہ کی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی، اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب محریب گیا، کافی دیر تک بیچ سورہ اور دیگر سورتیں پڑھتی رہی تھی وہ تو دشہ اندر آئی تو پتہ چلا کہ محریب کافی دیر تک ابو سے باتوں میں مصروف رہے تھے لیکن اس نے یہ نہیں پوچھا کہ باتیں کون سی تھیں لیکن اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ موضوع وہی دونوں ہی ہوں گے۔

☆.....

احد کے بیٹے کی برتھ ڈے اور حقیقتہ تھا اس لئے دشہ کو تو سب سے ملنے کی زیادہ خوشی تھی، شامین نے تو عتاب، دشہ اور یحییٰ کو پہلے ہی بلا لیا تھا کیونکہ یہاں پر صرف علیہ تھی اس لئے سب مل کر محفل سجائے ہوئے تھے، فائق اور ماز بھی وہیں تھے تو اور محفل زعفران زار تھی۔

”سن ماز! آج ابھی تک لڑائی نہیں ہوئی دشہ سے؟“ اس نے ماز کے کان میں سرگوشی کی۔
”دیکھو ابھی سنا تھا ہوں۔“ ماز کی پر شوخ نگاہیں دشہ کا طواف کرنے لگیں جو شاکنگ کھدر کے سوٹ میں اپنے شوڈر کٹ بالوں کو کچھ میں مقید کئے علیہ اور یحییٰ سے باتوں میں لگی ہوئی تھی۔

رداؤ انجسٹ [123] اگست 2009ء

”تمہیں یہاں پھنسا دیا ہے بھابی نے ماڈلنگ کروانے کے لئے نہیں بلایا ہے بلکہ ہاتھ پیر چلانے کو بلایا ہے۔“ اس نے دوش کے سر پر جا کر دھاوا ہی بولا وہ دانت پیس کے مائز کو ناگواری سے دیکھنے لگی۔
”دیکھئے! یہاں میں آپ کے منہ لگنے نہیں آئی ہوں۔“ دوش کے دوش پر جا لگی۔
”کیوں ارادہ پہلے ہی تھا۔“ لہجہ معنی خیز اور شوخ ہو گیا۔
”پھنسو پھنسو!“ دوش نے حسہ کو پکارنا شروع کر دیا۔ حسہ تو گھبرائی ہوئی چلی آئی تھیں کیونکہ سب ہی حیرانگی سے اسے چننا ہوا دیکھنے لگے تھے۔
”آہستہ بولو۔“ مائز گڑبڑا ہی گیا۔
”کیا ہو گیا شروع ہو گئی لڑائی۔“
”پھنسو! انہیں سمجھالیں۔“ وہ منہ ہی بسورنے لگی۔
”دوش! ذرا آواز کو آہستہ نہ کر لو کیا شور مچانے لگی ہو۔“ عنائبہ کو بھی ناگوار لگتا تھا۔
”آئی! انہیں بھی تو دیکھیں۔“

”بھابھو تو مجھے دیکھتی ہی رہتی ہیں لگتا ہے تم نے دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔“ لہجہ شرارتی اور ذومعنی تھا فائق دبی دبی ہنس رہا تھا۔

”میں نے جو کروں کو دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔“ نخوت سے منہ بنا کر بولی تھی۔
”بس کرو دوش! مائز بھائی تو تمہیں مذاق میں کہہ رہے ہیں۔“ علیہ نے فوراً سائیڈ لی۔
”میں کوئی مذاق میں نہیں کہتا ہر بات سیریس کہتا ہوں۔“ جھٹ نفی کی۔
”مائز! چپ کر جاؤ۔“ پھنسو بے زاری ہو گئیں تو اسے سرزنش کی۔
احد آیا تو مائز کو چپ کرایا کیونکہ دوش تو تنہا ہی ہو رہی تھی عنائبہ نے اسے بھی ڈانٹ کے بٹھا دیا تھا۔
عنائبہ سب کے لئے ہی جانے بنا کے لائی تھی سارے پورے ہال میں پھیلے بیٹھے تھے ایسے میں پھر محریب کی بھی آمد ہو گئی کیونکہ احد نے اسے دھمکیوں کے بعد بلایا تھا۔

”عنائبہ! ایک کپ ایشل سی چائے محریب کے لئے بھی لاؤ۔“ احد نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے محریب کو دیکھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ بڑے صوفے پر بیٹھ گیا اور اپنی توجہ ریان پر جمادی جو اپنے کھلونوں سے کھیل رہا تھا۔
”بھابھو! پیار سے لائیے گا۔“ پیچھے سے مائز نے بھی ہانک لگائی۔ شامین کو ہنسی آ گئی وہ بھی کچن میں ہی چلی آئی تھی عنائبہ نے چائے کا پانی چڑھا دیا تھا مگر وہ سوچوں میں بھی گم تھی۔
”عنائبہ! اگر تم چاہو تو محریب بھائی سے بات کروادو تمہاری؟“

”نہیں مجھے اب ان سے کوئی بات نہیں کرنی ہے میں چاہتی ہوں کہ جو تھوڑا بہت مجرم ہے وہ تو رہے خواخواہ گھر کے بڑوں کو خبر ہو گئی تو شرمندگی الگ ہوگی۔“ وہ کپ کاؤنٹر پر کھنے لگی شامین نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چیخ پر بٹھا دیا۔
”تمہیں محریب بھائی کا سرد رویہ دکھ دے رہا ہے نا؟“
”بھابی! دکھ کی کیا بات کروں مجھے تو یہ دکھ ہوتا ہے کہ ہم سب لوگ سب سے الگ ہیں صرف امی کی وجہ سے۔“ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

”اب کیا کر سکتے ہیں مامی کو جانے کیوں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم سب ان سے خوش نہیں ہیں۔“ شامین نے بھی تاسف کا اظہار کیا۔

”کیا بات ہے بھئی! ایک کپ چائے میں کتنی دیر لگتی ہے۔“ احد نے اندر قدم رکھا تو دونوں ہی گڑبڑا گئیں عنائبہ نے پشت پھیر کر اپنے آنسو صاف کیے احد نے اشاروں میں شامین سے پوچھا۔
”چائے تیار ہے؟“ شامین نے کہا۔ عنائبہ ان دونوں کے درمیان سے نکل کر باہر چلی گئی کیونکہ اپنے تاثرات اس وقت کنٹرول کرنا مشکل ہی لگ رہا تھا۔
”محریب بھائی کی وجہ سے پریشان ہو رہی تھی۔“ شامین بولی۔
”ارے اس سے کھو فکر نہیں کرے محریب ٹھیک ہے بس کچھ غصہ اور ناراضی ہے جو صرف انہوں کو ہی دکھاتا ہے۔“ وہ شامین کو چائے نکالتے ہوئے دیکھنے لگا۔
”وہ بہت حساس ہو رہی ہے۔“

”تم اسے اطمینان دلاؤ کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں محریب کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کس مزاج کا ہے نہ وہ غصہ کرتا ہے اور نہ ہی دکھاتا ہے ہاں البتہ نانی جان کے معاملے میں وہ اس بار زیادہ پٹی ہو رہا ہے۔“ اس نے ٹرے ہاتھ میں تھامی دونوں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے ہال میں آ گئے جہاں مائز اور دوش کی محاذ آرائی جاری تھی۔

”مائز! چپ کر جاؤ۔“ محریب نے اسے اشاروں سے منع بھی کیا۔
”محریب بھائی! میں محض ان کی وجہ سے دادی جان کے گھر نہیں آتی ہوں۔“ وہ لمبے لمبے سانس لے کے گویا ہوئی۔

”وہاں کون سا کوئی تمہارے لئے مراجارہا ہے نہیں آتی ہو تو نہ آؤ ایک دن تو آنا ہی پڑے گا۔“ وہ عام سے لہجے میں بولتا ذومعنی انداز میں بولا تھا۔ فائق اس کی معنی خیزیاں سب سمجھتا تھا وہ مسلسل ہنس ہی رہا تھا۔ احد نے محریب کو باہر لان میں بلایا دونوں کین کی چیئر پر بیٹھ گئے تھے اندر وہ سب اپنی اپنی خوش گپیوں میں لگے تھے اس وقت رافع نہیں تھا اور نہ وہ اچھا خاصا فائز کو تپا ہی دیتا تھا۔

☆.....

”تم اپنے بکھیڑوں کو آج جلدی نمٹا دینا حسہ کے پوتے کی برتھ ڈے کا فنکشن ہے۔“ وہ انہیں گویا حکم دینے کے ساتھ یاد دلارہے تھے۔ معارج سر جھکائے ناشتہ کر رہا تھا اس نے چونک کر سیرائیگم کے تاثرات دیکھے جو خامے ناگواری لئے ہوئے تھے۔

”میرا جانا اتنا ضروری بھی نہیں ہے۔“

”ضروری نہیں ہے لیکن جانا ضرور ہے ایک ایک شخص جنہیں پوچھتا ہے۔“ جواد احمد نے ان کے چہرے کو دیکھا جو کاشن کے زرد لباس میں اتنا اکڑ کر بیٹھی ہوئی تھیں کہ انہیں کوفت ہی ہوتی تھی۔

”اب تمہارے گھر والوں کو کیا فکر رہتی ہے جو پوچھتے ہیں نکالا بھی انہوں نے ہی تھا۔“
”انہوں نے نہیں نکالا تھا بلکہ میں تمہیں وہاں سے نکال کر لایا ہوں سوائے تم مجھے ٹینشن دینے کے کرتی کیا تھیں۔“ وہ تیز لہجے میں بولے۔

”سب سے بڑی ٹینشن تمہاری ماں ہے۔“

”خبردار جو تم نے میری ماں کو کچھ بولا تو۔“ وہ شہادت کی انگلی اٹھا کر غضبناک انداز میں دھاڑے تھے۔

”یہ جو تم آج یہاں نظر آ رہی ہو میری ماں کی بدولت نظر آ رہی ہو۔“

بناوٹ زدہ زندگی سے الگ تھی۔

☆

سارے لوگ ہی لان میں چلے گئے تھے، عتابہ کا دل ہی نہیں لگ رہا تھا، شائنگ پنک جارچٹ کے واسٹ ستارے موتی سے مزین لباس میں اپنے دراز بالوں کی چوٹی بنائے وہ اپنے سادہ سے سراپے کے ساتھ گم صم سی چیر پر بیٹھی تھی، مہمان بھی آنا شروع ہو گئے تھے لیکن اس کی نظر لگا ہی اپنی ماں کے لئے تھیں کہ وہ آج بھی آتی ہیں یا نہیں، دادی جان صوفے پر بیٹھی تھیں، حالانکہ ان کی طبیعت ٹھیک نہ تھی، مگر ماحول بدلنے کے لئے سب ہی انہیں یہاں لے آئے تھے۔

”کیا بات ہے اتنی افسردہ سی کیوں لگ رہی ہو؟“ ندرت نے جانچتی اور پرتشوش نگاہوں سے اس کے ملکوتی حسن کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا۔

”افسردہ تو نہیں ہوں۔“ وہ مسکرائی۔

”ایک تو تم مسکراتی بھی بہت سوچ سمجھ کے ہی ہو۔“ ندرت نے اپنی جھلملاتی پنک ساڑھی کا آئینہ ہاتھ پر سمیٹا۔

”خیر ایسی بھی بات نہیں ہے۔“ وہ جھینپ گئی۔

”عتابہ! اگر آج تھوڑا سا میک اپ کر لیتیں تو آج تو سمجھو محریب کیا تھا کام سے۔“ انہوں نے معنی خیزی سے چھیڑا۔

”میک اپ مجھے پسند نہیں ہے۔“ محریب کے نام پر دل بھی دھڑکا تھا۔ اسی وقت محریب کی گہری نگاہوں نے اسے دیکھا جو اتنے سادہ سراپے میں پروقار اور منفرد لگ رہی تھی کہ وہ ایک ٹک دیکھے ہی گیا، وہ ندرت سے بات کرتی ہوئی اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ وہ اطراف کے منظر سے بے گانہ ہی ہو گیا۔

”عتابہ! دیکھو محریب دیکھ رہا ہے تمہیں۔“ ندرت، محریب سے دو سال چھوٹی تھی اس لیے اس کا نام ہی لیتی تھی۔ اسی وقت عتابہ نے بھی نگاہ ترچھی کی، وہ سامنے کی طرف ٹیبل پر پستی کلر کے ٹیس شلوار میں ملبوس اسی کی جانب متوجہ تھا۔ عتابہ کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا، دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا وہ جھینپ کر دوسری جانب دیکھنے لگی اسی وقت محریب نے بھی نگاہوں کا رخ بدلا تھا۔

”عتابہ! سمیرا چچی آ رہی ہیں۔“ ندرت نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ اس نے جھٹ مین گیٹ کی جانب دیکھا جو ڈارک پر پل ٹل گولڈن ستارے اور کندن کے کام کی ساڑھی میں حسب معمول میک اپ سے مزین سراپے کے ساتھ بڑے بڑے اعتماد انداز میں چلی آ رہی تھیں، عتابہ کی نگاہ شرمندگی کی وجہ سے جھک سی گئی۔

”السلام وعلیکم!“ ندرت نے انہیں سلام کیا۔ عتابہ تو انہیں دیکھنے سے گریز ہی کر رہی تھی وہ زبردستی کی مسکراہٹ سجائے آگے بڑھنے لگی تھیں۔

”آؤ عتابہ!“ ندرت نے اس کی سوچوں کا رخ موڑا۔

”آتی ہوں۔“ وہ سرے سرے قدموں سے روش پر چلنے لگی تھی۔

سمیرا بیگم سب سے ہی مل رہی تھیں اگر نہ ملیں تو وہ اپنی بڑی جیٹھانی اور چھوٹی جیٹھانی سے دادی جان سے تو وہ بات کرنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔

”دیکھا اپنی ماں کو ذرا خیال نہیں کر رہی ہے کہ اس محفل میں سب ہی نوٹ کر رہے ہیں۔“ جواد احمد کے لہجے میں تاسف اور غصہ دونوں ہی تھا۔

”پلیز ابو!“ معارج کھسیا کر کھڑا ہو گیا۔

”ذرا لحاظ نہیں کرتے ہو اولاد جوان ہے میری تفحیک کرتے رہتے ہو۔“ وہ جھلبلائے کے ساتھ روہانی بھی ہو گئیں۔

”امی! ابو آپ کا ہر طرح سے لحاظ کرتے ہیں لیکن آپ کبھی بھی دادی جان کا لحاظ نہیں کرتی ہیں، انہیں برا بھلا کہتی رہتی ہیں۔“

”تم چپ کر دو تینوں اپنے باپ کے حمایتی بن جاتے ہو۔“ وہ تونک گئیں۔

”تم نے سوائے بچوں کو جھڑکنے کے دیا کیا ہے۔“ جواد احمد چیر گھیسٹ کے کھڑے ہو گئے، معارج تاسف سے سر ہلا کر کمرے سے ہی نکل گیا، آج تو دیسے ہی چٹھی تھی اس کا ارادہ بھی حسنہ پھسکی طرف جانے کا تھا۔

”میرے بچوں کے سامنے مجھے جھڑکتے ہو۔“

”تمہارے جواب میں جھڑکتا ہوں، کبھی تم سیدھے منہ بات کرتی ہو مجھے یہ بتا دو تمہیں اپنی جوان بیٹی کی فکر ہے کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہے اسے اس کے گھر کا کر دو۔“ وہ اپنی لال انگارہ آنکھوں سے انہیں گھور رہے تھے۔

”مجھے اپنی بیٹی بھاری نہیں ہے۔“ وہ جیسے لا جواب ہی ہو گئی تھیں۔

”تم صرف اپنے متعلق سوچتی ہو اپنی ایک دنیا بنائی ہے، نہ دین کی فکر ہے نہ عمر کا لحاظ ہے۔“

”کیوں کیا ہو گیا ہے میری عمر کو تم سے دس سال چھوٹی ہی لگتی ہوں، ابھی تک میں نے اپنا خیال رکھا ہوا ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔“ وہ قفا خردہ لہجے میں گویا ہو گئیں۔

”اعتراض مجھے نہیں لوگوں کو ہے کہ ماں کو دیکھو بیٹیوں کے آگے بھی جوان بننے کی فکر رہتی ہے، سمیرا! ہوش کرو سوچو ہماری بیٹیاں جوان ہیں۔“

”تم ہونہ سوچنے والے سوچو مگر یہ بات یاد رکھنا عتابہ کی شادی میں کسی صورت بھی تمہارے بھتیجے سے نہیں ہونے دوں گی۔“ وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

”لیکن تم بھی یاد رکھنا، عتابہ کی شادی ہوگی تو محریب سے ہی ہوگی۔“

”میں قیامت تک نہیں ہونے دوں گی۔“ ضدی تو وہ شروع سے ہی تھیں جب ہی تو سسرال والوں سے انہوں نے آج تک بنا کے ہی نہ رکھی تھی۔

”سن لو تم کان کھول کر روش کی بھی میں دیکھنا اپنے ہی کسی بھتیجے سے کروں گا۔“

”کیا روش کی نہیں جواز! تم ایسا نہیں کر سکتے ہو اپنی بیٹیوں کو میں تمہارے بک درڈ گھرانے میں تو کسی طور پر جانے نہیں دوں گی۔“

”ابھی تو تم اس بحث کو چھوڑ دو لیکن آج کے لئے تیار رہنا ورنہ سوچ لو نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔“ وہ رجوت بھرے لہجے میں دھمکی دیتے ہوئے ڈانٹنگ روم سے باہر نکل گئے تھے، سمیرا بیگم تو تھلا کے ہی رہ گئی تھیں۔

معارج ان دونوں کی ساری باتیں سن چکا تھا اسے بھی اپنی ماں کی سوچوں اور ضد پر افسوس ہوتا تھا، بچپن سے ہی اس نے اپنی ماں کو دور ہی دیکھا تھا نہ کبھی وہ باس بٹھا کر پیار کرتی تھیں اور نہ ہی کبھی ان کی باتوں سے دلچسپی رکھتی تھیں، شروع سے اس نے انہیں سچا سنورا اور فیشن زدہ ہی دیکھا تھا۔ ماں کے مقابلے میں اس کی دونوں بیٹیاں اتنی سادہ تھیں، عتابہ تو نماز کی اتنی پابند تھی کہ کبھی کوئی نماز قضا نہ کرتی تھی اور یہ اس کی ماں جس کو اس نے صرف جمعہ کی ہی نماز پڑھتے دیکھا تھا ہر وقت اپنی دنیا میں گمن ہی دیکھا تھا، جہاں سے نت نئے چہرے روغن زدہ ہی نکلتے تھے اسے

مجھے پتہ نہیں کتنا شرمندہ کروائے گی۔

”ابو! آپ پلیز اتنا غصہ نہ کریں۔“ اس نے دبے دبے لہجے میں گویا چپ کرایا۔ کچھ ہی دیر میں ریان کو گود میں اٹھائے اسٹج کی جانب اُحد اور شامین بڑھ رہے تھے، عنائہ کا فنکشن میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا، وشہ تو علینہ اور یمنی کے ساتھ خوب انجوائے کر رہی تھی اور وہ آنکھوں میں نمی لیے دادی جان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی، اسے میرا بیگم کا رویہ شرمندہ کر رہا تھا، بڑی امی اور تائی امی نے خود ہی ملنے میں پہل کی تھی مگر میرا بیگم کے انداز میں نخوت اور ناگواری سب ہی پنہاں تھی۔

☆.....

رات کو سب اتنی دیر سے آئے تھے تو صبح دیر سے ہی سب کی آنکھ کھلی تھی، فائق اور مائز کی بھی یونیورسٹی کی چھٹی ہو گئی تھی، محریب صبح ہی اٹھتا تھا، وہ تو ناشتہ کے بعد آفس چلا گیا، یمنی کا لُج نہیں گئی تھی، رافع البتہ اسکول گیا تھا، پورا دن مائز نے تو سوکر گزارا تھا، فائق کسی دوست کی طرف نکل گیا تھا پھر وہ مغرب کے بعد ہی گھر آیا تھا۔

”تم سارا دن کہاں رہے؟“ ناظمہ نے ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

”ایک دوست کی طرف نکل گیا تھا۔“ وہ لاؤنچ میں بڑے صوفے پر لیٹ گیا، محریب اور ریحان احمد دونوں وہیں چلے آئے، دونوں ہی لگتا تھا کسی گہری سوچ میں تھے، فائق اتھ کر بیٹھ گیا۔

”ابو! وہ لڑکی بہت چھوٹی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی لڑکی ہم اپنے آفس میں رکھیں۔“ محریب گویا ہوا۔

”لیکن بیٹا! تم یہ بھی تو دیکھو اس کا باپ بھی نہیں ہے اور دو بہن بھائی چھوٹے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ہم اسے کمپیوٹر کے پورشن میں رکھ لیتے ہیں۔“

”ابو! آپ یہ دیکھیے وہ چھوٹی کتنی ہے، ہماری یمنی اور وشہ کی عمر کی ہے۔“ محریب ان کی بات مان ہی نہیں رہا تھا۔

فائق ان دونوں کی بحث حیرانگی سے سن رہا تھا۔

”مجبور اور پریشان لڑکی ہے۔“

”یہ میں بھی جانتا ہوں لیکن ابو! وہ بہت چھوٹی ہے اور پھر ہمارا پورا اسٹاف میل ہی ہے، میں اسے وہاں نہیں رکھ سکتا۔“ وہ ویسے بھی اس لڑکی کو ایسے ماحول میں نہیں رکھنا چاہ رہا تھا جہاں مرد مصنف نازک کو گھور گھور کر دیکھیں۔

”تم ایسا کرو ابھی تو اسے یہ کہو کہ ہم اسے کال کر لیں گے۔“ ریحان احمد گویا ہوئے جیسے کسی بھی فیصلہ پر پہنچنے سے محریب کو رد کا۔

”ہم یہ کر سکتے ہیں کہ انیکسی میں اسے کہہ دیتے ہیں رہنے آ جائے۔“

”ابھی ہم جاب بھی نہیں دے رہے انیکسی میں کیسے رکھ سکتے ہیں۔“ ریحان احمد کو اس کی یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

”ابو! ہم فی الحال یہ کر سکتے ہیں کہ اسے رہنے کے لئے کہہ دیتے ہیں، بہت پریشان بھی نہیں چاہتا کہ وہ اپنی ماں اور بہن بھائی کو لے کر ورتور بھٹکے۔“ محریب کو اس لڑکی کی مصیبت نے بھی متاثر کیا تھا، پھر بھی کچھ ڈری

سبھی سی وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس لڑکی کی سادگی و مصیبت سے کوئی بھی فائدہ اٹھائے، فائق وہاں سے اٹھ کر چلا گیا کیونکہ کسی لڑکی کا ذکر اکٹا ہٹ میں جلا کر گیا تھا۔

”کون لڑکی ہے وہ؟“ نزہت تو کب سے سن رہی تھیں وہ پوچھے متا نہ رہ سکیں۔

”ہے ایک مجبور و بے کس سی لڑکی۔“ محریب مسکرایا۔

”کہیں تم کسی لڑکی کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے ہو۔“ ان کے ماتھے پر تھکر کے جال بچھ گئے، محریب کو ہنسی آ گئی۔

”ارے تم بھی حد کرتی ہو تمہارا بیٹا ایسا نہیں ہے کہ وہ ایسی حرکتوں میں پڑے البتہ آپ کے دوسرے

صاحبزادے سے سب توقع ہے۔“ ریحان احمد کی تنقیدی نگاہ مائز پر انہی جوان لوگوں کو دیکھ کر وہیں چلا آیا۔

”ابو! کو ہمیشہ مجھ پر شک ہی رہتا ہے۔“ وہ مداماننے کے ساتھ غلٹی بھی دکھانے لگا، محریب مسکرایا۔

”صاحبزادے! میں آپ کی ہر سرگرمی سے واقف ہوں۔“

”ابو! خدا کو مانتے ہیں ایسا دیا بالکل نہیں ہوں۔“ وہ گویا یقین دلانے لگا۔

”ایسا دیا ہونا بھی نہیں چاہیے ورنہ تم جانتے ہی ہو۔“ انہوں نے جتایا۔

”اچھی طرح جانتا ہوں، دنیا میں دو خطر آئے ایک وہ جو کبھی ہنسنا نہیں دوسرے آپ۔“

”مائز! تمیز سے کس کو کہہ رہے ہو۔“ نزہت نے اسے سرزنش کی۔ ریحان احمد نے جیسے سنا نہیں تھا، وہ اپنا موبائل

چیک کرنے لگے جہاں کال آ گئی تھی، مائز کی بچت ہو گئی۔

”یار مائز! کبھی تو ابو کو بخش دیا کرو۔“

”بھائی جان! آپ یہ بھی تو دیکھیے ابو کو مجھ پر اتنا شک ہے کہ کیا بتاؤں، اگر میں لڑکی ہوتا تو شاید مجھے گھر سے ہی

نکلنے نہ دیتے۔“ وہ بولا۔

”تمہاری شرارتوں سے وہ خائف رہتے ہیں۔“

”دیکھیے گا ایک دن یہ شرارتیں اور بڑھ جائیں گی جب میں چاچو بنوں گا۔“ اس نے شرارت سے کہا۔ نزہت

نے ہنس کر اس کے سر پر چپٹ لگائی، محریب نے اپنی ہنسی روکی، اکثر وہ ہر بات یوں ہی بے باکی سے بول دیتا تھا۔

”پتہ نہیں میری بھابھو ظالم جادوگر کی قید سے کب آزاد ہوں گی۔“

”مائز! کیا بکواس کرتے رہتے ہو ذرا بڑے چھوٹے کا لحاظ نہیں ہے۔“ نزہت کو اس کی یہی باتیں اور غصہ دلا

دیتی تھیں۔

”سوری امی!“ جھٹ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ کچھ زیادہ ہی بول دیا ہے، محریب سر ہلا کر رہ گیا۔

”امی! آپ ذرا انیکسی کی جھاڑ پونچھ کر دے دیجیے گا۔“ محریب کو یکدم ہی خیال آیا۔

”خیریت، انیکسی میں کون آ رہا ہے؟“ مائز کو اچنبھا ہوا۔

”آ رہا ہے کوئی ہر بات تمہیں بتانا ضروری ہے کیا۔“ محریب نے کہا۔

”پھر بھی بتائیے تو۔“ اسے تو ویسے ہی ہر بات کا تجسس رہتا تھا۔

”جو کوئی بھی آئے گا دیکھ لیتا۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔ مائز بھی نزہت کے پیچھے پڑ گیا کہ کون آ رہا ہے، انہیں خود نہیں پتہ

تھا اس لئے اسے ٹال دیا۔

☆.....

”اب کب کا کہا ہے؟“ مبینہ نے اس سے پوچھا۔ جو سوچوں میں گم تھی ایک ہفتے سے وہ ”احمد اینڈ کو“ کے چکر

ہی لگا رہی تھی مگر اسے آثار نظر آ رہے تھے کہ جاب نہیں ملے گی۔

”کہہ رہے تھے کہ ہم خود انعام کر دیں گے۔“ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

”بیٹا! یہاں سے تو ہمیں جانے میں دن بھی کم رہ گئے ہیں، مالک مکان نے صرف ایک ہفتے کا ٹائم دیا ہے کہ گھر

خالی کر دیں۔“

”آپ دعا کریں کہیں تو ملے گا ٹھکانہ بھی“۔ تہذیب نے سردی سانس کھینچی۔
 ”آئی! میرے اسکول کی فیس بھی جمع نہیں ہوئی ہے“۔ حمزہ نے خامے منہ اور فکر مند انداز میں کہا۔
 ”چھوڑ دیہ پڑھائی دڑھائی کیا کیا کرے گی یہ نوکری کا پتہ نہیں ہے مکان بھی ہمیں خالی کرنا ہے“۔ ان کے لہجے میں دکھ و محرومی اتنی تھی کہ تہذیب نے افسردگی سے انہیں دیکھا۔
 ”امی! پڑھائی چھوڑنے سے کیا مجھے نوکری مل جائے گی وہ اپنے وقت پر ہی ملے گی، حمزہ تم فکر نہ کرو تمہاری فیس کا بندوبست ہو جائے گا“۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو پیار سے تسلی دی۔
 ”آئی! امیر ایوینفارم بھی خراب ہو رہا ہے“۔ حکمت نے منہ بسور کے کہا۔
 ”اس کا تم دونوں دماغ خراب کر دینا، ہم پہلے ہی پریشان ہیں اوپر سے تمہاری پڑھائیوں کا بوجھ کتنے خرچے ہیں کچھ سوچا ہے۔“

”امی! آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا“۔ تہذیب ہمیشہ انہیں اطمینان ہی دلاتی تھی۔
 وقت سے پہلے ہی اس پر ذمہ داری پڑ گئی تھی تین سال پہلے باپ کی وفات ہوئی اس وقت وہ فرسٹ ایئر میں تھی مشکل سے انٹر پورا کیا، پھر جو کچھ ایوکی جمع پونجی تھی وہ بھی خرچ ہو گئی ابو کی بیماری کی وجہ سے گھر تک پہنچنا پڑا تھا پھر تہذیب نے ایک اسکول میں جاب کی مگر وہاں کی تنخواہ سے بھی گزارہ مشکل ہوتا تھا سوچا کہ کسی بھی کمپنی میں جاب کرے گی تو کچھ تو تنخواہ بڑھے گی اور گھر کا کرایہ وغیرہ کھل آئے گا امی لوگوں کے کپڑے سلائی کرتی تھیں مگر لوگ بھی ایسے تھے کہ ان کی غریبی اور مفلسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کم کم پیسوں پر سلائی کر داتے تھے وہ بے چاری نہ ہونے سے ہوتا بہتر کی بناء پر بان جاتی تھیں۔

”مجھے کیا خبر تھی کہ تمہارے ابو اتنی جلدی چلے جائیں گے ابھی تو میرے بچے کسی مقام پر نہیں پہنچے تھے میری بچی پر اتنی سی عمر میں اتنی ذمہ داریاں پڑ گئی ہیں“۔ وہ تو رونے ہی لگی تھیں ایسے میں تہذیب کا انہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

”امی! آپ یہ سب نہ سوچا کریں اللہ تعالیٰ نے جس کے ذمے جو کام لگایا ہے اسے کرنا ہے یہ میرے لئے اعزاز کی بات ہے کہ اس نے مجھے اس قابل جانا کہ میں یہ ذمہ داریاں اٹھا سکوں“۔ وہ کبھی بھی مایوسی والی باتیں نہ کرتی تھی۔

”لیکن میرا دل تو دکھتا ہے نا جوان بیٹی کو گھر سے باہر لٹکنا پڑ رہا ہے لوگوں کی نگاہوں سے مجھے ڈر لگتا ہے“۔ وہ بھی روایتی ماؤں کی طرح سوچتی تھیں کہ اپنی بیٹیوں کو زمانے کی غلط نظروں سے چھپا کر رکھیں۔
 ”آئی! دیکھیے گا میں ایک دن جب نوکری کرنے لگوں گا تو آپ کو گھر سے نہیں نکلنے دوں گا“۔ حمزہ پُر عزم اور مضبوط لہجے میں بول رہا تھا۔

”میں چاہتی ہوں تم خوب ڈھیر سارا پڑھو بڑے آدمی بن جاؤ“۔
 ”آئی! آپ کی شادی بھی تو ہوگی“۔ حمزہ کو خیال آیا۔
 ”میری تو یہی دعا ہے کہ تمہاری آئی کی جلدی شادی ہو جائے ارے میں کیسے اپنی بچیوں کو سنبھالوں گی“۔
 ”امی! آپ ایک دم مایوس ہو جاتی ہیں“۔ تہذیب نے تاسف بھری آواز میں ان کی مایوسی پر کہا۔
 ”مجھے کیا کچھ نظر نہیں آ رہا ہے زمانہ کتنا آگے چلا گیا ہے امیروں کے گھر گھستے ہوئے بھی لوگ نخرے کرتے ہیں ہم تو پھر وہ گئے غریب کون اس دہر پر آئے گا سب سے بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔“

”شادی جب ہوئی ہوگی تو وقت پر ہو ہی جائے گی ابھی مسئلہ جاب کا ہے آپ دعا کریں وہ مل جائے۔“
 ”جو تھوڑی بہت رقم بچی ہے تمہارے ابو نے کہا تھا کہ تہذیب کی شادی پر لگانا“۔ وہ دُکھ سے بولیں۔
 مکان بیچنے کے بعد جو ابو کی بیماری سے رقم بچی تھی انہوں نے بینک میں جمع کرادی تھی کہ یہ تہذیب کی شادی پر کام آجائے گی گھر کا گزارہ تو وہ تہذیب کی تنخواہ اور اپنی سلائی سے کر رہی تھیں۔
 ”آپ ایسا کریں یہ سب باتیں بند کریں بلکہ ختم کر سں حمزہ تم پڑھائی کرو میں تمہاری فیس پر سوں تک جمع کرا دوں گی اور ہاں حکمت تمہارا ایوینفارم بھی آجائے گا تم دونوں فکر نہیں کرو“۔ اس نے اپنے دونوں چھوٹے بھائی کو پیار سے سمجھایا تھا مغرب کی اذانیں ہونے والی تھیں تہذیب اور مبینہ نماز کے لیے اٹھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆.....

دادی جان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی گھر میں ایک دم ہی پریشانیاں آ گئی تھیں دادی جان کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کر دیا گیا تھا ان کا بی بی ہائی ہو گیا تھا اور ان کے دل پر بھی ایک ہوا تھا سب ہی کے مشکوک سے چہرے تھے رضوان احمد، رحمان احمد اور محریب مستقل ہاسپٹل میں تھے۔ جو ادا احمد کو جیسے ہی خبر ہوئی تھی وہ بھی اپنے تینوں بچوں کو لے کر پہنچ گئے تھے ان کے ساتھ معارج ہاسپٹل آ گیا تھا۔ عتابہ اور وش کو گھر ڈراپ کر دیا تھا تا کہ ان سب کے ساتھ رہیں۔ ندرت بھی آ گئی تھی دادی جان کے لئے عتابہ نے تو ”یا سلام“۔ کا ورد پڑھوانا شروع کر دیا۔ اس کے دل پر بوجھ آ گیا تھا جیسے وہ دادی جان کی طبیعت خرابی کی وہی ذمہ دار ہے۔
 ”بڑی امی! دادی جان کو میرا بھی دیکھنے کو دل چاہ رہا ہے“۔ اس نے نزہت سے کہا وہ خاموش سی بیٹھی تھیں۔

”محریب منع کر رہا ہے کہ جب تک اماں جی روم میں شفٹ نہ ہو جائیں کوئی بھی ان سے ملنے نہ جائے“۔ عتابہ دل مسوس کے رہ گئی محریب سے تو وہ خود آ نکھ ملا کر بات نہیں کر رہی تھی۔

”میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔“
 ”عتابہ! محریب منع کر رہا ہے ورنہ میرا خود ارادہ تھا ہاسپٹل جانے کا“۔ ندرت گویا ہوئی۔

”امی! امی!“۔ مائز پکارتا ہوا چلا آیا۔
 ”کیا بات ہے؟“۔ نزہت ویسے ہی فکر مند سی بیٹھی تھیں۔

”دادی جان کو ہوش آ گیا ہے وہ بھابھو کو یاد کر رہی ہیں“۔ عتابہ چونک سی گئی اس کے چہرے پر ایک رنگ الگ سا آ گیا تھا، کتنی بے چین اور بے تاب تھی وہ ان سے ملنے کو فوراً ہی کھڑی ہو گئی مگر سامنے محریب کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹھک کے ڈک گئی۔

”دادی جان کی ابھی طبیعت کھل ٹھیک نہیں ہے عتابہ نہیں جائے گی“۔ وہ نزہت سے ہی گویا ہوا ڈائریکٹ عتابہ سے بات نہیں کر رہا تھا۔

”بھائی جان! ابو نے کہا ہے کہ میں بھابھو کو ساتھ لے کر ہاسپٹل پہنچوں“۔ مائز نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا جو چہرہ پر اس بلا کی سنجیدگی لئے ہوئے تھا کہ عتابہ لب بلبھتج کر رہ گئی نگاہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”تمہاری بھابھو کے جانے سے کیا دادی کی بیماری ختم ہو جائے گی؟“
 ”محریب بیٹا! تم کیسی بات کر رہے ہو؟“۔ نزہت کو حیرانگی ہوئی کہ ان کا ایسا صلح جو بیٹا اور ایسی تلخ اور ناگوار بات کر رہا تھا۔

”امی! میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی بول رہا ہوں، عنائہ وہاں جائے گی تو دادی جان اور روئیں دھوئیں گی اس سے ان کی طبیعت اور زیادہ خراب ہوگی، کیونکہ ڈاکٹر زکیر ہے ہیں کہ ان کا پہلے بلڈ پریشر نارمل لانا ہے، کوئی بھی ایسی بات نہ کی جائے جس سے ان کی دماغی حالت پر اثر پڑے۔“ بڑے مدبرانہ انداز میں لہجہ کو کچھ نرم بنایا تا کہ امی کچھ اور ہی اخذ نہ کر لیں۔

”بات تو ٹھیک ہے۔“ نزہت نے تائید کی۔ عنائہ خفیف سی ہو کر گئی، محریب کی گہری نگاہوں نے اس کا جائزہ بھی لیا جو چند دنوں میں مرجھائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

”میں پھر ہاسپٹل جا رہا ہوں۔“ مائز نے اپنی ریسٹ وائچ پر نگاہ ڈالی، شام کے چھ بج رہے تھے۔ محریب فریش ہونے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا، عنائہ نے اپنا رُککا ہوا سانس بحال کیا، ندرت نے سارے ایکسپریشن دیکھ لئے تھے۔

”تم محریب کو دیکھ کر اتنا گھبراتی کیوں ہو؟“

”گھبراتی تو نہیں ہوں، البتہ مجھے ہمیشہ یہ ڈر ہی لگا رہتا تھا کہ مجھ سے کوئی غلط حرکت نہ ہو جائے، پھر وہ بعد میں کچھ کہیں۔“ وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

”کسی کے متعلق اتنے غلط انداز میں کبھی نہیں سوچنا چاہیے۔“ محریب کو اپنی امی سے کچھ کام یاد آیا تو وہیں ہال کمرے میں چلا آیا تھا، عنائہ تو گڑ بڑا کر رہ گئی، ندرت بھی جزبزی ہو گئی۔

”دیئے تو خاصی عقلمند اور سمجھدار بنتی ہو لیکن دوسروں کے متعلق اندازے ہمیشہ غلط ہی لگاتی ہو۔“ سنجیدگی سے وہ طنز کر رہا تھا۔

”ارے وہ تو عام سی بات کہہ رہی ہے۔“ ندرت کو اس کا طنز بُرا لگا۔

”لیکن کچھ لوگ عام سی باتیں بھی اتنے عام سے انداز میں کہہ دیتے ہیں کہ بندہ سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ یہ بات کہی تو کیوں کہی، کیونکہ بولنے والے کی نظر میں وہ ہوتی تو عام ہیں لیکن دوسرے کے لئے وہ بہت خاص ہوتی ہیں۔“

محریب کے گیمبر لہجے میں طنز اور تشریح کی آمیزش نمایاں تھی۔

”محریب! تم ہر بات کو ہی خاص بنا دیتے ہو۔“ ندرت کھسیا سی گئی۔ جبکہ عنائہ شرمندگی اور ہانت میں جھٹلا نگاہ ہی نیچے کئے رہی کیونکہ وہ کسی کو بھی طنزیہ بات نہیں کہہ سکتی تھی۔

”کیا کروں عام سا بندہ ہوں، سوچتا ہوں کچھ باتوں کو خاص ہی بنا دوں۔“ وہ تمسخر اڑانے لگا۔

”تم سے تو جو بات کرو بندہ لا جواب ہو جائے۔“

”اجھا سب باتوں کو چھوڑ ڈامی کدھر ہیں میری۔“ تلاش میں نگاہیں کوریڈور سے لے کر ہال کمرے تک دوڑا دی تھیں۔

”فون آیا تھا وہ سننے لگی ہیں۔“

”آپی! یہ عروب کو سنبھالنے بہت جگ کر رہی ہے۔“ یمنی چار سالہ عروب کا ہاتھ تھامے لے آئی تھی۔

”یہ تو ہے ہی ایک نمبر کی شرارتی۔“ ندرت عروب کے ساتھ لگ گئی تھی۔ عنائہ عصر کی نماز پڑھنے کے لئے کمرے سے نکلی اسی وقت محریب بھی ساتھ ہی نکلا، عنائہ ایک لمحے کوڑکی۔

”پلیز! میری بات سنیں۔“ وہ شرم و جھجک کے حصار میں جھٹلانے چاہتے ہوئے بھی اسے مخاطب کر گئی جو امی کے کمرے کی سمت بڑھ رہا تھا، محریب نے چتون ٹیکھے کئے اور اچھلتی نگاہ ڈالی۔

”اب کیا باقی رہ گیا ہے جو مجھ پر اپنا رعب دکھانا ہے۔“ پھر طنز کیا۔

”پلیز! آپ سب کے سامنے تو ایسی باتیں نہ کریں۔“

”محترمہ! یہ باتیں کرنے کے لئے مجھے آپ نے مجبور کیا ہے، آپ میری بات یاد رکھیے گا جو میں نے اس دن کہی تھی۔“ گویا یاد دلایا۔

”میری بھی تو مجبوری سمجھیے۔“ وہ روہانسی ہو گئی۔

”تم میری مجبوری سمجھو، میں صرف دادی کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔“

”صرف دادی جان کی وجہ سے۔“ آہستگی سے گویا ہوئی۔

”فضول کی بحث ہے اور سچویشن بھی دوسری ہے، دادی جان کے لئے دعا کرو وہ خیریت سے رو بصحت ہو کر گھر آ جائیں۔“ وہ اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گیا، عنائہ کو لگا دل میں کچھ ٹوٹا، کچھ خالی پن، محسوس ہوا تھا۔

☆.....

اسے کیا خبر تھی کہ بچپن کے طے کئے گئے رشتے بھی سوچیں خیالات بدل دیتے ہیں، بچپن سے اس شخص کو اپنے نام کے ساتھ سنتی آرہی تھی تو وہ اسے اپنے دل میں جگہ دے گئی تھی، اس سے چپکے چپکے دل کا تعلق باندھ لیا تھا مگر اپنے جذبات کی تشہیر اس نے کسی سے بھی نہ کی تھی اور نہ ہی محریب کو محسوس ہونے دیا تھا کہ وہ اسے چاہ رہی ہے محبت جب ہوتی ہے تو بس سر پٹ بھاگنے پر مجبور کرتی ہے مگر اس کی محبت تو اتنی سادہ اور معصوم سی تھی کہ وہ ہر بات کو بھی سوچ سمجھ کر کرنے کی عادی تھی، اتنا ہی تو قصور تھا وہ اپنی ماں کو اس خاندان سے ملانا چاہتی تھی اور وہ سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔

”آپی! آپی!“ دشنے نے اسے دو تین بار ہلایا۔

”ہوں..... ہوں۔“ وہ چونک گئی۔

”معارض آیا ہے۔“ عنائہ سرعت سے اٹھ کر بیٹھ گئی، دوپہر کے کھانے کے بعد وہ آرام کرنے کے لئے یمنی کے روم میں آ کر لیٹ گئی تھی۔

”وہ چلنے کو کہہ رہا ہے۔“ اس کا منہ بسورا ہوا تھا۔

”ابھی تو دادی جان بھی ہاسپٹل سے نہیں آئی ہیں۔“ وہ اپنا پنک آ فیل شانوں پر برابر کرتی کمرے سے نکل گئی، لاؤنج میں ہی سارے لوگ جمع بھی تھے۔

”بھابھو! آپ کو معارج لینے آیا ہے کیونکہ آپ کی والدہ محترمہ کا بارہ ہائی ہے۔“ مائز نے جھٹ اطلاع دی۔

”معارج نے یہ تو کچھ نہیں کہا۔“ دشنہ کو اکثر مائز کی طنزیہ باتیں وہ بھی اپنی امی کے متعلق ناگوار گزرتی تھیں۔

”لینے وہ اسی وجہ سے آیا ہے، کیوں معارج؟“ مائز نے اس سے تائید چاہی، جھٹ سر ہلایا ان سب سے کچھ چھپا ہوا ہی کب تھا۔

”آپی! میں بالکل نہیں جاؤں گی۔“

”چپ تو کر جاؤ، شور مچانے لگی ہو۔“ عنائہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ اسی وقت محریب فریش ہو کے اپنے روم سے آیا بلیک پینٹ پر لائٹ اور جھلکری کی شرٹ میں نقاست سے سنورے بال چمکدار چہرہ خاصا ڈھنگ لگ رہا تھا۔

”آپ دونوں کو ہی امی نے بلایا ہے۔“ معارج بھی کچھ کھسپایا ہوا تھا۔ عنائہ کی جا چھٹی اور بڑے تشویش نگاہوں نے معارج کا جائزہ بھی لیا، وہ سمجھ گئی ضرور امی اور ابو میں پھر جھگ ہوئی ہے۔

”معارج! تم ذرا ادھر آؤ۔“

”آپی! آپ یقیناً یہی پوچھیں گی تاکہ ابو ادراہی کی لڑائی تو نہیں ہوئی۔“ اس نے جھٹ کہا، عتابہ جھل سی ہو گئی کیونکہ وہاں سب ہی موجود تھے۔
 ”عتابہ بیٹا! تم چلی جاؤ۔“ نزہت ویسے جانتی تھیں سمیرا کو ضرور وہ جواد کو تنگ بھی کر رہی ہوں گی، پہلے ہی وہ عتابہ کے رشتے کے خلاف تھیں۔
 ”آپی! آپ کو جانا ہے تو چلی جائیں میں تو نہیں جا رہی۔“ دوشہ کو گویا ضد ہو گئی تھی عتابہ نے اسے گھورا۔
 ”ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔“ وہ مجبوراً جانے کو تیار ہوئی۔ محریب نے پیچھے ہو کر اسے جانے کا راستہ دیا، اس کے گزرنے سے لگا کہ کوئی باد صبا کا جھونکا گزرا ہو۔

”بڑی امی! میں تو ابھی ہاسپٹل جا رہا ہوں دادی جان کے پاس۔“ معارج بولا۔
 ”ٹھیک ہے عتابہ کو محریب واپسی میں چھوڑ دے گا۔“ نزہت نے خود ہی پروگرام سیٹ کر دیا۔ محریب کو کسی ضروری کام سے لکسی این جی اوز سے ملنے جانا تھا۔ عتابہ فریش ہو کر آگئی مگر چہرے پر ایک اداسی اور مایوسی بھی تھی معارج تو مائز کے ساتھ ہی نکل گیا تھا۔

”تمہیں محریب چھوڑ دے گا، معارج ہاسپٹل گیا ہے۔“ وہ حیران بھی ہوئی کہ یکدم ہی معارج چلا بھی گیا مگر اس وقت وہ چپ گئی، دادی جان سے ابھی تک وہ ملی بھی نہیں تھی مگر اسے جانا پڑ رہا تھا۔ محریب کچھ کہے بغیر لاؤنج سے نکل گیا، عتابہ عجیب، الجھن کا شکار ہو گئی، جتنا وہ محریب کی قربت سے بچتا چاہ رہی تھی اتنا ہی وہ اس کے قریب آ رہا تھا، سب کو اللہ حافظ کہہ کر وہ آگئی تھی، فرنٹ سیٹ پر لب بٹھنے ہوئے بیٹھی تھی، محریب نے گاڑی اشارت کر دی، گلابی کپڑوں میں شام کی سرمئی میں اس کا روپ سلونا لگ رہا تھا، مخرومی ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسائے جیسے وہ کسی گہری سوچ میں تھی، سوچوں میں ارتعاش محریب کے موبائل کی بلیپ سے ٹوٹا۔
 ”میں محریب اسپیکنگ!“ گاڑی سائیڈ پر روک کر وہ موبائل پر بات کرنے لگا پھر تھا بھی وہ خاصا محتاط بندہ ہر کام اصول سے کرنے کا عادی تھا۔

”جی، میں آ رہی رہا تھا، دیکھیے لڑکی کا اسٹریو آپ خود کر لیجئے گا، خاصی سمجھدار اور ذمہ دار لڑکی ہے۔“ وہ اپنے کنبیر لہجے میں بولا۔ عتابہ چونک گئی کہ وہ کس لڑکی کی بات کر رہا ہے۔
 ”نام اس کا تہذیب حسن ہے اور پیچھے کیا ہے سوشل ورک اس کا مین سبیکٹ تھا۔“ وہ بتا رہا تھا۔
 ”اوکے جی میں خود آ کر ابھی آپ سے بات کرتا ہوں آدھا گھنٹہ لگے گا۔“ اس نے مختصر بات کی اور موبائل آف کر دیا، گاڑی پھر اشارت کر دی، عتابہ کا ذہن الجھ گیا، کون لڑکی ہے جس کے لئے وہ بات کر رہا تھا۔
 ”تم کل آ جانا کیونکہ دادی جان کل تک ڈسچارج ہو کر گھر آ جائیں گی۔“

”جی اچھا کوشش کروں گی۔“ وہ سر جھکا کے گویا ہوئی۔
 ”کوشش کروں گی، کیا مطلب ہے تمہیں آنا ہے۔“
 ”میں منع تو نہیں کر رہی ہوں۔“ جانے کیوں اس لمحے وہ کچھ چڑی گئی کیونکہ ایک تو اپنی امی کی فینشن سوار تھی کہ وہ پتہ نہیں کیا کیا اب کہیں گی، محریب نے فہمائشی نگاہ اس پر ڈالی وہ لب چل رہی تھی۔
 ”خاصی سمجھدار ہو رہی تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم خود سوچ سمجھ لو گی۔“ پھر وہ طنز پر اتر آیا اتنے میں گھر بھی آ گیا۔
 ”آپ اندر نہیں آئیں گے؟“ فرنٹ ڈور کھول کے وہ اترنے لگی۔
 ”اندروں ہم آ چکے ہیں یہ دیکھنا ہے کہ تم کب آتی ہو۔“ لہجہ ذمہ داری تھا۔ وہ مارے حیا کے نگاہ نہ اٹھایا۔

”عتابہ! ایک بات تم سے کرنی تھی۔“ وہ بغیر تمہید باندھے مخاطب کرنے لگا۔ وہ جو جانے کے لئے پشت گھما چکی تھی چونک کر رک گئی۔

”اگر دادی جان نے اس دوران شادی کی ضد کی تو سوچ کر رکھنا کہ اس بار تم کیا تو جیہہ پیش کر کے روکو گی۔“ اس نے نگاہ دہندہ اسکرین سے باہر جھانکی ہوئی تھی، عتابہ کا اس لمحے دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔
 ”کیونکہ میں ہمیشہ بزرگوں کی ہر بات کو اہمیت دیتا ہوں۔“ گویا پھر چوٹ کے ساتھ جتایا۔
 ”سوچ کر رکھنا کہ تمہیں آگے کرنا کیا ہے۔“

”آپ کیا سمجھتے ہیں کہ شادی ہی مسئلہ کا حل ہے؟“ وہ اُلٹا سوال کر گئی۔
 ”آف کورس میری نظر میں تو سب سے بڑے مسئلہ کا حل یہی ہے۔“
 ”لیکن میری نظر میں بالکل نہیں ہے۔“ وہ زکھائی پر اتر آئی۔
 ”حد سے زیادہ خود پسندی اور عقلمند ہونا بھی بد عقلی کی نشانی ہوتا ہے۔“ وہ گاڑی اشارت کر چکا تھا ابھی مزید بولنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ وہ جا چکا تھا، دل اس کا رونے لگا پھر وہ مرے مرے قدموں سے اندر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

☆.....
 دوسرے دن دادی جان کو ڈسچارج ہو کے گھر آنا تھا، محریب کو آفس کے اور آؤٹ ڈور کے کام بھی تھے، صبح تو وہ جلدی اٹھ گیا، لانچ ٹائم میں گھر آتا تو دیکھا مائز اور فائق دونوں یونیورسٹی سے آچکے تھے۔
 ”تم دونوں میں سے ایک شخص کو میرا کام کرنا ہوگا۔“ محریب نے باری باری دونوں پر نگاہ دوڑائی، مائز تو نیچے کارپٹ پر فلور کشن پر سر رکھے لیٹا تھا جبکہ فائق سنکھل صوفے پر اپنے موبائل کے ساتھ لگا ہوا تھا۔
 ”بھائی جان! میں تو بہت تھکا ہوا ہوں میں تو بالکل نہیں۔“ مائز نے فوراً ہری جھنڈی دکھا دی، محریب نے اس کے شانے پر دھموکا جڑ دیا۔

”مائز! حسرتی اور کابلی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔“
 ”آپ سمجھئے کہ میں حد کراس کر گیا ہوں۔“ ہر بات اتنے اطمینان سے بولا تھا کہ سامنے والا بندہ سلگ ہی جاتا۔
 ”سداھر جاؤ مائز! اگر کچھ ڈھیل ملی ہے تو یہ میری وجہ سے۔“
 ”میرے بگ برادر کا احسان ہے میں کبھی نہیں بھولوں گا۔“ وہ ہر بات مذاق میں ہی اڑاتا تھا۔
 ”یار! میں مجبور ہوں مجھے باہر کی بھی ایک مینٹنگ دیکھنی ہے۔“ وہ کچھ کھسیا۔
 ”فائق سے کہئے اسے بہت شوق ہے کام کرنے کا۔“ کر دٹ لی اور آنکھیں بند کر لی تھیں سونے کا تو اسے ویسے ہی بہت شوق تھا۔

”اس سے تو میں بعد میں نمٹوں گا، یار فائق! تم میرے ساتھ چلو۔“
 ”ارے لڑکے! کھانا تو کھالے۔“ نزہت اسے ڈھونڈتی ہوئی چلی آئیں۔
 ”امی! لانچ کا ٹائم نہیں ہے مجھے ضروری جانا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر فائق کے ساتھ باہر نکلا، فائق نے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا کہ جانا کہاں ہے۔
 ”تمہیں اس ایڈریس پر پہنچنا ہے اور ہاں ساتھ بیٹھے رہنا ہے کیونکہ وہ لڑکی کچھ ڈری سہی سی بھی ہے۔“ تفصیل بتانے کے بعد کارڈ تھمایا۔

سے مسکرائی۔ مسکراتی ہوئی وہ اور دلکش لگی تھی فائق چونک سا گیا تھا یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ کسی لڑکی کے متعلق ایسا سوچ رہا تھا۔ فائق نے اسے گھر ڈراپ کیا اور خود آفس چلا گیا تھا مگر اسے لگا کہ اس کا دل دماغ وہ لڑکی اپنے ساتھ ہی لے گئی ہو وہ کچھ مسرآنز سا ہو گیا تھا وہ تو مائز پر ہنستا تھا مگر آج اسے کیا ہو گیا تھا۔

☆.....

”تمہاری ماں کے یہ روز روز کے ڈرامے ہیں۔“
 ”سمیرا! خدا کو مانو کیا بول رہی ہو۔“ جو ادا احمد تو تن فن ہو گئے۔
 ”میرے سامنے تو تم ان کا ذکر نہ کیا کرو۔“ وہ تنک ہی لگیں۔
 ”تمہیں اپنے علاوہ کسی کا ذکر کب پسند ہے۔“ انہوں نے اخبار زور سے ٹیبل پر پٹا“ صبح کا روز آغاز ان کی جھڑپ سے ہی ہوتا تھا۔ عنائہ کچن میں سے سب سن رہی تھی اسے آئے ہوئے دو دن ہو گئے تھے دادی جان بھی ڈسپارچ ہو کے گھر آ گئی تھیں اس کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی کہ سمیرا سے جانے کا بولے۔
 ”شروع سے تم نے مجھے انور کیا ہے اپنے گھر والوں کو اہمیت دی ہے۔“
 ”جواہم ہوتے ہیں انہیں ہی اہمیت بھی دی جاتی ہے۔“ انہوں نے طنز کیا۔
 ”اگر تمہیں اپنے گھر والوں سے اتنی محبت تھی تو شادی ہی کیوں کی تھی۔“
 ”مجھے ایسا کوئی ارمان نہیں تھا کہ میری شادی ہو میری ماں کو ہی تم جانے کیوں پسند آ گئیں۔“ وہ تپ کے بولے۔

”تمہاری ماں کو تو خوبصورتی چاہیے تھی۔“
 ”ارے یہ غلط فہمی تمہیں کب سے ہو گئی کہ تم خوبصورت ہو۔“ آج انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ ان کے دماغ کا یہ تصور نکال کے ہی رہیں گے۔
 ”تمہاری دونوں بھائیوں کے آگے میں ہی خوبصورت تھی بلکہ اب تک ہوں۔“ ان کے انداز میں تفاخر اور اترا ہٹ نمایاں تھی۔

”کاش تم نے ظاہری خوبصورتی کے علاوہ بھی سوچا ہوتا سمیرا! میری بھابھیاں تم سے لاکھ درجے بہتر ہیں ہر بات کی سوچ سمجھ ہے اپنی اولاد کا خیال رکھتی ہیں۔“ ان کے تو دماغ پر ہی جا لگی۔
 ”اونہہ..... تم ان کی حمایت کرتے رہنا۔“

”ابو پلیز امی خاموش ہو جائیے۔“ عنائہ کی اب برداشت کی حد ہو گئی تو وہ روہانی ہو گئی تھی۔
 ”تمہارے باپ کو ہی مجھ سے الجھنے کی پڑی رہتی ہے۔“ سمیرا کے لہجے میں حقارت تھی۔
 عنائہ کو یہ الگ افسوس ہوتا تھا کہ سمیرا جو ادا احمد سے اتنے بڑے انداز میں بات کرتی تھیں کہیں سے بھی تو پردی لکھی نہیں لگتی تھیں۔

”کاش امی! آپ نے کچھ خوبصورتی اپنے لہجے میں اپنی سوچوں میں رکھی ہوتی۔“ عنائہ حسرت بھری نگاہ ڈال کر سوچ رہی تھی۔
 ”لڑائی ہمیشہ تم نکالتی ہو۔“

”میں نکالتی ہوں کیوں کہتے ہو مجھے وہاں جانے کو جہاں میرا دل نہیں چاہتا۔“
 ”سمیرا! یہ مت بھولو وہ میرے اپنے ہیں میری ماں ہے وہ جس کی وجہ سے آج تم یہاں ہو۔“ ان کا تو دل یہ کرتا

”میرے ساتھ چلی جائے گی؟“ وہ پوچھنے لگا۔
 ”چلی جائے گی ایسا کرو میری گاڑی تم لے جاؤ میں تو آفس میں ہوں گا سات بجے پھر مجھے ہاسپٹل بھی پہنچنا ہو گا۔“ وہ اسے سمجھانے لگا۔ دونوں پہلے آفس پہنچے پھر فائق کو اس نے تہذیب کے گھر کا ایڈریس سمجھا دیا تھا۔ فائق نے گھر تلاش تو کر لیا تھا مگر اس کا یہ پہلا اتفاق تھا کسی لڑکی کے ساتھ جانے کا وہ دروازے پر ناک کر رہا تھا کچھ دیر میں دروازہ کھلا۔

”میں فائق احمد ہوں مجھے محریب بھائی نے بھیجا ہے تہذیب حسن کو لینے۔“ تہذیب کی امی کا چہرہ نمودار ہوتے ہی اس نے جھٹ اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔ ایک چھوٹی سی تنک لگی تھی گاڑی بھی دور پارک کر کے اندر آ یا تھا۔
 ”وہ خود نہیں آئے؟“ وہ پوچھنے لگیں۔

”انہیں کچھ کام تھا۔“ فائق نے مودب انداز میں جواب دیا۔
 ”بیٹا! اندر آ جاؤ۔“ وہ شاید فائق کی الجھن سمجھ گئی تھیں کہ اسے کھڑا ہونا کچھ محبوب سا لگ رہا تھا دروازہ کھول کر وہ سائیڈ پر ہو گئیں فائق نے اندر قدم رکھا چھوٹا سا گھر اور ایک چھوٹا کچن سامنے دو کمرے تھے انہوں نے کرسی لا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
 ”میں اندر تہذیب کو کہتی ہوں۔“ وہ اندر کی جانب بڑھ گئیں۔ چھوٹا سا گھر تھا مگر صاف ستھرا تھا اندر سے ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا نکلا تو وہ جھجک سا گیا لڑکے نے اس سے ہاتھ ملایا۔

”یہ میرا بیٹا ہے حمزہ۔“ مبینہ نے خود ہی تعارف کرایا۔ فائق نے سر ہلایا کچھ ہی دیر میں وہ بھی چلی آئی جس کے انتظار میں وہ بیٹھا تھا بلیک پریٹنڈ شرت اور کنٹراسٹ میں سی گرین قمیص دوپٹہ تھا چہرے پر اتنی سادگی تھی کہ وہ چونک سا گیا چھوٹی سی کول سی لڑکی جس نے ابھی تک نگاہ نہ اٹھائی تھی۔

”السلام علیکم!“ فائق نے جھٹ سلام کیا تہذیب نے سر کے اشارے سے کچھ جھجک کے ہی جواب دیا۔
 ”محریب بھائی کی ایک ضروری میٹنگ تھی آفس میں مجھے انہوں نے بھیج دیا ہے۔“ وہ خود ہی اس کی الجھن دور کرنے کے لیے بتانے لگا۔

”چلیں۔“ تہذیب نے گویا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ مبینہ نے اسے دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا مجبور تھیں وہ گھر کے اخراجات اور پریشانیوں سے آج ان کی بیٹی کو غیروں سے مدد مانگتی پڑ رہی تھی اپنے تو منہ چھپا کر ہی بیٹھے تھے وہ تو محریب احمد نے ان کا خیال کیا تھا۔

پورے راستے وہ خاموش ہی رہی تہذیب کا انٹرویو جب تک ہوتا رہا فائق اس کا انتظار کرتا رہا تھا کیونکہ محریب نے ہی کہا تھا کہ وہ وہاں موجود ہے۔ تہذیب کا انٹرویو کامیاب رہا تھا فوراً ہی اسے این جی اوز کا ممبر بھی بنالیا گیا تھا تنخواہ بھی معقول تھی پھر پورا اسٹاف خواتین پر ہی مبنی تھا۔ محریب اچھی طرح اس این جی اوز کو جانتا تھا جس کی صدر محریب کی بیچرہ جکی تھیں اس وجہ سے ہی اس نے تہذیب کے لیے بات کی تھی۔

”محریب بھائی کو بتا دیجئے گا کہ میرا سلیکشن ہو گیا ہے۔“ تہذیب بہت خوش تھی۔
 آج اسے لگ رہا تھا کہ اس دنیا میں کوئی اپنا ہے جو اس کا خیال رکھتا ہے اور پھر وہ اللہ کی ذات سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوئی تھی۔

”آپ مطمئن ہیں؟“ فائق نے ایک اچھتی نگاہ اس پر ڈالی۔
 ”محریب بھائی نے اچھی طرح سوچ سمجھ کے ہی مجھے یہاں بھیجا ہے اس لئے میں مطمئن ہوں۔“ وہ دھیرے

جماعت اولیٰ جماعت



”میں نے جو سوچا ہوا ہے وہ سوچ لیا ہے۔“ جیسے اس کے آگے کوئی بات سننے کو ہی تیار نہ تھیں۔
 ”شکر کرو ہمیں اتنا اچھا انسان ملا ہے اللہ تعالیٰ کو ہم گناہ گاروں کی کوئی توبہ پسند آئی ہوگی جو ہم پر مہربان ہے۔“ مبینہ عشاء کی نماز کے لئے وضو کرنے لگی تھیں۔
 تہذیب لب کاسی ہوئی اندر چلی گئی اسے کل کے لئے بھی تیاری کرنی تھی اور ابھی تو اسے اپنے رب کے حضور شکرانے بھی ادا کرنے تھے جس نے اس کی سن لی تھی اسے لگ رہا تھا کہ جیسے ساری پریشانی اور کمر کم ہو گئی ہو اس نے تشکر بھرا سانس لیا تھا دل سے محریب کو بھی دعائیں دے رہی تھی جس نے ان سب کا اتنا خیال کیا تھا۔

☆.....

کل سے وہ بالکل ہی کم صم سا ہو گیا تھا اس ماہ دش کی ہر ادا ہر انداز اس کے ذہن میں آرہی تھی جو بھولے سے بھی تو اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی اس کی آواز میں ایسی لنگھکی تھی کہ اس کی سماعتیں جیسے بس اس کی ہی ہو گئی تھیں بروقار انداز اور برہمکنش پیشانی وقت سے پہلے ہی وہ اپنی عمر سے زیادہ سمجھ داری کی باتیں کر رہی تھی ذرا بھی تو نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اتنی چھوٹی سی ہے اس کے انداز میں اعتماد تھا مگر اس کی لگا ہوں میں حیا اور شرم بھی تھی جو خود کو بڑی سی چادر میں لپیٹے اس کے پہلو میں بڑے محتاط انداز میں بیٹھی تھی کئی بار وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ڈسٹرب بھی ہوا تھا اس لئے کہ دل اکسار ہا تھا کہ اس ملکوتی حسن والی پری کو تکتا ہی رہے جو اپنے حسن سے لگتا تھا بالکل ہی بے بہرہ ہے۔
 ”کیا بات ہے میں دیکھ رہا ہوں کل سے کچھ خاموش سے ہو؟“ ماز نے پر تشویش انداز میں پوچھا فائق تو گڑبڑا ہی گیا۔

”نن..... نہیں..... تو.....“ وہ ہٹلایا۔
 ”یار! کیا ہو گیا ہے۔“ وہ اس کے توبہ کھلانے اور گڑبڑانے کو فہمائشی انداز میں دیکھنے لگا تھا۔
 ”کچھ نہیں ہوا۔“

”مجھے تو لگتا ہے اس بار کچھ واقعی ہو ہی گیا ہے جلدی ہتا کون ہے کیسی ہے؟“ ماز نے اس کے زانو پر ہاتھ پھیرا فائق تو بدک کے پیچھے ہی ہو گیا۔

”یار! یہ حرکت مت کیا کرو۔“
 ”تم تو ایسے بدکتے ہو جیسے کسی لڑکی نے ہاتھ لگا لیا ہو۔“ اس نے معنی خیزی سے تمسخر اڑایا۔

”بکواس نہ کرو۔“ وہ جھینپ گیا۔
 ”اچھا چل اپنا موڈ ٹھیک کر یہ بتا کیا سوچ رہا تھا۔“ ماز ذرا آہستگی سے گویا ہوا۔
 ”کچھ نہیں۔“ وہ سیدھا ہو کر لیٹا۔

”کسی لڑکی کے بارے میں تو سوچ نہیں سکتا بقول تیرے تیرے پاس فضول ٹائم نہیں ہے۔“
 ”اور کیا میرے پاس فضول بکواس تک کا ٹائم نہیں ہوتا ہے۔“ جھٹ لٹی کرنے کے ساتھ تائید بھی کی۔
 ”میں تو فائق یہ سوچتا ہوں کہ تو اتنا خشک مزاج سا کیوں بن رہا ہے۔“

”ہاں تمہاری طرح فضول ہانکتا رہوں۔“ وہ تیز لہجے میں بولا۔
 ”اب ایسی بھی نہیں ہانکتا ہوں ہر بات بالکل ٹھیک اور سچ کہتا ہوں۔“ وہ گہری سوچ کے ساتھ گویا ہوا۔
 ”اور تم دیکھنا دش کو میں ہی لے کر اڑوں گا۔“
 ”تم دونوں کی جنتی تو ایک لمحے کو نہیں ہے ساری زندگی کیسے بنے گی۔“ فائق نے تمسخر اڑایا۔

”ہنا تو میں لوں گا پہلے اپنی لائف کو ہنالوں پھر ہی تو آگے کی بناؤں گا؟“ وہ ہنسا۔
 فائق نے کچھ لمحے اسے بغور دیکھا ایک لڑکی کی محبت میں کتنا بدل سا گیا تھا اس کی ہر بات میں فوج پلاننگ تک میں دش کا ذکر ضرور شامل ہوتا تھا کیا محبت کرنے والے اتنے ہی بے فکر ہوتے ہیں۔
 ”مجھے کیوں اتنی غور سے دیکھ رہے ہو؟“ ماز جھینپ گیا۔
 ”اس لئے دیکھ رہا ہوں کہ ایک آدمی کو ایک عورت کیسے کانٹا نہیں چھوڑتی ہے۔“
 ”فضول بکواس نہ کرو سن میں ابھی لڑکا ہوں اور وہ عورت نہیں لڑکی ہے۔“ برامانے کے ساتھ صبح بھی کی۔
 ”میں تو محاورا کہہ رہا ہوں۔“ فائق مسکرایا۔

”بے وقوف انسان اپنے آس پاس دیکھ کوئی تو تجھے پسند کرتی ہوگی یا تو ہی کرتا ہوگا مگر توجہ نہیں دے رہا ہے۔“
 ”شٹ اپ!“ اس نے ماز کو ڈانٹ دیا۔

”دیکھتا ہوں کب تک تو لٹی کرتا ہے اور ہاں سن اگر مدد لینے میرے پاس آیا تو پہلے تو تجھے اتنی سناؤں گا پھر کہیں جا کر مدد کروں گا۔“ ماز کو تو جیسے یقین تھا کہ فائق پر یہ واردات عنقریب ہی گزرے گی۔
 ”میں اول تو ایسی حرکت کروں گا نہیں اور اگر تھی یہ پھوٹیشن پیش آئی تو خود کو ہی ڈانٹ دوں گا۔“

”ہاں جیسے بہت آسان ہے ناں۔“ ماز نے نکلیے اٹھا کر اس پر پھینکا۔
 ”مسٹر! یہ سب اپنے اختیار میں ہے۔“
 ”ہاں تیرا اختیار دیکھتا ہوں جس دن بھی میں نے محسوس کیا تو کسی لڑکی کے چکر میں پڑا ہے دیکھ میں کیا حشر کروں گا۔“ گویا وارننگ دی۔

”میرے ساتھ ایسا بالکل نہیں ہو گا سن۔“ اس نے فائق کو یقین دلایا فائق نے اسے گھورا تھا۔

☆.....

اس دن وہ تمام کاموں سے جیسے ہی فارغ ہوئی آئی آگئیں عنائہ ان کے آنے سے بہت سی خوش ہوتی تھی وہ آتی بھی کم تھیں اس کی وجہ بھی امی کی تنگ مزاجی تھی وہ ان سے بھی تو بحث کرنے لگتی تھیں۔
 ”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری ساس کی؟“ انہوں نے سیرائیگم سے پوچھا جو اپنے پارلر سے کچھ ٹائم نکال کر آئی تھیں مگر وہ بھی جلدی میں تھیں۔
 ”فضول کے ڈرامے ہیں ان کے۔“

”سیرا! تم کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کرو وہ بڑی ہیں بزرگ ہیں۔“ آئی نے انہیں ٹوک دیا سیرا کڑوا سا منہ بنانے لگی تھیں۔ عنائہ نے تاسف بھری نگاہ ان پر ڈالی جو کسی کی جیسے سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں رہتی تھیں۔
 ”دیکھو شمیم! تم ہمارے معاملے میں نہیں بولو تو اچھا ہے۔“ انہوں نے ہمیشہ کی طرح شمیم کو سرد مہری اور اکھڑ پن سے جواب دیا۔

”میں تمہارے معاملے میں نہیں بول رہی ہوں جو تمہاری غلط بات ہے اس پر سمجھا رہی ہوں۔“ انہیں سیرا کی سوچوں پر اکثر افسوس ہوتا تھا۔

”تمہیں کیا معلوم میں کتنا تنگ رہی ہوں اپنے سرال والوں سے تم تو اکیلی ہونا تمہیں کیا خبر؟“ انہیں اس پر بھی ان سے جلن ہی رہتی تھی کہ شمیم کو اتنی اچھی سرال ملی تھی کہ نہ ساس مندوں کا جھگڑا بلکہ الگ گھر میں ہی رہتی تھیں۔
 ”مجھے سب خبر ہے تم ایک بار خود پر بھی نگاہ ڈالا کرو کہ تم کہاں غلط ہو کہاں صحیح ہو۔“

میں بالکل صحیح ہوں تم سب میری بات سمجھتے ہی نہیں ہو۔" میرے جواب بھی بولتی تھیں اطراف کا بھی خیال نہیں کرتی تھیں کہ ان کی آواز کتنی اونچی ہو رہی ہے بالکل لڑا کا عورتوں کی طرح چیختی رہتی تھیں۔
"اچھا بس کرو تم سے تو بحث ہی بے کار ہے۔" ثمنینہ نے ہی بات ختم کرنا چاہی عتابہ ان دونوں کی بحث و تکرار دیکھتی تھی مداخلت اس لئے بھی نہیں کرتی تھی کہ سیرا اسے ڈانٹ جو دیتی تھیں۔
"میں جیسی ہوں ویسی ہی رہنے دو تم مت بولا کرو۔"

"سیرا! ذرا نہیں سوچتی ہو تمہاری بچیاں جوان ہو رہی ہیں آ رہے عتابہ کی تم شادی کرو کل تم ثانی بن جاؤ گی۔"

انہوں نے ان کی عمر کی طرف خیال کروایا۔
"سن لو تم بھی میں عتابہ کی شادی کسی قیمت پر بھی وہاں نہیں ہو لے دوں گی۔"

"تمہیں تو سمجھانا ہی بے کار ہے۔" ثمنینہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔
"پھر کیوں سمجھاتی ہو رہے دو میرے حال پر۔" وہ ترخ کے گویا ہوئیں۔

"میں سمجھاتی رہوں گی کیونکہ تمہارے غلط فیصلے کی بسینٹ عتابہ کو تو میں نہیں چڑھنے دوں گی۔" انہوں نے بھی ارادہ باندھ لیا تھا کہ عتابہ کا رشتہ نہیں ٹوٹنے دیں گی۔

"عتابہ میری بیٹی ہے اس کا فیصلہ میں کروں گی کہ اس کی شادی کہاں ہونی ہے۔" وہ اکثر بولیں۔
"عتابہ سے بھی پوچھا ہے یہ کیا چاہتی ہے؟" انہوں نے اپنے پہلو میں بیٹھی عتابہ کی پشت پر ہاتھ رکھا جو لب

کھل رہی تھی۔
"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ یہ کیا چاہتی ہے مگر میں؟ چاہتی ہوں وہی کروں گی۔" انہیں ضدی ہو گئی تھی اور یہ ننداں میں بچپن سے ہی تھی اپنی بہن اور بھائی سے ضد میں کرنا ثمنینہ ہمیشہ کپڑے پہنے کرتی تھیں۔

عتابہ اسی وقت اپنے کمرے میں اٹھ کر چلی گئی ثمنینہ کی ذہن بیدار اس پر اٹھی تھی وہ اگر کی کیفیت جھڑپ تھی یہ احتجاج تک نہیں کرے گی۔

"سیرا! پلیز نم ٹھنڈے دماغ سے سوچو آج اگر تم اپنی سالانہ خیریت پوچھ آؤ گی تو تمہاری شان تو کم نہیں ہوگی پھر یہ تو سنت رسول بھی ہے بیمار کی مزاج پر سی کرنا۔" نرم سے لہجے میں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی حالانکہ سیرا

تنی رخ اور کڑی باتیں بھی کہہ دیتی تھیں پر وہ اپنے ماتھے پر ٹھک جھٹک لاتی تھیں۔
"جب میرا دل ہی نہیں کر رہا ہے تو میں کیوں جاؤں۔"

"اگر تم نہیں جا رہی ہو تو عتابہ کو کیوں روک رہی ہو اسے نو جاؤ۔" انہوں نے افسوس سے کہا۔
"عتابہ ان کی نوکر نہیں ہے کہ جب طبیعت خراب ہوئی اسے بنا لیتے ہیں۔"

"سیرا! یہ من بھولو عتابہ ان کی پرنا ہے وہ حق رکھتی ہیں بذکائی ہیں۔" ثمنینہ نے تیز لہجے میں گویا انہیں بجاتا۔
"حق کی بات مت کرو سارے اختیارات جو اد کی ماں نے میرے چھین لئے ہیں میری بیٹی کا زبردستی بچپن میں

رٹھ ملے کیا جو اد کو بردہ بات کہتی ہیں جو انہیں منوانی ہوتی ہے مجھے شروع سے کوئی اہمیت ہی نہیں دی ہے۔"
"ادھر تم غلط بول رہی ہو تم چھوٹی بہو ہو ان کی سب نے،" ہاتھوں ہاتھ رکھا تھا لیکن تمہارے ہی مزاج نہیں ملے

تھے۔ ثمنینہ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری۔
"ان کی دونوں بڑی بہنوں شروع سے مجھ سے جلتی ہیں میں اگر ذرا بھی اچھا بہن اوڑھ لیتی تھی جھٹ یہی کہتی

تھیں کہ دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھو میک اپ لائٹ کر لو میری زندگی تھی وہ کیوں رہا کرتی تھیں۔" شروع سے انہیں

اپنی دونوں جیٹھانوں سے پر خاش تھی۔
"تم نے لگتا ہے کبھی سنجیدہ ہو کر سوچا ہی نہیں۔" یہ کہ تم کتنے فٹ پڑے پہنتی تھیں اور آج بھی تمہارا وہی حال ہے۔
کچھ تو خیال کرو تمہاری بیٹیاں جوان ہیں۔"

"اچھا بس مجھے تمہاری یہی باتیں شروع سے ناگوار لگتی ہیں نہ کسی کو برا ہوتی ہو اور نہ کہنے دیتی ہو بلکہ میرے پیچھے لگ جاتی ہو۔" ہاتھ اٹھا کر انہیں آگے بولے سے روکا تھا۔

"برا کہنے سے کوئی خوشی ملتی ہے یا؟" ان کو سلوں رہا ہے میں تو کہتی ہوں آپ اچھے تو سب اچھے ہیں۔
"یہ تمہاری لوجک ہوگی خود اچھے تو سارے اچھے ہیں میں نے تو ایسے بھی برے دیکھے ہیں۔" وہ کاٹھور پر سنے

کو تیار نہیں تھیں۔
"سیرا! تمہارے پاس ایک موقع ہے آنکھیں سے اور دل سے نفرت نکال کر دیکھو سب اچھا لگے گا۔" سے

ہی بات جو اد کو دیکھو وہ کتنے اچھے ہیں اچھا شوہر ملنا بھی اللہ کی طرف سے ایک انعام بن جاتا ہے۔
"ادنبہ..... انعام اس انسان نے مجھے کبھی خوش نہیں رکھا ہے۔ وہ دھکارنے ہی لگتیں ثمنینہ نے تاسف بھرے

سانس کھینچی اور پھر وہ خاموش ہو گئیں کیونکہ عتابہ اشارے سے انہیں خاموش ہونے کا کہہ رہی تھی وہ دے دے بھی سیرا کی

سسرال ان کی ساس کی عیادت کو جاری تھیں سوچا تھا کہ میرا کو بھی ساتھ لے لیں شاید وہ چلے مکروہ تو کبھی لکڑی کا طرح اکڑی ہوئی تھیں

.....
دادی جان کی طبیعت قدرے بہتر تھی انہیں ہا پٹل سے لے ہوئے بھی ایک ہفتہ ہو گیا تھا وہ گھر چلی آئی تھی مگر

عتابہ اس دن سے آئی ہی نہیں تھی جب سب نماز پڑھتے تھے مگر محراب کو اس وقت اس کی کمی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ دادی

بانہ اس کی آس لگائے بیٹھی تھیں وہ کافی دیر تک ان کی دلجوئی کرتا رہا تھا مگر اسے تہذیب کی طرف سے جانا تھا انزہت

کہ وہ ہاتھ لے جا رہا تھا۔
"امی! آپ تیار ہیں تو چلیں ہم۔" عزیز نے ان سے پوچھا۔

"ہوں..... تیار ہوں۔" آف وائٹ بیا جب۔ کے ریشم کی کڑھائی کے کپڑوں میں وہ پروقار لہ رہی تھیں۔
عزیز سیدھا باہر نکل گیا تھا مگر ذہن اگر کا منتشر ہی تھا اسے دادی جان کا رونا دیکھا نہیں جاتا تھا بھر ڈاکٹر

نے سخت ہدایت کی تھی کہ انہیں زیادہ سے زیادہ خوش رہیں نہ زہت اس کے ساتھ گاڑی میں فریڈ سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں

وہ لب بھینچے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔
"دادی! پر جو اد کی طرف ہر آنکھ سے عتابہ نہیں آئی ہے کافی دنوں سے۔" انہوں نے ہی خاموشی کو توڑ دیا۔

عزیز نے سر ہلایا حالانکہ دل اس کا بھی ٹپکا کر رہا تھا کہ عتابہ کو جا کے لے آئے مگر خود سے کیسے لے آؤں گی

میں تو بالکل بھی بے تکلفی اور دوستی تک نہ تھی کہ وہ دیہوں با میں کرتے تہذیب کا گھر آ گیا تھا، بڑی مین روڈ پر ہی

سائڈ پر پارک کی اور وہ انہیں لئے کھلی میرا آگیا نہ زہت کو ساتھ لا۔ فریڈ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی کہ اگر وہ ایلے جائے تو لوگ

الٹی سیدھی نگاہوں سے دیکھیں گے۔
"ارے بیٹا..... آؤ آؤ۔" مہنہ نے جیسے ہی دروازہ کھولا عزیز کو دیکھ کر خوش دلی سے بولیں دروازے کا

امی ہیں۔“ محریب نے تعارف کرایا۔
”میں سمجھ گئی تھی۔“ مبینہ نے انہیں اپنے کمرے میں ہی بٹھایا تھا محریب کچھ جھجکا ہوا بیٹھا تھا نگاہ اس نے جھکائی ہوئی تھی۔

”تہذیب بیٹی نہیں ہے بھئی مجھے تو اس سے ملنے کا بہت ہی اشتیاق ہے محریب نے بتایا تھا کہ بڑی معصوم سی بچی ہے۔“ اتنے میں تہذیب بھی آگئی تھی سرمئی آنچل قرینے سے سر پر جمائے اس نے دونوں کو سلام کیا تھا نزہت نے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا۔

”اور کیسی لگی میری بہن“ بہ محریب نے پوچھا۔
”بہت اچھی اور میری توقعات کے برعکس اتنی چھوٹی سی مڑیا ہے۔“ نزہت نے تہذیب کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا وہ جھینپ سی گئی۔

”آئی! محریب بھائی نے مجھے اپنی بہن کہا ہے اور دیکھیے گا میں بہن ہونے کا حق ادا کروں گی میں بالکل انہیں اپنے سگے بھائی کی طرح سمجھتی ہوں۔“

”امی! مجھے تو مفت میں بہن مل گئی۔“ محریب مسکرایا تھا۔
حکمت لوازمات سے پرٹے اندر لے آئی اور تپائی درمیان میں رکھ کر اس پرٹے رکھ دی تھی۔
”امی! ہماری ایک چچی منی سی بہن یہ بھی ہے۔“ محریب نے حکمت کو مسکرا کر دیکھا نزہت نے اسے بھی ساتھ لگا کر پیار کیا۔

”بیٹا! آپ کس کلاس میں پڑھتی ہو؟“
”7th میں پڑھتی ہوں۔“ حکمت نے کچھ جھجک کر بتایا۔

”حمزہ کدھر ہے؟“ مبینہ کو حمزہ نظر نہ آیا تو پوچھا۔
”امی! وہ کہہ کر گئے ہیں کہ کسی دوست سے کچھ اسکول کا کام لیتا ہے۔“ حکمت نے بتایا۔
”دیکھیے مبینہ بہن! اب تو یہ بچے ہمارے ہیں اس لئے کوئی تکلف نہیں چلے گا محریب کل ہی ان کی شفٹنگ کرواؤ۔“

”آئی! اچھا نہیں لگ رہا ہے محریب بھائی نے پہلے ہی اتنا کچھ کیا ہے۔“ وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔
”بے وقوف لڑکی! انہوں نے کوئی تکلف نہیں چلا، تم بہن ہو میری اور اب ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے بالکل نہیں سنو گا۔“ محریب نے کچھ ڈپٹ کے ہی کہا تھا وہ خاموش ہو گئی۔

کچھ دیر بعد ان دونوں نے پھر اجازت لے لی تھی کیونکہ جواد احمد کی طرف بھی جانا تھا جس وقت وہ پہنچے تھے آٹھ بج رہے تھے۔ عتاب اور دوشہ کے تو خوشی سے پاؤں نہیں جم رہے تھے کیونکہ بڑی امی خود آئی تھیں۔
”جواد! تم نے تو میری بیٹی کو بھیجنا ہی چھوڑ دیا ہے۔“ وہ عتاب کو اپنے پاس بٹھائے ہوئے تھیں جبکہ محریب لب بھینچے خاموش ہی بیٹھا تھا۔ سمیرا بیگم مارے باندھے ان کے درمیان بیٹھی تھیں۔

”بڑی امی! وہ گھر کی کچھ مصروفیت تھی۔“ عتاب نے خود ہی عذر پیش کیا اسی وقت محریب کی اپنی نگاہ اس پر پڑی بلیو کاشن کے پرنٹڈ کپڑوں میں اپنے سادہ سے حسن سے بے پرواہ وہ اتنی معصوم اور دلکش لگتی تھی کہ وہ کئی لمحے مبہوت زدہ سا رہ جاتا تھا۔

”بھابی! میں سوچ رہا تھا کہ عتاب کو اماں جی کے پاس کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دوں گا میری بھی کچھ آفس کی

مصروفیت بڑھ گئی۔“ جواد احمد سمیرا پر چلتی کلتی نگاہ ڈال کر گویا ہوئے تھے۔
سمیرا بیگم دنیا جہاں کی بے زاری سموئے اپنے میک اپ زدہ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھیں کیونکہ انہیں وہ زبردستی ان کے بارلہ سے بلا کر جولائے تھے۔ عتاب بہ پھر کچن میں چلی گئی کھانا وغیرہ تو تیار ہی تھا اور پھر اسے محریب کے سپاٹ انداز سے بھی گمبرا ہٹ ہو رہی تھی۔

”آئی! محریب بھائی پانی مانگ رہے ہیں۔“ معارج کچن میں آ گیا تھا۔
”یہ گلاس ہے فریج سے بوتل نکال لو اور لے جاؤ۔“
”میں ابھی آیا۔“ وہ یہ کہہ کر کچن سے نکلا۔

جب تک عتاب بہ برتن وغیرہ سیٹ کرنے لگی تھی دیر کا پی ہو گئی تو محریب خود ہی آ گیا وہ تو بوکھلا ہی گئی نگاہیں تو لرز ہی لگیں وہ اپنی تواناں اور مردانہ شخصیت لئے اس کے روبرو تھا۔
”شاید میں نے پانی مانگا تھا معارج سے۔“ گویا اس نے طنز سے ساتھ جتایا۔

”سواری وہ پتہ نہیں کدھر کل گیا۔“ جلدی سے فریج سے بوتل نکالی اور پانی انڈیل کر گلاس میں نکال رہی تھی کہ سمیرا بیگم تنقیدی اور ناگوار انداز نے عتاب بہ کے ہاتھ پاؤں پھیلا دیئے محریب الگ چل سا ہو گیا، گلاس لیا اور چلا گیا۔
”کیا کہہ رہا تھا وہ؟“ کڑے تیوروں سے پوچھا۔

”جج..... جی..... کچھ نہیں کہہ رہے تھے پانی لینے آئے تھے۔“ وہ تو شرم سے گڑ گئی۔
”دیکھو عتاب بہ! میں جو کچھ تمہارے ساتھ کروں گی بھلے کے لئے کروں گی زیادہ محریب کے آگے پیچھے ہونے کی ضرورت نہیں ہے مجھے جب تمہاری شادی وہاں کرنی ہی نہیں ہے تو تم بھی اپنے قدم روک لو۔“ عتاب بہ نے حسرت بھری نگاہ ڈالی کتنی آسانی سے وہ ہر بات کہہ دیتی ہیں انہیں ذرا احساس نہیں کہ بچپن کے رشتے ہل میں تو نہیں توڑے جاتے بلکہ وہ شروع سے اپنے نام کے ساتھ محریب کا نام سننے آ رہی تھی اتنی آسانی سے کیسے وہ اسے بھول جائے جبکہ وہ اس کی نس نس میں بسا تھا، کبھی تو وہ ان سب کو کھلے دل سے قبول کر سکتی پورا وقت وہ پھر افسردہ رہی تھی۔

حجرت کی نماز پڑھ کے وہ بیچ سورہ لے کر پڑھنے لگی تھی صبح ہی وہ انھنے کی عادی تھی کوئی نماز اپنی قضا نہیں ہونے دیتی تھی گھر کے تمام کام نمٹانے کے بعد دوپہر میں ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر سوئی ضرور تھی دوشہ اور معارج دونوں کالج چلے جاتے تھے سمیرا بیگم وہی دن چڑھے اٹھتی تھیں پھر اس کے بعد ان کی وہی روٹین پارلر ہوتا تھا جواد احمد نو بجے تک آفس کے لئے نکلتے تھے وہ اس دوران گھر میں اکیلی ہی ہوتی تھی۔ کل رات سے اس کا ذہن اتنا پریشان تھا کہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے سمیرا بیگم کا روکھا اور سرد مہر انداز بڑی امی اور محریب کے ساتھ اسے ٹھکرات میں ہی جیلا کر رہا تھا۔
”اگر خدا نا خواستہ محریب نے ہی یہ رشتہ توڑ دیا تو وہ کیا کرے گی۔“ نہیں وہ منفی تو سوچتا ہی نہیں چاہتی تھی خود ہی اپنی سوچوں کو جھٹکا اور بیچ سورہ پڑھنے کے بعد اسے چوم کر کیبنٹ میں رکھ دیا، کچن میں جا کر پہلے چائے کا پانی چولہا پر چڑھایا انڈے سیٹ کر کے پاؤں میں رکھ دیئے دوشہ اور معارج انڈے اور سلاکس کا ناشتہ کر کے جاتے تھے اس دوران وہ ان دونوں کو بھی اٹھا دیتی تھی۔

”معارج! اٹھ جاؤ تاہم دیکھو آٹھ بجنے والے ہیں۔“ اس کے کمرے میں چلی آئی جہاں وہ بے خبر چادر تانے سو رہا تھا اس کے منہ پر سے چادر ہٹائی۔

”اٹھ لڑکے۔“ عتاب بہ نے اس کے رخسار پر چپٹ لگائی۔
”یار آئی! ابھی پانچ منٹ میں اٹھ رہا ہوں۔“

”کیسے اٹھ رہا ہوں ابھی اٹھو“۔ وہ اس وقت تک سر پر کھڑی رہتی تھی جب تک وہ بیڈ سے اٹھ نہیں جاتا تھا۔ پھر اس نے دوشہ کو اٹھایا دونوں جب تک تیار ہو کے آئے وہ ناشتہ ریڈی کر چکی تھی اس وقت لاؤنج میں رکھا فون بج اٹھا عتابہ چونک گئی اتنی صبح کس کا ہے دل دھڑک بھی اٹھا معارج چیر کھسکا کے فون اٹھانے اٹھا۔

”تم کالج کے لئے نکلون میں ریسیو کرتی ہوں“۔ وہ اسے روک کر۔۔۔ لاؤنج میں چلی آئی اس دوران دوشہ اور معارج نکل گئے تھے دوشہ کی تو دین آئی تھی جبکہ معارج خود بس سے ہی جاتا تھا۔

”ہیلو السلام علیکم!“۔ نمبر دو کھلے لیا تھا دادی جان کے گھر سے تھا۔

”علیکم السلام!“۔ محراب کی سمیرا آواز نے اسے چونکا ہی دیا کہ اتنی صبح اس نے کیسے فون کر لیا تھا۔

”حیران ہو رہی ہوگی کہ میں نے اتنی صبح کیسے فون کر لیا“۔ وہ خود ہی بول اٹھا۔

”مجھے خبر تھی بلکہ پتہ ہے کہ تم صبح اٹھنے والوں میں سے ہو یہی بات مجھے یاد رہی تو سوچا کہ یہ ٹائم زیادہ بہتر ہے کیونکہ تمہیں اپنی امی کا بھی ڈر نہیں ہوگا“۔

”جی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے“۔ اسے ناگوار گزرا مگر لہجہ پھر بھی نارمل تھا۔

”ایسی ہی بات ہے کیونکہ میں جب بھی آیا ہوں تم سمیرا چچی کے سامنے مجھ سے بچتی ہو“۔

”اچھا بتائیے صرف اس لئے فون کیا تھا“۔ وہ طنز کرنے لگی۔

”نہیں فون کی اور بھی وجہ ہے یہی کہ دادی جان کو تمہاری بہت یاد آ رہی ہے اس لئے کچھ دنوں کے لئے آ جاؤ تاکہ انہیں تسلی ہو جائے“۔ جھٹ بھل بے نے پھر روکھے انداز میں مدعا بیان کر دیا تھا۔

”جی کوشش کروں گی“۔ وہ آہستہ سے گہری سانس لیتی۔

”دوشہ کوشش نہیں کروں گی تمہیں آنا ہے“۔ یہ کہہ کر اس نے ریسیور وہیں بیچ دیا تھا عتابہ کو اس کا سرد اور رد کھا رہی یہ اکثر تکلیف دیتا تھا اس دن کے بعد سے وہ کچھ طنز یہ بھی ہو گیا تھا۔

پورا دن اس نے کام نمٹائے سمیرا بیگم کے تو اپنے پارلر سے چکر لگتے رہتے تھے عتابہ لیکن وہاں نہیں جاتی تھی کیونکہ اسے وہاں جانا شروع سے اچھا نہیں لگتا تھا پھر اسے دیگر لڑکیوں کی طرح بننے سنورنے کا بھی ایسا شوق نہیں تھا رات کا کھانا وہ تیار کر چکی تھی۔ رات کا کھانا سب ساتھ ہی کھا رہے تھے عتابہ کی سمیرا کے سامنے جواد احمد سے کہنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ دادی جان کے پاس جانا چاہتی ہے۔

”آئی! آپ ابو سے تو کہہ دیں جا کر کہ آپ کو جانا ہے“۔ دوشہ اس کے پیچھے کچن میں چلی آئی وہ کچن سینے میں لگی ہوئی تھی۔

”امی کے سامنے کیسے کہوں؟“ وہ منمنائی۔

”آپ اگر ایسے ہی ڈرتی رہی تا تو ہو گیا گزراہ میں ہی ابو سے کہتی ہوں“۔ دوشہ کو تو جوش ہی چڑھ گیا۔

”دوشہ! کو تو“۔ عتابہ نے پکارا بھی مگر وہ رکی کہاں لاؤنج میں چلی گئی جواد احمد ٹی وی پر نیوز لگا کے بیٹھے تھے جبکہ معارج اپنے کمپیوٹر روم میں تھا۔

”دوشہ بیٹا! جائے تو بلاؤ ہٹا کے“۔ انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

”میرے لئے بھی بنانا بہت ممکن ہی ہو رہی ہے“۔ سمیرا بیگم بھی وہیں چلی آئیں تھیں دوشہ کچھ گڑبائی بھی تھی۔

”ابو! آپ کو دادی جان کے پاس تو بھیج دیں ان کا فون آ رہا ہے“۔ دوشہ نے ایک جھٹکے میں ہی کہہ دیا۔

”عتابہ! کہیں نے جانے سے منع کیا ہوا ہے نہیں جائے گی“۔ سمیرا بیگم تو سن کے ہی مشتعل سی ہو گئی تھیں۔

”تم ہوتی کون ہو اس پر پابندی لگانے والی؟“ جواد احمد کو غصہ آ گیا۔

”ماں ہوں اس کی کوئی نہیں جائے گی عتابہ“۔

”سمیرا! جب تمہاری میرے آگے چلتی نہیں ہے تو کیوں مجھ سے ضد باندھتی ہو“۔ جواد احمد نے ٹی وی آف کیا اور اپنی قہر برساتی نگاہیں ان پر ڈالیں۔

”لیکن اب چلے گی“۔

”امی! آپ اس طرح غلط کرتی ہیں آپ کو نہیں ملتا تو نہ ملیں مگر ہم لوگوں کو نہ روکیں“۔ دوشہ نے مداخلت کی۔

”تم چپ کر دو بڑوں کے معاملے میں مت بولا کرو“۔ انہوں نے اسے جھڑک دیا۔

”جب بڑے غلط بات کر رہے ہوں تو چھوٹوں کو بولنا ہی پڑتا ہے“۔ جواد احمد نے طنز کا تیرا چھالا۔

”عتابہ سے کہو وہ تیار ہو جائے“۔

”ابو! میں نہیں جاؤں گی“۔ عتابہ ان کی بحث و تکرار سن کے پریشان سی چلی آئی تھی جواد احمد نے حیرانگی سے دیکھا۔

”کیوں نہیں جاؤ گی؟“

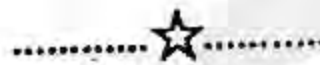
”امی کو اچھا نہیں لگتا ہے“۔

”ارے تمہاری ماں کو اپنے علاوہ کبھی کبھار اچھا لگا ہے تیس سال سے میں یہی دیکھتا آ رہا ہوں اپنے آگے اسے کوئی نظر نہیں آتا ہے“۔

”جواد!.....!“۔ سمیرا بیگم کو تو آگ ہی لگ گئی۔

”بند کرو اپنی بکواس یہ گھر میرا ہے یہ اولاد میری ہے سنا تم نے یا اور کچھ متاقل شوہر ہوں تمہارا کوئی ملازم نہیں جو تم چینی رہتی ہو“۔ جواد احمد بھی پھٹ پڑے۔

دوشہ اور عتابہ دونوں ہی لب پھل رہی تھیں وہ کس کو سمجھا تھیں جبکہ سمیرا بیگم کی ہر بات ہی غلط تھی وہ انہیں بھی ٹوک نہیں سکتی تھیں جواد احمد کی ہر بات ہی معقول تھی وہ سب سوچتے سمجھتے تھے مگر ان میں ایک خامی تھی انہیں غصہ جلدی آ جاتا تھا دونوں ہی افسردگی میں مبتلا وہاں سے ہٹ گئیں کہ مزید وہ ان دونوں کی تکرار نہ دیکھ سکتی تھیں نہ ہی سن سکتی تھیں جبکہ یہ تو روز کا ہی معمول تھا۔



جواد احمد اپنی ماں کے پاس گھنٹوں میں بیٹھ گئے تھے وہ اتنے اور مجبور اور لاچار تھے کہ وہ فیصلے پر آ گئے تھے ان کے دونوں بھائی اور بھادج حق حق سے رہ گئے تھے کیونکہ آج تک ان کے خاندان میں نہ ایسا ہوا اور نہ ہی دیکھا تھا۔

”جواد! تم ہوش میں تو ہو کیا کہہ رہے ہو“۔ رضوان احمد نے انہیں ٹوکا۔

”بھائی جان میں بہت عاجز آ گیا ہوں“۔ بے زاری ان کے چہرے سے واضح تھی۔

”عاجز آ گئے ہو تو تم یہ کرو گے اولاد جو ان ہے تمہاری کیا اثر پڑے گا“۔

”میری اولاد سب دھمکتی رہتی ہے ہماری صبح ہوتی ہے تو آغاز لڑائی سے ہوتا ہے رات ہوتی ہے تو لڑائی ہوتی ہے“۔ وہ مضطرب تھے۔

”اس کا بھی حل ہوتا ہے کہ ایک فریق خاموش رہے“۔ نزہت نے انہیں سمجھایا۔

”بھابی جان! میں طویل عرصے سے خاموش ہی ہوں لیکن اب برداشت کی حد ہو گئی ہے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے بس ضد سوار ہے آپ سب سے“۔ جواد احمد نے جھکے جھکے انداز میں کہا۔

”پھر اس کا تو یہی حل نکلتا ہے ہم محریب اور عتابہ کی شادی کر دیتے ہیں شاید سمیرا کے رویہ میں لچک آ جائے۔“
ناظمہ بولیں۔

”عتابہ ہی راضی نہیں ہوگی اسے بھی یہی ضد سوار ہے کہ اس کی ماں راضی خوشی اسے رخصت کرے گی تو شادی کرے گی ورنہ نہیں۔“ اندر آتے قدم کچھ لمحے کو محریب کے رکے وہ جواد احمد کی بات سننے لگا۔

”سمیرا تو ساری عمر ہی نہیں چاہے گی۔“ پھر گویا ہوئے۔
”عتابہ کو ہم سب سمجھا سکتے ہیں۔“ ریحان احمد ٹھہری سوچ کے بعد گویا ہوئے کیونکہ کافی دیر سے وہ ان کی باتیں سن رہے تھے۔

”کیا فائدہ وہ سمجھانے پر راضی تو ہو جائے گی دل سے نہیں ہوگی اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری بچی شادی کے بعد پریشان رہے کیونکہ سمیرا اسے چین سے نہیں رہنے دے گی۔“ محریب اٹھ کھڑے ہال کمرے سے پلٹ گیا تھا۔
ذہن الجھ سا گیا تھا بات تو چاچو نے ٹھیک ہی کہی تھی کہ زبردستی اگر وہ شادی کے لئے راضی ہوگئی تو بعد میں خوش کب رہے گی وہ گہری سوچ میں کم لاؤنج میں بیٹھا جہاں رافع اپنا پسندیدہ چیمبل لگائے بیٹھا تھا اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

”محریب بھائی! خیریت تو ہے اتنے خاموش سے کیوں بیٹھے ہیں۔“ اس نے پر تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔
”ویسے ہی خاموش بیٹھا ہوں۔“ مبہم سا مسکرایا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا ڈھیلے انداز میں وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گیا وہ آج کسی ناکسی فیصلے پر پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے اور عتابہ کے رشتے کی وجہ سے دونوں گھرانوں میں الجھن اور انتشار بڑھ رہا تھا اور وہ اندازہ بھی کر رہا تھا کہ سمیرا چچی کبھی بھی ان دونوں کے رشتے کو قبول نہیں کریں گی اور عتابہ اپنی امی کی رضامندی کے بغیر کبھی بھی شادی نہیں کرے گی لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ اب عتابہ سے ہی وہ آخری فیصلہ بھی سنے گا۔ آخر کب تک اسی طرح چلتا رہے گا اور پھر رشتے تو دل کی رضامندی سے ہی پروان چڑھتے ہیں کیا فائدہ وہ تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر شادی کر لے گا، مگر عتابہ اسے کبھی قبول نہیں کرے گی وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھالحوں میں ہی ذہن نے دل و دماغ کے ساتھ ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

”محریب بھائی! محریب بھائی!“ رافع نے متواتر اس کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دی وہ چونک ہی گیا۔
”آ جاؤ یار!“ وہ اٹھ کر بیٹھا۔

”محریب بھائی! آپ کو بڑے ابوبار ہے ہیں۔“
”اچھا آتا ہوں۔“ سر ہلا کر کہا رافع چلا گیا تھا۔ ہال کمرے میں آیا تو دیکھا جواد احمد نہیں تھے البتہ باقی افراد موجود تھے۔ نزہت تو خاصی مغموم سی بیٹھی تھیں۔

”ابو! آپ نے مجھے بلایا؟“ وہ مؤدب انداز میں پوچھتے ہوئے سنگل صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
”محریب! ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تمہاری اور عتابہ کی شادی کر دی جائے۔“

”لیکن ابو! میں یہ کہتا ہوں کہ اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کریں۔“ اس نے بغیر رکے ہی جھٹ انہیں روکا۔
”جواد مجھ سے کہہ کر گیا ہے اور پھر ماں جی کی طبیعت کو تم جانتے ہو وہ بالکل نہیں مان رہی ہیں۔“

”ابو! ہم دادی جان کو سمجھا سکتے ہیں اور پھر میں کم از کم ہرگز بھی ایسے شادی نہیں کر دوں گا کہ عتابہ راضی نہ ہو۔“ وہ ویسے ہی صاف گو آدمی تھا ہر بات کو کھیر کر کرتا تھا جو اس کے دل میں ہوتا تھا وہی منہ سے بھی کہتا تھا۔
”عتابہ کو جواد منالے گا، پھر تمہاری امی بھی جا کر بات کریں گی۔“

”ہاں محریب! تم اس بات سے بے فکر ہو جاؤ۔“ نزہت نے بھی اسے گویا تسلی ہی دی محریب اسی لمحے لب بھنج کر ہی رہ گیا زیادہ بحث نہ وہ کرتا تھا اور نہ ہی پڑتا تھا۔

”اماں جی کو سنبھالنا اس وقت مشکل ہو رہا ہے اور تم پھر جانتے ہو کہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی بھی ایسی بات نہ کی جائے۔“ ریحان احمد اسے آگاہی دینے لگے۔
مگر محریب کو یہ دھوکے کی زندگی ذرا پسند نہ تھی جب وہ دل سے راضی نہیں ہوگی تو یہ شادی جیسا رشتہ کبھی مضبوط نہیں ہو سکتا۔

”سمیرا چچی کو آپ جانتے ہی ہیں۔“

”سمیرا کی جواد نے نہ پہلے سنی تھی اور نہ اب سنے گا وہی کرے گا جو اس نے یہاں بیٹھ کر طے کیا ہے اس وقت اماں جی صحت و زندگی کی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔“ انہوں نے کہا اور پھر وہ بات ختم کر کے کھڑے ہی ہو گئے تھے چچا جان نے محریب کے شانے پر ہتھکی دی وہ جواب میں ان سے اور کیا کہتا جب وہ فیصلہ کر چکے تھے مگر ایک فیصلہ اسے بھی کرنا تھا جو بہت ضروری تھا ساری زندگی کا معاملہ تھا وہ ایک دوسرے سے آنکھ چرا کے زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا اس وقت اس نے چکی ہی سادھ لی تھی۔

☆.....

دوسرے دن وہ حسنہ پھوکی طرف چلا گیا احد آفس سے آچکا تھا دونوں نے پہلے ڈنر کیا اور پھر محریب اسے لے کر باہر لان میں ہی کھل گیا کیونکہ سارے رازوں سے وہ واقف تھا۔
”تمہارا کیا فیصلہ ہے؟“

”فیصلہ میں اسے سناؤں گا۔“ اس نے آسمان پر چپکتے ستاروں پر نگاہ جمائے کہا احد نے گہری اور پر فکر نگاہیں اس پر گاڑ دیں۔

”محریب! کوئی گڑبڑ تو نہیں بچانے والے تم؟“
”جب میری زندگی ہی گڑبڑ ہوگئی ہے تو میں کیا گڑبڑ بچاؤں گا۔“ اب دونوں نرم نرم گھاس پر چہل قدمی کرنے لگے بڑا سالان اور سائیڈ پر خوبصورت پھولوں کے پودے اور مین گیٹ کی سائیڈ پر آم کے بڑے بڑے درخت ہو اسے جھوم رہے تھے۔

”بس! بس زیادہ فلاسفر نہ بنو۔“ احد کو اس کی ایسی روکھی اور ٹیل گفتگو ہمیشہ بری لگتی تھی۔
”کیا مطلب لے کے کہاں جاؤ گے؟“ محریب کو اس کا سوالیہ انداز بڑا ہی گیا۔

”یہاں تو بات ہو نہیں سکے گی کیونکہ امی اور ابو دونوں ادھر ہیں اور پھر چھٹی بار کا قصہ تو تم بھی نہیں بھولے ہو گے۔“ اس نے محریب کو یاد دلایا جب اس نے بات کرنے کے لئے ہی عتابہ کو حسنہ پھوکی کمرے بلوایا تھا۔

”ہاں یاد ہے جب ہی کہہ رہا ہوں میں اسے لانگ ڈرائیو پر لے جاؤں گا اسی طرح بات بھی ہو سکے گی۔“
”یار محریب! مجھے جانے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ اس بار تم کچھ غلط ہی کر دو گے یا سوچ ہو وہ لڑکی خاندان میں سب سے الگ ہے ایسے جارحانہ انداز وہ نہیں برداشت کر سکے گی۔“ احد رک کر کھڑا ہو گیا محریب نے جیسے چتون کئے اور اسے گھورنے لگا۔

”جارحانہ انداز کیا بکواس کر رہے ہو یار؟“ وہ تو ایک دم پزل بھی ہو گیا۔
”یہی کہ تم اگر غلط طریقے سے اسے مجبور کر دو گے شادی کے لئے تو یار خاندان کی عزت کا خیال کرو۔“

”لا حول ولا قوۃ ہمیشہ ہوں گی ہی سوچتا۔“ وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر اسے سنانے لگا۔
 ”تم اس سے اکیلے میں ملن کو کہہ رہے ہو اور تمہارے دماغ کا پتہ بھی نہیں ہے کیونکہ مجھے تو تمہاری آنکھوں میں
 کبھی بھی حنا نہ لگے لے وہ جذبات نظر آئے جو ایک لڑکے کے اپنی اتنی خوبصورت منگیت کو دیکھ کر ہوتے ہیں۔“
 ”ہر چیز کا اور ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے مجھے اچھا نہیں لگتا کہ سب کے سامنے ایسی فضول حرکتیں کروں۔“ وہ
 جھینپ گیا دونوں چلتے چلتے تھک گئے تو گھاس پر لیٹ گئے دودھیاروشنی پورے لان میں پھیلی ہوئی تھی ہوا چل رہی
 تھی پودے اور درخت جب ہلے تو اور زیادہ ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے تھے۔
 ”یار! لڑکیاں پھول کی طرح ہوتی ہیں اگر ان پر ذرا سی پیار بھری نگاہ کی پھوار برسا دو تو وہ کھل سی جاتی ہیں۔“

احد اسے بڑے مدبرانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے حیران کر رہا تھا۔
 ”جبکہ حنا نہ تمہاری بچپن کی منگیت ہے اتنا تو اس بے چاری کا حق بنتا ہے کہ تم پیار بھری مٹھی نگاہوں سے ہی دیکھ
 لو چاہے بات نہ کرو کوئی رومینٹک سی۔“

”میں پھر تمہیں بتا دوں جب وقت آئے گا اسے کوئی شکایت نہیں ہوگی لیکن وقت سے پہلے بالکل نہیں۔“ وہ عام
 لڑکوں کی طرح تو نہ تھا جو ہر وقت کے فضول ڈائلاگ بولتے ہیں وہ اپنے جذبات چھپا کر رکھے ہوا تھا کسی خاص
 موقع کے لئے تاکہ اس کے جذبات میں نیا پن تو اسے لگے چاہے اسے پوری زندگی اس سے محبت بھرے رومینٹک
 ڈائلاگ ہی کیوں نہ بولنے پڑیں وہ بولے گا مگر وقت سے پہلے اپنے جذبات اس پر آشکار نہیں کرے گا۔
 ”پانچ سال تم نے امریکا میں گزارے ہیں لیکن اتنے دقیقہ نوسی کیوں ہو۔“ احد کو اس پر غصہ آنے لگا اور پھر اٹھ کر
 بھی بیٹھ گیا۔

محریب کے ہونٹوں پر مبہمی مسکراہٹ ٹھہر گئی کیونکہ احد اسے گھور رہا تھا۔
 ”میرے اصول الگ ہیں میں جو بہتر سمجھتا ہوں وہ کرتا ہوں۔“ تقا خرزہ اس کا انداز تھا۔
 ”یہ جو تم لٹھ مار ہونا تمہارے ایسے انداز پر تو وہ جھٹ ہے انکار ہی کرے گی یار میرے لب و لہجے میں انداز میں
 آنکھوں میں محبت سمو کر اس سے بات کر دیکھو قدموں میں پکھل کر وہ بیٹھ جائے گی فوراً شادی کے لئے رضامندی
 دے دے گی۔“

”بس رہنے دو میں جیسے اسے جانتا نہیں ہوں کتنی شرمیلی ہے ایک انچ نہیں ہلے گی۔“
 ”پھر کیوں بات کر رہا ہے چھوڑ۔“ احد اپنی پیٹھ کو ہاتھوں سے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔
 ”کل کے بعد چھوڑ دوں گا۔“

”کیا مطلب.....؟“ احد نے چونک کر پوچھا۔
 ”ارے میرا مطلب ہے کہ آخری بار پوچھ لیتا ہوں اس کی مرضی کیا ہے پھر ہی تو بات آگے بڑھے گی خواہ مخواہ
 زبردستی شادی ہوگی تو ساری زندگی مجھے الزام ہی دیتی رہے گی۔“ گڑبڑا کے اس نے جھٹ بات سنبھالی۔
 ”ویسے اس سے پوچھنا فضول ہی ہے ماموں جان نے اور ریمان ماموں نے تو تمہاری شادی کا سوچ ہی
 لیا ہے۔“

”ابھی اس قصے کو چھوڑ دو میں کل پانچ بجے گھر آؤں گا کیونکہ سنڈے ہے گھر پر تم بھی ہو گے میں بھی لیکن دھیان
 سے پھپھو کو نہ پتہ چلے ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔“ اسے حسہ پھپھو سے بھی ڈر لگ رہا تھا۔
 ”کیا بات ہے آپ دونوں کیا سارا نام نہیں گزار دیں گے۔“ پنک کاٹن کے پریٹڈ کپڑوں میں وہ مسکراتی ہوئی

آئی تھی دونوں کے لب بھینچ گئے۔

”بھائی! خیر سارا نام تو نہیں گزاریں گے میں بھی چلا ہوں۔“ محریب مسکرایا۔
 ”یار! کہاں ابھی چائے کا دور تو چلا ہی نہیں۔“

”تمہیں پتہ ہے میں رات میں چائے نہیں پیتا ہوں۔“ محریب نے یاد دلایا۔
 ”محریب بھائی! آپ کو تو ابھی سے حنا نہ کو اپنی ساری پسندنا پسند سے آگاہ کر دینا چاہیے۔“ شامین نے چھیڑا۔
 ”یہ نواب ہیں سارا کچھ اپنے محل میں کریں گے رو برو بیٹھ کر پہلے سے نہیں۔“ احد اکثر بے باک بھی ہو جاتا تھا۔
 ”نکو اس کم کیا کرؤ۔“ محریب جھینپ گیا شامین کو ہنسی آ گئی۔

”ویسے حنا نہ کے مزاج کا بھی پتہ نہیں چلا ہے کیا پسند ہے اور نا پسند ہے۔“ شامین نے سر د آہ بھری۔
 ”دونوں ہی روکے پھیکے سے ہیں جانے آگے کریں گے کیا۔“ احد کو ہنسی پریشانی رہتی تھی۔

”وہی جو تم کر رہے ہو۔“ محریب نے مسکراتے ہوئے کان میں سرگوشی کی اور احد کی تو حیرانگی سے آنکھیں پھیل
 گئیں کہ محریب اور ایسی معنی خیز بات اس سے پہلے وہ اسے پکڑتا محریب ان دونوں کو سلام کرتا ہوا نکل گیا شامین
 احد کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

”یار! یہ تو اپنے ہی قبیلے کا ہے بس خود پر خول چڑھایا ہوا ہے۔“ وہ شامین سے مخاطب ہوا تھا۔
 ”سنو! کل تم نے حنا نہ کو کسی طرح بھی یہاں لانے کے لئے راضی کرنا ہے محریب کو اس سے بات کرنی ہے۔“
 احد چلتے ہوئے اسے ہدایت دینے لگا۔

”مشکل ہے کہ وہ آئے۔“
 ”تمہیں اسے لانا ہے کیونکہ تم جانتی ہو دونوں کی شادی ہونے والی ہے اچھا ہے دونوں آپس میں بات کر لیں جو
 بھی چاہتے ہیں۔“

”کیوں آپ کو نہیں بتایا محریب بھائی نے؟“ شامین نے پوچھا۔
 ”خاصا گھنا ہے بتا کے نہیں دیا۔“

”محریب بھائی کچھ ریزورسے رہتے ہیں۔“ وہ بولی۔
 ”دوسروں کے ساتھ میرے ساتھ بالکل نہیں اس کی رگ رگ بلکہ نس نس سے واقف ہوں۔“ وہ بتانے لگا۔
 ”پھر بتائیے کہ وہ کیا بات کریں گے حنا نہ سے۔“ وہ استفسار کرنے لگی۔

”بات کیا کرنی ہے گڑبڑ کرے گا اور مجھے ڈر ہے کہ بات سننے کے بجائے جگڑنے جائے پھر سیرامی کو تو موقع
 ہی مل جائے گا۔“ احد نے محریب کی گفتگو سے کافی کچھ اخذ بھی کر لیا تھا۔

”سیرامی نے بھی الگ ہی ضد باندھی ہوئی ہے۔“ دونوں پھر کافی دیر تک ان پر ہی باتیں کرتے رہے تھے
 کیونکہ ایک سیرانے پورے خاندان کو ہلا کر ہی رکھا ہوا تھا جو صرف دل سے سوچتی تھیں دماغ کا استعمال کم ہی کرتی
 تھیں۔



”میں نے سوچا کہ آج تمہارے باربر سے ہی اپنی کنگ کر والوں کی اس یہاں تم سے مل بھی لوں گی۔“ سیرامی
 کی کالج فیلو سائرہ ان سے ملنے چلی آئی تھیں۔ سائرہ بھی انہی کی طرح فیشن ایبل تھیں اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ہلاتی
 ہی رہتی تھیں۔

”سمیرا! تم تو ابھی تک زیادہ عمر کی لگتی ہی نہیں ہو اور تمہاری بیٹیوں کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں ہے کہ تم جوان بیٹیوں کی ماں ہو۔“ انہوں نے مزید آسمان پر چڑھایا سمیرا بیگم کے پہلے ہی پاؤں زمین پر نہ تھے اور یہ کم عمر کے خطاب نے ان کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچایا ہوا تھا۔

”مجھے دیکھ کر ابھی تک بھی لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میری شادی نہیں ہوئی۔“ باہر بیٹھے جواد احمد سب سن رہے تھے اور ان کی سہیلی کی مبالغہ آرائی تو انہیں آگ ہی لگا رہی تھی۔

”بڑا شوق ہے تمہاری ماں کو کم عمر بننے کا۔“ انہوں نے ٹرے لے جاتی عتابہ سے کہا وہ لب کچلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

”ارے سمیرا! عتابہ کی تو تم نے بچپن میں مگنی کر دی تھی۔“ سائرہ کو یاد آیا تو پوچھا۔

عتابہ سینٹرل ٹیلی بلو ازمات رکھ رہی تھی نگاہ اس نے جھکائی ہوئی تھی اپنا ذکر دیتے بھی اسے ناگوار ہی گزرتا تھا۔

”لیکن میں اپنی بیٹی کی شادی وہاں نہیں کروں گی۔“ سمیرا ڈرائنگ روم سے ہی گویا ہوئیں عتابہ کو بھی جتنا یاد وہ لب کچلتی تھی۔

”سمیرا! تمہیں اپنی بیٹی کی شادی اتنی جلدی کرنی بھی نہیں چاہیے کیونکہ ابھی تمہاری ایسی کوئی عمر بھی نہیں ہے کہ اس بنو پھر بعد میں نانی جلدی بن گئیں تو سارا ہی اس کوپ ابھی سے خراب ہو جائے گا۔“ سائرہ نے انہیں مزید حسن اور فتنس کی قصیدہ گوئی کی تو وہ کچھ اکڑ کے ہی بیٹھ گئیں۔

”ارے اتنی جلدی تو میں بھی کرنے والی نہیں ہوں اور اپنی سسرال میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ انہوں نے ہاتھ چلا کر ہنکارا بھرا۔

عتابہ سے وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا آنکھوں میں نمی اور افسردگی لے کر ڈرائنگ روم سے نکلی تھی اس کی ماں اتنی خود فرض بھی ہو سکتی ہے اس نے صرف ابو کے منہ سے سنا ہی تھا مگر اس کا مظاہرہ بھی دیکھ لیا وہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی مگر چپ کر دیا اسے ڈھونڈتی ہوئی آگئی جو ڈرائنگ روم میں تھی۔

”آپ! کیا بات ہے کیوں رو رہی ہیں؟“ دشا تو گھبرا ہی گئی۔

”کک..... کچھ نہیں۔“ آنسو چھپانے کی وہ ناکام کوشش کرنے لگی۔

”دیکھیے آپ! مجھ سے کچھ چھپائیے نہیں کیا بات ہے۔“ دشا ویسے ہی دودن سے پریشان بھی تھی کیونکہ جواد احمد نے گھر میں عتابہ کی شادی کا جو کہہ دیا تھا اور اسے پتہ تھا کہ عتابہ بالکل بھی رضامند نہیں ہوگی۔

”پلیز آپ! کچھ تو بولیں ای نے کچھ کہا ہے یا بولنے۔“ وہ کھسیا ہی گئی۔

”کسی نے کچھ نہیں کہا ہے؟“

”آپ بلاوجہ کبھی بھی اتنا نہیں روتی ہیں آپ تو حالات کا مقابلہ کرتی ہیں اور مجھے حیرت ہے کہ رو رہی ہیں دوسروں کو تسلی دینے والی ہمت دینے والی اور مضبوط ارادوں والی کے آنکھوں میں آنسو۔“ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

”دشا! امی کبھی بھی میری شادی نہیں ہونے دیں گی۔“

”کیوں نہیں ہونے دیں گی ہوگی اور ضرور ہوگی ابو دادی جان کے گھر ساری بات طے کر آئے ہیں۔“ وہ اسے اطمینان دلانے لگی۔

”لیکن دشا! میں چاہتی ہوں میری شادی پر امی خوشی خوشی شرکت کریں۔“ اس کے دل میں تو آج بھانسن چھ مہینے ہی وہ سوچ سوچ کر حیران تھی کہ اس کی سہیلی کی ماں ایسی سوچ رکھتی تھی جبکہ وہ بیٹی ہو کر اپنی ماں کے متعلق ڈرا بھی تھی نہیں

سوچتی تھی۔

”آپ کو اندازہ ہے امی کبھی بھی ایسا نہیں کریں گی۔“

”میں ساری زندگی انتظار کروں گی۔“ اپنے آپ چلے سے آنسو دھسک کر رہی تھی۔

”آپ نے محریب بھائی کے متعلق بھی کچھ سوچا ہے یا نہیں کب تک انتظار کریں گے۔“ دشا کو اس کی ضدی طبیعت سے اکثر چڑھتی تھی۔

”بچپن سے ہی انتظار کر رہے ہیں مزید انتظار کر لیں گے تو کیا ہو جائے گا۔“ اسے تو ویسے ہی محریب کی ایسی تلخ اور سرد باتوں نے اور ہی مایوس کر دیا تھا وہ بھی تو اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

”آپ! محریب بھائی کا اس میں تصور کیا ہے آپ شادی کے بعد بھی تو امی کو مناسکتی ہیں اور دیکھیے گا جب آپ کی شادی ہو جائے گی تو امی خود بخود دمان لیں گی۔“ وہ اسے سمجھانے لگی۔

”بعد میں اور پریشانیاں ہوں گی مجھے خبر ہے امی میری شادی کے بعد بھی وہاں قدم نہیں رکھیں گی یہ مجھ سے گوارہ نہیں ہوگا۔“ لب کچلتی تھی

”کیا ہو رہا ہے یہاں؟“ سمیرا بیگم نے کڑے تیوروں سے دونوں کو دیکھا۔

وہ دونوں بکھلائی گئی تھیں عتابہ کی آنکھوں میں آنسو بھی دیکھ لئے تھے وہ نگاہ جھکا کر رہ گئی۔

”میری باتیں بری لگی ہیں نا جب ہی رو رہی تھیں۔“ اس لمحے وہ اتنی سنگدل لگ رہی تھیں دشا تو دانت پیس رہی تھی۔

”وہ سب باتیں میں جان بوجھ کے کر رہی تھی میں تمہاری شادی وہاں بالکل نہیں کروں گی تمہیں آج ہی اپنے باپ کو فیصلہ سنانا ہے۔“ وہ توڑ ہی گئی تھیں۔

”امی! آپ کی مگنی بچپن کی ہوئی تھی۔“ دشا نے جھٹ مداخلت کی۔

”میں نے شروع سے اس مگنی کو نہیں مانا ہے۔“

”پلیز امی! آپ آپ کی کے ساتھ یہ ظلم نہ کریں۔“ وہ روہانسی ہو گئی۔

”میں اس کا اچھا برا سمجھتی ہوں یہ ظلم نہیں ہے بلکہ ان سب کے ظلم سے بچا رہی ہوں بعد میں اسے یہی طعنے سننے کو ملیں گے۔“ عتابہ آچل ہونٹوں پر رکھ کر اندر چلی گئی کافی دیر تک دشا اور سمیرا بیگم میں بحث ہی ہوتی رہی تھی پھر دشا اور معارج عتابہ کے مقابلے میں کچھ تیز و طرار بھی تھے اس لئے ان کا مقابلہ کر لیتے تھے۔

☆.....

”بیمنی! ذرا فون تو ملا میں اپنی بچی سے فون پر بات ہی کر لوں۔“ دادی جان نے بیمنی سے کہا وہ ان کے سر میں تیل کی مالش کر رہی تھی۔

”جی اچھا۔“ فوراً حکم کی تعمیل کے لئے وہ اٹھی تھی۔

اسی اثناء میں محریب ان کے کمرے میں چلا آیا تھا اس کا بیلیو قمیض شلوار میں ملبوس اونچا لمبا محریب اس پر اس کی سوبر شخصیت اس کی وجاہت و وقار کو بڑھا دیتی تھی۔

”کیسی ہیں دادی جان؟“ اس نے مسکراتے ہوئے ان کے ضعیف سے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے تھے۔

”وہی ہی ہوں تو کیسا ہے کہیں جا رہا ہے۔“ انہوں نے اس کے چہرے پر پیار بھری نگاہ ڈالی جو ابھی بھی مسکرا ہی رہا تھا۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 5 -

سلسلے وار ناول

جہالت و دل کی جہالت



Express
your thoughts
beautifully

Junaid Ansari 96

”کچھ ضروری کام ہے۔“
 ”دادی جان! فون میں نے کیا تھا عتابہ باجی سوری تھیں۔“ یعنی انہیں اطلاع دینے چلی آئی محریب چونک گیا۔
 ”وشہ اور معارج اپنی آنی کے گئے ہوئے ہیں جو اد چاچو نے فون ریسیو کیا تھا۔“
 ”میری بچی کو دیکھے ہوئے آنکھیں ترس سی گئی ہیں۔“ وہ اشردگی سے گویا ہوئیں۔
 محریب حیران بھی تھا کہ اس نے تو احد سے کہا تھا کہ وہ عتابہ کو باجی بجے تک لے آئے گا باہر پھر وہ سوری تھی
 تیزی سے کمرے سے نکلتا کہ احد کو کال تو کرے اور کوریڈور میں کھڑا ہو کر اپنے موبائل پر اسے کال کرنے لگا۔
 ”یار اتم گئے نہیں؟“ محریب اس کی آواز سنتے ہی جھنجھلا کر بولا۔
 ”تمہارا کام آرام سے ہو جائے گا وشہ اور معارج اپنی آنی کے گھر گئے ہوئے ہیں اور میرا مای اپنی دوستوں
 میں لگی ہوئی ہیں گھر میں صرف جواد ماموں اور عتابہ ہیں۔“ احد اسے بتانے لگا۔
 ”جواد چاچو کے سامنے میں کیسے بات کر سکتا ہوں۔“ وہ منمنایا۔
 ”جواد ماموں تم لوگوں کی طرف آئے ہوں گے بڑے ماموں سے کچھ بات کرنے۔“
 ”یہ تمہیں اتنی تفصیل دی کس نے ہے؟“ محریب کو حیرانی بھی ہوئی۔
 ”شامین کو فون کیا تھا وشہ سے تفصیل سے بات ہوئی تھی عتابہ سے بھی ہوئی تھی۔“
 ”پھر میں ابھی جاؤں یارک کر؟“ وہ پوچھنے لگا۔
 ”ایسا کرنا چھ بچے تک نکلتا جواد ماموں جب تک گھر سے نکل ہی جائیں گے۔“ وہ اسے ہدایت دینے لگا۔
 محریب کو گھبراہٹ سی ہونے لگی کہ گھر میں اکیلے میں عتابہ سے ملنا پھر بات بھی ایسی تھی کہ جنگ تو ہونا لازمی ہی
 تھی وہ موبائل اپنی میض کی پاکٹ میں رکھ کر دادی جان کے کمرے میں ہی چلا آیا تھا۔ یعنی ان کے مالش کرنے کے
 بعد تیل کی بوتل لے کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ گھر میں کچھ سناٹا تھا مائز اور فائق تو کہیں نکلے ہوئے تھے اور رافع کمپیوٹر
 پر بیٹھا تھا۔
 ”تو کیا نہیں ابھی؟“ دادی جان نے اسے اپنے بیڈ پر نیم دراز دیکھا تو وہ پوچھے بناء نہ رہ سکی تھیں۔
 ”ابھی جاؤں گا کچھ دیر آپ کے پاس نہیں بیٹھ سکتا کیا؟“
 ”کیوں نہیں مجھے تو اس دن اور خوشی ہوگی جب تیری شادی ہوگی تو اور عتابہ ساتھ ساتھ میرے سامنے آ کے
 بیٹھیں گے۔“ ان کی ہر بات میں عتابہ کا ہی ذکر تھا محریب نے جھینپ کر انہیں دیکھا۔
 ”سوچ لیں دادی جان! اگر بھائی جان کو آتے ہی بھابھو نے قابو کر لیا تو آپ کے پاس بھی آنے نہیں دیں
 گی۔“ مائز کی غیر متوقع آمد ہوئی تو محریب چونک گیا۔
 ”فضول مت ہانکا کرو سب سے پہلے میرے لئے دادی جان اہمیت رکھتی ہیں تمہاری بھابھو کی کیا مجال کے مجھے
 قابو کرے۔“
 ”واہ..... سنا دادی جان! ان کی سوچ ورنہ تو بولتے ہی نہ تھے بولے بھی تو ایسا کہ انسان سوچ میں پڑ جائے کہ
 محریب احمد بھی بول سکتے ہیں۔“
 ”چل ہٹ میرے بچے کو مت جگ کروہ ایسا مذاق نہ کرتا ہے اور نہ پسند کرتا ہے۔“ دادی جان ہی اس کی حمایت میں
 بولنے لگی تھیں۔ اسی اثناء میں آگے پیچھے رضوان احمد، رحمان احمد اور جواد احمد اندر آئے تو دونوں بھائی مودب ہو کر کھڑا
 ہو گئے دونوں نے انہیں سلام بھی کیا تھا محریب کو اطمینان ہو گیا کہ جواد احمد یہاں آ گئے ہیں تو اسے اب وہاں جانا تھا۔

”تم کہاں چلے؟“ رحمان احمد نے اسے جاتا ہوئے دیکھا۔
 ”ابو! کسی سے ملتا ہے مجھے۔“ جواد احمد نے حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی محریب نگاہ چرا کر باہر نکل آیا تھا۔

☆.....☆
 طبیعت اس کی اتنی گھبرائی تھی کہ وہ جواد احمد کے جانے کے بعد نہانے گھس گئی تھی رونے سے اس کا سر بھاری اور
 بوجھل ہو گیا تھا آنکھیں بھی کچھ سوچ رہی تھیں، بچ کلر کے کاشن کے کپڑوں میں اس کا سراپا گھرا گھرا لگ رہا تھا دراز
 بالوں سے پانی ٹپ ٹپ کر رہا تھا، وہ ہاتھوں اور پیروں پر بیڈ پر بیٹھ کر روشن لگا رہی تھی کہ ڈور تیل سے چونک گئی پھر اس
 وقت وہ تنہا تھی سمجھ گئی کہ معارج اور وشہ ہوں گے کیونکہ دونوں نے چھ بجے تک آنے کو کہا تھا چھ بج ہی رہے تھے آچل
 بائیں شانے پر جموں رہا تھا، گیلی گیلی زلفیں پشت پر بکھری ہوئی تھیں، باہر گیٹ تک آئی تو آہنی گیٹ کے لینس سے
 دیکھا محریب کھڑا تھا وہ تو گھبرا ہی گئی۔

”یہ اس وقت یہاں۔“ تذبذب کا شکار ہو گئی۔ ڈور تیل پھر متواتر بجنے لگی۔
 ”کک..... کون..... ہے؟“ کچھ ہکلا کے ہی گویا ہوئی۔
 ”میں ہوں محریب۔“ گھمبیر آواز پر دل ہی دھڑک اٹھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ گیٹ کھولے یا ان سنی کر دے لیکن
 اب تو پوچھ بھی لیا تھا وہ بوکھلاہٹ کا شکار بنی ہو گئی تھی۔
 ”مجھے پتہ ہے تم ہو اس لئے دروازہ کھولو۔“ ذرا حیر اور درشت لہجے میں محریب نے کہا۔

اسی وقت اس نے لاک کھما کر گیٹ کھولا تھا سامنے وہ دائٹ کلف لگے میض شلوار میں ملبوس اپنی شاندار پرسنلٹی
 کے ساتھ کھڑا تھا، عتابہ نے سائیڈ پر ہو کر اسے اندر آنے کے لئے جگہ دی اور پھر وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اندر آ گیا،
 عتابہ نے اپنا آنچل شانوں پر درست کرنے کے ساتھ سر پر بھی ڈال لیا کیونکہ اس کے بال کیلے پشت پر پھیلے تھے
 سرخ و سپید نرم گداز اس کے ہاتھ پیر محریب کی بے اختیار نگاہوں سے بچے نہ رہ سکے تھے۔

”اندرو تو جانے کی اجازت ہے یا باہر سے ہی لوٹا نے کارادہ ہے۔“ مٹر کے ساتھ کئی بھی در آئی تھی۔
 عتابہ سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا اثبات میں سر ہلایا اور اندر کی طرف بڑھ گئی محریب نے بھی تھلیدی کی تھی سامنے
 سے گزرتے ہوئے پہلے لاؤنج ہی پڑتا تھا وہاں درمیان میں صوفہ سیٹ قریب سے ہی پڑا ہوا تھا وہ بڑے صوفے کا
 انتخاب کر کے بیٹھ گیا جبکہ وہ لب کھلتی ہوئی کچن کی سائیڈ والے حصے پر کھڑی تھی۔

”اگر یہاں میرے سامنے آ کر بیٹھ جاؤ گی تو میرا تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔“ وہ اتنا تلخ تو نہ تھا مگر آج جانے
 کیوں دل یہ کر رہا تھا کہ عتابہ کو خوب نخرے دکھائے۔

وہ جھجکتی ہوئی سائیڈ والے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی دل کی دھک دھک بڑھ رہی تھی ہونٹ خشک ہو رہے تھے نگاہ
 اٹھ نہیں رہی تھی۔ کل سے وہ ویسے ہی اتنا انتشار کا شکار تھی کہ پوری رات نیند نہ آئی اور آج کا سارا دن بھی
 روتے ہوئے ہی گزرا تھا۔

”میں آج آخری بار یہ پوچھنے آیا ہوں کہ جواد چاچو نے تم سے پوچھا کچھ ہماری شادی کے بارے میں۔“ وہ
 بغیر تمہید کے ہی گویا ہوا۔ عتابہ کے تو پسینے ہی چھوٹ گئے کہ وہ صرف یہ پوچھنے آیا ہے وہ بھی اتنے جارحانہ انداز میں
 فوراً ہی نگاہ اٹھائی تصادم ہوا۔

”دیکھو! میں تمہاری خاموشی کے لمحے گنتے نہیں آیا ہوں جلدی متاؤ چاچو نے پوچھا تم سے کچھ؟“
 ”جی رات پوچھا تھا۔“

”کیا پوچھا تھا؟“ وہ اب اس کے منہ سے سننا چاہ رہا تھا کیونکہ اسے سامنے دیکھ کر تو اس کی بولتی ہی بند ہو جاتی تھی۔
 ”یہی کہ تمہاری شادی کر رہا ہوں اسی ایک ماہ میں۔“
 ”پھر تم نے کیا جواب دیا؟“ وہ مسلسل اسے اپنی نگاہوں کی گرفت میں لئے ہوا تھا وہ گہرا بھی رہی تھی۔
 ”یہی کہ میں امی کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کروں گی اگر انہوں نے زبردستی کی تو صرف ان کے فیصلے پر سر جھکا دوں گی ان کی خوشی کی خاطر۔“
 ”ہاں ان کی خوشی کی خاطر۔“ وہ ایک دم ہی کھڑا ہو گیا۔
 ”اب تم میری بات غور سے سنو مجھے یہ تھا تمہیں چاچو مجبور کریں گے تم مان بھی جاؤ گی لیکن میں اتنا مجبور نہ ہوا ہوں اور کبھی ہوں گا اس لئے ہو سکتا ہے مجھے بھی صرف دادی جان کی خاطر شادی کے لئے رضامندی دینی ہو لیکن یہ شادی تم روکو گی سناتم نے۔“ انداز اس کا پھر روڈ سا ہی تھا۔ عتابہ ہکا بکا سی اسے دیکھنے لگی تھی اتنے خطرناک تیوروں میں تو اس نے غریب کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔
 ”کیا میں.....؟“

”ہاں تم کیونکہ میرا اور تمہارا رشتہ پہلے بھی میری مرضی سے نہیں جوڑا گیا تھا اس لئے اگر میں کچھ انکار کروں گا تو چاچو کو زیادہ تکلیف ہوگی تم ان کی بیٹی ہو اس طرح ہمارے گھرانے کا بھرم کچھ تو قائم رہے گا۔“
 ”آپ کیا سمجھتے ہیں اس طرح بھرم برقرار رہے گا؟“ الٹا تک کے ہی سوال کر ڈالا۔
 ”یہ اب تمہیں سوچنا ہے لیکن شادی میں اب تم سے نہیں کروں گا۔“ عتابہ کے دل میں چھٹا کے سے کچھ ٹوٹا تھا وہ تو صرف چند لمحے مہلت کے ہی تو مانگ رہی تھی اپنی ماں کو منانے کے اور وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔
 ”میں نے شادی سے انکار تو نہیں کیا ہے۔“ وہ رو ہانسی ہو گئی۔
 ”تم نے ابھی کیا کہا کہ تم صرف چاچو کے فیصلے پر ان کی خوشی کی خاطر سر جھکاؤ گی لیکن میں ایسی دوغلی زندگی نہیں گزار سکتا ہوں۔“ وہ اتنا سپاٹ اور سرد مہر لگ رہا تھا کہ عتابہ کو رونائی آنے لگا پہلے ہی وہ پریشان تھی اوپر سے مستزاد غریب کی باتیں سماعتیں بے یقینی کی کیفیت میں تھیں۔

”فرض کرو اگر شادی ہو بھی گئی تو تم اور میں دو کنارے ہوں گے۔“
 ”آپ میری مجبوری تو سمجھ سکتے ہیں۔“ وہ بے بسی سے رونے لگی۔
 ”کیا مجبوری سمجھوں ایک سمیرا چچی راضی نہیں ہیں تم نے پورے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا ہے لیکن میں تم سے شادی کر کے کبھی خوش نہیں رہ سکوں گا۔“ دل کھول کر آج بھڑاس نکال رہا تھا۔
 عتابہ جو اپنے اندر محبت کو پہنچ رہی تھی وہ تو اس سے ابھی لاعلم ہی تھا کتنی جلدی محبت کی سر زمین کو اس نے اپنے اتنے کڑوے اور تلخ جملوں سے بھر کر دیا تھا کب سے وہ فصل بورہی تھی اور اس نے اپنے زہریلے روئے سے محبت کی فصل کو تباہ کر دیا تھا۔
 ”انکار تم کردگی میں نہیں چاہے ساری زندگی تم میرے نام پر بیٹھی رہو لیکن میں تم سے شادی نہیں کروں گا اس ملک سے ہی چلا جاؤں گا۔“

”پلیز! آپ میری بات تو سنئے۔“ وہ سو اس بانٹہ ہی ہو گئی۔
 ”تمہیں صرف اپنی ماں کی فکر ہے وہ جو اتنے لوگ تم سے محبت کرتے ہیں تمہیں چاہتے ہیں ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے دادی جان جن کی صبح تمہارا نام لے کر ہوتی ہے اور رات تمہارا نام لے کر ہوتی ہے اگر تمہیں ایک ہفتہ

ہو جائے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے نہ دیکھ لیں چھین سے نہیں بیٹھتی ہیں وہ بھی تو کسی کی ماں ہیں ان کے جذبات کوئی اہمیت نہیں رکھتے صرف تم اپنی ماں کی وجہ سے اتنے لوگوں کو انور کر رہی ہو مجھے بتاؤ کسی دن بھی سمیرا چچی نے اچھے الفاظ میں ہمارا زکر کیا ہو۔“ وہ تو پھٹ ہی پڑا تھا۔
 ”ارے تمہیں تو رشتے نبھانے اور سنبھالنے ہی نہیں آتے تم اکیلی اپنی ماں کو منالو گی بتاؤ۔“ وہ دھاڑا تھا۔
 ”عتابہ! وہ ہمیں جدا تو کر کے خوش ہوں گی مگر ہمارے خاندان سے رشتہ جوڑ کے کبھی خوش نہیں رہیں گی۔“ عتابہ کے آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے اس وقت دیے بھی تباہ تھی محریب کو تکلیف تو ہو رہی تھی مگر وہ تو شروع سے ہی ریزہ در طبیعت کا تھا وہ ایسی جسارت کیسے کر سکتا تھا کہ عتابہ کے آنسو صاف کرے۔
 ”میں یہی کہنے آیا تھا لیکن اس بات سے بے فکر ہو جاؤ رشتہ میں تم سے کبھی نہیں توڑوں گا مگر شادی بھی نہیں کروں گا۔“ وہ پشت پھیر کے جانے لگا۔
 ”میری بات بھی تو سن لیں میں کیا چاہتی ہوں۔“

”تم صرف اپنی امی کو چاہتی ہو اور چاہتی رہو تمہیں تمہاری امی سے جدا کر کے گناہ گار نہیں بن سکتا ہوں۔“ ترخ کے طعنے ہی کیا۔
 ”پھر ٹھیک ہے خاص شادی والے دن ہی میں اس ملک سے فرار ہو جاؤں گا۔“ اس نے دھمکی دی۔
 عتابہ وحشت زدہ ہی رہ گئی وہ اتنا سفاک اور سنگدل کب تھا یہ اچانک ہی محریب کے اندر اتنی خود سر اور خود غرض روح کہاں سے آگئی تھی پھر وہ رکنا نہیں چلا گیا اس کے دل پر بوجھ بڑھا کہ وہ تو چاروں جانب سے ہی بے بس تھی فیصلہ اس پر ڈال کے کیا تھا کیا کرے کس سے کہے جو ادا احمد تورات کو اسے اتنا سمجھا چکے تھے مگر وہ تو زن سے بھی انکار ہی کرتی رہی تھی۔



جس وقت وہ گمراہ یا گمراہ میں اسے ماحول ہی الگ لگا جواد احمد ابھی تک وہیں تھے سارے ہی ہال کمرے میں موجود تھے سب کے چہرے ایک الگ ہی رنگ کے نظر آ رہے تھے محریب کی نگاہ رافع پر پڑی جو مسکرا رہا تھا قاتل بھی موجود تھا مگر نہیں تھا تو مائز ہی نہیں تھا۔
 ”لو آ گیا محریب اسے بھی ہم بتا دیتے ہیں کیونکہ آگے کا کام یہی سنبھالے گا۔“ رحمان احمد کی نگاہ حیرانگی میں ڈوبے محریب پر پڑی تو وہ چونک گیا۔ نزہت تو چہرے پر افسردگی طاری کئے بیٹھی تھیں اسے تشویش بھی ہو رہی تھی۔
 ”کیسا کام.....؟“ وہ کچھ سمجھا نہیں اور رحمان احمد کے سامنے والے عصوفے پر بیٹھا۔
 ”ہم نے آج مائز اور دوشہ کی شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔“ کوئی دھماکہ تھا جو محریب کی ماعتوں پر ہوا تھا وہ بیٹھے سے کھڑا ہو گیا۔

”اتنا حیران مت ہو سب کی رضامندی سے رکھی ہے اگلے مہینے کی چار تاریخ ہے کیونکہ دوشہ کے بی اے فاسل کے پیپر ہو چکے ہوں گے۔“ وہ کتنے اطمینان سے بول رہے تھے۔
 ”ابو! یہ کیا کہہ رہے ہیں؟“ جواد احمد سر جھکائے ہوئے تھے انہوں نے یہ فیصلہ صرف اپنی ماں کی خوشی کے لئے ہی تو کیا تھا جبکہ ان کے گھر میں تو یہ خبر بم کی طرح ہی پھیلے گی۔
 ”ہم نے جو کہا ہے وہ ٹھیک کہا ہے کیونکہ عتابہ اس وقت تک شادی کو منع کر رہی ہے جب تک سمیرا کا اور ہمارا میل نہیں ہو جاتا۔“

”مگر ابو! یہ آپ تو غلط کر رہے ہیں! دونوں ابھی چھوٹے ہیں اور پڑھ رہے ہیں۔“ محریب کے تو گمراہٹ اور بوکھلاہٹ میں پسینے چھوٹ رہے تھے۔

”کوئی اتنے چھوٹے نہیں ہیں پچیس سال کا مائز ہے اور انیس سال کی وشہ ہے اس عمر میں ہوئی جاتی ہے شادی۔“ وہ اس کی لٹی ہی کرنے لگے۔

”ساری شادی کی ذمہ داری تم پر ہے مائز کو قابو تم نے کرنا ہے۔“ انہوں نے مائز کو سمجھانے کی بھی ذمہ داری اس پر ڈالی۔

”ابو! یہ تو سراسر زیادتی ہے اگر عتابہ شادی سے منع کر رہی ہے تو آپ ان دونوں کو سمیٹ چڑھا رہے ہیں۔“ محریب! عتابہ میری بیٹی ہے وہ سادہ اور معصوم ہے میں اس کے ساتھ زبردستی کر رہا تھا وہ مان بھی گئی تھی مگر بھائی صاحب نے کہا کہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے۔“ جو ادا احمد گویا ہوئے۔

”اور یہ مائز اور وشہ کے ساتھ زبردستی نہیں ہے؟“ وہ لاجواب لڑنے لگا۔

”میں صرف اماں جی کی وجہ سے کر رہا ہوں ایسا کیونکہ وہ سمجھ رہی ہیں کہ میرے بچے ان سے چھوٹ جائیں گے اس طرح انہیں تسلی بھی رہے گی کہ کوئی تو پوٹی پاس ہے۔“

”مگر چاچو! یہ غلط ہے۔“

”یہ غلط نہیں ہے بالکل صحیح ہے۔“ وہ زور دے کر بولے۔

محریب تو بھنا ہی گیا ان بزرگوں سے کیا بحث کرتا سیدھا مائز کے کمرے میں گیا جہاں وہ مناد حاکم بیڈ پر پڑا تھا۔

”مائز! تم نے احتجاج کیوں نہیں کیا؟“ وہ اس کی پشت پر کھڑا گویا ہوا۔

”کس بات پر؟“ اس کا فریٹ اور ہشاش بشاش سانسب معمول مسکراتا انداز محریب کو حیرت و انبساط میں مبتلا کر گیا۔

”تمہاری شادی وشہ سے امیزنگ یا یہ سب کیا ہے؟“ وہ تو اپنا دھتکا ہوا سر تھام کر حیرانگی سے اس کو دیکھنے لگا۔

”بھائی جان! میں خود حیران ہوں کہ اتنی جلدی میری شادی وہ بھی وشہ سے میں نے تو سوچا تھا کہ کم از کم تین چار سال تو مجھے انتظار کرنا ہوگا کہ میں اپنی پڑھائی سے فارغ ہوں پھر کچھ سیٹ ہوں لیکن پھر یہ بھی دھڑکا تھا کہ اگر میرا چچی نے وشہ کی شادی اپنے بھتیجے سے کر دی تو میں تو مارا گیا نا۔“ وہ سرد آہ بھر کر تفصیل کے بعد گویا ہوا۔

”کیا.....؟“ اب محریب کو تو جھٹکا ہی لگا کہ مائز یہ کیا کہہ رہا تھا۔

”یعنی تم.....؟“

”یعنی میں وشہ کو کچھ پسند کرتا ہوں لیکن اس چار سو چالیس والٹ کو پسند نہیں ہے۔“ وہ مسکرا رہا تھا۔

”شادی میں کبھی اتنی جلدی نہیں چاہ رہا تھا مگر جب آپ اور بھابھو اپنی جگہ اڑے رہیں گے تو میری پھر کون فکر کرتا کیونکہ اپنے بارے میں آپ اور بھابھو تو سوچ نہیں رہے ہیں اس لئے اب میں اور وشہ ہی مل کر آپ کو ٹھکانے لگائیں گے۔“ اس نے تو لہجوں میں پلاننگ بھی کر لی تھی۔

”کیا مطلب ہے.....؟“ وہ انجان ہی بنا اور نگاہ چرا کے باہر کھڑکی سے لان میں دیکھنے لگا۔

”مطلب واضح ہے بھابھو کے مقابلے میں وشہ بولڈ ہے وہ میرا چچی کا مقابلہ بھی کر لیتی ہے جبکہ بھابھو شروع سے میرا چچی سے ڈرتی ہی رہی ہیں۔“

”بٹ یار! ابھی تو تمہاری پڑھائی بھی مکمل نہیں ہے اور پھر تمہاری ابھی عمر بھی نہیں ہے۔“

”عمر سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس عقل ہونی چاہیے۔“

”مجھے پتہ ہے تو میری وجہ سے قربانی دے رہا ہے نا۔“ محریب خود کو مجرم سمجھنے لگا۔

”یار بھائی جان! کوئی قربانی نہیں دے رہا ہوں میں میں بہت خوش ہوں اور پھر ایسے نازک موقع پر دادی جان کی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں اگر ہم دوسروں کی خوشی کے لئے جیتیں تو کتنا اچھا لگتا ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولتا محریب کے شانوں کو تھامے ہوئے تھا کتنا مستحضر اور مدبر انداز تھا کہیں سے بھی لا ابالی مائز نہیں لگ رہا تھا۔

”پلیز! آپ خود کو اتنا افسردہ نہیں کریں بھابھو بھی مجبور ہیں انہیں سمجھئے انہوں نے کیوں شادی سے انکار کیا ہے۔“

”یار! اس طرح تو مسئلہ حل نہیں ہوتا۔“ وہ کھسیا ہی گیا۔

”سب مسئلہ حل ہو جائیں گے آپ اتنا دل برداشتہ نہ ہوں۔“

”پتہ ہے میرا کام تو اتنا آسان ہو گیا ہے میں جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔“ مائز کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔

”مائز! ہو سکتا ہے اور وشہ نہ مانے کیونکہ اگلے ماہ اس کے ایگزیم ہیں۔“

”یار بھائی جان! آپ فکر کیوں کرتے ہیں جو ادا چاچو ہیں نا وہ متالیں گے باقی کام میں متالوں گا۔“ لہجے میں معنی خیزی اور شرارت بھی تھی۔

”سوچ لو عتابہ چاچو سے کہہ سکتی ہے کہ وشہ کے لئے کہ وہ اس کی شادی کیوں کر رہے ہیں ضد کر کے روک سکتی ہے۔“

”اتنی ضدی لڑکی میں نے اپنے خاندان میں یہی دیکھی ہے۔“ مائز اکتا کے بولا۔

”ہوں.....“ محریب نے تائیدی سر ہلایا۔

محریب کو افسوس ہی ہو رہا تھا کہ مائز کے ساتھ زبردستی کی جا رہی ہے وہ صرف اس کی خاطر یہ سب قبول بھی کر رہا ہے اسے عتابہ پر اور ہی غصہ آنے لگا اس کی وجہ سے وشہ بے چاری پر ابھی سے ذمہ داری بڑھ جائے گی رنجور اور معصوم سا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا کسی سے بھی اس سلسلے میں پھر بات ہی نہ کی تھی مائز خوش نظر آ رہا تھا مگر محریب کو سب دیکھا دہی لگ رہا تھا وہ اپنے بھائی کو سمجھتا تھا وہ تو کبھی بھی زبردستی کے تسلط کئے فیصلوں پر سر ہی نہیں جھکا تا پھر وہ کیسے راضی ہو گیا۔

دل پر ایک بوجھ ہی آن پڑا تھا ابھی تو اس کے بھائی کے کھیلنے کے دن تھے اتنی جلدی اس پر اتنی بڑی ذمہ داری سوچ سوچ کے ذہن تھک گیا تھا مگر کسی نتیجے پر ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔

☆.....

”بڑی امی! تہذیب کا بھائی حنزہ آیا ہے۔“ یمنی نے انہیں اطلاع دی جو سوچوں میں گم ہال کمرے میں تخت پر بیٹھی تھیں کل سے ان کی طبیعت بے کل اور بوجھل ہو گئی تھی مائز کی شادی کا سوچ کر۔

”اچھا! اچھا بلاؤ میں محریب کو اٹھاتی ہوں وہ بھی ابھی تک نہیں اٹھا۔“ وہ جھکے جھکے انداز میں بولیں اور محریب کو اٹھانے اس کے کمرے میں چلی گئیں کھڑکیوں کے پردے برابر تھے کمرے میں ایک خاموشی ہی تھی آج تو وہ صبح اٹھا ہی نہیں تھا ورنہ جو کنگ پر ضرور جاتا تھا۔

”محریب بیٹا! گیارہ بج رہے ہیں تم تو کبھی اتنی دیر سوئے نہیں ہو۔“ نزہت کھڑکی سے پردے کھسکا کے سائیڈ پر

کرنے لگیں ششے سے اندر سورج کی روشنی نے اجالا ہی کر دیا تھا۔ محریب کسلندی سے اسی طرح بیڈ پر پڑا تھا انہوں نے حیرانگی سے اسے دیکھا اور سر ہانے بیٹھ کر پیشانی چھوئی جو محریب نے پکڑ لی تھی۔
”کچھ نہیں ہوا ہے مجھے ٹھیک ہوں۔“ آنکھیں بمشکل کھول کر بولا۔
”مجھے تو تشویش ہو رہی ہے تاکہ تم کبھی اتنی دیر تک سوتے نہیں ہو اور آج تو اتنی دیر ہو گئی ہے ورنہ آفس تم عموماً نو بجے نکل جاتے ہو۔“ وہ پیار بھرے لہجے میں بولتی ہوئیں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرے جا رہی تھیں۔
”کچھ سستی ہو رہی تھی۔“

”وہاں تہذیب کا بھائی آیا ہے۔“ انہیں یاد آیا۔
”اوہ..... شفتنگ کام میں نے کہا تھا وہی پوچھنے آیا ہوگا۔“ وہ سرعت کی تیزی سے اٹھا آف واسٹ قمیض شلوار تھا وہ رات کو پہنچ کئے بغیر ہی سو گیا تھا۔
”اوہ..... بیک مین کیسے ہو؟“ حنزہ نے مسکرا کے ہاتھ ملایا محریب نے اس کے رخسار پر پیار بھری چٹکی دی۔
”محریب بھائی! وہ آپلی یہاں شفت ہوئے کو منع کر رہی ہیں۔“ وہ کچھ جھجک کے اور رک رک کے گویا ہوا نگاہ میں بھی افسردگی تھی۔

”تہذیب کی لگتا ہے مجھے کلاس لینی پڑے گی اس سے میں خود بات کرتا ہوں تم لوگ سب آج ہی سارا سامان باندھ کے رکھو میں ابھی آتا ہوں آج ہی شفتنگ بھی ہوگی۔“ محریب نے معصوم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اتنے پیارے لوگوں کو یوں در در تو کبھی نہیں بھٹکنے دے گا۔
”ارے بیٹا! یہ تہذیب بھی غلوں والا بات کر رہی ہے۔“ امی نے بھی خود تراکیا محریب جلدی جلدی تیار ہونے ہی چل دیا تھا۔ آفس آج اس نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا کیونکہ شفتنگ اسے آج ہی کروانی تھی امی کو ساتھ لے کر وہ چلا گیا تھا۔

”آئی! مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے محریب بھائی کے پہلے ہی احسان کم ہیں۔“
”محریب کو بھائی بھی کہتی ہو اور اس کی بات بھی نہیں مانو گی۔“ امی کے لہجے میں محبت اور چاشنی تھی وہ سر جھکائے تذبذب کا شکار تھی۔ مینہ الگ کم صم تھیں کیونکہ وہ ان سے بھی تو ضد باندھے بیٹھی تھی کہ محریب کے گھر وہ نہیں جائے گی۔

”میں تمہارا بڑا بھائی اچھی طرح ڈانٹ سکتا ہوں فوراً کھڑی ہو جاؤ سامان آتا رہے گا۔“ محریب نے اتنی جلدی چپائی کہ تہذیب کی تاہاں میں بدل گئی تہذیب ایک خود دار لڑکی تھی وہ لوگوں کی باتوں اور لگا ہوں کو بھی خوب سمجھتی تھی دامن بچا بچا کر چلتی تھی کہ کوئی بھی غلیظ چیٹ اس پر نہ پڑ جائے رات تک ان کی شفتنگ ہو گئی تھی حکمت اور حنزہ سب سے زیادہ خوش تھے انکیسی بھی کشادہ تھی دو بڑے بڑے کمرے تھے ایک لاؤنج، اوپن کچن تھا جو لاؤنج کے ساتھ ہی لہائی میں بنا تھا ان لوگوں کا زیادہ سامان بھی نہیں تھا ایک بیڈ دو الماریاں اور ایک صوفہ سیٹ ہی تھا اس لئے بھی زیادہ مشکل نہ ہوئی تھی شفتنگ میں محریب نے رات تک سب سیٹ بھی کر دیا تھا۔ وہ کافی محنت محسوس کرنے لگا تو اپنے کمرے میں چلا گیا تھا امی کی نگاہیں اس پر تھیں چائے اور سلاکس اس کے لئے لے کر چلی آئی تھیں۔

”تھک گئے ناں.....؟“ انہوں نے پیار بھری نگاہ اس پر ڈالی۔
”ہوں..... کچھ خاص نہیں۔“ وہ بیڈ پر نیم دراز تھا اٹھ کر بیٹھا۔
”مجھے پتہ ہے تم کیا سوچ رہے ہو؟“ وہ اپنے دونوں بیٹوں کے مزاجوں سے اچھی طرح واقف تھیں۔

”کیا سوچ رہا ہوں؟“ مبہم سا مسکرایاڑے اپنے آگے کی اور سلاکس کو دانتوں سے کاٹنے لگا۔
”ماں کی وجہ سے کچھ پریشان ہونا۔“ وہ اسے بخور دیکھنے لگیں۔
”آپ مجھے بتائیے کیا سوچنا نہیں چاہئے ماں کے تو ابھی کھینے کودنے کے دن ہیں امی! اس پر ایسی بھاری ذمہ داری۔“
”یہ تو تم سوچ رہے ہونا کہ یہ اس کے کھینے کودنے کے دن ہیں جبکہ ماں جتنی عمر کے لڑکوں کی تو شادیاں ہو جاتی تھیں ہمارے دور میں تو۔“

”امی! وہ دور اور تھا مگر اس دور میں تو ابھی تک اس عمر میں بچپنا ہی ہوتا ہے۔“ وہ ان کی بات کی نفی کرنے لگا۔
”اب کیا ہو سکتا ہے فیصلہ تو ہو گیا ہے تمہارے ابو نے اور جواد نے مل کر یہی فیصلہ کیا ہے کیونکہ عنائہ تو کسی طور پر مان ہی نہیں رہی ہے۔“ انہیں افسردگی سی ہوتے لگی ان کی تو یہی خواہش تھی کہ پہلے ان کے بڑے بیٹے کی شادی ہو ماں کا تو ابھی سوچا تک نہ تھا۔
”فیصلہ بدلا بھی جاسکتا ہے۔“ چائے کاسپ لینے لگا۔
”اب جو ہو رہا ہے ہونے دو کیونکہ اماں جی کی حالت ایسی نہیں ہے کہ انہیں دکھ پر دکھ ملتے رہیں۔“ وہ بات ٹالنے لگیں۔

”مکرمی آپ یہ بھی تو سوچئے ماں اور وشہ کی پڑھائی چل رہی ہے اس لئے ان دونوں کو کیسے ایسے بندھن میں باندھ دیا جائے۔“ وہ اب کھسیا ہٹ اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔
”کوئی فرق نہیں پڑے گا دونوں کی پڑھائی شادی کے بعد بھی پوری ہو جائے گی۔“ وہ ہر ممکن طریقے سے محریب کو گویا تسلی ہی دے رہی تھیں۔
”یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے نا میں نے ہی انکار کر دیا شادی سے کہ عنائہ کی مرضی کے بغیر نہیں کروں گا۔“
”بات یہاں تمہاری نہیں عنائہ کی بھی ہے۔“
”آپ جواد چاچو سے بولنے کے لئے میں راضی ہوں آپ کچھ بھی کریں اور عنائہ کو زبردستی راضی کریں اگر یہ قربانی دینی ہے تو میں ہی کیوں نہیں ماں تو بالکل نہیں۔“ محریب تو بھی ضد چڑھ گئی امی حیرانگی سے اس کے تھے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگیں خود اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”محریب! کیا ہو گیا ہے میرے بچے؟“
”امی! یہ ماں کے ساتھ زیادتی ہوگی۔“ وہ حیر لہجے میں بولا۔
”یہ پھر تمہارے ساتھ بھی تو زیادتی ہوگی کہ عنائہ اپنی ماں کی رضامندی کے بغیر اگر تم سے شادی پر راضی ہو بھی گئی تو مجھے پتہ ہے تم دونوں ہی خوش نہیں رہو گے۔“ وہ ایک دور اندیش عورت تھیں ہر بات کو گہرائی میں جا کر سوچتی تھیں۔
”جو ہو رہا ہے ہونے دو اور پھر ماں خوش ہے اس رشتے پر۔“ وہ اپنے گھٹنوں پر زردوے کر کھڑی ہو گئیں محریب لب بھینچ کر اپنے اندر کا اشتہار دبانے لگا۔

☆.....
سارا سامان اس نے سیٹ کر لیا تھا دو کمرے اور ایک لاؤنج تھا اس کو ہی ڈرائنگ روم بھی بتا لیا تھا ایک کمرے میں تینوں ماں بیٹیاں ہوتی تھیں ایک کمرہ حنزہ کو دے دیا تھا ہر کو نے اور ہر حصہ سے قریب نہ چک رہا تھا سب ہی دیکھنے بھی

چونکہ گئی جو اپنے سر کی آئینہ سے ماتھے کے نمودار ہوئے پسینے کے قطرہوں کو صاف کر رہی تھی۔
”کچھ نہیں آج گرمی کتنی ہے نا“۔ وہ کچھ لڑکائی بھی کرتی۔

”صبح سے آگ لگی ہوئی ہے گرمی تو ہے ہی تھکن بھی ہو رہی ہوگی آپ سب کے پاس چل کر بیٹھیں“۔ تہذیب
مکھن سے نکل گئی کیونکہ اس نے کافی حد تک خود کو سنبھال لیا تھا مگر وہ اپنی اس بدلتی ہوئی کیفیت پر حیران بھی تھی کہ
اچانک ہی کیا ہوا تھا پہلی بار تو اس نے فائق کا سامنا نہیں کیا تھا پھر اس کے دل کی حالت کیوں بدلی اتنی پریشان وہ
ہونے لگی کہ کسی سے بھی ٹھیک طرح بات نہ کر سکی مغرب کی اذانوں کے بعد وہ سب ہی چلے گئے تھے وہ بھی نماز
پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی آج اپنے رب کے حضور شکر ادا کرنے لگی کہ اسے اتنا بڑا محبت کرنے والا خاندان ملا تھا
جہاں اجنبیت تک اسے محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

☆

دشہ نے جہاں یہ سنا وہ تو سکتے میں ہی آگئی اور عتابیہ تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے جواد احمد کو دیکھنے لگی کہ انہوں نے یہ
ایسی غیر متوقع بات کیسے کر دی تھی۔

”میں سب بات طے کر کے آ گیا ہوں“۔
”ابو! آپ یہ بھی تو سوچئے کہ دشہ ابھی کتنی چھوٹی ہے“۔ عتابیہ تو دوبارہ بانی ہونے لگی کہ اس کی وجہ سے دشہ کو یہ
قربانی دینی پڑے گی۔

”بیٹیاں جتنی جلد اپنے گھر کی ہو جائیں تو اچھا ہے یہ ایک فرض ہونا ہے جو ماں باپ دونوں کو ادا کرنا ہوتا ہے“۔
ان کا چہرہ اتنا سنجیدہ اور سخت لگ رہا تھا کہ عتابیہ نے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے کے بعد لب ہی چل ڈالے۔
”امی! تو بالکل نہیں مانتی گی“۔

”تمہاری ماں تمہارے رشتے پر کب مانی ہے جو وہ اب بھی مانے گی دیکھتا ہوں کیسے وہ کچھ کہتی ہے“۔
”پلیز ابو! آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچئے یہ تو کوئی مسئلہ کا حل نہیں ہونا“۔ اس نے جواد احمد سے نجی لہجے میں کہا
جو اپنی اس معصوم اور سادہ سی بیٹی پر بھولے سے بھی نگاہ اس لئے نہیں ڈال رہے تھے کہ وہ کتنا ان کا خیال رکھتی تھی ماں و
باپ دونوں کو وہ بہت چاہتی تھی۔

”کچھ مسئلے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اسی طرح حل کیا جاتا ہے اور مجھے پتہ ہے تمہاری ماں دشہ کو کسی سے بھی
منسوب کر دے گی اور میں اپنی بیٹیوں کو ایسے کسی فضول لوگوں میں نہیں دینا چاہتا جہاں وہ خوش نہ رہ سکیں“۔ ان کا
انداز جتنی اور دو ٹوک تھا۔

”دشہ ابھی پڑھ رہی ہے“۔ عتابیہ کی ہر ممکن کوشش تھی یہ رشتہ ہونے سے روک دے۔

”دیکھو عتابیہ! تم اتنی پریشان نہ ہو“۔
”ابو! مجھے پتہ ہے آپ میری وجہ سے دشہ کی شادی کر رہے ہیں کہ میں نے جو ابھی کرنے سے منع کر دیا“۔ نگاہ
اس کی شرم و حیا اور شرمندگی سے جھکی ہوئی تھی۔

”نہیں بیٹا! یہ تو مجھے بہت اچھا موقع مل گیا ہے کہ میں اپنی دوسری بیٹی کی طرف سے بھی بے فکر ہو جاؤں گا تم
جانتی ہو نا اپنی ماں کو وہ ضد میں اور غصے میں ہمیشہ لائے اور غلط کام کرتی ہے اس لئے بہتری اسی میں ہے تم چپ رہو جو
ہو رہا ہے ہونے دو“۔ انہوں نے عتابیہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے خود کو وہ قصور
دار سمجھنے لگی اسی کی وجہ سے ہی یہ سب ہو رہا ہے۔

آئے تھے تہذیب کو شرمندگی بھی ہو رہی تھی کہ اپنا بوجھ ان سب پر ڈال دیا تھا۔
”تم لکنا ہے ابھی بھی ہمیں غیر سمجھ رہی ہونا“۔ یعنی کی تو اس سے جھٹ دوستی بھی ہو گئی تھی دونوں کی عمروں میں
کچھ ہی فرق تھا۔

”نہیں ایسی بات نہیں ہے محریب بھائی کے تو اتنے احسانات ہیں مجھ پر کہ میں مرکز بھی نہیں چکا سکتی“۔ وہ مکھن
میں سب کے لئے چائے اور لوازمات تیار کر رہی تھی مبینہ سے ملنے سب ہی چلے آئے تھے۔

”مرنے کو تمہیں کہہ بھی کون رہا ہے زندہ رہ کر بھی چکا سکتی ہو“۔ اس نے مسکرا کر کہا تہذیب جھینپ سی گئی۔ جلدی
جلدی سب تیار کر کے وہ لے آئی تھی خواتین ساری تھیں لڑکوں میں مائز اور رافع وہاں موجود تھے۔

”واہ واہ کیا خوشبوئیں اٹھ رہی ہیں“۔ مائز کی تو کہا بوں اور سموسوں کو دیکھ کر بھوک ہی چمک اٹھی تہذیب نے
لوازمات سے پرٹے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

حکمت سب کے لئے چائے لے کر آئی تھی مبینہ کو خوشی تھی کہ یہ سب ان کے اپنے ہی بن گئے تھے کسی نے بھی
ذرا اجنبیت نہیں دکھائی تھی اور پھر کہتے ہیں کہ رشتے چاہے خونی ہوں یا منہ بولے انہیں مضبوط غلوں محبت و اپنائیت
بناتے ہیں۔

”محریب بھائی بھی آ جاتے تو اچھا لگتا اور.....“ حکمت کو محریب کی کی محسوس ہوئی تو بولے بنانہ رہ سکی۔
”محریب کو آفس میں کچھ کام تھا دیر تک کہہ رہا تھا کہ لیٹ ہو سکتا ہے“۔ نزہت نے ہی ان سب کو بتایا۔

”راخ! دیکھ فائق ہے گھر میں کہہ کر آ کباب اور سموسے بھی ہیں چائے کے ساتھ“۔ مائز تو اتنا فری ہو کر یہاں
بیٹھا تھا کہ جیسے برسوں سے ان سب سے ہی ان کی جان پہچان ہو۔

”میں تو نہیں جا رہا آپ ان کے موبائل پر کال کریں“۔ وہ خود مزے سے کھانے میں مصروف تھا۔
سب ہی خوش چکیوں میں مصروف تھے کہ کافی دیر سے دروازے پر دستک ہو رہی تھی تہذیب ہی اٹھی دروازہ کھولا

تو وہ بلیک پیٹ پر گرے شرٹ میں بلبوس اپنی عجیبہ شخصیت کے ساتھ کھڑا تھا وہ فائق کو دیکھ کر کچھ پزل سی ہو گئی۔
”آپ ذرا اندر جا کر کہیں کہ فائق بلا رہا ہے“۔ وہ خاصا عجالت میں لگ رہا تھا۔

”کس سے کہوں؟“ مصحوبیت سے پوچھا۔
”میری امی سے کہہ دیں“۔ وہ جانے کو مڑا۔

”آپ بھی اندر آ جائیں نا“۔ تہذیب نے جھکے ہوئے اس جلد باز شخص کو مخاطب کر لیا جو جانے اسے کچھ الجھا
لجھا لگتا تھا۔

”تو ٹیکس میں جلدی میں ہوں“۔ مردوت تو وہ ویسے بھی نہیں برتا تھا۔
”اوہو..... تم آ ہی گئے“۔ مائز نے اسے دیکھ کر معنی خیزی سے آنکھیں کھمائیں تہذیب تو اچھل ہی گئی جھٹ
سے راستہ دیا بلکہ اندر کی جانب بھاگ لی۔

”کیا باتیں کر رہے تھے؟“
”ہر وقت فضول مت ہانکا کرو“۔ فائق تو چڑھی جاتا تھا دونوں ہی اب اپنے پورشن کی جانب بڑھ گئے تھے۔

تہذیب کا دل آج جانے کیوں اتنی زور زور سے کیوں دھڑک رہا تھا وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پار رہی تھی ماتھے پر بھی
پینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے مکھن میں جا کر اس نے اپنی حالت سنبھالی تھی۔

”کیا ہوا آپ! آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں“۔ حکمت پانی کا جگ بھرے مکھن میں چلی آئی اسے دیکھا تو

”ابو! ہم ایسا بھی تو کر سکتے ہیں کہ وشہ اور مائز کی ابھی منگنی کر دیتے ہیں شادی کو کچھ عرصے کے لئے روک دیں۔“ ذرا رک رک کے وہ گویا ہوئی۔

”ایسا بالکل نہیں سوچو تم! اگر منگنی کر بھی دی تو سمیرا اس پر اتنے ہنگامے کھڑے کرے گی کہ وہ منگنی توڑ کے ہی دم لے گی اس لئے بیٹا کا کام ہونے دو تو اچھا ہے تمہارے لئے بھی اچھا ہے۔“ انہوں نے اس کے ماتھے پر پیار کیا عتاباً ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

”ارے میرا بیٹا تو اتنا بہادر ہے وہ تو سب سے مقابلہ کرتا ہے اتنی ہی بات پر رونے لگا۔“

”ابو! آپ کو مجھ پر ذرا بھی غصہ نہیں ہے میں نے آپ کی بات نہیں مانی۔“

”کم ان بیٹا! میں اپنے بچوں پر کبھی غصہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ میرے بچے میرے فرمانبردار ہیں۔“ انہوں نے اس کے آنسو پونچھے۔

”امی کو بتائیں گے نہیں کہ وشہ کی آپ شادی کر رہے ہیں۔“

”بتاؤں گا مگر ابھی نہیں پہلے اپنی دوسری بیٹی کو تو متالوں جو دیکھو کتنی روتی دھوتی غصے میں گئی ہے۔“ انہیں وشہ کی بھی فکر تھی اسے بھی تو ابھی بتایا تھا۔

”میرے بچے میرے فرمانبردار ہیں وہ ضرور مانے گی مجھے یقین ہے۔“ وہ مبہم سا مسکرائے۔

”دیکھو ساری تیاری وشہ کی پسند سے کرنا اور جو کہے وہ کرنا ہے۔“ انہوں نے گویا حکم دیا۔

”آپ وشہ کے پاس جائیں میں جب تک کھانا لگاتی ہوں معارج کو چنگ سے آنے والا ہوگا۔“ حنا نے لاؤنج کی گھڑی میں ٹائم دیکھا تو بجنے والے تھے عشاء کی نماز وہ سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اطمینان سے پڑھتی تھی سمیرا اپنے پار سے کچھ دیر پہلے ہی آئی تھیں وہ فریض ہو رہی تھیں جب ہی اتنی دیر دونوں باپ بیٹی نے بات کر لی تھی درنہ ان کے سامنے تو ممکن ہی نہ تھی۔

☆

وہ جس مینشن میں تھا یہ وہی جانتا تھا مائز کی طرف سے اسے اتنی فکر تھی کہ اس کا آفس تک میں دل نہیں لگ رہا تھا حنا نے پرا لگ غصہ تھا کہ اسی کی وجہ سے تو مائز اور وشہ کورشتے میں باندھا جا رہا تھا ابھی تو دونوں ہی نا سمجھ سے ہی ہیں انہیں کیا معلوم اس بندھن کے تقاضے بے مقصد وہ گاڑی دوڑاتا پھر رہا تھا آفس سے نکلے ہوئے بھی اسے تین گھنٹے ہو گئے تھے اور ایسے میں اگر اسے سنبھالتا تھا تو وہ احد ہی سنبھالتا تھا ورزہ وہ کب کسی سے اپنی باتیں شیئر کرتا تھا۔

”یہ منہ تو نہ لٹکاؤ۔“ احد نے بغور اسے دیکھا۔

”یار! میں بہت مینشن میں ہوں۔“ وہ جھنجھلائی گیا۔

”تم دونوں لوگوں نے پورے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔“

”میں نے نہیں تمہاری کزن عتابہ جواد نے۔“ وہ برامان کے گویا ہوا۔

”ابھی تک میں یہ نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ تم چاہ کیا رہے ہو۔“

”عجیب گھماؤ آدی ہوتی دیر سے کیا بکواس میں کر رہا تھا وہ سمجھ نہیں آئی۔“ محریب نے اپنی پشت سے کشن نکال کر اس پر دے مارا۔ احد کو اس کا چڑنا اتنا مزادے رہا تھا کہ وہ اس سچویشن پر بھی مسکرا دیا۔

”ہنس لو تمہیں ہر وقت مذاق ہی سو جھٹا ہے۔“ وہ فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

”یار! بیٹھو تو تم بھی تو ایسے بات کر رہے ہو کہ جیسے میں ماموں جان سے کہوں گا اور وہ جھٹ سے میری بات مان

جائیں گے۔“

”خیر اتنا تو مجھے بھی پتہ ہے تمہاری تو وہ بالکل نہیں مانیں گے جب میں کسی گنتی میں شمار نہیں ہوتا۔“ کچھ نرم سے لہجے میں تائید کرنے لگا۔

”اس کا بہت اچھا حل یہی ہے کہ مائز اور وشہ کی شادی ہونے دو اسی طرح پھر سمیرا می بھی قابو آ جائیں گی۔“

”ایسے کیسے ہونے دوں مائز کا ابھی بچپنا گیا نہیں ہے اور وہ وشہ یا روہ ابھی خود بچی ہے یہ شادی جیسی ذمہ داری بتاؤ ان کم عمر بچوں پر سوٹ کرے گی۔“ وہ تو کسی طور پر راضی ہی نہیں ہو رہا تھا۔

”یار! اسی عمر میں تو روہ مائز زیادہ ہوتا ہے۔“ احد ہنسا۔

”حد ہوتی ہے بے ہودگی کی۔“ وہ گھورنے لگا۔

”زیادہ دادا ابانہ بنو مائز اتنا کم عمر بھی نہیں ہے پچیس سال عمر ٹھیک ہوتی ہے کوئی بچہ نہیں ہے اس عمر میں اکثر

گھرانوں میں شادیاں ہو جاتی ہیں اور وہی وشہ انیس سال کی ہے دونوں کی ٹھیک عمر ہے۔“

”تمہاری نظر میں ہوگی۔“ وہ تو تپ ہی گیا۔

”ارے شامین کے چچا کا بیٹا بیس سال کا تھا، گھر میں بھوری تھی شادی کر لی اور دیکھو ایک بچے کا باپ بن گیا ہے سب سمجھ آ جاتی ہے۔“ احد الگ اسے قائل کرنے میں لگا ہوا تھا۔

”تم تو ہو ہی گھماؤ۔“ وہ رکنا نہیں کھڑا ہو گیا۔

”یار! سن تو۔“ وہ پکارتا ہی رہ گیا مگر محریب نے سنا ہی نہیں اور گاڑی آگے بڑھالے گیا۔

گھر آ کر تو اس کی اور ہی طبیعت چڑھ چکی سی ہونے لگی، مگر دادی جان کی طلبی ہو گئی تو اسے جانا پڑا۔

”آج سارا دن سے مجھے تو نے شکل نہیں دکھائی۔“ وہ جاگتی اور پر تشویش لگا ہوں سے اس کا جائزہ لینے لگیں

تھیں وہ سر جھکائے مجرموں کی طرح ان کے قریب ہی چیمز پر بیٹھا تھا بلیک پننٹ پر گرے شرٹ میں اس کی سوہری

شخصیت اور ہی نمایاں ہو رہی تھی۔

”حسنہ پھوکی طرف چلا گیا تھا۔“

”ایسے گیا کہ نہ گھر میں خبر دی تو نے موبائل بھی تو نے بند کیا ہوا تھا۔“

”جی وہ چارج پر لگنا ہے۔“ عذر پیش کیا۔

”دیکھ محریب! تو میری طرف دیکھ کر تو بول۔“

”ارے دادی جان! آپ خواہ مخواہ فکر مند ہو رہی ہیں۔“ وہ مسکرایا۔ زبردستی تاکہ وہ چٹھ اور ہی نہ سوچ لیں۔

”مجھے تیری اور عتابہ کی رات دن فکر رہتی ہے۔“ ان کے اندر کا ڈرا کثر زبان پر آ جاتا تھا۔

”اماں جی! اب تو آپ خوش ہو جائیں ہمارے مائز کی شادی ہو رہی ہے۔“ انی نے ماحول کو خوشگوار بنانے کو

کہا۔

محریب نے اسی وقت پہلو بدلا اس وقت وہ اسی وجہ سے ہی تو پریشان تھا۔

”ہاں خوشی کی تو بات ہے مگر میرے ان بچوں کی پہلے ہوتی تو زیادہ خوشی ہوتی۔“ حسرت تھی انفرادی تھی۔

”دیکھا امی! دادی جان بھی خوش نہیں ہیں ختم کریں یہ شادی کا قصہ۔“ محریب کو تو موقع مل گیا۔

”ہائے ہائے خدا نہ کرے میں خوش نہ ہوں تو ایسی بات تو نہ کر اور کیوں ختم کریں ہم یہ۔“ دادی جان تو جھٹ

بولیں۔

”اچھا ہے تا میرے جواد کی دونوں بیٹیاں اس گھر میں تو آجائیں گی ورنہ میرا کا مجھے پتہ ہے وہ دوشہ کو کہیں بھی ٹھکانے لگا دے گی اور یہ مجھ سے برداشت نہ ہوگا۔“ محریب تو سر ہاتھوں میں تمام کر رہ گیا جسے دیکھو جاتی بنا تھا مگر جانے کیوں اس کے دل پر بوجھ آن پڑا تھا کہ اس کے بھائی کو اس کی وجہ سے قربانی دینی پڑ رہی تھی۔

”بڑی دلہن! محریب کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“ دادی جان نے محریب کو جاتے ہوئے دیکھا جس کے چہرے پر تھکاوٹ واضح تھی۔

”ہاں کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے اس سے کھانے کا بھی پوچھتی ہوں آپ یہ دودھ لے لیں۔“ وہ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ محریب کو ڈھونڈا وہ اپنے کمرے میں بھی نہیں تھا انہیں فکر بھی ہوئی لاؤنج میں آئیں تو گلاس وال سے لان کا نظارہ واضح ہو رہا تھا۔ محریب کین کے بڑے صوفے پر ڈھیلے انداز میں لیٹا تھا وہ فکر مند سی گلاس ڈور کھول کر باہر لان میں ہی آگئیں مگر وہاں مائز کو دیکھ کر حیران ہی رہ گئیں کیونکہ مائز صوفے کی ایسی سائیڈ پر تھا کہ مائز تو نظر ہی نہیں آیا۔

”یہ تم دونوں ادھر بیٹھے ہو۔“ ذرا حیران لہجے میں استفسار کرنے لگیں۔ محریب تو گڑ بڑا کے اٹھ گیا مائز نے چونک کر سر اٹھایا۔

”مجھے پتہ تھا آپ اپنے لاڈلے بیٹے کو ڈھونڈتی ضرور آئیں گی۔“ مائز نے شوخی سے کہا۔

”بکومت۔“ اسے ڈانٹ دیا۔

”محریب! تمہیں ہوا کیا ہے صبح کے نکلے تم اب گھر میں کسے ہو موبائل تک تمہارا آف تھا ذرا احساس نہیں ہے کہ میں کتنی فکر مند ہو سکتی ہوں۔“ وہ تو ڈانٹنے ہی لگی تھیں۔

”سوری امی! موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی۔“ وہ منمنایا۔

”تم باپ بیٹوں نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ مجھے تنگ کرتے رہو گے کیوں منہ بنا کے پھر رہے ہو۔“

”ارے امی! آپ تو نہ لیفٹ دیکھتی ہیں نارائٹ اور ڈھانچے ڈھانچے شروع کر دیتی ہیں۔“ مائز نے انہیں سنبھالا۔

”تم تو نکلو یہاں سے۔“

”امی! آپ واقعی بہت غصے میں ہیں۔“ محریب گھبرا گیا۔

”مجھے بس یہ بتا دو کہ کب تک تم سوگ مناتے رہو گے۔“

”اللہ نہ کرے کہ میں سوگ مناؤں۔“ وہ کچھ جھل سا بھی ہو گیا۔

”بھائی کی اگر شادی ہو رہی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے کیوں مسئلے کھڑے کر رہے ہو۔“

”بھائی! امی کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے اس لئے سنبھال لیں۔“ مائز نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

”سداھر جاؤ تم بھی کل کو بیوی والے ہونے والے ہو۔“

”امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟“ مائز جھینپ گیا۔ محریب کی ہنسی نکل گئی کیونکہ امی غصے میں بھی انہیں ہنسنے پر مجبور کر گئی تھیں۔

”چلو اندر اور ہاں ختم کرو یہ سوگ۔“

”میری ماں کا تو جواب ہی نہیں ہے ایک لائن میں کھڑا کرتی ہیں اور سیدھا کر دیتی ہیں۔“ مائز نے ان کو دونوں شانوں سے تھام لیا۔

”سوری امی! آپ پر غصہ بالکل سوٹ نہیں کرتا ہے۔“ محریب نے کان پکڑے۔

”تم نے اتنے دنوں سے مجھے پریشان کیا ہوا ہے میں تو ماں ہوں اولاد کو اگر غم زدہ دیکھوں گی تو خود بھی کب چین سے رہوں گی۔“ وہ رونے ہی لگیں۔

”لو کر لو گل میری ماں تو رونے ہی لگی۔“ مائز نے سنجیدگی طاری کی۔

”مجھے کیا فکر نہیں ہے تمہاری کتنی فکر ہے مجھ سے پوچھو کوئی تمہارے ابو کو شروع سے اپنے فیصلے کرنے کی عادت ہے انہوں نے جو سوچ لیا وہ ہوگا۔“

”امی! آپ کیا نہیں چاہتی ہیں کہ یہ رشتہ ہو؟“ مائز کے دل میں پھانس چھپی۔

”مجھے خوشی اس وقت زیادہ ہوگی جب میرے بڑے بیٹے کی بھی ساتھ ہی شادی ہوتی۔“

”ٹھیک ہے اب جیسی ہوگی جب بھائی کی ہوگی جب میری بھی شادی۔“ مائز تو خود الگ سر پھرے دماغ کا تھا۔

”زیادہ بکواس نہیں کرو۔“

”میں اب بالکل سنجیدہ ہوں۔“ وہ یہ کہہ کر رکنا نہیں! اندر بڑھ گیا محریب نے لمبی سانس بھری۔

”کر دو تم دونوں ہی اپنی۔“ وہ بھی ناراض ہوتی ہوئی چلی گئیں محریب تو شپٹا ہی گیا کیونکہ مائز جو بدک گیا تھا۔

☆.....

جب سے وہ اسے یوں اگور کر کے آیا تھا اس دن سے کچھ ڈسٹرب سا ہو گیا تھا وہ کبھی بھی یوں کسی بھی لڑکی کو دیکھ کر اتنا سیریس ہو کر سوچتا تھا کہ نہ تھا مگر اس دن سے اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اس کی انسلٹ کر کے آیا ہے بدلہ لے لے گا تو وہ اتنا نہ بھی رہا تھا پوری یونیورسٹی میں اپنے سوا برا خلاق کی وجہ سے کافی مشہور بھی تھا اپنے کام سے کام رکھتا تھا اور پھر پورے خاندان میں یہ اور محریب ہی تو خاصے سنجیدہ تھے۔

”کیا بات ہے اتنی دیر سے میں تمہیں پکار رہا ہوں جواب کیوں نہیں دے رہے ہو۔“ مائز اس کے سر پر کھڑا چیخنے لگا۔

”آں..... ہاں.....“ وہ کچھ ہڑبڑا ہی گیا۔

”فائق! مجھے تا تو کچھ پر اسرار سا لگ رہا تھا بتا دے کوئی واردات تو نہیں گزر گئی تیرے ساتھ۔“ انداز معنی خیز اور شرارتی سا تھا۔

”ہر وقت فضول کوئی مت کیا کرو۔“ اس نے مائز کو ڈانٹ دیا۔

”تو میری آنکھوں میں دھول جھونکتا رہے گا اور ایک دن تجھے پیار ہو جائے گا۔“

”یار! کیا بکواس کر رہے ہو جگہ تو دیکھ لو اگر سن لیا تا کسی نے خود کو تو جوتے پڑتے ہی ہیں مجھے بھی پڑا دینا۔“ فائق برامان کے ڈانٹنگ چیئر کو گھسیٹ کر کھڑا ہو گیا۔

”سچی بات تجھے ہمیشہ بری لگتی ہے یا رمان کیوں نہیں لیتا کہ دنیا میں پیار و محبت بہت ضروری ہے یہ اگر مل جائے تو زندگی اتنی خوبصورت اور دمیتک ہو جاتی ہے کہ واہ واہ۔“ مائز تو لن ترانوں میں ہی لگ گیا کیونکہ جب سے اس کی اور دوشہ کی بات طے ہوئی تھی وہ اتنا خوش تھا کہ کل کی ہوتی شادی آج ہو جائے۔

”تم پر سب فلموں کا اثر ہو گیا ہے۔“ فائق نے ریٹ داچ پر نگاہ ڈالی سوا نو بج رہے تھے اب تک تو دونوں کو یونیورسٹی میں ہونا چاہیے تھا مگر آج کچھ دیر ہو گئی تھی۔

”یار! یہ زندگی ہے حقیقت ہے ضروری نہیں کہ محبت اور پیار صرف فلموں میں ہوتا ہے تو دیکھنا تجھے ایسی محبت

ہوگی کسی سے کہ بس پھر پوچھوں گا تجھ سے۔“
 ”فاق ق احمد ان فضولیات میں کبھی نہیں پڑے گا محبت پیار کچھ نہیں ہوتا ہے سب ٹائم پاس ہوتا ہے۔“ وہ ہمیشہ سے ہی لٹی کرتا آ رہا تھا۔

”کیا بات ہے تم دونوں نے یونیورسٹی نہیں جانا ہے جو محبت و پیار پر تقریریں ہو رہی ہیں۔“ محریب نے ان دونوں کی گفتگو سن لی تھی وہ بھی مسکرا کے چھیڑے مٹاؤ نہ رہ سکا دونوں ہی جھینپ گئے۔

”وہ بھائی! ہم تو.....“ حاضر جواب مائز بھی اس لمحے گڑبڑا سا گیا۔

”تم تو چپ رہو تمہیں جانتا ہوں۔“ اس نے مائز کا جائزہ لیا وہ کن آنکھوں سے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔

”میں تو یونیورسٹی جا رہا ہوں اس کا لگتا ہے جانے کا آج سوڈ نہیں ہے۔“ فاق ق فوراً ہی اپنا بیک اٹھا کر نکلنے لگا۔

”مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے اس لئے نہیں جا رہا میں۔“ مائز نے جھٹ کہا۔

”فاق ق! اتم تو ککشن سے نزارد گے نا وہ تہذیب کو چھوڑ دو اس کے آفس آج اس بے چاری کو بھی دیر ہوگئی ہے“

مجھے کہیں میننگ میں پہنچنا ہے۔“ محریب اسے کہتا ہوا ناشتے کے لئے ڈائننگ ٹیبل کی چیئر کھسکا کے بیٹھ چکا تھا اتنے

میں امی اس کے لئے ناشتہ بھی لے کر آگئی تھیں۔

”محریب بھائی! میں بانیگ پر جا رہا ہوں یہ مائز نہیں جا رہا ہو ورنہ ہم دونوں پوائنٹ سے ہی جاتے ہیں۔“

”یار! اتم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو اس کے آفس ہی تو چھوڑنا ہے گاڑی لے جاؤ۔“ آج مائز کو اس کی حالت پر ہنسی

آ رہی تھی فاق ق آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے غصہ دکھا رہا تھا۔

”تم چپ کرو۔“ اس نے مائز کو ڈانٹ دیا۔

”یار فاق ق! پھر ایسا کرو جیسی سے چلے جاؤ۔“ محریب ناشتہ کرنے لگا۔

”مگر جاؤ گے تم ہی۔“ مائز نے پھر لقمہ دیا۔

فاق ق ابھی بولنے کے لئے مزید کچھ منہ کھولا محریب کی موبائل پر کال آگئی وہ باہر نکل گیا فاق ق تھلانے لگا۔

”تم جتنا لڑکیوں سے دور بھاگو گے ایسا ہی ہوگا تمہارے ساتھ۔“ مائز کو اس کی حالت پر مڑا آ رہا تھا۔

فاق ق بھی سمجھتا ہوا باہر آیا دیکھا تو وہ لان میں تھی گلابی لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں اپنے خوبصورت اور مصوم

سے سراپے کے ساتھ شمالی گھبرا ئی کھڑی تھی محریب اسے شاید کچھ سمجھا رہا تھا۔

”فاق ق! یا ر جلدی آ جاؤ۔“ اس نے فاق ق کو ہنسی دی اور خود اندر چلا گیا فاق ق نے اس لمحے اس پر ایک بھی نگاہ نہ

ڈالی مگر جانے کیوں دل کا دھڑکنا ایسا لگ رہا تھا کچھ انہونی ہونے والی ہو گئے پینٹ پر گرے ہی شرٹ میں لمبوس

چہرے پر دنیا جہاں کی بے زاری لئے ہوئے تھا تہذیب نے محسوس کر لیا تھا کہ اسے ناگوار نظر رہا ہے۔

”ایکسکیوز می۔“ اپنی مہین اور نرم س آواز میں مخاطب کیا۔ فاق ق کو ایسا لگا کہ کوئی جلتنگ سا بجا ہوا لان کی نرم نرم

گھاس پر کھڑی تھی مگر ابھی تک بھی اس نے پشت نہیں گھمائی۔

”وہ میں آج آفس نہیں جا رہی آپ چلے جائیے۔“ کچھ ڈرتے ڈرتے بھی گویا ہوئی فاق ق اسی لمحے ایڑھیوں

کے بل گھوما وہ اسی طرح اس کی منتظر کھڑی تھی۔

”کیوں اچانک سے آفس جانے کا ارادہ کیوں ملتوی کر رہی ہیں۔“ فاق ق کے چتون چکھے ہوئے کیونکہ ایک تو

اسے اسی کی وجہ سے روکا اوپر سے یہ نثر وہ بوہنی ان لڑکیوں سے دور بھاگتا تھا کہ یہ نثرے دغیر خوب دکھاتی ہیں جہاں

کسی لڑکے نے اہمیت دی اور سر پر چڑھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

”وہ اس لئے کہ مجھے کچھ ٹیمپر پچر سامحوس ہو رہا ہے۔“ جلدی میں جواب بھی تو نہیں بن رہا تھا ایک تو اتنی سی عمر

میں ہی وہ اتنا ڈیسنٹ اور بارعب لگ رہا تھا کہ تہذیب کو ایسا لگ رہا تھا کہ مزید اس کے سامنے کھڑی رہی تو ضرور

بے ہوش ہو جائے گی۔

”اچانک سے کیسے ہو گیا۔“ اسے غصہ بھی آنے لگا کتنی دیر اپنا ٹائم ضائع کیا۔

”مجھے کل سے ہی ہو رہا ہے۔“ نگاہ تک تو نہیں اٹھ رہی تھی۔

”پھر تو آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے تھا۔“ اس نے طنز کے ساتھ کہا۔

تہذیب کو اس لمحے ایسا لگا کہ وہ اس کی تعجیب کر رہا ہو وہ لب بھینچ کر رہ گئی حالانکہ وہ بولڈ تھی پر اعتماد تھی کل سے

اس شخص کو سوچ سوچ کے تو اس کی ساری بولڈنٹس اور پراعتادی جیسے بھاگ گئی تھی۔

”جج..... جی.....“ اس نے وحشت زدہ سی اپنا ہر نی جیسی آنکھیں داک کی تھیں۔

”اوکے میں چلتا ہوں میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔“ فاق ق اس کے دیکھنے پر لو گھبرا ئی گیا کہ کہیں وہ کمزور بننے کی

زد میں نہ آ جائے اپنے آپ کو بجا بجا کر وہ رکھ رہا ہے کہیں اس کے سارے ارادے اور سوچیں متزلزل نہ ہو جائیں۔

تہذیب نے ایک حسرت بھری نگاہ اس کی چوڑی پشت پر ڈالی جو اتنا روڈ تھا۔

”عجیب آدمی ہے۔“ خود سے ہمکلام ہوئی ہوئی وہ اپنے پورشن کی جانب بڑھ گئی مائز نے اور اپنے کمرے سے

سارا منظر بخور دیکھا تھا۔ وہ سمجھ بھی گیا کہ فاق ق نے اپنی روکھی چمکی طبیعت کی وجہ سے تہذیب سے کس طرح بات کی

ہوگی یہ سب وہ جانتا تھا۔

☆.....

”جواد! تم میری بیٹیوں کو ایسے کسی بھی شخص کے پلے نہیں باندھ سکتے ہو۔“ میرا کے تو چٹکے لگ گئے تھے وہ سر سے

بیر تک کھول رہی تھی جب سے انہیں جواد احمد نے یہ بتایا تھا کہ انہوں نے وشکا بھی رشتہ طے کر دیا ہے۔

”میں نے اپنی بیٹی کو لائق فاق ق سمجھے سے مناسب لیا ہے اس کے لئے لیا اچھا ہے کیا برا میں بہت اچھی طرح

سمجھتا ہوں۔“

”تم نے پہلے بھی غلط فیصلہ کیا تھا اور اب بھی غلط ہی ہے میرا اپنی دوسرا بیٹا کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دوں

گی۔“ وہ چیخ رہی تھیں۔

تینوں بھائی بہن ان کے کمرے کے باہر کھڑے سب سن رہے تھے عجب کے چہرے پر زیادہ ٹھکر اور بے زاری

چھلک رہی تھی وہ تو خود پہلے ہی اپنے معاملے میں ڈبی ہوئی تھی

”بچے میرے ہیں یہ مت بھولنا تم نے شرع سے بچو! کو اپنے سے دور ہی رکھا ہے اور آج تمہیں ان کا خیال

آ رہا ہے۔“

”کچھ بھی ہو میں وشکا کو تمہارے بچے سے منسوب نہیں ہونے دوں گی۔“ صفدی تو وہ شروع سے ہی تھیں ان کی

اس طبیعت کی وجہ سے ہی تو تینوں بچے بھی کچھ دور دور ہو گئے تھے۔

”میں نے دونوں کی بات طے کر بھی دی ہے بتایا تمہیں اس لئے تھا کہ جو ہنگامہ تمہیں لگتا ہے وہ ابھی کر لو تو بہتر

ہے کیونکہ ایک دو ماہ میں وشکا کی شادی ہو جائے گی۔“

”کیا شادی.....؟“ ایک اور دھماکہ ہوا وہ تو گنگ رہ گئیں۔ وشکا نے مناسبت پر نگاہ ڈالی معارج الگ ڈانٹ پیر

رہا تھا۔

”کیا فرق پڑے گا انہیں ہم بیٹیوں پر کچھ بھی افتاد آئے صرف اپنے بارے میں سوچتی ہیں آپ! آپ نے بھی بہت غلط کیا ہے کیا تھا آپ محریب بھائی۔ سے شادی پر راضی ہو جاتی امی خود بخود ٹھیک ہو جاتیں۔“

”میں جانتی ہوں امی کو اور بالکل یہ گوارہ نہیں کروں گی کہ وہ میری شادی اپنی خوشی سے شریک نہ ہوں۔“ وہ ایسی دل گرفتہ اور افسردہ ہو رہی تھی کہ دشب لب کھلنے لگی۔

”اب آپ بتائیے میری بھی تو شادی ان کی رضامندی کے بغیر ایو کر رہے ہیں میرا دل کتنا گھبرا رہا ہے اوپر سے وہ آپ کا دیور.....“ اسے رونا ہی آنے لگا۔

”تمہاری شادی ہو جائے گی تو ہو سکتا ہے امی کچھ بدل جائیں اور ہاں مائز کی طرف سے تم بے فکر ہو بہت اچھا اور زندہ دل لڑکا ہے ہر وقت ہنساتا ہی رہے گا۔“ اس نے فوراً اپنے بڑے پن کا اسے احساس دلا کر سمجھایا۔

”مجھ سے تو جب بھی ان کی بات ہوئی ہے سوائے لڑائی اور بحث کے ہوا کیا ہے۔“ وہ منمنائی۔

”میں اسے سمجھا دوں گی کہ اگر میری بہن کو اس نے تنگ کیا تو خیر نہیں ہے اس کی۔“

”آپ امی! آپ بھی ابو سے کہہ دیں کہ شادی کرنے پر راضی ہیں آپ وہاں ہوں گی تو شے کم از کم گا بھڑ تو لڑیں گی۔“ وہ اپنی معصومیت سے بول رہی تھی کہ عتاب نے بے اختیار اس کا ماتھا چوم لیا۔

”کچھ چیزیں اپنے وقت پر اچھی لگتی ہیں میں نے جو سوچا ہوا ہے وہ پہلے کریں گا اور یہ شادی بعد میں۔“ وہ مسکرائی۔

”دادی جان تو سب سے زیادہ آپ کو اور محریب بھائی کو چاہتی ہیں۔ دریاں کی خواہش بھی یہی ہے کہ پہلے آپ دونوں کی ہو۔“

”تم یہ غلط سوچ رہی ہو دادی جان ہم سب کو ہی چاہتی ہیں اور تمہاری بھی، انہیں اتنی اذیت ہو رہی ہے۔“

اگر انے یقین دلایا۔

دونوں بیٹیں ایک دوسرے کا خیال بھی بہت رکھتی تھیں اور پھر دونوں میں خرق بھی نین سان کا تھا مگر عتاب نے دقت سے پہلے بیویوں والی سمجھ داری آگیا تھی پورے خاندان میں ہی سویرا اور کم گو مشہور تھی مائز تو اکثر کہتا تھا کہ سالہ پرائی روح آپ میں موجود ہے۔

☆.....

اس دن دادی جان نے اتنا غصہ دکھایا کہ دوای تک نہیں کھا رہی تھیں یہی ضد تھی کہ عتاب کو بلاؤ سب ہی نعر مند بھی تھے کہ ان کی طبیعت بگڑ بھی رہی تھی محریب مسلسل ان کے پاس بیٹھا تھا رات۔ کہ وقت ان کی اکثر زیادہ طبیعت خراب ہو جاتی تھی محریب اسی وقت اٹھا حنہ پھونک بھی آئی ہوئی تھیں ان سے بھی دادی جان نہیں سن سکتی تھیں۔

وہ اتنی تیزی سے گاڑی آہنی گیٹ سے لے کر نکلا تھا کہ تہذیب نے چونک کر دیکھا تھا وہ دادی جان کی طبیعت پوچھنے جا رہی تھی کہ پورچ میں رک گئی اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ محریب کے ایک چچا الگ جگہ پر رہتے ہیں ان کی بیوی کا مزاج کچھ تیز ہے۔

جس وقت وہ وہاں پہنچا تھا ایک دیر لگی ہی تھی کچھ دیر پہلے ہی تو جواد احمد اور سمیرا بیگم میں جنگ چھڑی اب وہاں ماحول ساکت تھا۔

”چاچو! دادی جان کی بہت طبیعت خراب ہے وہ عتاب کو پکار رہے ہیں۔“ محریب کے چہرے پر اتنی سختی اور ناگواری تھی کہ وہ نگاہ نہیں ملا رہا تھا۔

”ہاں شادی..... اماں جی کی حالت ٹھیک نہیں ہے عتاب تو تمہاری رضا کے بغیر شادی نہیں کرے گی۔“ جواد احمد لہجے میں اتنی حقارت اور ناگواری تھی عتاب پہلو بدل کر رہ گئی۔

”تمہاری ماں کو تو شروع سے ڈرا ہے کرنے کی عادت ہے یہ الگ ڈرامہ لگایا ہوا ہے۔“

”سمیرا! بند کرو بکواس اپنی۔“ جواد احمد کی دھاڑنی آواز سے تینوں ہی اچھل گئے۔

”میں کیا بکواس بند کروں جواد! اگر تم نے میری اس بیٹی کی شادی میری مرضی کے بغیر کی تا میں بتا رہی ہوں برا دگا تمہارے لئے۔“

”تمہاری صورت میں اور کیا برا ہو سکتا ہے میرے ساتھ۔“ انہوں نے طہر کے ساتھ ایک سلگتی ہوئی نگاہ ڈالی۔

”یہ میں ہوں جو برداشت کر رہی ہوں۔“

”کیا برداشت کر رہی ہو اے تمہیں تو میں برداشت کر رہا ہوں تم نے جتنی میری زندگی اجیرن کی ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔“

”مجھ سے بھی کوئی پوچھے تم نے بھی کوئی پن سکون کا مجھے میسر نہیں کیا ہے شروع سے دھتکارہ ہے بے عزتی کی ہے۔“ وہ اتنی روہاکی اور بے بس سی لگ رہی تھی کہ عتاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس سے رکنا نہ گیا لب کھلتی ہوئی بچے کمرے میں بھاگ گئی معارج اور دشب کی استفہامیہ نگاہیں اٹھی تھیں۔

”لہجہ ہمیشہ تمہارا خراب ہوتا ہے میرا نہیں۔“

”پورے خاندان میں تم نے اور تمہارے گھر والوں نے مجھے بدنام کیا ہوا ہے۔“ وہ رو رہی تھیں۔

”یہ الزام تم میرے گھر والوں پر بالکل نہیں لگاؤ اے انہوں نے تو تمہیں جتنا آرام دینے کی کوشش کی تھی اتنا ہی تم ان کے سر پر چڑھی ہو۔“ وہ اپنے گھر والوں کے متعلق تو کوئی بھی ایسی فضول بات تو برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔

”ادنبہ..... آرام شروع سے روکا تو کی ہی کی ہے۔“

”جو بھی ہو یہ طے ہے کہ دشب کی شادی میں طے کر چکا ہوں تم اس شادی میں بیٹھو یا نہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔“ وہ دیسے ہی انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور دشب کے معاملے میں تو بالکل ہی سخت بن گئے تھے دشب بھی لب کھلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی دل تو اس کا بھی اداس ہو رہا تھا صرف ابو کے مان کی وجہ سے وہ اس رشتے پر سر جھکا گئی تھی ورنہ اسے تو مائز کا چڑانا اور لڑنا تو اور ہی غصہ دلاتا تھا اور اب ساری زندگی کے لئے اس کے ساتھ بندھا جا رہا تھا سوچ سوچ کے اسے تو گھبراہٹ ہو رہی تھی دونوں کی ایک دن بھی نہیں بنے گی پھر سب اسے بھی اس کی ماں سے ہی ملائیں گے کے جیسی ماں دیکھی بیٹی اور یہ وہ کسی بل گوارہ نہیں کر سکتی تھی۔

”آپ امی! آپ رو رہی ہیں؟“ اسے عتاب کو سوں سوں لرتے دیکھ کر الگ فکر ہو رہی تھی اس کی بہن کی الگ زندگی خراب ہو رہی تھی۔

”انہی آنسوؤں پر تو میرا بس چلتا ہے جب دل چاہتا ہے میرا درد اور غم بٹانے تو میرے پاس آ جاتے ہیں۔“

”آپ امی! پلیز ایسی باتیں نہ کریں خدا نہ کرے کہ آپ یوں روئی رہیں اور آنسوؤں کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ اسے اپنے پاس بلا لیں۔“ دشب نے اس کے آنسو اپنے آچھل سے صاف کئے۔

”دشب! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے کیا ہو گا امی اگر.....“

”آپ امی! آپ فکر نہ کریں اور اللہ جو چاہے گا وہ بہتر ہو گا۔“ وہ اسے تسلی دینے لگی۔

”امی! تمہاری شادی کے بعد اگر ایسا ہی کرتی رہیں تو.....“

”اوہ..... تم مجھے فون کر دیتے۔“ فوراً ہی وہ کھڑے ہو گئے۔
”میں عتابہ کو لے جاؤں؟“ اس وقت سمیرا بیگم سامنے نہیں تھیں ورنہ ضرور وہ اور محاذ کھول لیتیں۔
”معارض! عتابہ کو بلاؤ سوئی تو نہیں ہے وہ۔“ جواد احمد کے چہرے پر بھی ایک فکر مند چمکنے لگی تھی۔

”نماز پڑھ کے وہ بیچ سورہ پڑھ رہی تھیں دیکھتا ہوں۔“ وہ بھی حکم کی تعمیل کے لئے اٹھ گیا کچھ لمحوں میں ہی وہ گھبرائی ہوئی آگئی تھی چہرہ اس کا اترا ہوا تھا آنکھیں بھی سوچ رہی تھیں کچھ دیر پہلے وہ اور وہ کتنا روٹی تھیں محریب نے ایک اچھٹی نگاہ اس پر ضرور ڈالی جو پنک لان کے کپڑوں میں ملبوس مرجھائی ہوئی بھی لگ رہی تھی۔
”عتابہ! تم محریب کے ساتھ گھر جاؤ میں بھی آتا ہوں۔“ جواد احمد جلالت میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

عتابہ نے ایک حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی معارج مکمل اس کی جانب متوجہ ہی تھی۔
”میں باہر ہوں تم آ جاؤ۔“ وہ گھرے ٹمپٹن شلوار میں ملبوس اتنا تھا کہ ہوا لگ رہا تھا کہ عتابہ کو شرمندگی ہونے لگی کہ اسی کی وجہ سے دادی جان اور پھر وہ کتنا ڈسٹرب تھا۔
وہ دوشہ کو بتا کے اپنا بیگ لے کر باہر چلی گئی تھی کتنے دنوں بعد وہ جاری تھی فرنٹ ڈور کھول کے وہ بیٹھی محریب لب بچنے ہوئے بیٹھا تھا اس کے بیٹھے ہی گاڑی اشارت کردی تھی عتابہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا اس نے ایک لفظ تک ابھی ادا نہ کیا تھا۔

”دادی جان کی.....؟“
”بس ایک لفظ نہیں بولنا۔“ اس کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہو پایا تھا کہ عتابہ کو روک دیا۔
”جو کچھ بھی ہو رہا ہے تمہاری اور میری وجہ سے ہو رہا ہے۔“
”میں کیا کروں آپ ہی بتائیے؟“ روپا کی ہو گئی۔

”تم خود سمجھ دار ہو بہت بڑی ہو خود فیصلے کرتی ہو تمہاری مرضی جو دل کر رہا ہے وہ کرتو رہی ہو۔“ طنزیہ اور چبھتا ہوا لہجہ تھا عتابہ شرمندگی سے گڑ کے رہ گئی۔
”تمہارے بڑے جو سوچ رہے ہیں وہ تو فلفل ہی سوچ رہے ہیں۔“ آج دل کھول کر وہ اسے سنانا چاہتا تھا۔
”پلیز بس کریں۔“ آنسو پٹ پٹ کرنے لگے۔

محریب نے گاڑی ایک سائیڈ پر جھٹکے سے ہی روکی اور دانت پیسے وہ غصہ نہ پہلے کرتا تھا اور نہ کرنا چاہتا تھا مگر جب سے مائز کی شادی فکس ہوئی تھی اسے غصہ ہی آ رہا تھا اور اس کا سارا الزام عتابہ پر ہی ڈال رہا تھا۔
”تمہاری وجہ سے ہی مائز کو اس رشتے میں باندھا جا رہا ہے ابھی میرے بھائی کی ایسی عمر بھی نہیں ہے کہ اس کی شادی کی جائے۔“ وہ دھاڑا۔

”جی۔“ وہ ہکا بکا حواس باختہ سی رہ گئی۔
”بس جو کچھ بھی ہو رہا ہے تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔“
”آپ میری مجبوری نہیں سمجھ رہے ہیں۔“ سوسوں کرتی وہ اسے اتنی قابلِ رحم لگ رہی تھی کہ محریب نے وٹھ اسکرین سے نگاہ باہر کی۔

”تمہاری مجبوری وہ فضول ہے اپنی ماں کا تم نے مسئلہ بنایا ہے۔“
”وہ میری ماں ہیں انہیں میں انکوری نہیں کروں گی۔“ لہجہ اس کا ترش ہو گیا۔

”آہ..... سارے انکوری ہو جائیں۔“ تسخراڑا کے آہ بھری اور گاڑی اشارت کردی گیارہ بج رہے تھے کافی دیر ہو گئی تھی اسے گھر سے نکلے ہوئے۔
”مجھے واپس گھر چھوڑ دیں نہیں جانا مجھے کہیں بھی۔“ فوراً خندی بن گئی۔
”فضول کے خڑے نہیں دکھاؤ۔“ کیونکہ میں نہیں برداشت کرتا یہ سب۔“ اتنا سخت گیر وہ تو نہیں تھا اچانک ہی محریب کی ذہنی رو بہکی گئی۔

”آپ کو دکھا بھی نہیں رہی ہوں مجھے گھر چھوڑ دیں۔“
”سوچ لیا کہ جب تم وہی کرو گی کہ جو تم نے سوچا ہے تو فضول کی اکڑ نہ دکھاؤ۔“
”اکڑ میں کب دیکھا رہی ہوں آپ میری بات سمجھتے ہی نہیں ہیں۔“ اتنا رونا آ رہا تھا اس پل اس دشمن جاں کی باتوں پر کہ وہ بھڑکی گئی۔

”میں نہیں سمجھتا یا تم نہیں سمجھ رہیں۔“ گاڑی گھر کے باہر روک دی تھی اور وہ آچل سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی پہلے ہی وہ اتنا روچکی تھی اوپر سے محریب کا انداز۔
”تم زندگی کو سمجھتی کیا ہو؟“

”یہ زندگی سوائے دکھ اور درد دینے کے دیتی کیا ہے؟“ عتابہ کا لہجہ تلخ ہو گیا دل اتنا کبیدہ تھا کہ ایک دم ہی مایوسی اور ناامیدی کی باتیں کرنے لگی۔

”یہ زندگی بہت خوبصورت ہے اسے دیکھو اور جانو۔“ وہ سمجھانے لگا۔
”ادھہ..... اسے سمجھوں اور جانوں جب مجھے میرے اپنے ہی نہیں سمجھ رہا ہے تو کیسے جانوں۔“ الٹا طنزیہ کیا۔
”تمہارے اپنوں میں تو صرف تمہاری والدہ محترمہ آتی ہیں باقی سب تو بے کار ہیں۔“ ڈرائیونگ سبٹ سے باہر نکلا اور فرنٹ ڈور کھولا وہ بھی اترنے لگی۔ مگر محریب راہ میں حائل رہا وہ جھجک کے کچھ پیچھے ہونے لگی محریب نے دونوں ہاتھ ہی گاڑی پر ٹیک دیئے وہ اس کے حصار میں آ گئی۔

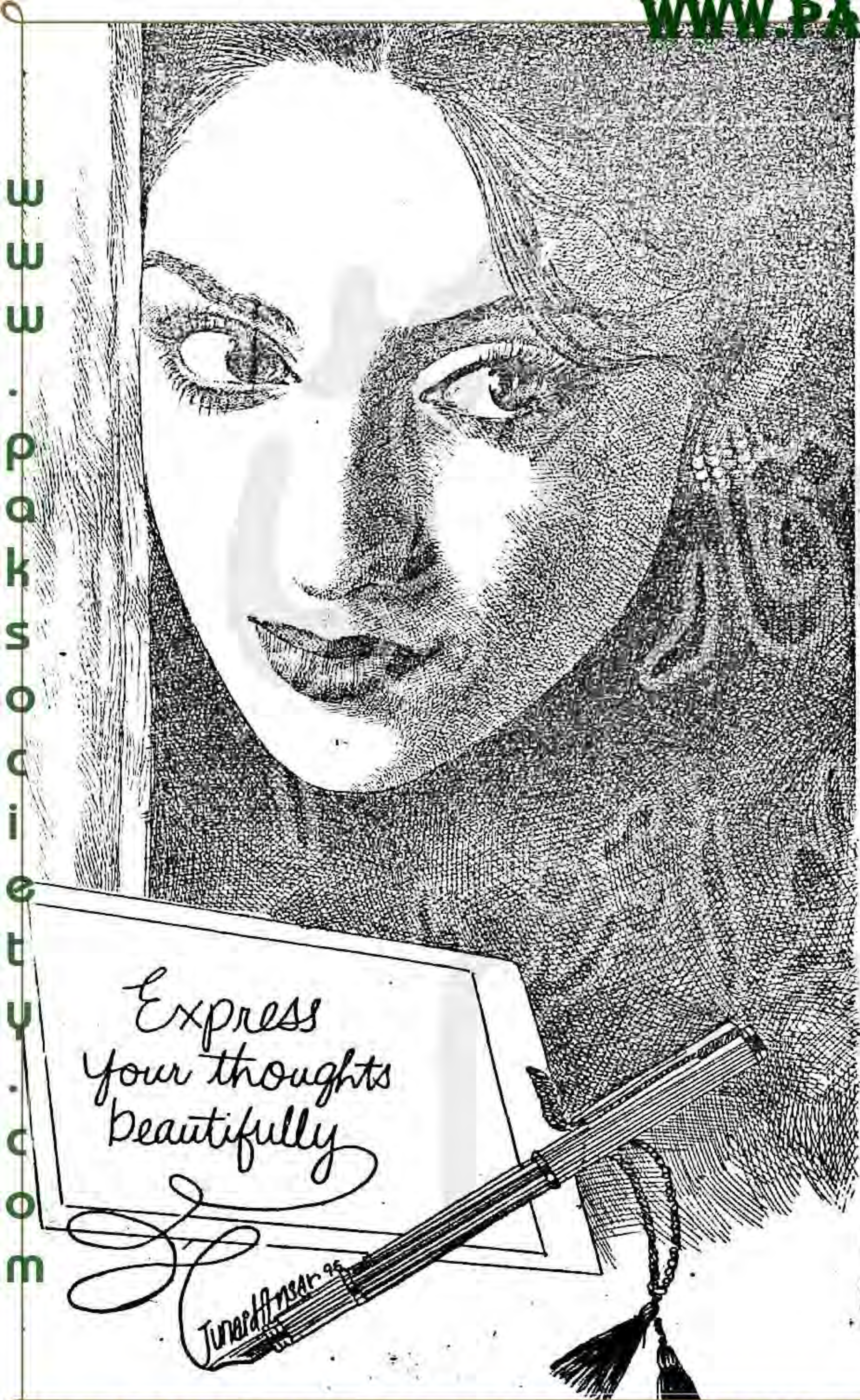
”چہرہ صاف کر دسب پوچھیں گے کہ کیوں روئی ہو؟“ اتنی لگاوت اور نمور لگا ہوں۔ سے تو اس نے آج سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

جلدی جلدی آچل سے آنسو خشک کئے وہ اس کے قریب ہو کے گاڑی میں رکھے ٹشو بکس سے ٹشو دینے لگا عتابہ کا دایاں شانہ اس کی پشت سے جا لگا۔

سڑک سنسان تھی محریب جب ہی اتنے فری انداز میں اس کے قریب کھڑا تھا عتابہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا فسوں خیز آنکھیں سوچ گئی تھیں سرخ دسپید رنگت پھٹکی لگ رہی تھی۔ نازک ہاتھوں کی انگلیوں کو مردڑ رہی تھی آج سے پہلے ایسا فیصلی جائزہ اس نے کبھی نہیں لیا تھا عتابہ کہ پسینے چھوٹنے لگے تھے بہرحسب چھاؤں جیسا بندہ لمحوں میں ہی بدلا تھا۔

”چلو اندر۔“ وہ اس کی ہمراہی میں چلنے لگی تھی اندر جاتے ہوئے وہ تو پھر اجنبی بن گیا تھا دادی جان نے تو اسے خوب ہی لپٹا کے پیار کیا تھا سب ہی مطمئن بھی ہو گئے تھے کہ عتابہ آگئی تھی ورنہ وہ اس دن سے آئی ہی کب تھی دادی جان کے سر ہانے وہ بیٹھ گئی تھی دوائی بھی کھلائی تھی جواد احمد آئے تو وہ بھی کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھے رہے تھے گھر میں ایک دم ہی برقی رو ددڑ گئی تھی سب کچھ ایسا لگ رہا تھا کہ اپنی جگہ پر آ گیا ہو۔

(جاری ہے)



شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 6 -

سلسلے وار ناول

جہالت و دل کی جہالت



www.paksociety.com

www.paksociety.com

www.paksociety.com

www.paksociety.com

www.paksociety.com

www.paksociety.com

www.paksociety.com

www.paksociety.com

www.paksociety.com

”دیکھا داوی جان کو کتنی چمک آگئی ہے آپ کے یہاں آنے سے۔“ یعنی ان کے لیے گرم گرم دودھ میں اوٹینن ڈال کے اٹی تھی پوری نو جوان پارٹی اور ان کی والدہ وہاں موجود تھیں۔

”اور کیا، کیوں نہیں آئے گی میری بچی جیسے ہی یہاں آئی مجھے ایسا لگا کہ میری بیماری بھاگ گئی ہو۔“ دادی جان نے عنایبہ کے ہاتھوں کو پکڑا، وہ جھینپ سی گئی، سارے ہی اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔

محریب اسے بغور دیکھ رہا تھا جو چنک کپڑوں میں شرمانی لجائی سی سب کے درمیان بیٹھی تھی اس کا ایک ایک نقش ایسا تھا کہ بندہ کھوسا جاتا، وہ ایسے کبھی اسے دیکھتا نہیں تھا مگر کل سے تو وہ مسلسل اسے متوجہ ہو کر دیکھ رہا تھا۔
”بھابھو! اس بار تو جلدی بھاگنے کے ارادے سے تو نہیں آئی ہیں۔“ مائز نے پوچھا۔

”آپ فکر نہ کریں دشہ کو بھی بلا لیں گے۔“ رافع اسے چھیڑنے سے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔
 ”تم فصول مت ہانکا کرو۔“ مائر نے ایک تکیہ اٹھایا اور اس پر اچھال دیا جو وارڈروب سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔
 داوی جان کے بیڈ پر عنانہ اور بڑی امی بیٹھی تھیں جبکہ باقی کے افراد کارپٹ پر بیٹھے تھے۔
 ”مائر! تمیز تو کر لیا کرو۔“ نزہت نے فہمائشی اور خشکیوں نگاہوں سے گھورتے ہوئے اسے سرزنش کی۔
 ”آپ لوگ اسے تو دیکھیں۔“

”ارے لوگ مجھے تو دیکھتے ہی رہتے ہیں وہ پڑوس کی شکو تو مجھے چھپ چھپ کے دیکھتی ہے موٹی نہ ہو تو“۔ رافع نے تقا خزدہ لہجے میں کچھ اکڑ کے ہی کہا۔

”کاشکو.....“ مارتو اچھل ہی گیا۔
 ”واقع کیا حرکتیں چل رہی ہیں یہ۔“ فائق نے سنا تو فوراً ہی بڑے بھائیوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔
 ”وہ..... وہ..... میں تو اسے ہی کہہ رہا تھا۔“ وہ اچھا خاصا گڑبڑا گیا ساروں کی ہی ہنسی نکل گئی۔

”کتنے اچھے لگ رہے ہیں میرے سارے بچے یہاں موجود ہیں۔“ دادی جان نے ان سب کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا۔

”آپ اماں جی! اطمینان رکھیے ان بچوں کے بچے بھی دیکھیں گی۔“ تائی امی نے مسکراتے ہوئے کہا، عنایت کی تو شرم سے نگاہ جھک گئی۔

”انشاء اللہ تعالیٰ“۔ مائز نے جھٹ کہا۔
”حد ہوتی ہے یار! بے شرمی کی“۔ فائق کو تو ہمیشہ ایسی باتوں سے چڑھی ہوتی تھی اور وہ کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

”چچی جان! جلدی اسے بھی ٹھکانے لگائیے مجھے یہ خالی پھرنا ہوا سخت بُرا لگتا ہے۔“ ماہر نے اب اس کے پیچھے چچی جان کو لگایا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں جلدی ہم اس کی بھی کہیں بات لگا دیں گے“۔ چچی جان مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔
 ”ہماری یمنی کی کہیں بات طے ہو جائے گی تو اس کا نمبر بھی آ جائے گا“۔ دادی جان نے کہا۔
 ”کسا یمنی کے بعد؟“ مانزا اچھل گیا۔

”کیا ہو گیا آپ سب کو یمنی اس سے پانچ سال چھوٹی ہے۔“
 ”یار! سب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ فائق کو مائز کا چہرہ دیکھ کر ہنسی آرہی تھی۔

محریب کا موہاں پپ دینے لگا تو وہ اٹھ کر باہر آ گیا تھا، عنائبہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا، کل سے تو اس

رداؤا تجسٹ 112 نومبر 2009ء

بھی نگاہ دوڑا رہی تھی۔
”ارے تہذیب! آؤ بیٹا رک کیوں گئیں؟“ نزہت نے اسے دیکھا تو مسکرا کے گویا ہوئیں تہذیب نے جھٹ نہیں سلام بھی کر دیا۔

”وہ میں دادی جان کی طبیعت پہ چنے آئی تھی۔“ عنائبہ کی سوالیہ نگاہ اس پر جمی ہوئی تھی، محریب بھی اسی وقت ایزی سے قمیض شلوار میں ملبوس نکھر نکھر چلا آیا، عنائبہ نے تو جھجک کے پہلو بدل لیا اور ناشتے میں لگ گئی۔
”اوہو..... آج تم آئی گئیں، ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا کہ تمہیں باقاعدہ دعوت نامہ بھیج کر بلوانا پڑے گا۔“ محریب نے تہذیب کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”جی وہ میں کل بھی آ رہی تھی آپ جس وقت گھر سے نکل رہے تھے۔“ اس نے بتایا۔
”پھر تم واپس چلی گئی ہوگی؟“ کیونکہ سارے رشتے تو مجھ سے بنتے ہیں تمہارے۔“ وہ چیخ کر کھسکا کے عنائبہ کے بالکل سامنے والی چیئر پر بیٹھ گیا۔
”نہیں..... نہیں..... ایسی تو بات نہیں ہے۔“ وہ بخل سی ہوئی۔

”محریب! یہ ابھی بھی ہمیں اپنا نہیں جھٹتی ہے۔“ نزہت نے گویا شکایت کی۔
”دونوں کان پکڑ کر کھینچوں گا تو جب سمجھ آئے گی اسے تو۔“ محریب نے عنائبہ کے بے زار سے اور اکتائے ہوئے چہرے پر ہر پور نگاہ ڈالی جو شاید خود کو اس وقت آکورد فیل کر رہی تھی۔
”چیئر کھسکاؤ اور بیٹھو! اناشتہ آپ تہذیب کے لیے بھی لائے۔“

”نہیں، نہیں وہ میں نے صبح ہی کر لیا تھا، وہ میں آج آفس سے جلدی چھٹی لے کے اس لیے آئی تھی کہ حکمت اور حمزہ کے اسکول جانا تھا۔“ اس نے تفصیل سے بتایا، نزہت پھر بھی ناشتہ وغیرہ بنانے کے لیے کچن میں جانے لگیں، عنائبہ اسی وقت اٹھنے لگی۔

”بیٹھو تم کہاں جا رہی ہو؟“ ذرا سرد اور درشت لہجے میں عنائبہ پر استفہامیہ نگاہ ڈالی جو نگاہ تک ڈالنا نہیں چاہ رہی تھی۔

”دادی جان کے کپڑے پہنچ کر دینے ہیں۔“ اس نے کچھ طعنے سے کہا۔ تہذیب اس کا منی اور خوبصورت سی لڑکی کو بغور دیکھ رہی تھی، گلابی رنگ اس پر کتنا کھل رہا تھا، نازک سا سراپا نرم و نازک سے ہاتھ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے موم سے بنی ہوئی ہو۔

”ابھی ٹائم ہے جانے میں، بیٹھو تم تہذیب سے تمہارا تعارف تو کروادو۔“ لہجہ اور آواز کچھ شوخ اور معنی خیزی بنائی۔ تہذیب کے لب مسکرا رہے تھے اسے خبر تو تھی کہ محریب کی بچپن سے ہی ملتی ہوئی تھی۔
”لیکن مجھے پھر بھی جانا ہے۔“ وہ ٹرے اٹھا کر حیزی سے نکل گئی، محریب نے لب مسکرا کر لیے وہ اس کا یہ انداز سمجھ رہا تھا۔

”تہذیب! یہ عنائبہ تھی۔“ وہ مسکرایا۔
”میں سمجھ گئی تھی بہت پیاری ہیں۔“ اس نے کھلے دل سے تعریف کی۔
”دادی جان کی لاڈلی اور چھیتی پوتی ہے۔“ وہ بتانے لگا۔ نزہت کچھ دیر میں ناشتہ لے آئی تھیں، تہذیب نے تو منع کر دیا تھا، وہ دادی جان کی خیریت پوچھنے ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ عنائبہ ان کے کپڑے استری کرنے کے لیے کمرے سے نکل رہی تھی، وہ اسے دیکھ کر پھر بھی نہیں رکی تھی جیسے ہی کوریڈور میں آئی محریب سے اس کا ٹکراؤ ہو

گیا، جس نے اس کی کلائی پکڑی اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا، عنائبہ کو ایسا لگا کہ اس کا دل بند ہونے لگا ہو، وہ اچانک افاد پر بوکھلا بھی گئی تھی، محریب نے اپنے کمرے میں لا کر ہی اس کی کلائی چھوڑی تھی، ٹھک سے دروازہ بند کیا، عنائبہ کے حواس ابھی تک قابو میں نہیں آئے تھے، کشادہ کمرہ دروازے اور کھڑکیوں پر دبیز گولڈن کلر کے پردے والے ٹوال کارپٹ درمیان میں رکھا بیڈ کی سائیڈ پر وارڈ روب تھی، ایک کرشل کی ٹیبل کے اوپر دیوار گیر بڑا سا آئینہ لگا تھا، ہر چیز سے قرینہ اور نفاست نمایاں تھی۔
”یہ تمہارا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟“ وہ اس کے اتنے قریب آ گیا کہ جانے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔
”چھوڑیے مجھے اور جانے دیں۔“

”تم میری بات کا جواب دیے بغیر نہیں جاؤ گی۔“ اس کی آواز میں ہی نہیں اس کے چہرے پر بھی درشتی تھی۔
”کیا جواب دوں؟“
”یہی کہ تم جو سمجھ رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”میں کیا سمجھ رہی ہوں؟“ اٹکا انجان بن کے استفہار کیا، ہر نی جیسی آنکھیں اس پر گاڑ دی تھیں، محریب مبہوت زدہ سا ہو گیا۔ گلابی دوپٹہ اس وقت اس کے بائیں شانے پر پڑا تھا، وہ سب کچھ فراموش کیے غصہ ہی دکھا رہی تھی، وہ وارنٹی سے دیکھے جا رہا تھا، اس کی ہر ادا اور انداز میں الگ ہی چھب تھی، غصہ کرتی تو لگتا نہ کہ وہ غصے میں ہے اور جب اس سے شرماتی گھبراتی تو ایسا لگتا کہ ابھی اسے سامنے اتنی دیر کھڑا دیکھ کر اس کے قدموں میں ہی بے ہوش ہو جائے گی، وہ پانچ سال امریکہ جیسے بے باک ملک میں رہا تھا، وہاں قدم قدم پر اور جگہ جگہ ایسی اس نے بے باکیاں دیکھی تھیں کہ اس نے اپنے ملک میں ایسا اب تک نہیں دیکھا تھا یا پھر نظروں سے نہیں گزرا تھا، لیکن یہ بات تو بالکل درست ہے کہ ایک خوبصورت عورت مضبوط سے مضبوط نفس والے کا بھی ایمان ڈمگنا سکتی ہے لیکن اس نے اپنے نفس کی لگائیں کبھی بھی ڈھیلی نہ کی تھیں کہ وہ بھی اس بُرائی میں اترتا، کتنی ہی اس کی راہوں میں آئی تھیں، اپنا آپ نچھاور کرنے، وہ صرف اپنے خیالات اور سوچیں اپنا آپ اس ایک ہستی پر ہی نچھاور کرے گا جو اس کی اپنی ہوگی، اس کی سوچیں اور خیالات صرف اس کے لیے ہوں گے، لکھے تھے کہ رک گئے تھے لگ رہا تھا آج وہ بے ایمانی کرے گا اور اگر وہ کرے تو کیا گناہ کا مرتکب ہوگا، ایک قدم آگے بڑھایا، عنائبہ تو لرزی گئی، وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی، اس نے محریب کی آنکھوں میں ایسی وارنٹی اور والہانہ پن پہلے تو کبھی نہ دیکھا تھا، پھر وہ آج ایسا کیوں لگ رہا تھا۔
”مجھے جانا ہے، دادی کے کپڑے پر لیں کرنے ہیں۔“ وہ گھبراہٹ سے گئی، محریب کا سکتہ اسی وقت ٹوٹا تھا، پشت پھیر کے وہ اپنے آپ کو کنٹرول کرنے لگا، اگر آج وہ بہک جاتا تو یہ لڑکی تو ہمیشہ کے لیے اس سے بدظن ہو جاتی پھر کیا ہوتا۔

”تم پلیز میری بات کا یہ جواب دے دو کہ تم جو سوچ رہی ہو کہ تہذیب.....؟“
”پلیز میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی ہوں۔“ اس نے بات ہی کاٹ دی۔
”پھر یہ تمہارا چہرہ تو اس کی عکاسی کر رہا ہے کہ تمہیں تہذیب سے میری بے تکلفی بہت بُری لگی ہے۔“ وہ مسکرایا، خود کو اس نے گھول میں سمیٹا تھا۔

”مجھے ایسی فکر نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔“ انداز ذوق معنی تھا۔ اس کی گھنیری پکیں بارحیا سے جھکی ہوئی تھیں، دادی جان کے کپڑے اس کے ہاتھ میں ہی تھے، دروازے بالوں کی چوٹی سے بال نکل کر اس کے رخسار سے کھیل رہے تھے۔
”کیسی فکر؟“ اب اسے عنائبہ کو تنگ کرنے میں مزا آیا۔

”دیکھیے! مجھے جانے دیں دادی جان کو ڈاکٹر کے پاس لے کے جانا ہے ناں! یہ آپ کو یاد ہے۔“ وہ بات کاٹ کر گویا ہوئی۔

”یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“

”پھر آگے سے بیٹھے۔“ جانے کے لیے سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ وہ پھر راہ میں حائل ہو گیا، جانے کیوں آج محریب پر شوخی سوار ہو رہی تھی۔

”کیا کر رہے ہیں آپ؟“ جھنجھلائی، کھسپائی روہانسی ہونے لگی۔

”تم راضی ہو تو میں کرنا شروع کروں۔“ محریب جیسا ریزرو شخص اور ایسی معنی خیز اور بے باک سے جملے۔ عنانہ کے تو پسینے ہی چھوٹنے لگے اس کی ساتیں یقین نہیں کر پار ہی تھیں، لب اس نے آپس میں بچنے لیے۔

”وہ میرا مطلب ہے کہ.....“ وہ بھی گڑبڑا گیا۔ عنانہ تو تیزی سے بھاگ لی تھی، پھر اسے یہ بھی تو گھبراہٹ تھی کہ وہ محریب کے کمرے میں تھی اگر کسی کی نگاہ پڑ گئی تو کتنی شرمندگی ہوگی۔

☆☆☆

دادی جان کی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ تھی، ان کا پندرہ دن میں چیک اپ ضرور ہوتا تھا، محریب ہی لے کر جاتا تھا، کبھی امی ساتھ ہوتی تھیں تو کبھی چچی جان، مگر آج عنانہ بھی لائٹ گرین کاٹن کے نفیس سے دھاگوں اور شیشوں کی کڑھائی کے سوٹ میں میچنگ ہمرنگ بڑا پرنٹڈ دوپٹے جس میں خود کو اس نے چھپایا ہوا تھا، اس کے ساتھ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی، اس وقت سے تو وہ اور بی نروس ہو رہی تھی، محریب کی قربت سے اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پھل رہی تھی، کن آنکھوں سے اسے دیکھ بھی رہی تھی، محریب بڑی مستعدی سے گاڑی ڈرائیور کر رہا تھا، دادی جان پیچھے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔

”محریب! ڈاکٹر کے پاس سے ہو کر جب ہم آئیں گے حسنہ کی طرف چلنا۔“ دادی جان کا ایک دم ہی دل چاہنے لگا۔

”گڈ دادی جان! یہ آپ نے اچھی بات کی نا، اچھا ہے آپ کا دل بھی پہلے گا۔“ محریب خوش ہو گیا۔ ڈاکٹر سے چار بجے کا ٹائم تھا، چند مریضوں کے بعد ان کا نمبر آ گیا تھا، ایک لمبی دوائیوں کی لسٹ لکھ کر دی تھی جو محریب نے واپسی میں پہلے وہ لیں پھر حسنہ پھپھو کی طرف گاڑی موڑی تھی۔ سب ہی دادی جان کو دیکھ کر خوش ہو گئے تھے کیونکہ اتنے ماہ بعد آئی تھیں، جب سے ان کی سیریس طبیعت خراب ہوئی تھی حسنہ پھپھو کی طرف بھی آنا چھوڑ دیا تھا۔

”اماں جی! آپ نے بالکل ٹھیک کیا، ایک ہفتے سے پہلے تو بالکل نہیں جانے دوں گی۔“ حسنہ تو اپنی ماں کے گلے لگ کر خوش ہو کر گویا ہوئیں۔

”ہاں میں بھی اب یہیں رکوں گی۔“ انہیں آرام سے بیڈ پر بٹھا دیا تھا، عنانہ خاموشی سے ان کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ شامین نے اسے اشارے سے باہر بلا لیا تھا کیونکہ حسنہ پھپھو اور شاہنواز پھوپھو بھاہاں بیٹھے تھے، احد تو پہلے ہی محریب کو گھسیٹ کر ڈرائنگ روم میں لے گیا تھا۔ علینہ، ریان کو لے کر لاؤنج میں بیٹھی اس کے ساتھ کھیل میں لگی ہوئی تھی۔

”آج تو اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ محریب بھائی سارے راستے جھپیں مر رہے دیکھتے ہوئے ہی آئے ہوں گے۔“ شامین نے ذرا شوخی سے کہا۔

”جی نہیں۔“ وہ جھینپ سی گئی۔

”جھپیں زیادہ پتہ ہے یا نہیں۔“

”بھابی پلیز! آپ کو پتہ ہے نا مجھے اس طرح کی باتیں اچھی نہیں لگتی ہیں۔“ دونوں اب شامین کے روم میں آ گئی تھیں کیونکہ دونوں ادھر بیٹھ کر بڑی بے تکلفی سے باتیں بھی کر لیتی تھیں، شامین سے عنانہ کی دوستی بھی شامین کی وجہ سے ہی ہو گئی تھی، وہ کچھ شوخ طبیعت کی اور فرینڈلی تھی، شادی کے بعد اس کی اگر سسرال میں اس کی دوستی ہوئی تھی تو عنانہ سے ہوئی تھی۔

”جھپیں چاہے اچھی نہ لگیں، میں تو کروں گی ایسی باتیں۔“ شامین نے شان بے نیازی سے کچھ اترا کے شانے اُچکائے۔

”مجھے پتہ ہے نا، جان ایک ہفتے سے پہلے تو یہاں سے جا ہی نہیں سکتی ہیں کیونکہ ہم لوگ انہیں جانے ہی نہیں دیتے ہیں اس لیے تم بھی یہیں رکو گی۔“ شامین نے اس کی حواس باختہ سی صورت دیکھی جو سن کے گھبرا سی گئی۔

”نہیں میں اتنے دن تو بالکل نہیں رُک سکتی ہوں، آپ کو پتہ ہے نا گھر میں ماں اور وشہ کی شادی کا بھی سلسلہ چل رہا ہے۔“ اس نے عذر سنا پیش کیا۔

”شادی میں ابھی کچھ ٹائم ہے۔“

”مگر آپ کو پتہ ہے نا امی کا بھی۔“

”سمیرا امی کو میں بھی جانتی ہوں، دیکھو عنانہ! اگر تم اس طرح ڈر ڈر کے زندگی گزارتی رہیں ناں تو ہو گیا تمہارا گزارہ، ارے لڑکی کچھ تو سوچو تم بھی کچھ ہمت کرو۔“

”شامین بھابی! ہم دوسری بات نہیں کر سکتے ہیں۔“

”ہاں کر سکتے ہیں بالکل کیوں نہیں۔“ زوردار آواز احد کی آئی تو دونوں ہی اچھل سی گئیں، عنانہ جھینپ سی گئی جبکہ شامین احد کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

”شامین! اتنی جان تو اب یہیں رکیں گی، تم ایسا کرو کچن سے ذرا جلدی فارغ ہو لو، محریب کو آج میں نے گھیر لیا ہے، ڈنر ہم چاروں باہر کریں گے۔“

”کون چاروں؟“ عنانہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

”مسٹر احد اور مسز احد اینڈ مسٹر محریب اینڈ مستقبل کی مسز محریب۔“ احد خاصا شوخ ہو رہا تھا۔ عنانہ کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی، شرم سے اس کی نگاہ نہیں اٹھی۔

”احد بھائی! مجھے پھر گھر جانا ہوگا۔“

”بالکل نہیں، اتنی مشکل سے تو تم ہاتھ لگی ہو بلکہ تم اور محریب بھائی دونوں کو آج میں نے اتنے عرصے بعد ساتھ دیکھا ہے۔“ شامین بڑی خوش ہو رہی تھی۔ احد اور شامین نے اس کی بالکل نہیں سنی تھی، گھر فون کر دیا گیا تھا کہ دادی جان حسنہ پھپھو کے یہاں ہی کچھ دن رکیں گی، شامین نے جلدی جلدی رات کا کھانا وغیرہ تیار کر لیا، عنانہ کو اس طرح جانا عجیب الجھن میں بھی جلا کر رہا تھا، ایک تو اسے ہر وقت اپنی امی کا ڈر و خوف ایسے دل و دماغ پر بیٹھ گیا تھا، اگر وہ کہیں خوش بھی ہونا چاہتی نہیں ہو سکتی تھی، وہ کب محریب کو یوں اگنور کرنا چاہتی تھی مگر آج کا سین سوچ کے تو اس کے پسینے ابھی تک چھڑا دیتا تھا، کتنا محبت اور اپنائیت بھرا انداز تھا، کتنے قریب وہ اس کے تھا، اگر وہ ذرا بھی جذبول سے مغلوب ہو کے بہک جاتا تو کیا ہوتا۔

☆☆☆

وہ صرف تمہاری مانتے ہیں تم ان کی مانتے ہو۔ وہ بھنا ہی گئیں۔
 ”تم نے میرا! کبھی دماغ سے کچھ نہیں سوچا ہے صرف دل کی کی ہے اور آج دیکھو تم کیا ہو گئی ہو۔“
 ”مجھے زیادہ کچھ کہنے کا تم اتنا حق نہیں رکھتے ہو۔“
 ”شٹ اپ۔“ انہوں نے جھڑک ہی دیا۔

”میں چاہوں نا تو تمہیں ابھی سیدھا کر دوں مگر جوان بچوں کا خیال کرتا ہوں اس عمر میں لوگ تمہیں ہی بُرا کہیں گے جیسے تمہارے انداز ہیں۔“ ان کی نگاہوں میں طنز کاٹ اور شعلے ہی تھے وہ اگر خیال کر رہے تھے تو وجہ بھی ان کے بچے اور وہ اپنے بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔

☆☆☆

وہ لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں ہی آگے پیچھے نکلے تھے عنائہ لب بچنے ہوئے بیٹھی تھی محریب کے لب آج مسکرا رہے تھے جو بھولے سے بھی اس پر نگاہ نہیں ڈال رہی تھی احد کی گاڑی آگے تھی اس نے نگاہ وہاں بھائی ہوئی تھی دونوں میں اب تک بات ہی نہیں ہو رہی تھی ڈیٹش بورڈ پر رکھا محریب کا موبائل ہپ دینے لگا اس نے اسکرین پر دیکھا احد کی کال تھی گاڑی پہلے سائیڈ پر پارک کی۔

”ہوں..... کیا ہوا؟“ وہ کچھ سنجیدہ سا انداز بنا کے گویا ہوا۔
 ”فضول بکواس نہیں کرو۔“

”اچھا..... اچھا۔“ محریب نے اس کی آگے سے کوئی بات ہی نہ سنی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ عنائہ نے نگاہ ترجیح کی اور اسے دیکھا سمجھ گئی تھی احد ہی ہو گا جو شرارتی جملے ادا کر رہا ہو گا۔ محریب نے گاڑی میں لگے ٹیپ ریکارڈر پر FM لگایا کسی چیمبل سے عدنان سمیع کا۔
 ”کبھی تو قریب آؤ
 کبھی تو نظر ملاؤ“

یہ سوگ آ رہا تھا جو کئی بار کا سنا ہوا تھا مگر آج بھی یہ سوگ اچھا لگتا تھا عنائہ کی شرم سے اب تو نگاہ تک نہیں اٹھ رہی تھی دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑے ہوئے بیٹھی تھی محریب تو اس گانے کی شاعری میں لگتا تھا کہ ڈوب سا گیا ہو کچھ ہی دیر میں گاڑی ایک خوبصورت پارک کے آگے رکی تھی اب تو جگہ جگہ اتنے خوبصورت پارک بنا دیئے گئے تھے کہ بچوں کے لیے پلے لینڈ بھی بنایا ہوا تھا بچے اور بڑے ایک ہجوم ہی تھا گاڑی اس نے احد کی گاڑی کے ساتھ پارک کی تھی۔

”اُترؤ۔“ محریب نے ڈرائیونگ ڈور سے نکلتے ہوئے کہا۔ وہ جھجکتی ہوئی اُتر گئی اطراف میں دیکھا احد اور شامین کہیں نظر نہیں آ رہے تھے محریب بھی حیران تھا کہ ابھی تو ساتھ تھے اچانک دونوں گئے کہاں۔
 ”میں احد کے موبائل پر ٹرائی کرتا ہوں۔“ محریب نے موبائل اپنی پاکٹ سے نکالا عنائہ حیران و پریشان سی محریب کے پہلو میں ہی کھڑی تھی۔

”یہ احد بھی عجیب ہے موبائل بھی اس کا بڑی ہے۔“ وہ جھنجھلا ہی گیا۔ محریب عنائہ کا ہاتھ پکڑے واپس پارکنگ کی سائیڈ پر جانے لگا اسی وقت ایک گرے گاڑی دونوں کے آگے رکی دونوں چونک گئے اگر بروقت بریک نہ لگتا تو ضرور دونوں میں سے کسی کے بھی ٹگ سکتی تھی۔ محریب کی غصے میں تھی نگاہ ابھی سامنے گاڑی میں موجود افراد پر ہی پڑی تھی کہ وہ تو گنگ سارہ گیا جبکہ عنائہ کا تو رنگ ہی اُڑ گیا اسی وقت عنائہ محریب کی چوڑی پشت کے پیچھے ہو گئی ایک تو

”اپنی مصروفیت کو کچھ کم کر دو شہ کی شادی کی میں تاریخ رکھ چکا ہوں۔“ جواد احمد نے ان کے میک اپ سے مزین چہرے کو دیکھا جو ناگواری اور نخوت اور غصہ لیے ہوئے بیٹھی تھیں ان کا ایسا انداز اس میک اپ نے تو نہیں چھپایا تھا۔
 ”جب پوچھ کے مجھ سے شادی کی تاریخ طے نہیں کی ہے تو میں مصروفیت کیسے کم کروں؟“ وہ جلی بھنی ہوئی تو پہلے ہی بیٹھی تھیں۔

”فضول! دھڑا دھڑا جانا ترک کر دو تمہیں کچھ خبر ہے کہ بیٹیاں کتنی بڑی ذمہ داری ہوتی ہیں ماں و باپ پر۔“
 ”بس کرو جواد! تمہارا روز کا یہی لیکچر ہوتا ہے۔“ وہ اپنی کسی سیٹیلی سے ملنے جا رہی تھیں جو امریکہ جا رہی تھی۔
 ”میرا لیکچر تم پر اثر کب کرتا ہے تمہارے ابھی تک وہی انداز ہیں۔“ انہوں نے خاصی قہر برسائی لگا ہوں سے انہیں دیکھا تھا جو تیار ہونے کے بعد ریک سے اپنے سینڈل نکال رہی تھیں وہ ہنوز اپنی تیاریوں میں مگن انہیں بھی جل جل کر جواب دے رہی تھیں۔

”تم کیا میرے انداز پر ٹوکتے رہتے ہو میری زندگی ہے جب میں کسی کی زندگی میں دخل نہیں دیتی ہوں نہ روکتی ٹوکتی ہوں تم سب میرے پیچھے پڑے رہتے ہو۔“ وہ چیخنے ہی لگی تھیں۔

”آواز اپنی پیچی رکھو بچے گھر میں ہیں۔“ جواد احمد نے ڈپٹ کے آہستہ لہجے میں کہا۔
 ”جواد احمد! تم نے مجھے لمحہ لمحہ مار چکا ہے اور کر رہے ہو تم نے شروع سے وہی کیا جو تمہاری ماں نے تمہیں کہا۔“
 ”بند کرو بکواس! میری ماں ہمیشہ ٹھیک ہی بولتی تھیں۔“ وہ بولے۔
 ”میں بھی دیکھتی ہوں اس بار تم اپنی کیسے چلاتے ہو میں وشہ کی تو کیا عنائہ کی بھی شادی کبھی نہیں ہونے دوں گی۔“ ان پر ضد ہی سوار تھی۔

”تم اور تمہارے گھر والوں کی چالاکیوں کو میں خوب سمجھ رہی ہوں ایک بیٹی کو پہلے ہی تم نے اس گھر سے جوڑا ہوا تھا اب دوسری کو بھی وہاں دینے کا سوچ رہے ہو دیکھتی ہوں میں کیسے کرتے ہو تم شادی۔“
 ”ہاں دیکھنا تم تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی میری بیٹیاں اس گھر میں رخصت ہوں گی۔“ جواد احمد اس بار ان کی کوئی چال چلنے نہیں دینا چاہ رہے تھے وہ سوچ چکے تھے میرا بیگم کا غرور اور طفلانہ توڑ کے رہیں گے وہ انہیں ان کی غلطیوں کا احساس دلائیں گے۔

”میرا! اتنی خود غرض نہ ہو کہ بعد میں تم سر پکڑ کر روؤ شکر ادا کرو کہ تمہارے بچے تمہارے فرمانبردار ہیں۔“
 ”اونہہ..... فرمانبردار! تینوں تمہاری سائیڈ لیتے ہیں اپنے ددھیال کی سائیڈ لیتے ہیں اگر دشمن ہوں تو میں ہوں۔“ وہ اب غصے سے وارڈروب کھول کے اس میں سے اپنا پرس نکال رہی تھیں اس وقت ان کے دماغ میں آگ بھڑک رہی تھی ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سب جگہ آگ لگا دیں جنہوں نے ان کی اولاد کو ان سے متنفر کیا تھا اسے وہ اتنا سنائے کہ بس اور جواد احمد جو شروع میں ان سے اتنی پیار بھری باتیں کرتے تھے وہ سب ان کی ماں اور گھر والوں کی وجہ سے وہ ان سے کبھی پیار سے بات تو کیا دیکھتے بھی نہ تھے وہ اتنی ہی جڑ جڑی اور ضدی ہو گئی تھیں۔

”یہ سب تمہاری سوچ کا پھیر ہے تم کبھی تو ناگواری اور غصہ کی پٹی اتار کر دیکھو اور سوچو تمہارے بچے تمہاری کتنی پرواہ کرتے ہیں۔“ وہ نرم سے لہجے میں انہیں سمجھانے لگے۔

”تم اگر میری بیٹیوں کا رشتہ وہاں کرنے سے روک دو تو میں بھی اپنے رویہ میں تبدیلی لے آؤں گی۔“
 ”تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ جواد احمد کو وہ یہاں بھی خود غرض ہی نظر آئیں جو صرف اپنی پرواہ کرتی تھیں۔
 ”ہاں میرا دماغ خراب ہے جب کوئی ایسی بات ہو تو مجھے کہتے ہو کہ میرے فرمانبردار ہیں کیسے ہو سکتے ہیں

وہاں کچھ لائیں کم تھیں اسٹریٹ لائٹ بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔
 ”سنیے! ای بی گاڑی میں اپنی فرینڈ کے ساتھ۔“ وہ آہستگی سے اس کی چوڑی پشت پر ہاتھ ٹکائے آہستگی سے بولی تھی۔ سیرا بیگم نے شاید انہیں دیکھا نہیں تھا اسی لیے محریب گاڑی کے ڈرائیور کو سنانے کا ارادہ ترک کر کے آگے بڑھا۔ عنائے کی تو سانس بے ترتیب ہو گئی تھیں پیر کہیں رکھتی اور پڑ کہیں رہا تھا وہ پارک کا گیٹ کر اس کر کے اندر آ گئے محریب نے اسے ایک بیچ پر بٹھایا تا کہ وہ اپنی دل کی گھبراہٹ پر کچھ قابو پاسکے وہ سر جھکائے لب کھل رہی تھی ذرا سی دیر میں اس کی رنگت اڑی گئی۔

”عنائے! تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو سیرا چچی نے ہمیں نہیں دیکھا۔“ وہ اسے ریلیکس کرنے قریب ہی اس کے بیٹھ گیا۔
 ”اگر دیکھ لیتیں تو کتنی شرمندگی ہوتی مجھے اٹھیں مجھے گھر جانا ہے۔“ ایک دم ہی اس پر ضد سوار ہو گئی۔
 ”تم ساری زندگی ایسے ہی ڈرتی رہو گی اور مجھے بھی ڈرانی رہو گی۔“ آواز دھیمی تھی مگر لہجے میں طنز تھا۔
 ”میں چھپ کے ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی کہ بعد میں مجھے نگاہ ملانا مشکل ہو جائے۔“ پارک میں دوڑتے بھاگتے بچوں کا شور تھا۔

”تم نے ایسا کیا کام کیا ہے کہ جو نگاہ ملانا مشکل ہو جائے گا اگر تم میرے ساتھ کچھ دیر کے لیے آؤنگ پر نکل آئی ہو تو یہ تمہارا کام ہو گیا۔“ وہ حلقے سے دیکھنے لگا۔
 ”مجھے کوئی بھی کام چھپ کر کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا ہے۔“ وہ تیز لہجے میں گویا ہوئی۔
 ”عنائے! میں جتنی کوشش کر رہا ہوں کہ مسئلہ سلجھ جائے تم الجھا رہی ہو۔“ غصہ ہی آنے لگا۔
 ”مجھے گھر چھوڑ کے آئیے۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔
 ”بیٹھو کوئی نہیں چھوڑ کے آ رہا ہے تمہیں۔“ ہاتھ تھکیٹ کے واپس بٹھالیا۔
 ”تم اتنی ضدی ہو مجھے نہیں پتہ تھا۔“

”آپ بھی ایسے ہوں گے مجھے نہیں پتہ تھا۔“ ترکی بہ ترکی بولی۔
 ”دل کر رہا ہے کہ تمہیں کچھ دنوں کے لیے ایسی جگہ پر لے جاؤں کہ ساری ضد ختم ہو جائے پھر دیکھتا ہوں کیسے تم اپنی امی کی اتنی پرواہ کرتی ہو۔“ محریب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر مضبوطی سے دبایا وہ اس کی شدت پر سنبھری رہ گئی۔
 ”ابھی تک تم نے میری نرمی دیکھی ہے کسی دن بھی میرا دماغ گھوما تو تمہاری خیر نہیں ہو گی۔“ وہ گویا اسے دھمکی دینے لگا۔

”کیا گفتگو ہو رہی ہے تم دونوں میں؟“ احد کی حسب معمول شوخ سی آواز ابھری محریب نے عنائے کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
 ”شکر ہے کچھ تم میں بھی رومینک روح تھی۔“ معنی خیزی سے وہ بولتا ہوا عنائے کو دیکھنے لگا جو نگاہ جھکا کر رہ گئی۔
 ”عجیب کیسے خبیث آدمی ہوئے تھے کہاں؟“ محریب تو نہ اطراف کا اور نہ شامین اور عنائے کا خیال کر رہا تھا احد پر چڑھ دوڑا۔

”یار! آرام سے اطراف کا خیال کر لو۔“ اس نے گھبرا کے لوگوں کی سمت اشارہ کیا شامین تو مسکرا رہی تھی۔
 ”اسی وقت عنائے نے رونا شروع کر دیا اب تو تینوں ہی گڑبڑا گئے۔“
 ”اسے کیا ہوا ہے؟“ احد کو تشویش ہوئی۔
 ”ہونا کیا ہے سیرا چچی ابھی نظر آ گئی تھیں۔“ محریب نے جواب میں ساری تفصیل سنا دی احد اور شامین بھی

سوچ میں پڑ گئے۔

”انہوں نے دیکھا تو نہیں ہے نا پھر اتنا پریشان ہونے اور رونے کی کیا بات ہے۔“ شامین نے عنائے کو چپ کرانے کی کوشش کی۔
 ”دیکھ بھی سکتی تھیں۔“ روئی روئی آواز میں بولی۔

”یار محریب! اس لڑکی کا کچھ نہیں ہوگا بات کر ماموں جان سے اور مائز کے ساتھ ساتھ تم اپنا بھی نکاح پڑھواؤ تا کہ اس لڑکی کا خوف نکلے۔“ احد نے کچھ بے زاری سے ہی مشورہ دیا۔ عنائے کا دل تو اور ہی دھڑ دھڑ کرنے لگا احد کیا کہہ رہا تھا۔

”میں تو تیار تھا تمہاری کزن کے خیالات کچھ اور ہیں۔“ محریب نے افسردگی سے کہا۔
 ”ان کی ضد کی وجہ سے ہی میرے بھائی کو میری وجہ سے قربانی دینی پڑ رہی ہے کیونکہ عقل مند تو یہ ہیں ہم سب باقی بے وقوف ہیں۔“

”محریب بھائی! آپ تو اُلٹا اسے سنانے ہی لگے وہ بے چاری بھی مجبور ہے۔“ شامین کو محریب کا یہ انداز بہت بُرا لگا تھا۔

”سب کو ان محترمہ کا خیال ہے غلط تو میں ہوں ان کی نظر میں اور میرے گھر والے۔“ وہ بھنا کے کھڑا ہو گیا تھا۔
 ”دیکھا آپ نے شامین بھائی! یہ ہمیشہ مجھے ایسے ہی بولتے ہیں۔“ عنائے نے گویا اس کی شکایت ہی لگائی۔
 ”تم عقلمند بنتی ہو میں کچھ نہ بولوں۔“

”یار! کیا ہو گیا ہے آرام سے تو بات کرو۔“ احد نے اسے سمجھایا۔
 ”میں جتنا کول مائنڈ تھا ان محترمہ نے مجھ میں غصہ بھر دیا ہے۔“
 ”یہی مجھے بھی حیرانگی ہے کہ تم ایسے تو بالکل نہ تھے۔“ احد نے فہمائش لگا ہوں سے اس کا جائزہ لیا جو اتنا سرخ و انکارہ لگ رہا تھا۔

”سارے الزام مجھ پر ڈالے آپ۔“ عنائے سے بھی برداشت نہ ہوا وہ بھی تیز لہجے میں بولی بعض اوقات اسے محریب خود غرض لگتا تھا۔

”ضد تم کرتی ہو میں نہیں کرتا۔“ اس نے دھاڑ کے ہی کہا۔
 ”میرے بھائی پر زبردستی کی جا رہی ہے تمہیں احساس ہے اس کا۔“
 ”میری بہن رنجی تو کی جا رہی ہے زبردستی آپ کیا سمجھ رہے ہیں میں سکون سے ہوں۔“ وہ تو تنگ ہی گئی۔ احد اور شامین دونوں کا جھگڑا دیکھ رہے تھے جو اس وقت دوید رہے تھے۔
 ”نہ تم ایسا کرتیں اور نہ ان دونوں پر زبردستی کی جاتی۔“

”یار محریب! کیا بچوں کی طرح تم لڑنے لگے۔“
 ”یار! تم دیکھ نہیں رہے ہو یہ کر کیا رہی ہے۔“ وہ کھسیا کر روہا نسا ہوا۔
 ”محریب بھائی! آپ کی اور عنائے کی لڑائی سے تو میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ آپ دونوں کی شادی ہو جائے۔“ شامین بولی۔

”میں اپنی امی کی مرضی کے بغیر بالکل نہیں کروں گی۔“ عنائے اکڑ گئی۔
 ”چلیج کر رہی ہوں کہ تم اپنی امی کی مرضی کے بغیر نہیں کرو گی۔“ عنائے نہ ہاں میں کچھ بولی اور ناں نہ میں

محرِب لیے لیے ڈگ بھرتا ہوا پارک سے نکل گیا، عتاب نے رونا شروع کر دیا تھا، شامین اور احسان دونوں کو اکیلے رہنے کا موقع دینا چاہ رہے تھے کہ محریب پیار سے ہی اسے ہینڈل کرے۔

☆☆☆.....

وہ کب سے کھڑی تھی، کوئی بس بھی نہیں آ رہی تھی کہ وہ جلدی گھر پہنچتی، آفس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی پھر آج کل جو کیس چل رہا تھا اس کی بھی اس پر کافی ذمہ داری تھی، مسئلہ ایک کم عمر لڑکی کا تھا جس کی شادی ایک ادھیڑ عمر شخص سے کر دی گئی تھی، وہ اس آدمی سے جان چھڑانے کے لیے فرحت میڈم کے آفس آئی تھی۔ خود کو چادر میں سموئے لائٹ گرین پرنٹڈ جارجٹ کے کپڑوں میں ملبوس اپنے سادہ سے سر آپے کے ساتھ کھڑی تھی، ذہن اس کا ابھی تک اس لڑکی کو ہی سوچ رہا تھا کتنا وہ رو رہی تھی۔ اسی وقت ایک گاڑی اس کے قریب رُکی تو وہ چونک گئی، چتون سیکڑ کے ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کو دیکھ کر نخوت سے منہ پھیر لیا کیونکہ اس دن کی تعحیک کب بھولی تھی۔

”غالبا آپ گھر جا رہی ہیں آئیے میں بھی گھر ہی جا رہا ہوں۔“ فائق، حسہ پھمکی طرف سے ہو کر آ رہا تھا، یعنی اور ندرت باجی کو چھوڑ کے کیونکہ دادی جان اور عتاب ابھی تک وہیں تھیں۔

”سوری میں جاسکتی ہوں۔“ اسے اگور کرتے آگے بڑھی فائق کو اس کے انکار پر کوفت ہی ہوئی، ایک تو وہ لڑکی جیسی شے سے جتنا بچتا تھا وہ اتنا راہ میں حائل تھی اور یہ لڑکی شروع سے اس کے لیے مسئلہ ہی بن رہی تھی۔

”دیکھیے مس! فضول کے نخرے کر رہی ہیں آپ اور جہاں آپ کھڑی ہیں ادھر تو کبھی کوئی بس رُکی ہے اور نہ رُکتی ہے۔“ اس نے بس اسٹاپ سے اسے دور کھڑے دیکھ کر فہمائشی انداز میں طنز ہی کیا۔ تہذیب نے غصے سے دور فاصلے پر اسٹاپ دیکھا جہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ کتنی دور کھڑی تھی وہ آگے چلنے لگی۔ فائق کو جانے اس لمحے یہ اپنی بے عزتی ہی لگی تھی وہ بھناتا ہوا ڈرائیونگ ڈور سے جارحانہ انداز میں نکلا تو تہذیب لرز ہی گئی۔

”اے سن لڑکی! تو نے اگر فاطمہ کا کیس لڑایا ساتھ دیا تو یاد رکھنا اس شہر سے تجھے غائب کروادوں گا۔“ ایک لمبا چوڑا ادھیڑ عمر شخص فائق سے پہلے آگے تھا، تہذیب تو کانپ سی گئی۔

”کون ہو تم؟“ آواز کو کچھ پراعتماد بنایا۔

”میں جو بھی ہوں، تم مجھے بہت اچھی طرح جانتی ہو اور انجان مت بنو۔“ وہ لمبا چوڑا آدمی جس کا انداز بگڑے ہوئے رئیس زادوں کی طرح تھا، تہذیب کے پورے جسم میں سنسنی سی دوڑنے لگی فائق دو قدم پیچھے رُک کر سب دیکھ اور سن رہا تھا۔

”آخری دفعہ کہہ رہا ہوں، اگر فاطمہ کا کیس تم نے لڑا تو میں کیا کر سکتا ہوں یہ بتا دیا ہے۔“ وہ اپنی سرخ سرخ آنکھیں گاڑے ہوئے تھا۔

”اے مسٹر! کیا بد تمیزی ہے آپ کس لہجے میں ان سے بات کر رہے ہیں۔“ فائق کو تہذیب کا ڈر و خوف سے حواس باختہ چہرہ متھکر کر گیا۔

”ابھی میں نے بد تمیزی کی نہیں ہے، سمجھا دینا اسے کہ اگر اپنی عزت چاہتی ہے تو فاطمہ کو چلتا کرے۔“ وہ فائق اور تہذیب پر نگاہ ڈالتا ہوا اپنی پجاروں میں بیٹھ چکا تھا۔

تہذیب کے تو پسینے ہی چھوٹنے لگے تھے لوگ فہمائشی اور استفہامیہ نگاہوں سے سب دیکھ رہے تھے، تہذیب کو لگ رہا تھا کہ قدم ہی نہ اٹھ رہے ہوں، اگر فائق اسے تھام نہ لیتا تو ضرور گر جاتی، وہ اس کے سینے پر ہی جھول گئی، فائق بھی گھبرا سا گیا جو ٹھنڈی ہی پڑ گئی تھی اس کے نرم نرم کوئل سے ہاتھ فائق کے شانوں پر تھے وہ بھی کچھ نرم سا

ہوا اس کے وجود میں ایسا لگا کہ طوفان اُٹا یا ہوا ایسی چوہن اس کے ساتھ پہلی بار ہوئی تھی کہ کوئی لڑکی اتنی قریب وہ بھی اتنی بے باکی سے اس کے بھی پسینے چھوٹنے لگے، مشکل سے اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا، تہذیب کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں، چادر ڈھلک کر اس کے شانوں پر پڑی تھی، دراز چوٹی سے بال نکل کر اس کے چہرے پر بکھر گئے، فائق نے اسی الجھن میں گاڑی اشارت کر دی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کہ وہ مکمل ہوش میں آئے بہت سوچنے کے بعد گاڑی ریستورنٹ کے پاس روکی تاکہ اسے نارمل کر کے ہی گھر لے جاسکے ورنہ سب الناسید حا ہی سوچیں گے اور پھر یہ لڑکی کی عزت کا سوال تھا، فرنٹ سیٹ سے اسے ہاتھ پکڑ کے نکالا، تہذیب کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے، فائز اکثر مائز کے ساتھ اس ہوٹل میں ڈنر وغیرہ کرنے آتا رہتا تھا، وہ ایک کونے کی سیٹ چوز کر کے وہاں بیٹھا تھا، شام کا وقت تھا اس لیے ہوٹل میں لوگ کم تھے، کچھ ہی دیر میں ویٹر سب سے پہلے غنڈے پانی کی بوتل رکھ کے گیا، جو فائق نے نکال کے تہذیب کو پلایا، وہ کچھ حواسوں میں آئی، فائق آج بغور اس کے ایک ایک نقش کو دیکھ رہا تھا۔ سرخ و سپید دودھیارنگت ہرنی جیسی آنکھیں، وہ بلاشبہ کافی حسین تھی، فائق نے نگاہ چرائی۔ پانی پینے کے بعد وہ کچھ بہتر ہوئی تھی، چادر ٹھیک طرح سے اوڑھی بالوں کو دونوں ہاتھوں سے چادر کے اندر کیا، وہ کن آنکھیں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”گھر چلیے۔“ وہ اپنے حواسوں کو بحال کر کے گویا ہوئی۔

”چلتے ہیں بیٹھے آپ۔“ کچھ ہی لمحوں میں ویٹر بک لے کے آ گیا۔

”دیکھیے! مجھے کچھ نہیں کھانا میرا اس وقت دل کر رہا ہے۔“ وہ فوراً پھر کھڑی ہو گئی۔ فائق جیسے اس کی کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا، بک تو اس نے ٹیبل پر رکھی۔

”آپ صرف آکس کریم فالودہ لے آئیے۔“ ویٹر کو آؤ کر چکا تھا اور وہ فوراً اپنا کام سرانجام دینے چلا گیا۔

”بیٹھ جائیے۔“ لہجے میں سختی تھی۔

”مجھے گھر جانا ہے۔“ رو ہانسی ہونے لگی۔

”ایک بار کئی بات میری آپ کے دماغ میں نہیں بیٹھتی کیا، ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے، بیٹھے۔“ وہ غصہ میں ہی آ گیا۔ تہذیب اس کا ایسا درشت انداز دیکھ کر متوحش زدہ سی رہ گئی، دونوں یوں رو برو پہلی بار آئے تھے نہ اتنی بات چیت ہوئی تھی، جب بھی ہوئی بات ناگواری میں مبتلا ہو کر ہوئی۔

”مجھے یہ بتائیے کہ کیا پرابلم چل رہی ہے آپ کے ساتھ آفس میں۔“ بلیک پینٹ اور اس رگرے شرٹ میں اتنا سو براورڈ سینٹ لگ رہا تھا کہ تہذیب اس کی بارعب شخصیت کے آگے ایسا لگتا تھا کہ پکھلنے ہی لگی ہو، لب کھلنے لگی تھی، اتنی بے تکلفی کب تھی جو اس سے اپنے پرابلم شیئر کرے۔

”کچھ نہیں ہے۔“ وہ بتانے سے گریز کرنے لگی۔

”میں نے جو پوچھا ہے وہ بتاؤ، کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ۔“ وہ آپ سے تم پر غصے میں ہی آ گیا۔ تہذیب نے حیرانگی سے اس سحر انگیز شخصیت والے شخص پر نگاہ ڈالی جو مکمل اسی جانب متوجہ تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جیسے سارے پرابلم اس سے شیئر ہی تو کرتی آ رہی ہو، اگر آج بھی نہیں کرے گی تو وہ اسی طرح ناراض ہوتا رہے گا۔

”میں اپنے معاملات کسی سے بھی شیئر نہیں کرتی ہوں۔“ نکاسا ہی جواب دیا، گویا اس دن کا بدلہ لیتا چاہ رہی ہو۔

فائق نے اپنی گہری نگاہ اس کے چہرے پر نکادی، آج وہ جان بوجھ کے یہ حرکت کر رہا تھا، بار بار اسے دیکھ رہا تھا اور ہر بار ہی اس کے چہرے پر انوکھا سی رنگ نظر آ رہا تھا یا پھر اس کے دیکھنے کے سارے انداز بدل گئے تھے۔

”کسی سے بھی شہر نہیں کرتی ہو جنہیں تم اپنا بڑا بھائی کہتی ہو محریب احمد انہیں بھی کسی میں شامل کرو گی۔“ طنز کے ساتھ اس نے گویا جواب ہی گیا وہ گڑبڑ اسی گئی پر اعتماد اور نڈر انداز تو وہ فائق کا پہلے ہی دیکھ چکی تھی کوئی بھی بات کہنے سے ذرا نہیں چوکتا تھا۔

”پلیز آپ محریب بھائی کو کچھ نہیں بتائیے۔“
”کیوں تم ان سے بھی چھپاؤں گی؟“ وہ چیر سے ٹیک لگا کے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کے ٹھوڑی کے نیچے لگا کے گویا ہوا تہذیب نے اثبات میں سر ہلایا۔
”ان سے کیوں چھپاؤں گی؟“

”پلیز! آپ کیا میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟ کیوں آپ مجھ سے سوال جواب کر رہے ہیں۔“ چڑ کر تیز لہجے میں گویا ہوئی۔

”جب تک تم مجھے اپنی پرابلم نہیں بتاؤ گی جو میرے سامنے تھی میں پوچھتا رہوں گا۔“
”آپ پوچھتے رہیں میں جارہی ہوں۔“ وہ اپنا پرس اٹھا کر جھٹکے سے ہی اٹھی ہوئی کا خاموش ساما حول اس کی تیز آواز میں کچھ ارتعاش پیدا کر گیا۔

”بیٹھ جاؤ اگر ایک قدم بھی باہر نکلا تو سوچ لو تمہارے لیے بہت بُرا ہوگا۔“ فائق کی تیوری پر ٹپل پڑ گئے۔
”کیا کر لیں گے آپ؟“

”کروں گا تو کچھ نہیں بس سیدھا محریب بھائی کے پاس جا کے انہیں کی ساری پکڑیں بتا دوں گا۔“
”اگر آپ نے ایسا کیا ناں اچھا نہیں ہوگا۔“ وہ بالکل ہی بے بس سی ہو گئی۔

”یہی تو میں سمجھا رہا ہوں بالکل اچھا نہیں ہوگا جلدی سے مجھے بتاؤ۔“ وہ جیسے غصہ پر سی اڑ گیا تھا۔
”کچھ بھی ہو جائے میں آپ کو نہیں بتاؤں گی چاہے آپ محریب بھائی کو کیوں نہ بتا دیں اب آپ جیسے لوگ

ہوتے ہیں جہاں مجبور ہوئے بس کسی کو دیکھا بلیک میل کرنے پہنچ جاتے ہیں۔“
”شٹ اپ۔“ اس کے توپٹکے لگ گئے۔

”انتہا سے زیادہ بدگمان اور غلط سوچ رکھنے والی لڑکی ہوتی۔“ دیر فالودہ آکس کریم لے کر آچکا تھا ٹیبل پر وہ رکھ کر چلا گیا۔

”بیٹھ جاؤ اور اسے ختم کرو میرے پیسے فالو نہیں ہیں کہ ضائع کروں میں ایسے۔“ ایک اور تحکم درشتی سے ہی دیا وہ مرقی کیا نہ کرتی کے مصداق بیٹھ گئی فالودہ زہر مار کیا وہ بھی آدھا۔

”پورا ختم کرو۔“ پھر بولا۔
”میرا دل نہیں کر رہا تو کیوں ختم کروں؟“ چچ کپ میں شیخ کر بولی۔

”میں تمہیں سمجھی ہوئی ٹھنڈے دماغ کی لڑکی سمجھتا تھا مگر تم تو پوری آگ کا شعلہ ہو۔“ وہ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ تسخرانہ انداز میں بولا۔

”آپ بھی انتہا سے زیادہ بد دماغ اور مغرور قسم کے ہیں اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں؟“ اسے تو پہلے کی بے عزتی بھولی ہی نہیں تھی۔

”بہت کچھ اکثر متاثر ہوتا ہوں لوگوں کے منہ سے تمہیں کیا بتاؤں۔“ اب وہ اسے چڑانے ہی لگا۔
”آپ مردوں کا پتہ ہے مسئلہ کیا ہے جہاں ایک لڑکی دیکھی اپنی شخصیت کا رعب ان پر جھاڑنے پہنچ جاتے ہیں۔“

”بڑا تجربہ ہے تمہیں مردوں کے متعلق۔“ طنز میں ڈوبا تیر پھینکا۔

”شٹ اپ میں مردوں کی صنف سے پہلے ہی دور بھاگتی ہوں اور نہ ان لڑکیوں کی طرح ہوں جو اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتی ہیں۔“ اس کے تو دماغ پر ہی جا لگی۔

”اس کا مطلب ہے کہ تم نے طے کر لیا ہے کہ اپنی بے سرو پا گفتگو میں الجھا کے وہ بات نہیں بتاؤ گی۔“ فالودہ وہ ختم کر چکا تھا مگر نکال کے پلیٹ میں رکھے۔

”آپ کو تو کبھی نہیں بتاؤں گی جو خود کو جانے کیا سمجھتا ہو۔“ نخوت و ناگواری سے منہ ہی گھمالیا۔
فائق نے مسکراہٹ روک کے اس کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھا مشرقی حسن اور اداؤں سے مزین تھی جو پری پیکر کا وہ سوچتا تھا بالکل اس کے قریب ترین ہی تھی مگر اپنی یہ سوچیں مائز سے کبھی شہر نہیں کی تھیں کیونکہ وہ پھر اسے اتنا

تھک کرتا اسے بے باک اور الزام ڈرن لڑکیاں بُری لگتی تھیں جب ہی تو وہ محبت جیسے جذبے کو ان پر نچاؤ کرنا نہیں چاہتا تھا محبت کی ہمیشہ سے وہ نفی کرتا تھا مگر آج اس مشرقی اور غصے سے بھرپور حسن کے آگے محبت مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

کل سے اسے عجیب سی فیلنگ ہو رہی تھی پورا دن اس نے سو کر ہی گزارا تھا دادی جان اسے جانے ہی نہیں دے رہی تھیں محریب بھی کل سے نہیں آیا تھا اسے رہ رہ کے اپنی کم مائیگی پر رونا آ رہا تھا ہر چیز کا مورد الزام وہ اسے ہی ٹھہرا رہا تھا۔

”عنا تبہ! چائے لے آؤں تم نے دوپہر بھی کچھ نہیں کھایا تھا دیکھو اب شام کے سات بج رہے ہیں۔“ شامین کمرے میں چلی آئی تھی وہ علینہ کے ساتھ ہی اس کے کمرے میں رہی تھی سلکی دراز بال پشت پر بکھرے تھے عجیب

اُجڑی حالت ہو گئی تھی۔
”بھابی! میرا موڈ نہیں ہو رہا ہے۔“

”یہ کھانا پینا چھوڑ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے۔“ اس نے ڈپٹ کے کہا۔
”کوئی فائدہ نہیں سنانے کا انہیں میں اب بُری لگنے لگی ہوں۔“ کل سے اتنی رنجور مغموم اور افسردہ ہو رہی تھی۔

”یہ اُلٹی سیدھی سوچیں دماغ سے نکالو تم ایسا کرو نہ کر فریش ہو جاؤ پھر ہم باتیں کرتے ہیں کیونکہ ندرت باجی تمہیں بار بار پوچھ رہی ہیں آ جاؤ جلدی۔“ وہ اس کے شانے پر ٹپکی دے کر جانے لگی تھی عنا تبہ نے زبردستی خود کو

فریش کیا کیونکہ اس بات کا اعداد و شمار شامین کے علاوہ کسی کو نہیں پتہ تھا کہ محریب اور اس میں کوئی جھڑپ ہوئی ہے۔
نہا کر اس نے لائٹ اور بج کلر کا بریڈ لائن کا سوٹ پہنا بالوں کو کچر لگا کر کھلا چھوڑ دیا تھا آنکھیں اس کی کچھ

بھاری ہو رہی تھیں دوپہر شانوں پر برابر کرتی باہر آئی تو دیکھا ہال کمرے میں تمام نوجوان پارٹی موجود تھی محریب کو دیکھ کر اس نے خفگی سے منہ ہی گھمالیا وہ دادی جانے کے پاس بڑے صوفے پر بیٹھا تھا باقی کے لوگ کارپٹ اور

صوفوں پر تھے۔
”ارے آمیری بچی! کیسی طبیعت ہے؟“ دادی جان نے اسے اپنے پاس بلایا مائز نے زور سے کھانسا شروع کیا محریب نے گھورا مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

”سر کا درد کچھ کم ہوا۔“ انہوں نے اپنے پاس بٹھا کے اس کا سنا ہوا چہرہ دیکھا محریب نے بھی اچھتی نگاہ ڈالی ضرور کل سے وہ خود کتنا پریشان ہو گیا تھا پھر احد نے جو اسے سنایا اس کے بعد ہی وہ یہاں آیا تھا۔

”اب تو ٹھیک ہے۔“ آہستہ سے بولی۔

”بھابھو! آپ کی والدہ محترمہ کو فکر ہو رہی ہے کہ ان کی بیٹی ہے کہاں؟“
 ”فون آیا تھا گھر سے؟“ وہ کچھ فکر مند سی ہو گئی۔
 ”کیوں آپ نے نہیں کیا گھر فون؟“ اُلٹا اس نے سوال کر ڈالا۔
 ”نہیں! میں نے نہیں کیا۔“ نگاہ جھکا کے کہا۔

”شامین! یہ احد کہاں ہے؟“ حسہ نے پوچھا، شامین اور علیہ سینٹرل ٹیبل پر اوزامات وغیرہ رکھ رہی تھیں۔
 ”ریان کے رونے کی آواز آئی تھی! میں بچن میں تھی اسے ہی لینے روم میں گئے ہیں۔“ احد نے ریان کو گود میں اٹھایا، پھر سنگل صوفے پر بیٹھا جو محریب کے قریب ہی تھا۔
 ”آ گیا میرا بیٹا!۔“ شامین نے ریان کو گود میں اٹھالیا۔

”عنایبہ پلیز! تم ذرا سب کو سر و کرؤ میں ذرا صابن دے کو چیک کر لوں کہ کوئی گڑبڑ تو نہیں چائی ہوئی۔“ عنایبہ کو اس لمحے محریب کا سامنا انتہائی کوفت اور بے زاری میں مبتلا کر رہا تھا جو خود بھی سرد مہر اور بے نیاز سا لگ رہا تھا۔ علیہ نے اور اس نے مل کر سب کو لوازمات پلیٹ میں نکال دیئے تھے، محریب کو دیتے ہوئے وہ جھجک سی رہی تھی۔
 ”بھابھو! میرے بھائی کو آپ کیا بھول گئی ہیں۔“ مائز نے تو اس دوران اپنی نگاہوں کا فوکس عنایبہ پر ہی کیا ہوا تھا۔
 ”نہیں یار! میں آفس سے آیا تھا تو امی نے چائے کے ساتھ کافی کچھ دیا تھا، کھانے کی خواہش نہیں ہے۔“
 رکھائی زدہ لہجے میں ایک طنز تھا جو صرف عنایبہ ہی سمجھ پائی جبکہ احد نے پہلو بدل کر محریب کو دیکھا جو صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

”مجھے پتہ ہے تو کتنا کھانا ہے، چل خود اٹھ کر لے کیا کھانا ہے۔“ دادی اپنے پوتے کی ریزرو طبیعت کو جانتی تھیں۔
 ”محریب بھائی! کھا کر دیکھیے تو کباب مزے دار ہیں، ہے نا آپ!۔“ رافع نے ندرت سے بھی تائیدی پوچھا جو عروہ کو تیار کر کے لائی تھی۔

”ابھی میں نے چکھے کب ہیں؟“ وہ فلو رکشن پر مائز کے برابر بیٹھی تھی۔
 ”آپ! کھا کر دیکھیے اتنے لذیذ میں نے تو آج تک نہیں کھائے۔“
 ”او جھوٹے کچھ دنوں پہلے کیسے بیٹھا چچی جان سے کہہ رہا تھا کہ امی اتنے مزے دار کباب آج سے پہلے کبھی نہیں کھائے۔“ مائز نے برجستہ ہی اس کی مبالغہ آرائی پر ٹوکا۔

”وہ تو امی نے بنائے تھے اور یہ میرے خیال میں.....“ اس نے نگاہ اٹھائی۔
 ”یہ میں نے بنائے ہیں۔“ حسہ مسکرا کے بولیں۔
 ”پھپھو! واقعی آپ تو کافی سکھڑ ہیں۔“ وہ پھر کباب کو کچپ میں لگا کر منہ میں رکھ چکا تھا۔
 ”او..... یہ تو نے تیسرا کباب کھایا ہے۔“ مائز نے اب پلیٹ ہی اٹھالی۔
 ”ارے مائز! میں اور تل کے لاتی ہوں۔“

”پھپھو! آپ رہنے دیں یہ رافع کا بچہ سارے ہڑپ کر جاتا ہے۔“ مائز نے پلیٹ اب اپنے آگے رکھ لی تھی۔
 ”تو بہ مائز! تم تو بالکل بچوں کی طرح لڑتے ہو۔“ ندرت نے اس کے سر پر چپٹ لگائی۔ سب ہی مسکرا رہے تھے۔
 محریب کی پرسوج اور ٹھنڈی مائز کے گرد گھومنے لگیں جو خود ابھی بچہ لگ رہا تھا اور شادی اس کی ہونے والی تھی۔
 (جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 7 -

سلسلے وار ناول

جہالت و دل کی جہالت



”آبی! کوئی فاطمہ آئی ہے۔“ حکمت نے اسے بتایا جو مغرب کی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تھی۔
”فاطمہ.....“ وہ چونک گئی بلکہ گھبرا بھی گئی۔

”ہاں آبی! میں نے اسے لاؤنچ میں بٹھا دیا ہے بڑی ڈری سہی ہوئی لگ رہی ہیں۔“ وہ اسے تفصیل بتانے لگی۔ تہذیب نے ہر سوچ انداز میں کمرے سے قدم باہر نکالے دیکھا تو فاطمہ بڑی کالی سی چادر میں خود کو لپیٹے ہوئے بیٹھی تھی۔
”فاطمہ تم.....؟“

”تہذیب باجی! مجھے بچالیں۔“ وہ اس سے لپٹ ہی گئی۔

”ارے میں نے تمہیں باہر نکلنے کو منع کیا تھا ناں! کیوں نکلیں تم اور یہاں کیسے آ گئیں؟“ وہ حیران بھی تھی کہ تہذیب کو یہاں کا ایڈریس کیسے پتہ چلا۔

”وہ باجی! مجھے اماں لے کر آئی ہیں آپ کے آفس سے اماں نے ایڈریس لیا تھا۔“ وہ بتانے لگی۔ تہذیب تو یہ حیران تھی کہ اس نے تو خود یہاں کا کسی کو ایڈریس نہیں دیا تھا، ہو سکتا ہے فرحت میڈم نے دیا ہو کیونکہ وہ محریب کی ٹیچر بھی تھیں۔

”اچھا تم آرام سے بیٹھو مجھے بتاؤ اب کیا مسئلہ ہے؟“ اس نے فاطمہ کو شانوں سے تھام کے صوفے پر بٹھایا، اتنے میں حکمت اس کے لیے کولڈ ڈرنک لے آئی تھی کیونکہ وہ حواس باختہ سی بھی بہت لگ رہی تھی۔ تہذیب نے پہلے اسے کولڈ ڈرنک پلوائی تاکہ وہ اپنے حواس میں آئے جب وہ نارمل ہوئی تو پوچھا۔
”ہاں اب بتاؤ تمہیں ایسا کیا مسئلہ ہوا کہ یہاں آنا پڑا مجھے موبائل پر کال کر سکتی تھیں۔“ گلاس اس نے فاطمہ کے ہاتھ سے لے کر ٹیبل پر رکھا۔

”باجی! میرے پاس تو موبائل بھی نہیں ہے کسے کال کرتی میں وہ جاوید اپنے آدمیوں کے ساتھ کل رات کو گھر آیا تھا! اب کو بھی بہت مارا ہے کہہ رہا ہے کہ میں اپنا کیس واپس لوں وہ مجھے طلاق نہیں دے گا۔“ وہ ڈر ڈر کے اور روتے ہوئے بتانے لگی۔

”تم سے میں نے کہا ہے ناں کہ تم دارالامان چلی جاؤ۔“

”باجی! آپ کو نہیں پتہ وہ وہاں سے بھی مجھے نکال لے گا“ کہتا ہے کہ کل میں نے تیری اس میڈم کو بھی دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے تیرا کیس لڑا تو اس کا انجام بھی بُرا ہوگا“ باجی وہ کیا کل ملا تھا آپ کو؟“ فاطمہ کو اس کی بھی تو فکر ہو رہی تھی۔

”ہاں! ہاں ملا تھا۔“ تہذیب کو یکدم فائق بھی یاد آ گیا اس نے ہی تو بروقت اسے بچایا تھا ورنہ وہ خود بے ہوش ہو سکتی تھی۔

”تم ڈرو نہیں، تمہیں ہم طلاق دلوا کر ہی رہیں گے تم مزید ظلم برداشت نہیں کرو گی۔“ اس نے فاطمہ کو تسلی دی۔
”اچھا باجی! میں چلتی ہوں! اماں باہر کھڑی ہے میں نے اندر اس لیے نہیں بلایا کہ کہیں جاوید یہاں بھی نہ آ جائے۔“ وہ چادر اچھی طرح لپیٹ کے نکلنے لگی تہذیب بھی کاسنی دوپٹہ سر پر رکھ کر اس کے ساتھ ساتھ باہر ہی آئی مگر قسمت خراب فائق راہداری میں بی مل گیا، کل سے تو وہ اور ہی اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔
”کو ایک منٹ۔“ فائق کی حکم زدہ آواز پر دونوں ہی گڑبڑا سی گئیں تہذیب کے ماتھے پر بل پڑ گئے اسے کل سے فائق پر غصہ ہی آ رہا تھا۔

رداؤ انجسٹ 132 دسمبر 2009ء

”باہر ایک وائٹ بکھر دکھڑی ہے، غالباً اس میں وہی موصوف بیٹھے ہیں جو کل ملے تھے۔“ فائق کا انداز فہمائشی اور طنزیہ تھا۔

”ہائے باجی! وہ یہاں بھی آ گیا، اب کیا ہوگا؟“ فاطمہ تو ڈر رہی گئی۔

”کچھ نہیں ہوگا، یہ آپ کی لیڈر بہادری ہیں تو مقابلہ کر لیں گی گھبرا کیوں رہی ہیں۔“ فائق نے تہذیب کا چہرہ دیکھا جو کچھ گھبرایا ہوا سا لگا مگر وہ اسے دیکھنے سے اجتناب برتنے لگی تھی۔
”پلیز یہ کوئی طنز کرنے کا موقع نہیں ہے۔“ اس کے تو پتے لگ گئے۔

”تم مجھے نہ بھی بتاؤ لڑکی لیکن میں چوٹیشن سمجھ گیا ہوں، چلو بیٹھو گاڑی میں، میں چھوڑ کے آؤں گا ان محترمہ کو۔“ فائق گاڑی کی جانب بڑھا۔

”نہیں، نہیں بھائی! میں چلی جاؤں گی، میری اماں باہر کھڑی ہیں۔“ فاطمہ کو الگ شرمندگی ہوئی۔

”دیکھیے! آپ ہمارے گھر میں ہیں اس وقت اور ذمہ داری بھی ہیں، یہ مجھ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ میں آپ کو محفوظ مقام پر چھوڑ آؤں۔“ وہ فرنٹ ڈور کھولنے لگا۔

”آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟“ تہذیب کو جانے کیوں احسان ہی لگ رہا تھا، وہ تیز لہجے میں بولی۔

”چپ کر کے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جاؤ اور اپنی کلائنٹ کو پیچھے بیٹھنے کو کہو۔“ وہ بے دے لہجے میں ذرا ڈپٹ کے ہی کہا اور تہذیب پھر امی کو بتا کے چلی آئی کہ وہ فاطمہ کو چھوڑنے جا رہی ہے، وہ مشکوک گاڑی لگتا تھا چلی گئی تھی، فاطمہ کی ماں کو بھی پیچھے ہی بٹھایا اور پھر فاطمہ کے رہائشی علاقے میں وہ آ گیا تھا، نئی آبادی تھی چھوٹے چھوٹے مکانات اور تنگ سی گلیاں تھیں، شہر سے کافی دور ہی تھا۔ انہیں دس بج گئے تھے فائق نے گاڑی اپنے روڈ پر موڑ لی تھی، تہذیب تو دم سادھے بیٹھی تھی، بلیک پینٹ اور اس پر اسکاٹی بلیو شرٹ میں ڈینٹ اور سر پر گلاسز لگائے فائق اتنا دھیہ لگ رہا تھا کہ تہذیب نے چوری نگاہ ڈالی۔

”کاش..... یہ شخص اس کی قسمت میں ہو، کتنا اس کا خیال کر رہا ہے اس کے انداز میں جو رعب ہے وہ اپنائیت زدہ ہے۔“

”آپ یہ جاب چھوڑ کے کسی اسکول میں کیوں نہیں پڑھالیتی ہیں۔“ فائق نے اس کی سوچوں میں اپنی گھمبیر آواز سے ارتعاش پیدا کیا، وہ چونک کر خالی خالی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”میری مرضی میں نہیں پڑھاتی اسکول میں۔“ ٹکا سا جواب دیا۔ اس کے جواب دینے پر فائق نے لب بھینچ لیے۔

”آپ کی عقل کا خانہ تو میں نے دیکھ ہی لیا ہے خالی ہے اس لیے کوئی بھی بات آپ کے اس چھوٹے سے دماغ میں تھوڑی آئے گی۔“

”آخر آپ کو میری ذات سے اتنی دلچسپی کیوں ہو رہی ہے اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ آج آپ نے جو فاطمہ کو اس کے گھر ڈراپ کیا ہے یہ آپ کو ناگوار گزارا ہے تو سن لیں کہ آپ خودز بردستی کر کے لائے تھے۔“ تہذیب اس لمحے سے اس کی کوئی بات نہ سننا چاہ رہی تھی اور نہ ہی سمجھنا چاہ رہی تھی، کیونکہ اسے فائق کچھ اکھڑ مزاج جو لگ رہا تھا۔

”انتہا اتم ہی سوچ سکتی ہوئیں نے کوئی اس بجہ سے نہیں کہا ہے میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ فاطمہ کے کیس سے میں بھی واقف ہو گیا ہوں آپ مقابلہ کر لیں گی اس کے تو انا شوہر کا۔“ فائق کو بھی غصہ آ گیا، وہ تیز لہجے میں گویا ہوا۔
”اس طرح کی دھمکیاں ہمارے آفس میں روز دینے آتے رہتے ہیں یہ کوئی نیا کیس نہیں ہے وہ ڈرا رہا ہے کچھ

رداؤ انجسٹ 133 دسمبر 2009ء

نہیں کر سکتا۔ فوراً خود کو نڈر اور پراعتاد ظاہر کیا۔ فائق گاڑی بڑی مستعدی سے چلا رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی خود کو کوفت میں مبتلا محسوس کر رہی تھی۔

”کچھ لوگوں کی دھمکیاں دھمکیاں ہی نہیں ہوتی ہیں آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں بات کو۔“ فائق کو اس چھوٹی سی کامنی سی لڑکی سے دن بدن کچھ انسیت سی ہوتی جا رہی تھی اور وہ خود حیران تھا کہ وہ کیسے کسی لڑکی میں اتنا انوالو ہو سکتا ہے جبکہ وہ تو ہمیشہ آنکھ چراتا ہی آیا تھا۔ تہذیب کا ایک ایک نقش اتنا سادہ آنکھوں میں شرم دجیا اپنے جسم کو اس طرح چھپا کے رکھتی تھی کہ کسی کی بھی بھولے سے بھی نگاہ نہ پڑے نرم نرم سے نازک سے ہاتھ جو فائق نے صرف ایک بار چھوئے تھے کل ہی کی تو بات تھی جب سے ہی اس کے اندر ایک طغیانی سی آگئی تھی۔

”میں یہ نوکری ضرورت کے تحت کر رہی ہوں اور محریب بھائی نے سوچ سمجھ کے ہی مجھے یہاں بھیجا ہے۔“

”محریب بھائی سے کہہ کر ہی آپ کو کہیں اور جاب پر بھی سیٹ کیا جاسکتا ہے میں بات کروں گا۔“ فائق کو بھی جیسے ضد ہی ہو گئی۔

”خبردار! آپ نے کوئی بھی بات کی ان سے سب کے سامنے میرا کردار مشکوک کرنا چاہتے ہیں۔“

”کردار مشکوک..... لڑکی تم ہوش میں تو ہو۔“ فائق کے خاک بھی پلے نہ پڑا کہ وہ کیوں ایسا بول رہی ہے۔

”تاکہ وہ سمجھیں کہ میں اور آپ.....“ آگے بولتے بولتے وہ رُک گئی۔

”میں اور آپ کیا..... وہ میں سمجھ گیا۔“ وہ مبہم سا مسکرایا۔

”ویسے کوئی حرج بھی نہیں ہے۔“ اس نے چڑانے کو ہی کہا۔

”شٹ اپ مجھے کوئی شوق نہیں ہے ایسی فضول خرافات میں بڑنے کا اور نہ میں اس قسم کی لڑکی ہوں۔“ گاڑی گھر کے احاطے میں آچکی تھی اور وہ ڈور کھول کے تیزی سے نکلتی چلی گئی تھی۔ فائق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی اس نے تو تہذیب کو چپک کرنے کے لیے ایسی معنی خیز بات کی تھی شاید وہ سن کے خوش فہمی کا ہی شکار ہو جائے مگر وہ تو اُلٹا اسے سنا کے ہی چلی گئی تھی۔ کتنی مختلف لڑکی تھی ڈری سہی بھی تھی اور پراعتاد بھی بنتی تھی وہ اسے ایسے تو نہیں ضائع ہونے دے گا دل تو ابھی یقین نہیں کر پار ہاتھ کہ فائق احمد بھی کسی کو سوچ سکتا ہے متاثر ہو سکتا ہے نام بھی کسی نے اس لڑکی کا جن کے رکھا تھا تہذیب کیونکہ ہر بات وہ تہذیب کے دائرے میں رہ کر ہی کرتی تھی اتنی معصوم اور سادہ لوح لگی تھی وہ آنکھیں بند کر کے سوچے گیا۔

☆☆☆.....

وہی ہوا سمیرا بیگم نے ایک طوفان ہی مچا دیا کیونکہ انہوں نے عنائے محریب کے ساتھ جو دیکھ لیا تھا جواد احمد سے تو وہ لڑی پڑی تھیں۔

”تمہیں اعتراضات کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ کسی غیر کے ساتھ نہیں تھی محریب اس کا کزن اور منگیتر دونوں ہے۔“ انہوں نے گویا جتایا۔

”میری بیٹی کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو میں کیا کروں گی۔“

”سمیرا! بھی تو اچھا سوچ لیا کرو نہ میری بیٹی ایسی ہے اور نہ ہی میرا بھتیجا ایسا ہے دماغ تمہارا جانے کیا کیا سوچتا رہتا ہے۔“ جواد احمد نے ٹی وی آف کر کے ریموٹ کاؤچ پر پھینکا۔

”کچھ بھی ہو آپ عنائے کو بلائیے۔“ وہ ضدی بن گئی تھیں۔

”اماں جی حسنہ کی طرف ہیں انہیں عنائے کو جب بھیجنا ہوگا آجائے گی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

وہ بھی ایک ضدی تھی کیسے سمیرا سے ہار مان لیتے۔

”اور ہاں سنو! جلدی جلدی وشہ کی شادی کی تیاری شروع کرو کیونکہ ماٹز کے ایگزام سے پہلے پہلے کرنی ہے بھائی صاحب کے پاس میں آج جا کر دن مقرر کر کے آ رہا ہوں۔“ انہوں نے گویا نیا دھماکہ ہی کیا۔

وشہ اپنے کمرے سے سب سن رہی تھی اس کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو گیا تھا ہاتھ پیروں سے پسینہ پھوٹنے لگا کتنی جلدی وہ برائی کی جا رہی تھی اور تو اور عنائے بھی یہاں نہ تھی۔

”میں اس شادی میں نہیں بیٹھوں گی۔“

”نہ بیٹھو تم لیکن شادی ہو کر رہے گی۔“ آنکھیں نکال کر گویا انہیں جتایا۔

”تم کرو شادی لیکن میں اسے نہیں مانوں گی۔“

”تم اپنے سوا کسی کو مانتی ہی کب ہو سوائے تمہیں بننے سنور نے اور فضول کی خوشامدوں کے آتا ہی کیا ہے باہر کے لوگوں سے کتنے اخلاق دکھائی ہو اور گھر کے افراد سے تو تمہیں ایسا پیر ہے کہ ان پر نگاہ تک ڈالنا عبث سمجھتی ہو۔“

جواد احمد کو ان کا بھی دوغلا انداز تو اور ہی آگ لگا تا تھا جو اپنے کلائنٹ اور باہر کے لوگوں سے اتنے اخلاق نبھاتی تھیں کہ سب ہی ان کے گرد ویدہ ہو جاتے تھے اور یہ تو کوئی ان سے پوچھے۔

”میرا جس سے دل کرتا ہے میں بات کرتی ہوں باہر والے مجھ سے جلتے نہیں ہیں۔“

”میرے گھر والے بتانا تم کب جلتے ہیں ارے شکر کرو تمہیں تو میری بھابیوں تک نے سر آنکھوں پر رکھ کر بٹھا کر کھلایا ہے لیکن تم ان سے بھی کب خوش رہی ہو۔“

”میں خوش نہیں رہی ہوں یا وہ دونوں اوپر سے تمہاری ماں جسے روکنے ٹوکنے کی بلا وجہ کی عادت ہے۔“ سمیرا کا لہجہ اتنا بد صورت ہو جاتا تھا کہ جواد احمد تو کیا ان کی تینوں اولادیں حیرانگی سے انہیں دیکھتی رہ جاتی تھیں۔

”تم نے بھی اپنے اوپر بغور نگاہ ڈالی ہو تو پتہ چلے کہ تم ہو کیا۔“ ان کا لہجہ فہمائشی اور نخوت زدہ سا تھا۔

”میں ہمیشہ سے ٹھیک ہوں اور رہتی ہوں تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو شروع سے ہی تکلیف رہی ہے میں نے خود زبردستی تم سے شادی نہیں کی تھی تمہاری بھابھیاں اور تمہاری ماں پیچھے پڑی تھیں میرے ابا تو کرنا بھی نہیں چاہ رہے تھے کہ بڑی بہن سے پہلے کیسے کر دیں۔“

”تم سمیرا ناشکری ہو نہ تمہیں شکر ادا کرنا آیا ہے اور نہ ہی کرتی ہو ارے تم سے اچھی تو تمہاری بہن ہے کتنی صابر و شاکر ہے اس نے اپنے بچوں تک کی اتنی اچھی تربیت کی ہے کہ تم تو ذرا بھی اپنی بہن کی پاسنگ نہیں ہو جانے لوگوں کو آج کل کیا ہو گیا ہے کہ نمود و نمائش کو ہی اچھا جانتے ہیں۔“

”اونہہ..... احساس محرومی بول رہا ہے پھر کر لی ہو لی ناں اس سے۔“

”سمیرا! غلط بات منہ سے مت نکالنا ارے اپنی حوروں جیسی پاکیزہ بہن کو غلط سوچ میں بھی لیا ناں اچھا نہیں۔“

گا۔ جواد احمد تو ایک دم چراغ پا ہی ہو گئے۔

”اگر میں نے تمہیں کی تعریف کی ہے تو تم اسے غلط سوچ سے منسوب کرو گی ارے میں تمہیں یہ احساس دلا رہا ہوں کہ تم اپنی بہن سے کتنی الگ ہوؤ کیسی ہے اور تم کیسی ہو؟“ انہوں نے دانت پیس کے طنز ہی کیا۔

”تم سے تو وہ اتنی اچھی ہے کہ من چاہی بہو ہے وہ اپنے بچوں کا شوہر کا کتنا خیال رکھتی ہے اور تو اور ہمارے بچوں میں بھی اس نے کبھی فرق محسوس نہیں کیا ہے تم حالانکہ اسے کتنا کتنا سنا تی ہو وہ بے چاری پھر بھی کچھ نہیں بولتی ہے۔“

”اونہہ..... بس کرو جواد احمد میرا دماغ پھٹ جائے گا تم جب لیکچر دینے پر آتے ہو تو دیکھتے ہی نہیں ہو کہ بچے ہمارے کیا سوچ رہے ہوں گے؟“ ان کی نگاہ دشت پر پڑی جو ڈانٹنگ ہال سے گزر کر کچن کی طرف ہی جا رہی تھی۔
”لف لگ رہا تھا وہ روئی بھی ہے اور غصہ بھی آ رہا ہے۔“

”بچوں کا تو میں ہمیشہ ہی خیال رکھتا ہوں تم نے کب کیا ہے؟“ انہوں نے طنز میں کہہ کر بات ہی ختم کر دی کیونکہ میرا بیگم بھی جلتی کھلتی ہوئی اپنے روم کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

دشت تو ڈرائنگ روم میں آ کے اتار روئی کہ اپنی آنکھیں تک سوجالی تھیں، عنائیہ بھی یہاں نہیں تھی ایک تو وہ اتنی بڑی بھی تھی کہ سب کچھ برداشت کر سکتی، جانے کتنی دیر تک وہ بیٹھی روتی رہی تھی کہ جواد احمد اسے ڈھونڈتے ہوئے چلے آئے۔

”مجھے پتہ تھا میرا بیٹا یہاں بیٹھا ہو اور رہا ہوگا۔“ انہوں نے دشت کو ساتھ لگا لیا۔

”ابو! مجھے نہیں کرنی شادی پلیز آپ منع کر دیں امی کو دیکھیں کتنے غصے میں ہیں۔“

”تم بھی ذرے لگیں اپنی ماں سے ارے اب تو ہمیں موقع ملا ہے اسے اس کی غلطیوں کا احساس دلانے کا۔“ انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے۔

”ابو! امی بعد میں تو مجھ سے بات تک نہیں کریں گی۔“

”ارے میرے بیٹے نے بھلا پردہ کی اس بات کی نہ کرے میں تو کروں گا ناں میری بیٹیاں میرے لیے قیمتی دواہرات سے کم نہیں ہیں۔“ انہوں نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

”پھر بھی ابو! امی آپ کے ساتھ کتنے بڑے انداز میں بات کرتی ہیں۔“

”کم آن بیٹا! عادی ہو گئے ہیں ہم اور تمہاری ماں جب تک ہم سے لڑ نہ لیں ہمارا دن ہی اچھا نہیں گزرتا۔“ وہ بات کو مذاق میں ہی اڑانے لگے پھر وہ اپنے بچوں سے محبت بھی بہت کرتے تھے۔

”سنو! آج کے بعد سارا فضول سوچنا بند کر دو اپنے ایگزٹ کی تیاری کرو کیونکہ میں نے سوچا ہے کہ تمہارے ایگزٹ کے بعد کی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں میں آج جا کر بات بھی کر آتا ہوں۔“ وہ اسے سمجھانے کے ساتھ تسلی بھی دینے لگے وہ جواد احمد کے گلے لگ کے خوب ہی روئی۔

”میری بچی میں تمہیں اور عنائیہ کو محفوظ ہاتھوں میں سوٹنا چاہتا ہوں تمہاری ماں سے کوئی بعید نہیں کہ وہ کچھ بھی اٹکاتا سیدھا کر دے۔“ انہیں یہ بھی دھڑکا تھا کیونکہ میرا بیگم کا جس قسم کے لوگوں سے ملنا جلتا تھا وہ نفرت و غصہ اور بدلے کی آگ میں اپنی معصوم بیٹیوں تک کو داؤ پر لگانے سے باز نہیں آئیں گی یہی وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹیاں مایہ بادی نہ ہوں۔

☆☆☆.....

”تم اُترتی ہو گاڑی سے یا نہیں؟“ وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ اسے گھور رہا تھا جو خود کو بڑی سی میروں چادر پٹے ہوئے ڈری سہمی کچھلی سیٹ پر دونوں پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔

”دیکھیے امیں آپ سے صرف چند گھنٹوں کی مدد مانگ رہی ہوں آپ مجھے اس علاقے سے باہر لے جائیں۔“ اس کا لہجہ ملتی اور حواس باختہ سا تھا چہرے پر اس کے اتنی پاکیزگی تھی کہ حمود سالار نے نگاہ جھپکائی ایک تو وہ اچھا خاصا گھر جا رہا تھا راستے میں اسے یہ بلا لگئی بابا جان کو پتہ چلا تو وہ تو گولی سے اڑانے میں ڈرا رہی نہیں کریں گے۔

”انہو تم چند گھنٹوں کی مدد مانگ رہی ہو پھر کہو گی کہ چند دنوں کے لیے اپنے گھر بھی رکھ لیں۔“ اس کے تو غصے

کے مارے نتھنے پھول رہے تھے۔

”آپ میری بات سمجھنے کی پلیز کوشش تو کریں میری عزت صرف آپ کے ہاتھ میں ہے۔“

”اے خبردار! جو تم نے مجھے ایسا دیا سمجھا بھی اس سے پہلے کہ میں تمہیں دھکا دے کر باہر نکالوں شرافت سے گاڑی سے اُتر جاؤ۔“

”آپ کو آپ کی بہن کی قسم مجھے پلیز نہیں نکالیں۔“ اس کے تو آنسو بھل بھل رخسار پر بہنے لگے حمود کو لڑکیوں کا رونا انہوائی کوفت میں جھلا کر تا تھا۔

”دیکھو لڑکی! تم میری بہن کی قسم دے کر مجھے بلیک میل کر رہی ہو۔“ وہ کچھ نرم سا پڑا۔

”میں صرف اس علاقے سے نکلنے کی بات کر رہی ہوں پھر آپ مجھے کہیں بھی اتار دیجیے گا میں کچھ نہیں کروں گی مگر پلیز ادھر سے مجھے لے جائیں وہ میرے پیچھے لگے ہیں۔“ وہ روتے ہوئے اسے سب بتا رہی تھی۔

حمود نے بھی پھر زیادہ بحث نہ کی اور ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا ایک تو اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی فیکٹری کا اسے وزٹ کرنا تھا وہ بھی بابا جان کا حکم تھا مگر نیچے آیا تو اس کی گاڑی کھلی رہ گئی ہوگی کہ وہ ہر نی جیسی آنکھوں والی لڑکی سکڑی کھٹی بیٹھی تھی وہ ماتھے پر ناگواری کی لکیریں لیے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا دس بج رہے تھے اور ایسے وقت میں ایک لڑکی وہ بھی اس کی گاڑی میں موجود تھی کسی نے بھی دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ اسی وقت گاڑی کے باؤں چرچائے

پر وقت بریک نہ مارتا تو ضرور آگے والی گاڑی سے ٹکر بیٹھی تھی ڈرائیونگ سیٹ سے لمبا چوڑا تن فن کرتا شخص واٹ فیمن شلوار میں ملبوس نکلا تو حمود کی تو حیرانگی سے آنکھیں ہی پھیل گئیں سامنے والے نے بھی چونک کر دیکھا ڈرائیونگ سیٹ سے وہ باہر نکلا۔

”ارے محریب تو.....“ حمود کی تو خوشی کا جیسے کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔

”تو یہاں.....“ وہ بھی گنگ رہ گیا۔

”کب آیا امریکہ سے؟“ حمود اس سے پوچھنے لگا۔

”دو سال ہو گئے ہیں تو نے تو کوئی خبر ہی نہ لی۔“

”میں نے یا تو نے تو ایسے گیا یہاں سے کہ جیسے آنا ہی نہیں تھا۔“ دونوں گاڑی سے ٹیک لگائے باتوں میں مگن تھے اندر بیٹھی وہ دونوں کی شناسائی کو سمجھ رہی تھی کہ وہ دوست ہی ہیں جب ہی اتنے فرینک انداز میں مل رہے ہیں۔

”چل گھر چل۔“ محریب نے کہا۔

”نہیں یار! پھر کبھی اندر دیکھ ایک بلا گلے پڑ گئی ہے۔“ اس نے گاڑی کی بیک سیٹ پر اشارہ کیا وہ لڑکی اور بھی سمٹ گئی۔

”کیا مطلب ہے یہ سب؟“ وہ حیرانگی کے ساتھ نا سمجھے ہوئے پوچھنے لگا۔

”اوئے غلط نہ سمجھ۔“ جواب میں حمود نے پھر اسے سب کچھ بتا دیا محریب بھی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

”اتار دوں نا یہاں ادھر ہی۔“ حمود نے اس سے پوچھا۔

”یار! کچھ تو ہوش کر کتنا سنا ہے لڑکی ہے.....“ محریب نے منع کیا پھر وہ اس لڑکی کے انداز سے سمجھ گیا تھا کہ وہ کافی ڈری سہمی سی بیٹھی ہے۔

”تو کیا گھر لے جاؤں تاکہ بابا جان گولی سے اڑانے میں دیر نہ لگائیں۔“ حمود کو اپنے باپ کی سخت گیر طبیعت کا پتہ ہی تھا۔

”کسی محفوظ مقام پر چھوڑ دے مثلاً دارالامان وغیرہ میں۔“ محریب نے مشورہ دیا جو حمود کو بھی سمجھ آ گیا۔
 ”ٹھیک ہے پہلے اس کا بندوبست کرتا ہوں اور ہاں چل جلدی اپنا موبائل نمبر دے مجھے دو سال سے تو پاکستان میں سے کچھ خبر ہی نہیں دی۔“ حمود موبائل گاڑی کے ڈیش بورڈ سے نکال کر محریب کا بتایا ہوا نمبر سیکو کرنے لگا۔ دونوں ہلکے ہلکے ہنسنے لگے۔ حمود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا لڑکی جھٹ آگے کی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔
 ”دیکھو! تم زیادہ فری ہونے کی کوشش نہیں کرو میں تمہیں دارالامان چھوڑ کے آ جاؤں گا وہاں تم آرام سے رہنا۔“ گاڑی وہ اشارت کر چکا تھا۔ وہ سب جانتی تھی کہ وہاں بھی اس کا سوتیلا چچا ڈھونڈ نکالے گا اور اس کی ماں نے بھی کہا تھا کہ کہیں بھی رہ لے مگر ایسی جگہ جہاں وہ نہ پہنچ سکے۔ حمود گاڑی اندر لے آیا تھا، منتہی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنی دوڑ گئی ایسا ہولناک ماحول لگ رہا تھا کہ اس کے رونگٹے سے کھڑے ہو گئے اسے کچھ تو کرنا ہی ہو گا ورنہ یہ انسان تو اسے یہاں چھوڑ کر چلا جائے گا۔

”اُتر فوراً۔“ ایک رعب اور محکم زدہ لہجے میں کہا۔ وہ چادر خود پر لپٹتی ہوئی ڈرتی ہوئی اُتری وہاں کے چوکیدار لڑتے ہوئے تھے ایک کیاری اور بڑا سالان تھا مگر وہاں کی حالت ابتر تھی۔

”سنو! تمہارا یہاں کا بڑا اونز کون ہے؟“ اس نے چوکیدار سے پوچھا۔ چوکیدار کی بڑی بڑی مونچھیں تو منتہی کو اور ہی ڈرانے لگی تھیں چوکیدار سے آفس میں لے آیا جہاں ایک بڑی عمر کی خاتون تھیں ان کی فہمائشی اور تشویش بھری نگاہیں اٹھی تھیں حمود بھی خود گڑبڑا سا گیا تھا جبکہ منتہی نے خود کو پراعتمادی ظاہر کیا۔

”السلام علیکم!“ حمود نے گھبراہٹ میں سلام بھی جھاڑ دیا رات کی تاریکی کا سناٹا تو حمود کو بھی ڈرا رہا تھا۔

”کیسے کیا مسئلہ ہے؟“ اکھڑا اور تیز لہجے میں بولی تھیں۔

”یہ لڑکی اس کے ساتھ مسئلہ ہے اس کے پیچھے کوئی پڑا ہوا ہے۔“

”میڈم! یہ جھوٹ بولتے ہیں یہ خود میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں انہوں نے مجھ سے شادی کی ہے۔“

”کیا بکواس کر رہی ہو تم؟“ حمود کے تو چھکے جھوٹ گئے۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں ان کے ساتھ میں دو ماہ سے رہ رہی ہوں اور اب میں ان کے.....“

”آگے مزید بکواس کی ناں میں جان سے مار دوں گا تمہیں۔“ حمود تو چیخ سے کھڑا ہو گیا۔

”دیکھو لڑکی! اس طرح کے کیس میں نے بہت نمٹائے ہیں یہ لڑکی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی ہے کیونکہ تم جیسے نوجوان اکثر لڑکیوں کو ایسی حالت میں یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔“

”کیسی حالت میں کیا بول رہی ہیں آپ؟“ حمود کا تو غصہ کے مارے بُرا حال تھا۔

”یہ یقیناً پریکٹس ہو گئی ہوگی تم نے اپنے باپ سے چھپا کر اسے رکھا ہوگا ہے ناں۔“

”جی میڈم! یہی بات ہے۔“ منتہی نے جھٹ کہا۔

”یہ پورا پولیس کیس ہے میں ابھی فون کرتی ہوں۔“

”نو! تو میڈم! ایسا نہ کریں یہ میرے شوہر ہیں ان کی مجھ سے لڑائی ہو گئی ہے اس لیے مجھے روز بھی دھمکی دیتے تھے۔“ کتنا مشکل لگ رہا تھا اسے جھوٹ بولنا۔ حمود کا تو غصہ کے مارے بُرا حال تھا اس کا دل و دماغ سن سا ہو گیا تھا۔

جانے اس لڑکی نے اس سے اور کیا کہا اور وہ صفائی میں کچھ نہ بول سکا۔

”آپ اس کی بات پر یقین کر رہی ہیں۔“

”آپ بھی کیا کرتے ہیں چلیے گھر میں اب کبھی آپ سے ناراض نہیں ہوں گی۔“ منتہی نے حمود کا بازو پکڑ لیا اور

وہ جھڑک کے باہر نکل گیا وہ بھی تیزی سے دوڑی تھی شکر تھا پولیس کیس سے بچ گئی تھی۔ حمود گاڑی میں جیسے ہی بیٹھنے لگا وہ ہاتھ جوڑ کے اس کے سامنے آ گئی۔

”پلیز! مجھے معاف کر دیں میں بہت مجبور ہوں پلیز میری مجبوری سمجھیں۔“ وہ روتے روتے اس کے قدموں میں بیٹھی۔

”اوصاحب! تو کب جائے گا یہاں سے؟“ چوکیدار نے دونوں کو اس حالت میں دیکھا تو وہ چلا آیا دونوں ہی گڑبڑا گئے حمود جھٹ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور منتہی بھی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ حمود کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے ایک لڑکی نے کتنی دیدہ دلیری سے اسے اپنا شوہر ظاہر کر دیا اور تو اور وہ سب بھی۔

”توبہ! استغفار۔“ وہ بڑھنے لگا۔

”کیوں تم میری جان کو چٹ گئی ہو کیا گناہ کیا تھا جو تم میرے گلے پڑی ہو پتہ ہے میرا باپ مجھے گولی سے اڑا دے گا۔“ وہ اسے بتانے لگا۔

”میں ان سے صرف سر چھپانے کی جگہ مانگوں گی اور کچھ نہیں پلیز مجھ پر ترس کھائیں۔“ وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔ حمود کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کس سے کہے۔

☆☆☆

”ٹھیک ہے جواد! وشہ کا جس دن آخری پیپر ہے دوسرے دن ہم مہندی کی رسم رکھ لیتے ہیں۔“ نزہت نے فوراً ہی پروگرام سیٹ کر لیا محریب پہلو بدل کر رہ گیا جب سب بڑے راضی تھے تو وہ خود بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ اس وقت خود کو اتنا بے بس سمجھ رہا تھا کہ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ بے وقت شادی کیسے روکے۔

”ماں کی پڑھائی کا تو تمہیں پتہ ہی ہے وہ چلتی رہے گی اگر وشہ کا دل کیا تو وہ بھی آگے پڑھ سکتی ہے۔“ ریحان احمد گویا ہوئے۔ دادی جان ابھی تک حسہ پھپھو کے گھر تھیں اس لیے سارے معاملات ان کے پیچھے ہی طے کیے جا رہے تھے۔

”بھائی! وشہ بہت ڈر رہی ہے میرا کی وجہ سے آپ نے میری بیٹی کا خیال رکھنا ہے میں نے اپنی بیٹیوں کو پھولوں کی طرح رکھا ہے۔“

”ارے جواد! تم کیسی بات کر رہے ہو وشہ اور عنایت ہمارے لیے جان سے زیادہ عزیز ہیں مجھے تو اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میری دونوں بیٹیاں میرے پاس آ رہی ہیں ایسی پیاری اور اخلاق والی لڑکیوں کو تو ہر کوئی اپنی بہو بنانا چاہتا ہے۔“ نزہت نے انہیں تسلی ہی دی۔ محریب کو اس لمحے اپنی پوزیشن کچھ آکورڈی لگ رہی تھی وہ اتنا جذباتی کبھی نہیں ہوا تھا مگر اس بار تو اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اپنے سارے کنٹرول کھو رہا ہے وہ اتنی گہری سوچ میں غرق تھا کہ موبائل کی بپ پر چونک گیا دیکھا تو حمود کی کال تھی ابھی تو وہ ملا تھا۔

”تم خیریت تو ہے؟“ وہ بات کرتا ہوا باہر کوریڈور میں آ گیا۔

”یار! وہ مصیبت میرے ساتھ ابھی بھی ہے کیا کروں دارالامان لے کر گیا تھا اس نے اُلٹا چکر چلا دیا پھنستے پھنستے بچا ہوں۔“ حمود کی پریشانی اور جھنجھلاہٹ سے بھرپور آواز آئی۔ جواب میں اس نے سب کچھ اسے بتا بھی دیا محریب بھی تفکر زدہ سا ہو گیا کیونکہ مسئلہ بھی ایک لڑکی کا تھا اور وہ حمود کے بابا جان کو جانتا تھا کہ وہ لڑکی جیسے معاملے پر اس پر گولی چلانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

”یار! تو ایسا کر اسے ابھی تو کسی ہوٹل میں رکھ پھر کچھ میں بتاؤں گا کیا کرنا ہے کیونکہ یار میں خود بھی خاصا پریشان

بیٹھا ہوں۔“ محریب نے اسے کہا کیونکہ بات بھی تو مائز کی شادی کی چل رہی تھی۔

”اچھا چل! میں کچھ کرتا ہوں تو دعا کرنا میرے باپ کو خبر نہ ہو جائے۔“ حمود نے یہ کہہ کر کال کٹ کر دی۔ حمود اور وہ اسکول و کالج تک ساتھ ساتھ پڑھے تھے پھر محریب کو زیادہ پڑھنے کا شوق تھا وہ تو امریکہ چلا گیا تھا مگر حمود نے ماسٹرز کرنے کے بعد ہی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

محریب اتنا متفصل اور پریشان تھا کہ نزہت اسے ڈھونڈتی ہوئی چلی آئی تھیں۔

”کیا بات ہے محریب بیٹا! تم اتنے پریشان کیوں ہو؟“ وہ تو ماں تھیں اولاد کا چہرہ دیکھ کر پہچان جاتی تھیں۔

”میرے پریشان ہونے سے پریشانی نکل تو نہیں جائے گی۔“ تمسخرانہ انداز میں کہتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

”پھر بھی کہنے سے دل کی بے چینی کم ہو جاتی ہے۔“

”یہ بے چینی تو اب ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی میری پیاری ماں! آپ سب کچھ چھوڑیے اور تیاریاں شروع کر دیں۔“ وہ زبردستی خود کو مسکرا کے فریض ظاہر کرنے لگا۔

”مائز کی ساری تیاریاں تم نے ہی کرانی ہیں، تم اسے تو جانتے ہی ہو وقت کے وقت ہر کام کرتا ہے پھر تمہارے ابو غصہ کرتے ہیں۔“ وہ بولیں۔

”سب کچھ دیکھیے گا شاندار طریقے سے کروں گا“ آخر میرے بھائی کی شادی ہوگی، دیکھیے گا کسی قسم کی کوئی کمی نہیں رہے دوں گا۔“ وہ پر جوش لہجے میں بولا۔ نزہت نے مسکرا کر اس پر نگاہ ڈالی وہ ماں تھیں جانتی تھیں کہ وہ کس کرب سے گزر رہا ہے کم ہی اپنی بات کسی سے کرتا تھا۔

”کل دادی جان کو بھی لے کر آنا ہے کیونکہ بہت دن رہ لی ہیں وہ وہاں۔“ محریب کو ان کا بھی خیال تھا۔

”ہاں وہ جو ابھی عنایت کو کہہ رہا ہے کہ کل گھر کسی کے بھی ساتھ بھیج دوں گھر میں اسے بھی دیکھنا ہوگا۔“

”میں دادی جان کو تو لینے جاؤں گا ہی اسے بھی گھر چھوڑ دوں گا۔“ اس نے نارمل انداز میں کہا۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن اندر نہیں جانا، خواجہ پھر میرا تم سے الٹی سیدھی کرے گی۔“ مائز کے قدم لاؤنج سے نکلے

”ارے امی! وہ بڑی ہیں کرنے دیں۔“ محریب، سمیرا کو جواب میں کوئی بھی ایسی تلخ بات تک نہ کہتا تھا کہ ان کی جان میں گستاخی ہو۔

”سمیرا چچی آپ کو تو دیکھیے گا میں کیسے ہینڈل کرتا ہوں۔“ مائز نے تو جانے کیا کیا پلان ترتیب دیئے ہوئے تھے۔

”پھر بھی تم جانا نہیں۔“

”ارے امی! آپ اتنا کیوں ڈرتی ہیں سمیرا چچی ہیں وہ کوئی اور نہیں ہیں۔“ وہ ہنسا۔

”پتہ ہے ابھی جو اب کہہ رہا تھا کہ سمیرا کہہ رہی ہے کہ وہ اس شادی میں نہیں بیٹھے گی۔“

”ارے کیسے نہیں بیٹھیں گی، میں بھی ان کا داماد بننے جا رہا ہوں۔“ مائز نے دل میں سوچا مگر اپنی آواز دہائی۔

”کیا باتیں ہو رہی ہیں۔“ بلیک پینٹ پر بلیک ہی ڈھیلی سی شرٹ میں وہ فریض انداز میں چلا آیا تھا۔

”تمہاری شادی پڑ سکس کر رہے تھے۔“ محریب نے اسے دیکھا۔

”ہائے مجھے شرم آ رہی ہے۔“ اس نے نزہت کا دوپٹہ کونے سے دبایا۔

”دیکھا محریب! اس کا بچپنا شادی کے بعد بھی چلا جائے میں مان جاؤں گی اسے۔“

”ارے میری بھولی ماں! میرے بچوں کے آتے ہی میرا بچپنا بھی نو دو گیا رہے ہو جائے گا۔“ مائز ہر بات بے باکی

اور مذاق میں ہی اڑاتا تھا۔

”حد ہوتی ہے بے ہودگی کی۔“ نزہت اس کو گھورتی ہوئی چلی گئی تھیں، محریب کو ہنسی آگئی تھی۔

”بھائی! مجھے آپ کے سامنے شرمندگی ہو رہی ہے آپ سے پہلے میری شادی۔“ وہ منمنایا۔

”یار! تمہاری شادی کے بعد ہی تو میری کوئین بھی وہاں سے نکلے گی جو انکی ہوئی ہے۔“ محریب نے پہلی بار شوخی سے کہا۔

”مائز پر تو شادی مرگ طاری ہوگئی کہ اس کا بھائی اور ایسی معنی خیز بات، محریب نے اس کے چپٹ لگائی۔

”آپ دیکھتے جیسے کہیں میں سارے معاملے سنبھالتا ہوں، سب حیران رہ جائیں گے۔“ اس نے بھی پر عزم انداز میں کہا تھا۔ محریب نے مسکرا کے اسے دیکھا جو سنجیدہ ہی لگ رہا تھا، دونوں بھائیوں میں محبت بھی تو بہت تھی۔

☆☆☆

کہتے ہیں کہ جب مصیبت آتی ہے تو یہ بتا کر بھی نہیں آتی کہ آپ نے کہیں نہ کہیں تو کچھ غلط کیا تھا جو اس صورت میں آپ کو سزا مل رہی ہے اور ایسی بھیا تک سزا جو نہ نگی جارہی تھی اور نہ اگلی جارہی تھی۔ کل سے وہ گھر سے

نکلا ہوا تھا اور اسے پتہ تھا بابا جان کا غصہ سوائیز پر ہی ہوگا، موبائل تک اس نے آف رکھا ہوا تھا، کب سے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور وہ مصیبت بلا بن کے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی معصوم سی صورت بنائے اسے دیکھنے جارہی تھی اور جو کچھ اس نے کہا تھا وہ حمود سالار کو ہلا کر رکھ گیا تھا، ایک لڑکی نے کتنی آسانی سے یہ سب کہہ دیا تھا اور وہ لڑکا ہو کر مذاق میں بھی کسی لڑکی کو یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

”میں صرف آپ سے نام ہی تو مانگ رہی ہوں۔“

”تم بند کر سکتی ہو اپنی بکواس تو بند کر لو ورنہ میں تمہارا گلا دبا دوں گا۔“ وہ تن فتن کر رہا تھا، شعلے اگل رہا تھا۔

”اچھا ہے دبا دیں جان ہی چھوٹے، کوئی بھی نہیں ہے میرا ایک رشتے کی خالہ تھیں جانے وہ گھر چھوڑ کے کہاں چلی گئی ہیں، میں کہاں جاؤں۔“ وہ رونے لگی۔

”جہنم میں چلی جاتیں، میرے گلے کیوں پڑ رہی ہو تم۔“ حمود نے اپنی گہری غراتی نکالی اس پر ڈالیں، جو اپنے

حوروں جیسے حسن کے ساتھ اس کے بالکل مقابل تھی، سادگی سے مزین تھی اور لڑکیوں کی طرح اس میں وہ دکھاوا تک نہ تھا، اتنی سادگی سے وہ اپنا سارا مسئلہ اس تک بیان کر گئی تھی کہ وہ حیران تھا کہ ایک لڑکی نے اس انجان آدمی پر اتنا

اعتماد کیسے کر لیا۔

”اس شہر میں کہیں تو اکیلی رہوں گی ناں، پھر اگر شادی شدہ ہوں گی تو کوئی مجھ پر مڑی نگاہ تو نہیں ڈالے گا ناں۔“

وہ دبی دلی آواز میں بولی۔

”تمہیں میں ہی کیوں نظر آیا، کوئی اور کاٹھ کا آلونہ نہیں ملا تھا۔“ وہ دھاڑا، منتہی نے ڈر کے آنکھیں ہی بند کر لی تھیں۔

”صرف نکاح کا کہہ رہی ہوں اور کچھ نہیں وعدہ کرتی ہوں آپ کی راہ میں کبھی نہیں آؤں گی۔“ لہجہ اتنا ہلکی تھا کہ

حمود کو اس پر ترس بھی آنے لگا، اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے رات کو ہی اسے ہوٹل کے اس روم میں لے آیا تھا، رات تو کہیں گزاری ہی تھی، محریب بھی اپنے گھر یلو مسئلے میں الجھا تھا، کس سے کہتا اور کیا۔

”پلیز میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔“ وہ حمود کے قدموں میں گر گئی، چادر پھیل کر زمین پر گر چکی تھی، لائے سلکی دراز باؤں

کی چوٹی حمود کے جوتے پر جھول گئی، وہ خفیف سا ہو کر پیچھے ہو گیا، تھی بھی خوبصورت اگر غلط ہاتھوں میں چلی گئی تو اس کا

ضمیر الگ ملامت کرتا رہے گا، گھر لے کر گیا تو بابا جان زندہ نہیں چھوڑیں گے اور اسے یہاں چھوڑ کے گیا تو یہ

بد دعائیں دیتی رہے گی وہ منتہی کو بغور دیکھے گیا، گلابی کاشن کے کپڑوں میں ملبوس روتی ہوئی اتنی قابل رحم لگ رہی تھی

کہ حمود کے دل کو کچھ ہوا اسے دونوں شانوں سے پکڑ کے کھڑا کیا۔

”پتہ ہے تم نے مجھے اتنی بڑی اکھن میں ڈال دیا ہے کہ میں کیا کروں۔“

”آپ اپنے گھر میں ہی مجھے ملازمہ رکھ لیں۔“ جھٹ بولی۔

”ہاں تاکہ میرا باپ دوسرے لمحے ہی مجھے گولی سے اڑا دے کہ میں ایک لڑکی کی کیوں ملازمہ رکھنے کو کہہ رہا ہوں۔“ وہ تو چراغ باہو گیا۔

”پھر مجھے کسی کے گھر ملازمہ رکھو ادیں۔“

”آئیڈیئے تو تمہارے پاس بہت ہیں گاؤں کی مجھے لگتی تو نہیں ہو کتنا پڑھا ہے؟“ حمود کو اب اس کے بارے میں جاننے کی تشویش ہوئی۔

”میں ماسٹرز کر رہی تھی کراچی یونیورسٹی سے ہوسٹل میں رہتی تھی میری امی کی طبیعت خراب ہوئی تو مجھے جانا پڑا مگر میرا باپ پہلے ہی مر چکا تھا چچا کے رحم و کرم پر ہوں ماں کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو انہوں نے مجھے اپنی رشتہ کی بہن کا ایڈریس دیا تھا میں وہاں بھی گئی تھی پتہ چلا کہ وہ لوگ گھر چھوڑ کے کہیں اور چلے گئے ہیں۔“ اس نے سب کچھ بتا دیا۔

”تم پھر ادھر کیسے آئیں؟“

”میرے پڑوس میں کوئی اماں کی ہی بہن بنی ہوئی ہیں انہوں نے ہی مجھے چپکے سے گھر سے نکالا ہے ورنہ میرا وہ چچا کبھی نہیں آنے دیتا۔“

”ایڈریس دکھاؤ مجھے؟“ وہ سن کے کچھ نرم پڑا۔

”وہ میرا بیک تو جب میں آپ کی گاڑی میں بیٹھی تھی کوئی چھین کے بھاگ گیا۔“

”اُف مائی گاڈ! سارے مسئلے میرے لیے ہی تھے۔“ وہ چیخا۔

”پلیز آہستہ تو بولیں۔“ وہ منمنائی۔

”واٹ..... میں آہستہ بولوں تم ہوتی کون ہو مجھ پر ابھی سے رعب جانے والی۔“ وہ تو اپنی شعلے اُگلتی آنکھوں سمیت اس پر چڑھ دوڑا۔ منتہی بے چاری سراپا سی و وحشت زدہ ہو کر بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی ریڑھ کی ٹی تک میں تنہی سی دوڑ گئی کتنا غضبناک لگ رہا تھا مردانہ وجاہت میں لپکتا تھا اس پر اس کی لمبی چوڑی ڈشنگ سی پینٹیلی نیوی بلیو کوٹ اور پینٹ میں تو وہ اور ہی دلکش لگ رہا تھا مگر کوٹ تو اس نے آ کر اتار کے دیوار پر دے مارا تھا۔

”وہ..... وہ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ اس پاس روم ہیں آواز بھی جاسکتی ہے۔“ فوراً ہی وہ روہا سی بھی ہونے لگی تھی۔

”اس وقت تم میری جان کا عذاب ہو رہی ہو چلو جاؤ دفع ہو جاؤ کہیں بھی میں نے ٹھیک نہیں لے رکھا تمہارا۔“

کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی کسی نتیجے پر پہنچ پا رہا تھا۔

”ٹھیک ہے چلی جاتی ہوں مہربانی آپ کی اتنے گھنٹے مجھے تحفظ دیا آپ نے دعا کیجیے گا کہ یہاں سے جانے کے بعد ٹھیک ٹھیک کاٹل جائے ورنہ میری بربادی کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔“ وہ اموشنی بلیک میلنگ کرنے لگی۔

”کیا بکو اس کر رہی ہو مجھ پر احسان کر کے جاری ہو تم آخر میرے ہی پیچھے کیوں پڑ گئی ہو تمہیں کوئی اور شخص نظر نہیں آیا تھا جو تم اس کی گاڑی میں کس کے بیٹھ جاتیں۔“ دونوں ہاتھ پشت پر جمائے اتنا اونچا اونچا بول رہا تھا کہ

تھی کو لوگ رہا تھا کہ وہ اسے ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کرے گا اور اسے حمود خود دار اور معقول انسان لگا تھا نہ اس کی آنکھوں میں وہ ہوس تھی جو اس نے اپنے چچا کی آنکھوں میں دیکھی تھی محلے کے لوگ بھی تو ایسی ہی بڑی نگاہیں اس پر

کہتے تھے اماں نے یہی دیکھتے ہوئے اسے کراچی ہوسٹل میں رکھا ہوا تھا مگر کب تک وہاں کی فیس اماں کتنی مشکل سے دیتی تھیں اور اب پتہ نہیں ان کا کیا حشر کیا ہوگا اپنے ایسے ہوتے ہیں یہ رشتے کہ انہیں اپنا خون تک نظر نہیں آتا پھر کیسے وہ اپنا نامتی اس نے حمود میں وہ سب نہیں دیکھا تھا غصے تک میں بھی وہ اس پر بھرپور نگاہ نہیں ڈال رہا تھا۔

”مجھے اگر پتہ ہوتا تاکہ میرے ساتھ ایسا ہوگا میں کبھی آپ کی گاڑی میں نہ بیٹھتی میرے چچا نے میرے پیچھے اپنے آدمی لگائے ہوئے ہیں اگر اپنی عزت بچانے کے لیے آپ پر بھرہوسہ کر کے تحفظ کی بھیک مانگ رہی ہوں تو کیا غلط کر رہی ہوں اور ایک لڑکی خود سے کسی غیر مرد سے یہ کہے کہ وہ اس سے شادی کرے کتنی شرم کی بات ہے یہ میں ہی جانتی ہوں مگر میں یہ سب مجبوری میں کر رہی ہوں آپ سے صرف نام کا سہارا تو چاہ رہی ہوں تاکہ کہیں بھی جاؤں تو یہ تو کہہ سکوں کہ شادی شدہ ہوں۔“ روتے روتے وہ سب کچھ بول گئی جو بولنا نہیں چاہ رہی تھی۔

”مجھے پتہ ہے آپ کے گھر والے آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے لیکن میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں بھولے سے بھی آپ کی راہ میں کبھی نہیں آؤں گی نہ کبھی آپ سے کچھ مانگوں گی صرف مجھ پر یہ احسان کر دیں ساری زندگی میں آپ کا احسان یاد رکھوں گی۔“ وہ اتنی معصوم اور دلکش لگ رہی تھی کہ حمود اس کے رونے بلکنے پر چونک کر مبہوت زدہ سا اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ کتنی مختلف تھی ہر چالاک سے پاک نہ ہی اس نے اب تک کوئی ایسی ادا دکھائی تھی کہ جو اس کے کردار کو خراب ظاہر کرتی۔

”تمہیں پتہ ہے میرے بابا ایسے آدمی ہیں وہ قصور بعد میں پوچھیں گے گولی پہلے چلائیں گے۔“ وہ گہری سوچ میں گویا ہوا۔

”میں یقین سے کہہ رہی ہوں کچھ نہیں ہوگا مجھے اللہ کی ذات پر یقین ہے اور دیکھیے اللہ کی رسی کو تھامے ہوئے ہوں جب ہی تو آپ تک پہنچ گئی ہوں اب تک مجھے اللہ کا شکر ہے کوئی گزند تک نہیں پہنچی۔“

”تم میرے بارے میں کتنا جانتی ہو میں بھی تو تمہارے چچا کی طرح کا ہی آدمی ہوں۔“

”نہیں آپ ان کی طرح کے نہیں ہیں کیونکہ آپ نے ابھی تک مجھے ایک بار بھی ہاتھ نہیں لگایا ہے دس فٹ کے فاصلے سے بات کی ہے سوائے غصہ کرنے کے میں نے کچھ نہیں دیکھا جسے اپنے ماں و باپ کے اصولوں اور اپنی عزت و کردار کی پرواہ ہوتی ہے وہ آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں اور وہ نایاب لوگ ہوتے ہیں۔“ وہ اتنی افسردگی اور مایوسی سے بول رہی تھی کہ حمود ایک لمحے کو رکا۔

”تم ایک غیر مرد کے بارے میں اتنا اندازہ کیسے لگا سکتی ہو؟“

”کیونکہ آپ بات بات پر اپنے بابا کی بات کر رہے ہیں انہوں نے آپ کی بہت اچھے اصولوں پر پرورش کی ہے آپ کو پتہ ہے کیا جائز اور ناجائز ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ نگاہ جھکا گئی۔ اس لمحے اس کی گھنیری پلکوں کی جھلراتی دلکش لگی کہ وہ مبہوت سا رہ گیا۔

”لیکن میں نے آپ کی آنکھوں میں نہ وہ ہوس دیکھی ہے اور نہ ہی کوئی غلط رنگ میں اسی وجہ سے آپ کے پیچھے یہاں تک آ گئی ہوں میں جانتی ہوں کہ میں جو کچھ آپ سے مانگ رہی ہوں یہ بہت بڑا فیصلہ ہے جو آپ کو ماننا مشکل بھی ہو رہا ہے۔“ نگاہ جھکائے آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہوئے وہ اتنی مجبور اور قابل رحم لگ رہی تھی کہ حمود کا دل ایک لمحے کو کاٹنے ہی لگا کیونکہ ایک لڑکی کو وہ یوں زمانے کی ٹھوکروں میں رُلنے کے لیے پھینک دے کیا اس کا دل اور ضمیر گوارا کرے گا۔

”صرف نام کا سہارا مانگ رہی ہوں اور کچھ تمنا نہیں کر رہی ہوں مجھے پتہ ہے میری کیا اوقات ہے اور آپ اتنے

بڑے آدمی ہیں، کہاں گاؤں کی گھوڑاں آپ کا اور میرا ایسا کوئی جوڑ بھی نہیں بنتا ہے۔“

”تم بولتی بہت ہو شروع سے بولتی ہو یا ابھی شروع کیا ہے؟“ حمود نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹی۔

”حالات جب ایسے ہو جائیں تو بے زبانوں کو بھی بولنا آ جاتا ہے، احتجاج کرنا آ جاتا ہے، بولنے کے لیے بات کا ہونا ضروری نہیں ہے، بس دل میں درد کا ہونا ضروری ہے۔“

”اوہ مائی گاڈ! تم لڑکی ہو یا خلیل جبران کی رشتہ دار اتنا بولتی ہو کہ تم نے تو مجھے گھما ہی ڈالا۔“ وہ بے زاری سے گویا ہوا۔

”رشتے داری بنانے کے لیے ضروری نہیں کہ کسی.....“

”بس اسٹاپ اٹ! ایک لفظ نہیں بولنا، میرا دماغ درد کرنے لگا ہے پتہ ہے تمہیں میں کل سے گھر سے نکلا ہوا ہوں اور میرے گھر میں طوفان مچا دیا ہوگا میرے والد صاحب نے۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر گویا ہوا کیونکہ ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا۔

”آپ مجھے بس سر چھپانے کے لیے جگہ دے دیں میں سچ کہہ رہی ہوں آپ کی راہ میں کبھی نہیں آؤں گی۔“ وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔

”کیا کرتی ہو ہٹو آگے سے۔“ اسے ویسے ہی لڑکی کا یوں ہاتھ جوڑنا ذرا پسند نہ تھا، وہ گہری سوچ میں غرق اور صدمہ سے ادھر کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا، کچھ تو کرنا ہی تھا یا پھر اسے ساری زندگی کے لیے گلے ڈالنا تھا یا پھر صرف نام دے کر رخصت کرنا تھا۔

☆☆☆

”کل سے اس کا موبائل آف جا رہا ہے کچھ خبر ہے اس کی کہاں ہے؟“ ہشام سالار کو اتنا غصہ آ رہا تھا حمود سالار کی لاپرواہی پر کہ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے ہوا اور گولی سے اڑا دیں۔

”میری بات ہوئی تھی کہہ رہا کہ کسی دوست کا مسئلہ ہو گیا ہے وہ کورٹ وغیرہ گیا تھا۔“

”کورٹ وغیرہ کس لیے؟“ وہ تو چونک گئے۔

”ارے صاحبزادے کہیں کورٹ میرج تو نہیں کر رہے ہیں۔“

”توبہ کریں اللہ نہ کرے کہ وہ ایسا کرے اور نہ وہ ایسا ہے آپ بلاوجہ اس پر الزام نہ لگایا کریں۔“ کلثوم بانو کو تو حمود پر ان کا الزام ذرا اچھانہ لگا تھا۔

”تم شاید بھول رہی ہو صاحبزادے کو میں نے کہا تھا کہ لڑکی پسند کر لو نیاز احمد کی انکوٹی بیٹی ہے ہر لحاظ سے اچھی ہے۔“ وہ اپنے بزنس پارٹنر کی بیٹی کا ذکر کرنے لگے کیونکہ وہ پارٹنرشپ کے ساتھ دوستی بھی مضبوط کرنا چاہ رہے تھے۔

”بات اس کے گھر نہ آنے کی ہو رہی ہے یہاں شادی اور لڑکی کا کیا ذکر؟“ وہ تو اکثر ان کی ایسی باتوں سے چڑ جاتی تھیں۔

”صاحبزادے کی سوچوں کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ کیا چاہ رہے ہیں، کل فیکٹری کے وزٹ پر بھیجا تھا اور آج دوسرا دن ہو گیا، ایسا لگ رہا ہے کہ دوسری فیکٹری لگانے گیا ہو۔“ وہ ڈانٹنگ ٹینل سے اٹھے۔

”میری بات ہوئی تھی اس کا کوئی دوست امریکہ سے آیا ہے وہ مل گیا تھا گھر لے گیا ہے گاڑی خراب ہو گئی تھی آپ خود بھی تو سوچیے کراچی سے کتنی دور تو فیکٹری ہے ظاہری بات ہے آنے جانے میں چار پانچ گھنٹے تو لگتے ہی ہیں۔“ انہیں ہشام سالار کی انہی باتوں پر بہت غصہ آتا تھا۔

”تم مانویانہ مانو مجھے لڑکی کا چکر لگ رہا ہے کیونکہ میں اسے نوٹ کر رہا ہوں۔“

رداؤ انجسٹ 144 دسمبر 2009ء

”حد ہو گئی ہے آپ سے تو، کبھی تو اچھا سوچ لیا کریں۔“ وہ ڈانٹنگ ٹینل سے ماسی سے برتن اٹھوانے لگی تھیں۔ ہشام سالار اخبار اٹھائے لاؤنج میں چلے گئے وہ تو آج سڈے تھا، گھر میں ہی تھے آفس تو آج آف ہی ہوتا تھا، ان کے دو ہی بچے تھے حمود سالار اور رحمہ۔ رحمہ حمود سے پندرہ سال چھوٹی تھی اس لیے وہ بھی لاڈلی اس لیے اکثر وہ حمود کو نظر انداز ہی کر دیتے تھے۔

”رحمہ بیٹا! آپ کال کرو بھائی کے موبائل پر۔“ انہوں نے آہستگی سے اس کے کان میں کہا کیونکہ ہشام سالار لاؤنج میں تھے۔

”امی! میں دو تین بار ٹرائی کر چکی ہوں مگر آف جا رہا ہے۔“

”میرا دل تو گھبرا رہا ہے آخر اس سے بات بھی نہیں ہو رہی ہے، ایسا کیا مسئلہ ہو گیا کہ وہ گھر ہی نہیں آیا۔“ وہ فکر مندی اب ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

”امی! بھائی کی کال آ گئی ہے۔“ رحمہ بھاگتی ہوئی آئی، موبائل انہوں نے کان سے لگایا اور ڈرائنگ روم میں چلی گئیں تاکہ ہشام سالار کچھ نہ سن لیں۔

”بیٹا! تو کدھر ہے؟“ فکر مندی سے بولیں۔

”امی! بہت بڑی مصیبت میں ہوں، آپ یہ بتائیے بابا کا غصہ کتنا ہے؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”بیٹا! وہ بہت ناراض ہو رہے ہیں پوری رات تم گھر نہیں آئے ہو۔“

”میں بس گھر ہی آ رہا ہوں امی آپ سے میں بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ گھر میں کسی ملازمہ کی ضرورت تھی ناں؟ آپ کو کہ پورا گھر پھیلا رہتا ہے وہ ماسی کتنی چھٹیاں کرتی ہے۔“

”یہ تمہیں اچانک ملازمہ کی فکر کیسے پڑ گئی۔“ وہ چونک سی گئیں۔

”اچھا میں گھر آ کر جتا ہوں اور ہاں میں اپنے دوست محریب کے گھر ہوں۔“ زیادہ پھر اس نے بات نہ کی اور موبائل بند کر دیا۔ کلثوم تو الگ تشویش میں پڑ گئیں کہ حمود پتہ نہیں کیا کرنے والا ہے ہشام سالار تو اسے چھوڑیں گے نہیں، ویسے ہی وہ اپنی عزت اور شملے کا بڑا خیال رکھتے تھے، پٹھان قبیلے سے تعلق تھا اور انداز بھی ان کا اسی طرح جاہ و جلال والا تھا۔

”ہو گئی بات آپ کی بھائی سے؟“ رحمہ نے پوچھا۔

”اپنے بابا کو نہیں بتانا، خواخواہ پہلے سے وہ ہنگامہ شروع کر دیں گے۔“ موبائل وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کھڑی ہو گئیں، انہیں جانے کیوں ہول سے اٹھنے لگے تھے جیسے کوئی انہونی ہونے والی ہے، اگر ایسا کچھ ہو گیا تو کیا ہوگا۔

☆☆☆

نکاح نہایت سادگی سے محریب اور احد نے کروایا تھا، کیونکہ مجبوری جو کچھ سامنے رکھی تھی اس کی وجہ سے محریب، احد کو بھی ساتھ لے آیا تھا، سب کچھ احد نے اپنے گھر میں کروایا تھا، وہ تو شکر تھا سارے لوگ دادی جان کو چھوڑنے احمد والا چلے گئے تھے گھر میں صرف شامین اور عنایت کو روک لیا تھا، وہ بھی احد نے زبردستی کر کے کیونکہ عنایت کو گھر بھی جانا تھا۔

تمنتی رو رہی تھی کیونکہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس نے اپنی ماں کے بغیر کیا تھا اور حمود تو بھنا رہا تھا۔

”یار! یہاں جان پر میری بیٹی ہے اور رویہ رہی ہے۔“ وہ تو چیخنے لگا۔

”پلیز! آپ آہستہ تو بولیں، ظاہری بات ہے شادی ہوئی ہے مذاق بات تو نہیں ہے، وہ روئے بھی ناں۔“ شامین کو حمود کا چراغ پا ہونا عجیب ہی لگا۔

رداؤ انجسٹ 145 دسمبر 2009ء

عناہہ الگ انگریزوں کے پرنٹنگ پریسوں میں چپ چاپ بیٹھی تھی، شامین، ملتی کو لے کر اندر چلی گئی، عناہہ نے بھی تھک کی تھی۔

”اب کرنا کیا ہے؟“ محریب نے پوچھا۔

”کرنا کیا ہے وہ میرے بابا جان ہیں وہی کچھ کریں گے آجانا میرا قتل پڑھنے۔“

”یار! فضول لکھو اس مت کرو۔“ محریب نے اسے ٹوکا۔

”پھر کیا کروں؟ اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے میں نے یار میری امی تو دل میں ارمان لیے ہوئے ہیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی میں یہ کریں گی وہ کریں گی۔“

”وہ لڑکی تم سے کچھ اور مانگ تو نہیں رہی ناں؟ کر لینا اپنی امی کی پسند کی بھی شادی۔“ احد نے جھٹ مشورہ دیا۔

”یار محریب! یہ تمہارا کزن نا ہمیشہ ایسا بولتا ہے کہ انسان کو آگ لگا دے۔“ اس نے احد کی جانب دیکھا۔

”پھر میں کیا کہوں؟ کچھ تو حل دینا ہے نا؟“

”ہے ایک حل؟“ محریب مسکرایا۔

”ہاں مسکراؤ خبیث انسان تو میں شخص گیا ہوں۔“ حمود تو تنک کے ہی کھڑا ہو گیا۔

”کیا میں بھی خبیث ہوں؟“ احد کو تو تمہاری لگا۔

”ظاہری بات ہے قبیلہ انہی سے ملتا ہے آپ کا بھی۔“ حمود جلدی احد سے بھی فری ہو گیا تھا، پھر اس کی عادت تھی سب سے جلد کھلنے ملنے والی۔

”احد بھائی! مجھے گھر جانا ہے۔“ عناہہ کو خود گھر جانے کی جلدی تھی وہ دروازے پر کھڑی تھی محریب نے نگاہ ترچھی کی دل تو یہ کر رہا تھا کہ ساتھ ہی اس کا بھی نکاح پڑھا دیا جاتا تو اچھا تھا۔

”عناہہ پلیز! کچھ دیر بیٹھو ہم ذرا مصروف ہیں۔“ احد نے کہا۔ وہ منہ بسورتی ہوئی چلی گئی تھی۔

”محریب! یہ تیرے دالی ہے نا؟“ حمود نے سرگوشی میں پوچھا۔

”جی اتفاق سے بے چارے کی بھی عجیب زندگی بنی ہوئی ہے۔“ احد نے سرد آہ بھر کے کہا تھا۔

”زیادہ فضول ہانکنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ محریب نے اسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا، حمود نے تھکے چتون اٹھا کے دونوں کو باری باری دیکھا جیسے کچھ سمجھنا چاہ رہا ہو۔

”تم کیا ایسے گھور رہے ہو؟“ محریب کچھ جھینپ سا گیا۔

”میں اس لیے گھور رہا ہوں کہ تمہیں امریکہ سے آئے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں اور تمہارا رشتہ بچپن سے طے تھا پھر اب تک تمہاری شادی کیوں نہیں ہوئی۔“ حمود کی سوئی یہاں آ کر ایک گئی۔

”یہ لمبی کہانی ہے ابھی تو تم یہ سوچو کہ اپنی بیوی کو گھر لے کر جانا ہے یا کہیں اور رکھنا ہے؟“ احد نے معنی خیزی سے آنکھیں گھمائیں۔

”یار محریب! یہ تیرا کزن ضرورت سے زیادہ خبیث ہے۔“

”ارے مسٹر! میری اور تمہاری ایسی بے تکلفی نہیں ہے کہ تم مجھے ایسے القاب سے نوازا دیا پکارو۔“ احد نے مصنوعی غصے سے دیکھا۔

”بس بس رہنے دے تجھے کیا میں جانتا نہیں ہوں یہ الگ بات ہے کہ محریب سے میں زیادہ قریب رہا اور تم سے کم میری دوستی رہی ہے فیلڈ الگ ہونے کی وجہ سے۔“ حمود نے حساب برابر کیا۔

”احد بھائی! مجھے گھر جانا ہے۔“ عناہہ پھر مستثنائی ہوئی آئی۔ محریب نے لمبی سانس کھینچی کیونکہ اس دن کے بعد سے تو دونوں میں مارے باندھے تھے کبھی بات نہیں ہو رہی تھی۔

”گزیاب! بس ہم اس کا معاملہ سیٹ کر دیں بلکہ منادین پھر تمہیں ڈراپ کر کے آتا ہوں۔“ احد نے مسکرا کے کچھ دیر کے لیے اور مہلت مانگی وہ بے زاری سے چلی گئی۔

”میں ذرا اندر چل کر لوں اپنی زوجہ سے کہ تمہاری زوجہ کی کیا صورت حال ہے۔“ احد کو تو ہر وقت شوخی ہی سوار رہتی تھی حمود نے اسے گھورا جبکہ محریب مسکرا رہا تھا۔

”یار! میں کیا کروں؟ بابا جان کو تو جانتا ہی ہے اگر میں اسے لے کر گھر پہنچا تو اتنے سوال اٹھائیں گے کہ ذرا دیر نہیں لگاؤں گے میرا نکاح دوبارہ اس سے پڑھوانے میں۔“

”تو یار میرے تو نے خواہواہ اتنی محنت کی نکاح کے لیے جو کام انکل آسانی سے کر سکتے تھے تو گھر جا کر کر لیتا۔“

”ہاں کر دمجھ پڑھو اور تنک بھی چھڑکو مجھے مسئلے کا حل نہ بتانا۔“ حمود تو بڑی طرح چڑ گیا۔

”ہے ایک حل اگر عمل کرو تو؟“ محریب کو بھی شرارت سوچھی، معنی خیزی سے وہ اسے دیکھنے بھی لگا جبکہ حمود نے پرسوج انداز میں اس کی جانب سوالیہ نگاہ ڈالی۔

”کیا حل ہے؟“

”یہی کہ تم کچھ دن اور وقت شادی شدہ زندگی کا گزارا پھر بعد میں رزلٹ جو آئے گا وہ انکل کے سامنے لے جانا، پھر تو یقینی بچت بھی ہو جائے گی۔“

”محریب! مجھے تجھ سے یہ امید نہیں تھی جو لڑکیوں سے دس فٹ کے فاصلے پر رہ کر بات کرتا ہو وہ اور ایسا مشورہ دے۔“ حمود کا منہ تو بڑی طرح کڑوا ہی ہو گیا۔

”تو نے نکاح کیا ہے شادی ہوئی ہے مذاق بات تو ہے نہیں۔“ فوراً ہی سنجیدہ بھی ہو گیا۔

”میں نے امی سے بات تو کی ہے مگر یار! امی کیا میری باتوں میں آجائیں گی اور پھر یار میرا دل گوارا نہیں کر رہا ہے کہ میں ایک لڑکی کو نام کا سہارا تو دے چکا ہوں اور اسے در در بھٹکنے کے لیے چھوڑ بھی دوں۔“ حمود کو ساری پریشانی یہی تو لاحق تھی کہ اگر ملتے غلط ہاتھوں میں چلی گئی اس کے چچا کی اس تک پہنچ ہوگی تو یہ تو اس کی غیرت بھی گوارا نہیں کرے گی اس کی بیوی چاہے وہ زبردستی کی بنی ہے اسے ایسے ہی چھوڑ دے اس کے پٹھان قبیلے میں یہ کب ہوا ہے اپنی عزت کی خاطر جان تو دے سکتے ہیں مگر اپنی عزت کو رسوا نہیں کر سکتے ہیں۔

”محریب! مجھے یہ بتا دے کہ میں نے کسی مجبور اور بے کس لڑکی کو تحفظ دے کر غلطی کی ہے یا گناہ کیا ہے ماں باپ کی نافرمانی کی ہے۔“ حمود تو اتنا پریشان تھا کہ اسے آگے کچھ بھائی ہی نہیں دے رہا تھا اس نے صرف ایک لڑکی کی عزت بچانے کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا اس کے دل میں اور کچھ نہیں تھا وہ اتنی سادہ اور معصوم تھی کہ اگر کسی بھی مردے انسان کی نگاہ پڑ گئی تو وہ تو اپنی معصومیت کے ہاتھوں ماری ہی جاتی ناں۔

”حمود! تم اتنا پریشان نہ ہو تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے کیونکہ کچھ کام ایسے ہوتے ہیں کہ ہم سے ہمارا اللہ کروانا چاہتا ہے اور پھر تمہاری نیت بالکل صاف ہے نہ تم اس لڑکی کو بھگا کے لائے ہو اور نہ ہی تمہارا اس سے کوئی جذباتی ریلیشن تھا۔“ محریب اسے ریلیکس کرنے لگا، کیونکہ وہ اتنا مضطرب اور منتشر لگ رہا تھا کہ اسے ترس بھی آنے لگا۔

”یار! مجھے بابا جان کی طرف سے فکر ہے میں کیا جواب دوں گا۔“

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 8 -

سلسلے وار ناول

جماعت اول کی جماعت



Express
your thoughts
beautifully

June 17, 2014

وہ اسے گھر لے جا رہی تھی مگر شامین نے اور احمد نے روک دیا، "مخرب سارے ہی کھڑا تھا۔"

"احمد بھائی! آپ سب اتنا پریشان نہ ہوں۔" وہ گویا ہوئی۔

"عنایب! ہم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ اور کوئی مسئلہ ہو کیونکہ سیرامی کو ہم جانتے ہی ہیں اور پھر منٹھی ان کے مزاج سے واقف نہیں ہے، خواہ مخواہ تمہیں سننے کو ملے گا۔" احمد اسے سمجھانے لگا۔

"منٹھی بھابی کے رہنے کا میں نے بندوبست کر دیا ہے، پھر حمود کہہ رہا تھا کہ وہ خود انہیں کچھ ماہ میں لے جائے گا۔" مخرب بھی سب سمجھتا تھا، پھر گھر میں مائز اور دوشہ کی شادی کا سلسلہ تھا، سیراچی کو اس کا حصہ بھی تھا، اگر منٹھی کو بھی کچھ کہہ دیا تو شرمندگی ہی ہوگی۔

"امی اب اتنی بھی نرمی نہیں ہیں۔" اسے مخرب کے کہنے پر ہمیشہ افسوس ہوتا تھا۔

"یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں، بس مخرب نے جو سوچا ہے وہ کرنے دو تم گھر چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا راستے میں۔" احمد بولا۔

"احمد! تم رہنے دو مجھے گھر تو جانا ہے منٹھی بھابی بھی ساتھ ہیں، عنایب کو میں ڈراپ کر دوں گا۔" مخرب ڈائریکٹ عنایب سے بات بھی نہیں کر رہا تھا۔

عنایب اپنا بیگ وغیرہ لے کر آگئی، منٹھی کو بھی ساتھ ہی چلنے کو کہا تھا، وہ ابھی تک انہی کپڑوں میں تھی، عنایب اور شامین نے لاکھ کہا مگر اس نے بدلے ہی نہیں، فرنٹ سیٹ پر وہ بیٹھی تھی جبکہ منٹھی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی ان دونوں کے رشتے کے متعلق جان گئی تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے منسوب ہیں، پہلے مخرب نے گاڑی اپنے بچنے کے اندر ہی رد کی تھی۔

"ادھر کیوں؟" عنایب کچھ سمجھتی نہیں۔

"منٹھی بھابی کو یہاں ڈراپ کرنا ہے۔" اس نے پچھلا ڈور کھولا، منٹھی ڈرتی جمجکتی ہوئی خوبصورت سے بچنے کو دیکھتی ہوئی باہر نکل آئی تھی، قلید عنایب نے بھی کی تھی۔

"آئیے بھابی! وہ اسے لے کر لان کی سائیڈ پر بنی انیکسی کی جانب لے جا رہا تھا، عنایب بھی حیرانگی سے میکانیکی انداز میں اس کے پیچھے پیچھے ہی تھی۔ ڈور نکل پر ہاتھ رکھا اور دروازہ کھل گیا، سامنے مبینہ کھڑی تھیں۔

"آگے بیٹا! آؤ اندر۔" وہ ڈراپ بھی تو حیران ہوتی نہیں لگ رہی تھیں، مخرب نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔

"تہذیب آفس سے آگئی یا نہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں آگئی ہے عصر کی نماز پڑھ رہی ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"بیٹھو بیٹی۔" منٹھی جمجکتی ہوئی سنگل لکڑی کے صوفے پر بیٹھ گئی، عنایب کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ مخرب اسے یہاں کیوں لے کر آیا ہے۔

"آئی! میں نے آپ کو تو سب بتا ہی دیا ہے جیسے ہی میرے دوست کے گھر والے راضی ہوئے وہ انہیں یہاں سے لے جائے گا۔" مخرب نے مبینہ کو لگتا تھا پہلے بھی کچھ تفصیل بتائی ہوئی تھی جب ہی وہ سن بھی رہی تھیں۔

"اچھا بیٹا! آپ لوگ بیٹھو تو۔" انہوں نے عنایب کو بھی بونہی کھڑے دیکھا تو وہ گویا ہوئیں۔

"ابھی تو جلدی ہے مجھے کیونکہ انہیں ان کے گھر ڈراپ کرنا ہے۔" مخرب نے عنایب کی سمت اشارہ کیا۔

"مخرب بھائی! سنیے تو آپ بالکل نہیں جانتے ہیں، ایک تو آتے ہی کم ہیں۔" تہذیب نماز سے فارغ ہو کر چلی آئی تھی۔

"گڑیا! میں پھر آؤں گا، بہت جلدی میں ہوں تمہیں پتہ ہی ہے دادی جان کو گھر چھوڑنے کے بعد سے اب تک گھر بھی نہیں گیا ہوں۔"

"اور ہاں بھابی! آپ بے فکر ہو کر رہیں گے، میری بہت ہی اچھی آنٹی ہیں اور یہ میری پیاری سی بہن، آپ کو ذرا بھی افسردہ نہیں ہونے دیں گی۔" مخرب نے منٹھی کو مخاطب کیا جو جانے کتنی گہری سوچ میں بیٹھی تھی۔

"بیٹا! یہ تمہارا گھر ہے، سمجھو تو اپنی ماں کے پاس ہوساری فکریں چھوڑ دو۔" مبینہ نے گویا اسے اطمینان دلایا۔

مخرب، عنایب کو چلنے کا اشارہ کرتا ہوا نکل گیا مگر عنایب کو یہ حیرانی تھی کہ مخرب نے یہاں کیوں منٹھی کو چھوڑا وہ اپنے گھر بھی تو لے جاسکتا تھا۔ سارے راستے وہ خاموش ہی رہی، ویسے بھی وہ بات ہی کب کر رہی تھی اس سے کہ وہ منٹھی کے متعلق ڈسکس کرتی۔

☆☆☆

نزہت نے جب ساری تفصیل سنی تو وہ بہت ناراض ہونے لگیں، مخرب نے انہیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔

"امی! میں نے اس لئے بھی نہیں بتایا کہ پتہ نہیں آپ کیا سوچیں اور اب۔"

"دیکھو مخرب! ایک لڑکی کی ذمہ داری ہے اور جبکہ تمہارے دوست نے اس سے جن حالات میں نکاح کیا ہے تو

یہ تو تم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسے ہم اپنے گھر میں مہمان بنا کر رکھتے، تم نے مبینہ کے گھر کیوں چھوڑا وہ بے

چاری پہلے اپنے گھر کی گزراوقات اتنی مشکل سے کر رہی ہے، پورا خرچ تہذیب اٹھارہ رہی ہے، ادھر سے تم اپنے دوست

کی بیوی کو وہاں چھوڑ آئے۔" وہ اُلٹا اسے ہی سنا نے لگی تھیں۔

"میری سمجھ میں یہی آیا کہ وہ وہاں زیادہ ٹھیک رہے گی۔"

"کچھ بھی ہو، میں اسے یہاں لے کر آ رہی ہوں چاہے کتنے دن بھی رہے وہ پھر یہ اب ہم پر فرض بھی

عائد ہوتا ہے کہ ہم حمود کے گھر والوں کو بھی سمجھائیں۔" نزہت اس معاملے میں ویسے بھی خاصی دلچسپی ظاہر کر

رہی تھیں۔

"امی! حمود کہہ رہا تھا کہ وہ منٹھی بھابی کو طلاق....."

"بس مخرب! تم لڑکوں کی عقلوں کو تو جانے کیا ہو گیا ہے، ارے جب شادی کی ہے تو پھر یہ طلاق بیچ میں

کہاں سے آگئی، پہلے وہ کم مصائب کا شکار ہے جو بعد میں وہ اور اسے جہاں کرنے میں کسر اٹھا نہیں رکھے گا۔"

انہیں غصہ ہی آ گیا۔

"میں نے تو اسے سمجھایا ہے مگر اس کے بابا کبھی بھی غیر خاندان کی لڑکی کو تو بہو مانیں گے ہی نہیں۔"

"ارے تو اس لڑکے نے پہلے نہیں سوچا یہ سب حد ہوگئی ہے۔" وہ تو سر تھام کے رہ گئیں۔

"پہ تمہارا دوست دو سال بعد اچانک ہی کہاں سے آ گیا، اتنے دن تک تو اس نے تمہارے جانے کے بعد کوئی

رابطہ تک نہیں رکھا تھا۔"

"کبھی کبھی کر لیتا تھا جب میں امریکہ میں تھا، مگر پھر ایک دم ہی اس کا فون آنا بھی بند ہو گیا، کہہ رہا تھا کہ

اس کے بابا نے پورے بزنس کی ذمہ داری اس پر ڈال دی ہے، ذرا فرصت نہیں ملتی ہے۔" وہ حمود کی مسلسل سائیڈ

بھی لے رہا تھا۔

"مخرب! مجھے تو یہ بات ذرا بھی پسند نہیں آ رہی ہے، بلاؤ ذرا اپنے اس دوست کو، کان کھینچتی ہوں میں اس کے

سمجھ کیا رکھا ہے اس نے اس لڑکی کو۔" نزہت کو تو غصہ ہی آئے جارہا تھا۔

”اس کے تو کان آپ بعد میں کھینچنے گا، یہ متا پیے کہ آپ منحنی بھابی کو یہاں لے کر آئیں گی تو سب سے کیا کہیں گی۔“

”ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔“ وہ گہری سوچ میں پڑ گئیں۔

”امی! ابھی اُسے وہیں رہنے دیں، کیونکہ اگر ہم سچ بتا کر بھی یہاں لائے ناں، گھر میں سب پھر اسے غلط ہی سمجھیں گے کیونکہ حالات آپ اور میں جانتے ہیں، لاکھ ہم سچ بتائیں تو پھر وہ منحنی بھی گوارا نہیں کرے گی کہ کوئی اسے گری ہوئی لگا ہوں سے دیکھے۔“ محریب نے محض اسی وجہ سے ہی تہذیب کے گھر اسے رکھا تھا۔

”میں نے مبینہ آئی کو ساری بات بتانے کے بعد ہی اسے وہاں بھیجا ہے وہ سب سے یہی کہیں گی کہ ان کی بھانجی ہے۔“

”ہوں..... یہ ٹھیک ہے۔“ نزہت نے سر ہلایا۔

”اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ وہاں پر اپنے آپ کو کچھ عجیب سا بھی محسوس نہیں کریں گی اور نہ ہمیں ہر کسی کو اتنی صفائیاں دینی پڑیں گی ہر لڑکی کی عزت ہوتی ہے اور پھر وہ میرے دوست کی عزت ہے اس لئے میں یہی چاہوں گا کہ انہیں بھی سب عزت دیں۔“ محریب اس وقت بولتے ہوئے اتنا سنجیدہ تھا کہ وہ مہبت زدہ سی رہ گئیں سب کا ہی خیال رکھتا تھا سب کو خوش رکھنے میں خود اب تک کتنا بے کل اور بے چین تھا، قان کلر کے قمیص شلوار میں ملبوس اتنا ڈیسنٹ اور معتبر لگ رہا تھا کہ انہوں نے نگاہ ہٹائی کہ خود کی ہی نظر نہ لگ جائے۔

”آپ اس بات کی فکر نہ کریں کہ مبینہ آئی پر ہم نے بوجھ ڈال دیا ہے، حمود پورا اس کا خرچہ اٹھائے گا۔“

”اُسے اٹھانا بھی چاہئے، اپنے اس دوست کے داغ میں یہ بٹھا دینا اگر اس لڑکی کو اس نے چھوڑا یا کوئی فضول حرکت کی تو میں اس کے گھر جا کر سب الٹ کر آ جاؤں گی۔“ اتنی درشتی سے وہ بول رہی تھیں کہ محریب نے حیرانگی سے دیکھا۔

”شادی بیاہ کوئی کھیل نہیں ہوتا کہ کسی کے کہنے میں آ کر یا جذبات میں آ کر کر لی اور جب دل بھر گیا تو چھوڑ دیا، اس کے تقاضوں کو سمجھا جاتا ہے، وہ لڑکی اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر اس سے بندھی ہے اس لئے تمہارے دوست کا فرض ہے کہ وہ اس بندھن کو قائم رکھے چاہے اس کا دل نہ کرے مگر اب وہ لڑکی اس کی مشکوٰۃ ہے بلا وجہ کسی بھی لڑکی کو طلاق دینا مکروہ ہے۔“ وہ اتنی تفصیل سے اسے سمجھا رہی تھیں کہ محریب سر جھکا کر رہ گیا تھا۔

”میں تو یہ بھی کہ تم نے شائد عتابہ سے نکاح کر لیا ہے زبردستی ڈرا دھمکا کے۔“

”لاحول ولا قوۃ امی! کیسی بات سوچ رہی ہیں آپ بھی اور وہ لڑکی ایسی ہے کہ میرے دھمکانے میں آ جائے۔“

محریب تو جھینپ ہی گیا۔

”خیر ڈری سہی تو وہ بے چاری بہت ہے۔“

”آپ کو نہیں پتہ کہ فضول کے اس نے ڈرا سے لگائے ہوئے ہیں۔“ محریب کا رخ عتابہ کی طرف ہو گیا۔

”چھوڑو اس بات کو، تم کسی دن ٹائم نکالو اور مائز کی ساری شاپنگ کرو، شادی میں دن بہت کم ہیں۔“ انہیں یکدم ہی مائز کی شادی کا خیال آیا۔

”آپ بے فکر ہو جائیں، سارے کام انشاء اللہ بہت اچھی طرح ہوں گے۔“ اس نے مسکرا کے انہیں یقین دلایا۔

”اللہ کرے ایسا ہی ہو اور میرا کو بھی اللہ تعالیٰ عطا کر دے تاکہ وہ مان جائے تو تمہارے فرض سے بھی ہم سبکدوش ہو جائیں۔“ انہیں تو محریب کی ہی زیادہ خوشی تھی کہ اس کی شادی پہلے ہوئی۔

”آپ اطمینان رکھیں، سب کچھ دیا ہی ہوگا۔“ وہ کھڑا ہو گیا کیونکہ جب سے دادی جان کو گھر چھوڑ کے گیا تھا ان کے پاس دوبارہ گیا بھی نہیں، پورا دن اس کا آج تو باہر ہی گزر رہا تھا، حمود کا مسئلہ پھر اس کی بیوی کا مسئلہ عتابہ کو تو وہ باہر سے ہی چھوڑ آیا تھا۔ احد نے اسے کتنا چھیڑا تھا کہ ساتھ ہی اپنا اور عتابہ کا بھی نکاح پڑھا، والد نے بغاوت بھی کی تھی مگر وہ اتنے کمزور نفس کا نہ تھا کہ اتنی جلدی ہار مانتا، اب تو اس نے یہ سب سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا مگر اپنے دل کو کیسے روکتا جو عتابہ کا ہی راگ الاپتا تھا، جو اس کی اگر کچھ دنوں تک جھٹک نہ دیکھ لے عجیب بے چین رہتا تھا، یہ الگ بات تھی کہ وہ اپنے ایکسپریشن چھپانے میں مہارت رکھتا تھا، ہر کام وقت پر طریقے سے کرنے کا قائل تھا اور اپنے جذبے اس نے سنبھال کر اس خاص موقع کے لئے رکھے تھے جب عتابہ صرف اس کی بن کے سامنے ہوگی، پھر وہ اپنے سارے بند توڑ دے گا۔

☆☆☆

”پورے ڈیڑھ دن کے بعد تم گھر میں گھسے ہو، ایسا کیا ہو گیا تھا کہ تم وہاں رُکے۔“ ہشام سالار کی ٹیکسی اور برہم نگاہیں اس پر تھیں جو کل سے صفائیاں دے رہا تھا مگر انہیں جیسے اپنے بیٹے پر ذرا اعتماد نہ تھا، بعض اوقات حمود کو بہت ہی افسوس ہوتا تھا کہ یہ اس کے باپ ہیں اور پوچھ کچھ پولیس والوں کے سے انداز میں کرتے ہیں۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں، گاڑی خراب ہوئی تھی، پھر محریب زبردستی گھر لے گیا تھا۔“ کتنا مشکل لگ رہا تھا انہیں فیس کرنا، جبکہ اس نے امی کو بتا کر گویا مطمئن ہی کر دیا تھا۔

”ارے آپ تو اس کے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔“ کلثوم بانو کو اپنے بیٹے پر ترس آنے لگا۔

”اس سے یہ پوچھ کے بتاؤ کہ نیاز کی فیملی کو میں کب بلاؤں کیونکہ یہ گھر میں ہوتا نہیں ہے۔“

”بابا جان! آپ کچھ دن تو مجھے سوچنے کا موقع دیں۔“ وہ تو ہراساں ہی ہو گیا۔

”دو ماہ سے میں نے سوچنے کا موقع ہی دیا ہوا ہے تمہیں اور کتنا موقع دوں، اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ تم اپنی مرضی سے کرو گے تو یہ میں کبھی ہونے نہیں دوں گا۔“ وہ بات دو ٹوک اور حتمی انداز میں کر کے ہی قائل تھے۔

حمود پہلو بدل کر رہ گیا، دل کا چور آنکھوں سے اگر عیاں ہو گیا تو کیا کرے گا، کیونکہ شادی تو وہ کر چکا تھا، چاہے مجبوری میں کی یا کسی کی عزت بچانے کو، شادی کی تو کی تا کیا کرے وہ کیسے فیس کرے گا۔

”یہ تو میں نے نہیں کہا کہ میں اپنی مرضی سے کروں گا۔“

”مگر تمہاری خاموشی اور تیر ہی بتاتے ہیں۔“ وہ اسے گھورنے لگے، کلثوم بانو کو ان کا ایسا انداز ہمیشہ ناگوار ہی گزرتا تھا۔

”آپ جوان بیٹے کی بھی کچھ تو مرضی سنئے۔“

”ہم سے ہمارے باپ نے نہیں پوچھی تھی یہ کوئی انوکھا ہے جو میں اس سے پوچھوں۔“ وہ تو انہیں بھی ایسے ہی ٹکا سا جواب دیتے تھے، کلثوم بانو دل مسوس کے ہی رہ جاتی تھیں۔

”ایک ہفتہ ہے تمہارے پاس جتنا سوچنا ہے سوچ لو، کیونکہ میں نیاز سے بات تو پہلے ہی کر چکا ہوں۔“ وہ کھڑے ہو گئے۔ حمود بھٹکا کے ہی رہ گیا، جب بھی حکم صادر کرتے تھے پولیس والوں کے سے انداز سے۔

”امی! میں بتا رہا ہوں مجھے تمہاری میں ذرا بھی انٹرسٹ نہیں ہے، لاکھ میں ایڈوائس سہی مگر مجھے لڑکی ایسی ایڈوائس نہیں چاہئے۔“ وہ بابا جان کے جاتے ہی ان سے بولنے لگا۔

”ارے یہاں آ جائے گی تو تم اپنی مرضی اور پڑا۔“ اٹھال لیتا۔

”آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے وہ برتن ہو جو میں ڈھال لوں گا“ امی وہ لڑکی نہیں سمجھتی ہے، بہت بولتی ہے اور مجھے ایسی بولنے والی لڑکی تو قطعی پسند نہیں۔“ وہ گویا ہوا۔

جبکہ بولنے والی تو منجھی بھی تھی، کیسے زبردستی اسے مجھ پر غلبہ کر کے نکاح تک کے لئے قائل کر لیا تھا اور وہ کر بھی چکا تھا، انجام سے اسے ڈر لگ رہا تھا، امی کو بتا کر ان کے ارمان چکنا چور نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس لڑکی کو چھوڑ کے اپنے لئے عذاب کھڑا نہیں کرنا چاہتا تھا وہ نہ آگے جا پا رہا تھا اور نہ ہی پیچھے کیونکہ عریب کی امی کا پیغام بھی اسے محریب کے ذریعہ ہی ملا تھا کہ۔

”اگر تم نے منجھی کو طلاق وغیرہ کا سوچا تو تمہارے گھر آ کر وہ ہنگامہ کروں گی کہ تمہیں خود کو اپنے گھر میں جگہ نہ ملے گی۔“ کتنا پریشان اور مغموم اور ٹھکر زدہ تھا، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

”تم اتنا سوچو نہیں، تمہنی اتنی بھی بُری نہیں ہے۔“

”امی! آپ بھی کیا بھائی کو زبردستی پسند کر داری ہیں، مجھے بھی نہیں پسند ہیں وہ۔“ راحمہ سے تو وہ بالکل برداشت ہی نہیں ہوتی تھی۔

”ابھی سن لیا تھا تمہارے بابا جان نے، خوب سنائیں گے۔“ انہوں نے راحمہ کو ڈانٹ دیا جبکہ وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

”امی پلیز! کچھ دنوں کے لئے آپ بابا جان کو روک دیں۔“ وہ منجھی لہجہ میں گویا ہوا، چہرے پر اس کے اتنی ہوائیاں تھیں کہ کلثوم بانو نے تشویش بھری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

”حمود! کوئی لڑکی وغیرہ کا تو چکر نہیں ہے؟“ راحمہ کی تو آنکھیں پھٹ گئیں اور کان بھی کھڑے ہو گئے وہ شاید اس وقت بھول گئی تھیں کہ وہ بھی یہاں موجود ہے۔

”تم کیا آنکھیں پھاڑ رہی ہو؟“ حمود نے اسے گھورا۔

”بھائی! آپ کی شکل سے تو مجھے یہی اندازہ ہو رہا ہے کہ کچھ ایسی ہی بات ہے۔“ وہ بھی سننے کے ساتھ مذاق اڑانے لگی۔

”ابھی تم بھی ہوا اتنی بڑی باتیں نہیں کرو۔“

”جاؤ راحمہ! تم پڑھائی کرو۔“ کلثوم بانو نے اُسے ٹالا۔

”کیسے پڑھائی کروں میتھ میرے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے، کوئی بھی ٹیوٹرنگ نہیں رہا، میرا دل نہیں لگ رہا ہے پڑھائی میں۔“ اس نے تو صاف انکار کر دیا۔

”دیکھو تو اس لڑکی کو کیسے پڑھائی سے بھاگتی ہے۔“

”پڑھ کے کرنا کیا ہے مجھے اردو بھی آتی ہے انگلش بھی، کمپیوٹر چلا لیتی ہوں، موبائلز سارے مجھے چلانے آتے ہیں۔“ اپنے تقاریر زدہ انداز میں وہ ہاتھ نچا کر بول رہی تھی تو حمود کو ہنسی آ گئی۔

”ادبجو لی گڑیا! تعلیم بھی ضروری ہے ابھی تم ہونا کچھ میں۔“ حمود نے اس کے چپٹ لگائی۔

”پھر کریں کسی ٹیچر کا انتظام آپ کو تو ٹائم ہی نہیں ہے وہ کو چنگ میں آپ نے ہی لگایا تھا، اتنا بڑا تھا بھائی سوائے ہنسی مذاق کے ادھر ہوتا ہی کیا تھا۔“ وہ بولنے میں بڑی ماہر تھی اور ان کے گھر کی رونق بھی وہی تھی۔

”کتنی زبان چلتی ہے اس لڑکی کی۔“ کلثوم بانو نے سر ہی تھام لیا۔

”ارے امی! بولنے دیا کریں ہمارے گھر کی جینا ہے۔“ حمود کو اپنی اکلوتی چھوٹی بہن سے محبت بھی بہت تھی۔

”بھائی! پلیز کسی طرح بھی اچھی سی ٹیچر کا بندوبست کریں۔“ گویا اس نے حکم دیا۔

”میں نے کہا ہوا تو ہے دیکھو ہو جائے گا کچھ بندوبست، ابھی تم جاؤ اور کچھ پڑھ لو۔“ اس نے گویا اسے ٹالا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی، کلثوم بانو کی نگاہ اب حمود پر لگ گئی تھی جو ڈھیلے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”دیکھو حمود! اگر تم کسی لڑکی کو پسند کرتے ہو تو مجھے بتا دو۔“

”ارے امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ گڑبڑا بھی گیا کیونکہ وہ ماں تھیں اور اس کی ہر بات کو جیسے بھانپ ہی جاتی تھیں۔

”میں بس یہ چاہتا ہوں کہ کچھ تو وقت دیں۔“

”بیٹا! کب سے تو وقت دیا ہوا ہے ہم صرف تمہاری منجھی کر دیتے ہیں شادی میں کچھ گپ رکھ لیں گے اس طرح تمہنی اور تم ایک دوسرے کو سمجھ بھی لو گے۔“ وہ اُسے ہر طرح سے قائل کرنے کے ساتھ راضی بھی کرنا چاہ رہی تھیں اور وہ تذبذب کا شکار تھا کہ انہیں کیسے بتائے کہ وہ کتنا بڑا معرکہ سر کر کے آ رہا ہے۔

”اچھا! میں سوچ کے جواب دوں گا۔“ مری مری آواز میں کہا۔

”تمہنی اتنی بُری نہیں ہے، تھوڑی ماڈرن ہے اور آج کل کی لڑکیاں سب ہی ایسی ہیں۔“

”امی! سب ہی ایسی نہیں ہوتی ہیں آپ جانتی بھی ہیں، منجھی بھی ہیں، عریب کے کزن کی بیوی کو دیکھا ہے میں نے، پھر عریب کی منجھی کو بھی دیکھا ہے وہ ان جیسی تو نہیں ہیں۔“ وہ گویا کھیا ہی گیا۔

”ارے تم یہ بھی تو دیکھو وہ اکلوتی ہے جو نہ کرے کم ہے۔“

”ایسے تو میں بھی اکلوتا ہوں، پھر میں بھی ماڈرن نہ بن جاؤں، پارٹیز کلب وغیرہ نہ جوائن کر لوں۔“ جواب تو وہ پھٹ سے دیتا تھا۔

”بس میں کچھ نہیں کر سکتی ہوں، تمہارے بابا جان کے آگے۔“ انہوں نے ہاتھ ہی اٹھا لیا۔

”بابا جان کو بس فیصلے سنانے آتے ہیں۔“

”اچھا آہستہ بولو ابھی آگے تاں خوا خواہ پھر ہنگامہ ہو جائے گا۔“ انہوں نے اسے خاموش کرایا۔

”آپ بھی سن لیں مجھے منجھی نیاز طلی سے شادی بالکل نہیں کرنی ہے۔“ وہ بھی اڑ گیا۔

”لیکن تم جانتے ہو وہ جو کہتے ہیں وہ ہوتا ہے۔“ کلثوم بانو نے اسے جتایا۔

”پلیز امی! منجھی میرے مزاج کی لڑکی نہیں ہے، میں کہاں اتنا فیشن افورڈ کر سکتا ہوں۔“ وہ روہانسا ہو گیا۔

”اچھا! اچھا بس کرو رونا، ابھی تم جا کر آرام کر دینا بعد کی بات ہے۔“ انہیں اس کی حالت پر گویا ترس ہی آ گیا۔

”امی! سچ کہہ رہا ہوں مجھے ایسی لڑکی نہیں پسند، بابا جان صرف اپنی پارٹنرشپ کی وجہ سے مجھے داؤ پر لگا رہے ہیں۔“

”فصلوں نہیں سوچو ایسی بات نہیں ہے۔“ وہ خود کوں سا منجھی کو پسند کرتی تھیں، انہیں تو خود اپنی بہو گھریلو اور سادہ سی چاہئے تھی مگر شام سالار کے آگے وہ بے بس سی تھیں۔

☆☆☆

اُسے یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا، دودن تک تو وہ چپ چپ اور کم مہم سی بیٹھی رہی مگر پھر مبینہ نے ہی اسے ساتھ لگا کر خوب پیار کیا اور تسلی دی اور پھر وہ جواب میں خود پر قابو نہ پاسکی تھی، اپنی ساری کہانی بتا دی تھی۔

باپ تو سمجھن میں ہی مر گیا تھا، ماں نے اسے پالا تھا ایک چچا تھا جو بُری محبت کا تھا، ماں نے اسے زیادہ تر

ہوٹل میں رکھا تھا وہ ماسٹر زکر رہی تھی اور پھر جب چچا نے اس کا رشتہ کسی ادیب عمر جاگیر دار سے کر دیا تو ماں نے ہی اسے راتوں رات بھاگ دیا تھا اپنی ایک رشتہ کی بہن کا ایڈریس بھی دیا تھا جن سے وہ سالوں نہیں ملی تھیں ان کی شادی ایک امیر خاندان میں ہی ہوئی تھی اسے اس ایڈریس پر نہ ملیں تو وہ کیسے خود کی گاڑی میں گھر کے بیٹھی اور کیسے یہ سب ہوا۔

اب جو وہ خود حیران تھی اتنا روئی کہ مہینہ نے اسے ایک بار ہی کھل کر رونے دیا کہ کم از کم وہ اپنے دل کا غبار ہلکا کر لے اور ہوا بھی وہی دل اس کا ہلکا ہو گیا تھا پھر تہذیب حکمت اور حمزہ نے اسے بالکل اپنی سگی بڑی بہن کا درجہ دے دیا تھا وہ اور بھی رودی اتنے پیار بھرے پر خلوص رشتوں پر ایک وہ سگا اس کا خون جو چچا باپ کی طرح ہی ہوتا ہے وہ کیسا ظالم تھا۔

”کہاں کی سیر ہو گئی خیالوں میں کہیں ان کو تو یاد نہیں کیا جا رہا ہے۔“ تہذیب نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے منتہی کو شہو کا مارا وہ جھینپ گئی۔

”کیوں مجھے انہیں یاد کرنا چاہیے۔“ پھکی اور مغموں سی ہنسی کے ساتھ بولی۔
 ”کرنا چاہیے ان سے آپ کی شادی ہوئی ہے۔“ اس نے منتہی کا افسردہ سا چہرہ دیکھا۔
 ”پتہ نہیں سچ بھی ہوا ہے یہ سب یا نہیں کیا سوچتا ہو گا وہ شخص میرے بارے میں کس طرح کی لڑکی ہوں۔“
 ”آپ بہت اچھی لڑکی ہیں“ فضول کچھ نہیں سوچتے جلدی سے یہ بتائیے دیکھنے میں کیسے ہیں؟“ تہذیب کو حمود کی شخصیت جاننے کا اشتیاق ہوا۔

”کیسے ہیں بہت چیتے ہیں ڈانٹتے ہیں اور غصہ بھی بہت آتا ہے۔“ منتہی کے ذہن میں سارے منظر ایک ایک کر کے آنے لگے۔

”دیکھنے میں کیسے ہیں؟“ وہ شوق لہجے میں بولی۔
 ”ٹھیک ہیں بس۔“ وہ زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہ رہی تھی۔
 ”کیا مطلب ٹھیک ہیں مجھے یہ بتائیے دیکھنے میں کیسے ہیں؟“
 ”جیسے سارے مرد ہوتے ہیں وہ بھی دیسے ہی ہیں۔“ وہ پھر ٹالنے لگی۔
 ”پلیز منتہی باجی! مجھے سیدھی طرح بتائیے۔“ تہذیب نے اسے ہاتھ پکڑ کے واپس بیڈ پر بٹھالیا۔
 ”ارے تم تو بہت ہی ضدی لڑکی ہو پچھتے ہی پڑ گئی ہو۔“
 ”مجھے آپ مسٹر حمود سالار کے بارے میں بتائیے۔“

”میں سچ کہہ رہی ہوں میں نے غور سے نہیں دیکھا ہے ہاں اتنا بتا دوں ڈشنگ ہیں۔“ وہ اتنا بولی۔
 ”ہوں..... گڈ! اس کا مطلب ہے بندہ زبردست ہے کیونکہ آپ کے ساتھ کوئی ایویں بندہ سوٹ بھی نہیں کرتا۔“ وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔

”تمہیں پتہ ہے ناں ہماری پیچھے میرج ہے۔“
 ”ارے آپ دیکھیے گا! اصلی کی شادی ہو گئی آپ کی اور یہ تو طے ہے کہ آپ ہمیشہ انہی کی بیوی بنی رہیں گی۔“
 ”تہذیب! کیسے وہ ان کے گھر والے مجھے قبول کریں گے اور پھر یہ حمود سالار اتنا چیتا ہے اتنا ڈانٹتا ہے مجھے اور ہمیشہ کے لئے اپنی بیوی بتائے ناممکن ہے۔“ منتہی کا لہجہ افسردہ سا ہو گیا۔
 ”اگر اوپر والے پر یقین ہو خود پر اعتماد ہو تو وہ بندہ آپ کا ہی رہے گا۔“ اس نے منتہی کے ہاتھوں کو پیار سے

دبایا۔ منتہی نے مغموں سی لگا ہوں سے اسے دیکھا جو کتنی اس کے لئے مشکری تھی مسکرا کے تہذیب کا رخسار چھپچھپایا۔
 ”تم ذرا ایک کام کرو محریب بھائی کے گھر سے مجھے گزشتہ دنوں کے سارے اخبار لا دو۔“ اسے یاد آیا۔

”یعنی آپ نے سوچ لیا ہے کہ جا ب کر نی ہے۔“
 ”ہوں۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔ تہذیب فوٹو آئینہ کی ٹیبل کے لئے کھڑی ہو گئی آج وہ آفس سے جلدی آ گئی تھی حمزہ کو ساتھ لے کر وہ کچھ گھر کا سودا سلف وغیرہ لے آئی تھی مغرب تو اسے آنے میں ہی ہو گئی تھی۔ وہ جھجکتی ہوئی آ گئی تھی سامنے ہال کمرے میں دیکھا کوئی نہ تھا البتہ کچن سے کسی کی موجودگی کا پتہ چل رہا تھا وہ وہیں چلی آئی۔
 ”السلام علیکم آئی! اس نے نزہت کو دیکھا۔

”ارے تہذیب! کیسی ہو بیٹا؟“ وہ کچھ شاید پکانے میں مصروف تھیں۔
 ”جی ٹھیک ہوں۔“ وہ چوکھٹ پر ہی رُک گئی۔
 ”وہ منتہی سیٹ تو ہو گئی ہے ناں؟“ انہوں نے اس کے متعلق بھی پوچھا۔
 ”بالکل ایک دم سیٹ ہو گئی ہیں۔“ مسکرا کے بتایا۔
 ”وہ آئی! مجھے ایک ہفتے کے اخبار چاہیے۔“

”اخبار ہاں وہ تمہیں لاؤں گے میں ٹیلی فون کی ٹرائی کے ساتھ ایک ٹوکری رکھی ہو گی اس میں دیکھ کے لے لو۔“ انہوں نے بتایا۔

”جی اچھا۔“ وہ فوراً ہی مڑ گئی کیونکہ وہ جلدی میں تھی لاؤنچ میں آئی تو دیکھا محریب اور فائق وہاں موجود تھے وہ جھجک کے رُک سی گئی۔

”ارے آج تو ہماری گڑیا سی بہن آئی ہے۔“ محریب نے اسے دیکھ کر مسکراتی نگاہ ڈالی۔ وہ گڑبڑ اسی گئی جھٹ سلام کر ڈالا فائق سنکل صوفے پر ہی براہمان تھا اس نے بھی ایک نگاہ تہذیب پر ڈالی جو گرین لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس اپنی سادگی میں بھی نمایاں تھی۔
 ”وہ مجھے اخبار لینے تھے۔“ وہ منمنائی۔

”ہاں لو اس میں بتانے کی کیا بات ہے تمہارا اپنا گھر ہے۔“ وہ کچھ نزدیکی بھی ہو رہی تھی کیونکہ فائق ٹی دی سے اپنی توجہ ہٹا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”تمہارا سوشل ورک کیسا چل رہا ہے؟“
 ”جی وہ ٹھیک چل رہا ہے۔“ وہ فائق کے سامنے کچھ جھٹا سی ہو گئی کیونکہ اسے یہ بھی ڈر ہو رہا تھا کہ وہ فاطمہ کے کیس کا ذکر نہ کر دے۔

”محریب بھائی ایک بات کہوں؟“ فائق یکدم ہی بولا۔ تہذیب کا دل دھڑک اٹھا وہ جھٹ اخبار اٹھا کے جانے لگی۔ فائق مسکرا دیا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیوں تیزی سے کھل گئی ہے۔

”ایسے تو تمہیں میں ضائع نہیں ہونے دوں گا تہذیب! انہ میں نے تمہیں اس سوشل ورک سے باہر نکالا ہو۔“
 فائق دل میں معمم ارادہ کر چکا تھا حالانکہ وہ کوئی محبت کے چکر میں نہیں بس اس کی عزت کے لئے ایسا کرنا چاہ رہا تھا۔

☆☆☆

”اسی لئے تم دوڑ دوڑ کے اپنی دادی سے ملنے جاتی ہو۔“
 ”امی! میں سچ کہہ رہی ہوں میں نہیں جا رہی تھی وہ مجھے احمد بھائی اور شامین بھائی لے کر گئی ہیں۔“ وہ انہیں اتنی

صفائیاں دے رہی تھی کہ سمیرا کا حصہ کسی طور کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔
 ”میں نے تمہیں خود محریب کی گاڑی میں بیٹھے دیکھا تھا میری آنکھیں کیا دھوکا کھا رہی ہیں۔“ انہوں نے روتی ہوئی عتاب پر استغناء سے نگاہیں ڈالی تھیں۔
 ”میں بے شک بیٹھی ان کی گاڑی میں تھی مگر مجھے نہیں پتہ تھا کہ احد بھائی کہاں جانے کو کہہ رہے ہیں۔“
 ”بس عتاب! تم اور تمہارا باپ اسے صرف وہ پسند ہے جو مجھے ناپسند ہے اور پر سے دشہ کی شادی کا نیا شوشہ چھوڑا ہوا ہے۔“ اب ان کا زلہ دوسری طرف گرنے لگا۔
 عتاب کو سمیرا کی ایسی باتیں اتنی تکلیف دے رہی تھیں کہ وہ ان سے تو مزید صفائی میں کچھ کہتی بھی نہ تھی وہ تو اپنی ماں اور دھیال والوں کی بھی کوئی برائی نہیں سن سکتی تھی۔
 ”اور وہ مائز! مجھے شروع سے ہی وہ لڑکا ایک آنکھ نہیں بھایا ہے اتنی زبان اس کی چلتی ہے نہ بڑے کا لحاظ نہ چھوٹوں کا خیال۔“ دشہ اور معارج نے ایک دوسرے کو دیکھا کیونکہ وہ خود کون سا بڑوں کا خیال کرتی تھیں ایک لائن میں کھڑا کر کے سب کو بے نقط سنا رہی تھیں چاہے وہ دادی جان ہوں بڑی امی ہوں یا چھوٹی تائی ہوں ان کی نظر میں کوئی بڑا چھوٹا نہ تھا۔
 ”تمہارے منہ میں زبان نہیں تھی کہ انکار کر سکو۔“ انہوں نے دشہ کو گھورا۔
 ”امی! ہر بات کی حد ہوتی ہے ابھی آپ آپ کی کوسنار ہی نہیں اب آپ دشہ کے پیچھے پڑ رہی ہیں۔“ معارج سے برداشت نہ ہوا تو وہ گویا ہوا۔
 ”تم چپ کر دوسارے ہی اپنے باپ کے اور دھیال والوں کے چچے ہیں۔“
 ”میں جو بھی کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں آپ کچھ تو خیال کریں۔“
 ”میں خیال کروں، کبھی جواد احمد نے میرا خیال کیا ہے؟“ ان کی آنکھیں غصے سے باہر ہی نکل گئیں۔
 ”معارج! تم چپ کر دو۔“ عتاب نے اسے سرزنش کی۔
 ”میں اگر گھر میں چھوٹا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب مجھے ڈانٹتے رہیں، کبھی چھوٹوں کی بھی پلیز امی سنا کریں۔“ وہ روہانسا ہو گیا۔
 ”آج ماں کے منہ پر چڑھ رہے ہو تم سب کوئی نہیں ہے میرا میں ماں ہوں تم لوگوں کی مگر تمہارے باپ نے میری عزت دو کوڑی کی کردی ہے۔“ وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئیں۔
 ”امی! ایسا تو نہ بولیں آپ ہمارے لئے بہت اہم ہیں غلط نہ بولیں۔“ عتاب ان کے قریب آ کے بیٹھ گئی۔
 ”ہٹ جاؤ میرے پاس سے تم تینوں دفع ہو جاؤ۔“ وہ چیخنے ہی لگیں۔ عتاب جڑ بڑی ہو گئی دشہ اور معارج اندر چلے گئے جبکہ عتاب وہیں بیٹھی رہی وہ انہیں ایسی حالت میں تو نہیں چھوڑ سکتی تھی اس کی قابل رحم ہستی ماں تھیں وہ انہیں ان کی غلط سوچوں سے نکالنا چاہتی تھی بچپن سے انہیں ایسے ہی جلتے کڑھتے اور لڑتے جھگڑتے ہوئے دیکھتی آرہی تھی۔
 ”میری بیٹی کی اتنی اہم ہو گئی کہ وہ اپنی من مانی کر کے اپنے منگیتر کے ساتھ یوں آزادانہ گھومتی پھر رہی ہے اسے ذرا احساس نہیں ہے ماں کا جو لوگ مجھے شروع سے اچھے نہیں لگتے ہیں کیوں ان سے رشتہ جوڑ رہی ہو یو لہو اپنے باپ سے نہیں کرنی تمہیں وہاں شادی۔“
 ”شروع کر دی تم نے اپنی دہی بکواس۔“ جواد احمد نے ان کی بات سنی وہ عشاء کی نماز پڑھ کے آئے تھے۔

”پلیز ابوا آپ کچھ نہیں بولیں گے۔“ عتاب نے روہانسا ہو کر انہیں منع کیا۔
 ”میں کیوں نہ بولوں یہ ہم سب کو ٹینشن دیتی رہے اور میں کچھ نہ بولوں۔“
 ”تم نے مجھے ساری زندگی ستایا ہے جواد احمد! کبھی میرا خیال نہیں کیا ہے میرے بچے تک مجھ سے چھین لیے ہیں۔“ وہ جیز لہجے میں پھنکاری تھیں۔
 ”یہ تمہاری سوچ ہے کہ بچے چھین لیے ہیں بچے آج بھی تمہارے ہیں ارے تم تو اپنے بچوں پر فخر کرو کہ اتنے اچھے ہیں کہ وہ تمہارا اتنا خیال کرتے ہیں۔“
 ”یہ خیال کرتے ہیں اس بیٹی کو دیکھو جاتی ہے دادی کے پاس اور گھومتی پھرتی ہے تمہارے بچے کے ساتھ۔“ انداز اتنا قہمائی اور طنز یہ تھا کہ عتاب شرمندگی سے نگاہ تک نہ اٹھا پائی۔
 ”کوئی ایسی معیوب بات نہیں ہے اس کا منگیتر ہے اگر کہیں اس کے ساتھ چلی گئی تو کیا ہوا؟“ انہیں عتاب کی حالت پر رحم آیا وہ اٹھ کے اندر چلی گئی۔
 ”تمہاری آنکھ میں تو کچھ بھی معیوب نہیں! بس میرا پارلر میک اپ بننا سنو رنا معیوب ہے۔“ وہ بولی تھیں۔
 ”سمیرا! بس کر دو تم یہ طعنے دینا۔“
 ”کیوں اس کروں تم نے کبھی کیا ہے؟“ وہ بولیں۔
 ”جو بھی تمہیں غصہ ہے ختم کرو اور دشہ کی شادی کی تیاریاں کرو۔“
 ”سن لو تم میں کسی بھی تیاری میں نہ تو حصہ لوں گی اور نہ اس شادی میں بیٹھوں گی۔“ وہ بھی ایک ضدی تھیں۔
 ”تم مجھ سے ضد کر رہی ہو؟“ وہ بھی بھنا گئے۔
 ”مجھے مائز بالکل پسند نہیں ہے۔“
 ”تمہیں تو محریب بھی پسند نہیں ہے کیا بیٹیوں کو ایسے ہی بٹھا کر رکھنا ہے۔“ ان کے تو آگ ہی لگ گئی۔
 ”کچھ بھی ہو مائز تو قطعی نہیں بہت بد تمیز لڑکا ہے۔“
 ”میرے سارے بچے تمیز والے ہیں سب میری بہت عزت کرتے ہیں تمہیں تو عادت ہے سب میں کیڑے نکالنے کی۔“ وہ بے زار سے ہو گئے۔
 ”اور ہاں اب میں تم سے کچھ کہوں گا بھی نہیں شرکت نہیں کرتی ہو شادی میں تو نہ کرو۔“
 ”ہاں تمہیں کیا فرق پڑے گا کیونکہ تمہارا سارا گھرانہ تو موجود ہو گا نا۔“ سمیرا تو جلیبلا ہی گئیں۔
 ”خبردار! اگر تم نے میرے کسی بھی گھر کے فرد کو کچھ کہا تو ارے وہ تو تمہیں کچھ نہیں کہتے پھر کیوں اتنا جلتی ہو؟“ وہ جھٹکے سے مڑے۔
 ”مدا کہنا انہوں نے شروع کیا تھا۔“
 ”سوچو کیوں کہنا شروع کیا تھا؟“ وہ طنز یہ کھیل لگا ان کے حلیے پر ڈال کر رہ گئے جو اتنی خشک کے کپڑوں پر اپنے شو لڈر کٹ بالوں کے ساتھ ان کے سامنے ہی تھیں۔ سمیرا کو سمجھانا تو دیوار سے سر پھوڑنے کے مترادف تھا وہ مرے مرے قدموں کے ساتھ ٹیس برچلے گئے تھے اتنے دل گرفتہ ہو گئے تھے کیسی ماں تھی وہ کہ اپنے بچوں تک کا نہیں سوچتی تھی بس جلن اور حسد نے انہیں اتنا تباہ و برباد کیا ہوا تھا اور بچے اپنی ماں کے لئے اتنا مارتے تھے۔

☆☆☆

اسے چاچو نے بلایا تھا اور جانا بھی ضروری تھا مگر جانا چاہا نہیں رہا تھا کیونکہ عتاب کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہا تھا

کیونکہ اسے دیکھ کر غصہ ہی آنے لگتا تھا، مائز کی شادی کے جتنے دن قریب آ رہے تھے اس پر چڑچڑاہٹ سوار ہو گئی تھی۔ اگر سمجھتا تھا تو اسے احمد ہی یا پھر ایک حمود تھا مگر پانچ چھ سال کے عرصے میں اس سے بھی اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ مگر اب اتنے عرصے بعد وہ ملا تھا تو اس سے اس کی بات چیت رہتی تھی، موبائل پر مستقل رابطہ تھا کیونکہ منتہی کی وجہ سے بھی وہ اس سے اپنی ہر بات شیئر کرنے لگا تھا، اس نے سوچا تھا کہ واپسی پر وہ حمود کی طرف بھی چکر لگالے گا، کب سے وہ بیٹھا تھا چائے وغیرہ بھی آچکی تھی، سیرا ابھی تک اپنے پارلر میں ہی تھیں، جبکہ جو اد احمد نے اسے کسی مسئلے پر ڈسکس کے لئے ہی بلایا تھا، وہ ابھی تک نہیں آئے تھے آفس سے آ کر وہ کہیں کام سے چلے گئے تھے، معارج دوست کی طرف نکلا ہوا تھا کیونکہ اس کے انجینئرنگ کے سمسٹر ہونے والے تھے، کمپائن اسٹڈی اکثر وہ کرتا تھا، وشہ شرم کی وجہ سے صرف سلام کر کے چائے وغیرہ دے کے چلی گئی تھی، ڈرائنگ روم میں وہ اکیلا بیٹھا تھا، دس بجتے والے تھے بار بار اپنی ریٹ واپس پر نگاہ ڈالے جا رہا تھا، عتابہ کی اس نے ابھی تک جھٹک نہیں دیکھی تھی۔

جب وہ سامنے ہوتی تھی تو اندر کی محرومیاں اور غصہ ابھرنے لگتا تھا اور جبکہ وہ سامنے نہیں تھی تو عجیب بے چینی اور بے قراری ہو رہی تھی، اس سے مزید انتظار نہیں ہوا تو وہ کھڑا ہو گیا، اسی وقت وہ رسٹ کمر کے کھدکے سوٹ میں قرینے سے دوپٹہ شانوں پر پھیلائے جھکتی ہوئی اندر آ گئی، محریب رُک گیا ایک طنزیہ فہمائش نگاہ اس پر ڈالی اور خفگی زدہ انداز دکھایا۔

”ابو آنے ہی والے ہیں آپ لاؤنج میں آ جائیں ٹی وی لگالیں۔“ اس سے بات کرتے ہوئے ڈر بھی لگنے لگا تھا۔

”کتنی دیر لگے گی میں تو چاچو کے موبائل پر کال کر رہا ہوں لیکن وہ ریسیو نہیں کر رہے ہیں۔“

”وہ موبائل گھر میں ہی بھول گئے ہیں ابھی فون آیا ہے۔“ وہ بولی۔

”اوہ نو.....“ محریب نے سر ہی پکڑ لیا۔

”تم مجھے پہلے سے آ کے نہیں بتا سکتی تھیں، کب سے یہاں اکیلا بیٹھا ہوں، کچھ فکر ہے تمہیں۔“ وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

”جی..... وہ میں کچن میں تھی۔“ وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

”پلیز عتابہ! کب تک تم یہ ڈرامے کرتی رہو گی؟“

”جی۔“ وہ گھجی نہیں۔

”میں ابھی تو جا رہا ہوں ایک گھنٹے میں واپس آتا ہوں۔“ وہ جانے لگا۔

”آپ مجھے پہلے یہ واضح کر دیں کہ میں کون سے ڈرامے کرتی ہوں؟“ عتابہ کون کے غصہ آ گیا۔

”ابھی تو میرے حوالے نہیں کی گئی ہو جس دن بھی میرے حوالے کر دی جاؤ گی ناں، بتاؤں گا میں تمہیں

تمہارے ڈرامے پھر دیکھتا ہوں کیسے بچتی ہو مجھ سے۔“ وہ غصے میں اتنی گہری اور ذومعنی بات کہہ گیا کہ عتابہ کے تو

عازوں پر سرخی چمک پڑی۔

”کیا مطلب ہے؟“ گھنیری پلکیں لرزی تھیں۔

”مطلب واضح کرنے لگا ناں تو تم یہیں میرے قدموں میں بے ہوش ہو جاؤ گی اور میں نہیں چاہتا کہ میں

تمہاری بے بسی سے فائدہ اٹھا کے تمہیں پھر مجبور کر دوں اپنے پاس آنے کے لئے۔“ وہ کہہ کر زک نہیں جیڑی سے نکل

گیا، کیونکہ دل اتنا بے قابو ہو رہا تھا کہ وہ جانے کیا اُلٹا سیدھا سے بول چکا تھا، حالانکہ اتنی کھلی گفتگو کسی بے باکی سے

کی ہی نہیں تھی، کچھ تھا بھی شرمیلا مگر آج تو انداز ہی جدا تھا، وہ اپنے منتشر ہوتے ذہن کے ساتھ حمود کے خوبصورت سے جدید طرز پر بنے بنگلے میں پہنچ چکا تھا، موڈ ویسے ہی اب سیٹ تھا، وہ اس کے سامنے بھی خاموش ہی بیٹھا تھا۔

”یہ تمہارا منہ کیوں اتنا لٹکا ہوا ہے؟“ حمود نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

”کچھ نہیں یار!“ اس نے گویا ٹالا ہی۔

”کچھ تو ہے بات جو تم اتنے خاموش بھی ہو۔“

”میری بات کو چھوڑ دیجئے یہ بتاؤ کہ تمہیں نکاح کئے ہوئے پورے آج پندرہ دن ہو چکے ہیں، کچھ خبر تک نہیں لی تم نے بھابی کی۔“

”یار! آہستہ بولو، یہاں بابا کے ملازم بھی موجود ہیں، فوراً بخبری نہ کر دیں۔“ اس نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کیا۔

”یار! تو کیا تم نے ابھی تک کسی کو نہیں بتایا؟“ محریب کو حیرانگی ہوئی۔

”آہستہ آہستہ ہی بتاؤں گا ناں، یہاں میرے باپ کو میری ممکنگی کی پڑی ہوئی ہے، وہ معاملہ تو دبے پھر ہی کچھ کروں گا۔“ آہستگی سے بولا۔

”یار حمود! جلدی کرو، کیونکہ تم میری امی کو نہیں جانتے ہو اگر وہ منتہی بھابی کا ہاتھ پکڑ کے لے آئیں ناں، میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔“ اس نے آگئی دی۔

”میں آ کر آئی کو سنہیال لوں گا، بس یار تو کچھ دن اور صبر کر لے میں کرتا ہوں کچھ نہ کچھ۔“ حمود خاصا پریشان اور ٹھکر زدہ لگ رہا تھا، جس دن سے نکاح کیا تھا اس کی بھی تو دنیا پلٹ گئی تھی۔

”کرتا ہوں کچھ نہ کچھ، کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”یہ تو طے ہے کہ حمود سالار جس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے وہاں صرف ایک شادی کی جاتی ہے اور جس سے کی جاتی ہے وہ اس کی عزت ہوتی ہے، وہ لڑکی میری منکوحہ ہے اور میری عزت ہے، چاہے زبردستی کی شادی ہوئی ہے لیکن ہوئی تو ہے نا۔“ وہ بولا۔

”تمہارے قبیلے میں دو شادیاں بھی ہو جاتی ہیں، سوچ لو۔“ محریب نے پھر کہا۔

”لیکن یہاں ایسا کوئی بات نہیں ہے، میرے والد صاحب نے نہ خود کی ہیں دو شادیاں اور نہ وہ بیٹوں کو ایسا کرنے دیں گے۔“ وہ بتانے لگا۔

”کچھ بھی ہو جلدی کر تم، بے جلدی وہ کب تک ایسے رہے گی۔“ محریب کو منتہی کی بھی فکر تھی۔

”یہ جتنی کا معاملہ تو ختم ہو پھر میں منتہی کے گاؤں جا کر بھی تو پتہ کر دوں کہ آخر ہے کون شخص جو اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اس کی ماں بھی تو ہے اسے بھی دیکھنا ہو گا جا کر۔“ حمود کو سب طرف کی ہی فکر تھی، جب اس لڑکی سے رشتہ جوڑ لیا تو

پھر اس سے جڑے تمام رشتوں سے بھی رشتہ جڑا تھا، کاغذی رشتہ باندھا تھا مگر اسے اس رشتے کی پاسداری رکھنی تھی۔

”حمود! ایک بات پوچھوں؟“ محریب نے پُر سوچ انداز میں اس پر نگاہ ڈالی جو صوفے کی بیک سے ٹپک لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔

”ہوں پوچھو۔“

”جن حالات میں تم نے نکاح کیا، تم اس لڑکی کے ساتھ خوش رہ لو گے اور اسے بھی رکھ لو گے؟“

”محریب! اول تو میں نے ایسا کچھ سوچا نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایسا ہو گا اور جبکہ یہ سب ہو ہی گیا ہے تو

”جواد نے فیصلہ تم پر چھوڑا ہے تم جو کہو گے اب وہی ہوگا“ وہ عنایت کی بھی ”سے گا“۔ امی کی تو پوری کوشش تھی کہ اس کی شادی بھی ہو جائے تو زیادہ اچھا تھا ورنہ پھر بعد میں کوئی اور مسئلہ نہ کھڑا کر دے میرا کیونکہ میرا کے مزاج سے سب ہی واقف تھے۔

”اب فیصلہ مجھ پر چھوڑا جا رہا ہے پہلے تو وہ سب اس کی سن رہے تھے مان رہے تھے اور بیچ میں یہ ماتر کی شادی کہاں سے آگئی پھر؟“ وہ تیز لہجے میں بولا حالانکہ وہ کبھی بھی تیز آواز میں کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔

”ماتر کی اور دوش کی بات تو ہم نے پھر بھی طے کرنی ہی تھی۔“

”مگر امی! اب میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا اور نہ اب میری شادی ہوگی۔“ اُسے بھی جیسے ضد آگئی کیونکہ جواد احمد نے بلایا ہی اسے یہی بات کرنے کے لئے تھا کہ وہ عنایت کے فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہتے تھے اس لئے کہ میرا نے اس دن دونوں کو ایک ساتھ گاڑی میں دیکھ کر جو فساد اٹھایا تھا وہ مزید اور کوئی تماشہ نہیں چاہتے تھے کہ میرا عنایت کو مجبور کر دے اور وہ یہ رشتہ توڑنے پر آمادہ ہو جائے۔

”وہ عنایت کی وجہ سے ہی تو کہہ رہا ہے کہ محریب کے ہاتھ میں اگر عنایت کا ہاتھ آجائے گا تو پھر عنایت کوئی الٹا قدم اٹھانے کے بارے میں نہیں سوچے گی۔“

”سوری امی! مجھے اس سر پھری لڑکی کا ہاتھ نہیں چاہئے میں سچ کہہ رہا ہوں میں ہمیشہ کے لئے واپس امریکہ چلا جاؤں گا اگر آپ نے یا کسی نے بھی مجھے مجبور کیا تو۔“ محریب کو تو اس بارزبردست نصیحت آیا تھا کیونکہ ایک تو وہ غصہ کرتا نہیں تھا مگر اس بار تو وہ کچھ سننا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

”اپنی دادی جان کا بھی حکم نہیں مانے گا؟“

”پلیز امی! دادی جان کا نام لے کر مجھے بلیک میل نہیں کریں آپ کو پتہ ہے نا ان کے لئے تو میں جان بھی دے سکتا ہوں۔“ وہ اگر مجبور ہوتا تھا تو صرف اپنی دادی کے لئے۔

”اگر وہ کہیں گی تو جب تو مانے گا نا۔“ وہ حسرت بھرے لہجے میں بولیں۔

”تو نے آج تک مجھے وہ اہمیت نہیں دی ہے جو تم نے اپنی دادی کو دی ہے اور مجھے شکایت بھی نہیں ہے۔“

”امی! امی آپ اب یہ نئی بات نکال رہی ہیں۔“

”کیسے نہ نکالوں ماں ہوں تیری۔“ وہ رونے لگیں۔ محریب سر پکڑ کے ہی بیٹھ گیا وہ آفس سے ابھی آیا تھا نہا کر بیٹھا ہی تھا کہ امی چلی آئی تھیں۔

”میں آپ کو تو کبھی بھی اپنے دل سے الگ نہیں جانتا ہوں۔“ اس نے انہیں اپنے ساتھ لگایا۔

”میری جیسی ماں تو کسی کی بھی اس دنیا میں نہ ہوگی جو سب کا درد اپنے دل میں لے کر گھومتی ہے۔“ وہ ان کے ہاتھ اپنے چہرے سے لگانے لگا۔

”زیادہ باتیں نہ بنا۔“

”آپ کا اتنا سادہ ہے پتہ ہے آپ سے میں ہر بات کر سکتا ہوں عنایت کی اپنی سارے جہان کی دادی جان سے کب کرتا ہوں ایک انہیں خوش ہی تو کرنے کے لئے ان کی بات مانتا ہوں کیونکہ انہوں نے ہم سب بہن بھائی کو بہت پیار دیا ہے کوئی بھی کزن نہیں بہن بھائی ہیں یہ سب کس کی وجہ سے صرف دادی جان کی وجہ سے آپ ہیں چچی جان ہیں اور رہے چاچو میرا چچی ان سے ہمیں ملنے ہی نہیں دیتی ہیں بتائیے

کوشش کروں گا۔“

”بھئی محبت کے تم رہ لو گے؟“ محریب کو حیرت ہوئی۔

”محبت.....“ حمود نے زیر لب کہا۔

”کبھی محبت کے بارے میں سوچا ہی نہیں ہے۔“

”میں تو کہتا ہوں کہ اگر جیون سا بھی اپنا پسندیدہ ہو تو زندگی اچھی گزرتی ہے۔“

”پتہ ہے محریب! ضروری نہیں کہ محبت پہلے کرو پھر شادی کرو ہو سکتا ہے مجھے اس سے ہو ہی جائے بعد میں۔“ وہ مسکرایا۔

”ہوں..... یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔“ محریب نے تائید کی۔

”میں نے تو ایسے بھی لوگ دیکھے ہیں جو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں پسند کرتے ہیں مگر شادی نہیں ہو پاتی ہے۔“ حمود نے آہستہ لہجے میں کہا۔

”خدا نہ کرے کہ میرے ساتھ ایسا کچھ ہو۔“ محریب جھٹ بولا۔

”یار! میں عام سی بات کہہ رہا ہوں۔“ وہ ہنسا۔

”اچھا سنو! ایک بار اپنی بیوی سے ملنے تو چلے جاؤ۔“

”کیوں نہیں ضرور جاؤں گا۔“ حمود نے کہا۔

”ایک بات کہوں حمود! تمہاری قسمت اچھی ہے بیوی اچھی ملی ہے۔“ محریب نے چھیڑا۔

”اچھا میں نے غور نہیں کیا۔“ وہ جینپ گیا۔

”غور کرنے کے لئے کہو تو انتظام کر دوں کہیں۔“

”خاصے خبیث آدمی ہو مجھے اگر غور کرنا ہوا تو تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے تم اپنی بتاؤ۔“ حمود نے اب اسے لپیٹ میں لیا۔

”اپنی کیا سناؤں ہر وقت آنکھوں میں رہتی ہے دل میں رہتی ہے۔“

”پھر گھر میں کب لارے ہو؟“ وہ معنی خیزی سے گویا ہوا۔

”جس دن بھی مجھ پر بھوت سوار ہوا اسی دن گھر میں بھی لے آؤں گا۔“

”پھر تو عنایت بھائی کی خیر نہیں۔“

”بکومت فضول میں۔“ محریب نے کشن اس پر اچھالا۔ خاصی دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے تھے پھر جواد احمد کی کال آئی تو اسے اجازت لے کر جانا پڑا کیونکہ ان کے پاس بھی اسے کافی ٹائم لگتا تھا اسے تشویش بھی تھی کہ انہوں نے کیوں بلایا ہے؟ اگر عنایت کے سلسلے میں بات کرنے کے لئے بلایا ہے تو وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

نزہت نے ندرت کو بلایا تھا تاکہ وہ کچھ شاپنگ کروادے سلائی کے سارے کپڑے مینہ کو دے دیئے تھے کیونکہ وہ بہت اچھے کپڑے سیتی تھیں پھر اس طرح ان کی مدد بھی ہو جاتی۔

”محریب! اب بھی سوچ لو تم؟“ امی نے اس سے پوچھا۔

”نہیں امی! ایسے تو بالکل نہیں اور پلیز بار بار یہ موضوع نہیں چھیڑا کریں میں چاچو سے کہہ کر آ گیا ہوں میری اور عنایت کی کوئی بھی بات نہیں ہوگی اب۔“ وہ خاصا بے زار اور اکتایا ہوا تھا۔

کیا آپ کو معلوم ہے.....؟

دنیا کے پچاس سے زیادہ ممالک میں کراچی میں ہونے والا تفسیر قرآن کا پروگرام انٹرنیٹ پر سنا جاتا ہے۔
الحمد للہ گزشتہ دو سالوں میں 12 لاکھ افراد نے تفسیر قرآن کی ویب سائٹ

www.darsequran.com کا وزٹ کیا۔

پوری دنیا میں پھیلنے والے قرآن کے کورسے کیا آپ اور آپ کے گھر والے بھی مستفید ہوئے.....؟
کیا آپ اور آپ کے بچوں کو اس پر نقش و رنگ میں آسان زبان میں قرآن سمجھنے کی ضرورت ہے.....؟

ہفت روزہ
دارالقرآن وادبیات

مفت قرآن
مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہ

ہر اتوار بعد نماز مغرب

خود شرکت کیجئے اور اپنے گھر والوں
اور دوستوں کو بھی دعوت دیجئے۔
مدنی جامع مسجد، نزد ڈی سی آفس (سینٹرل)
بلاک N، نار تھ ناظم آباد، کراچی، پاکستان۔

خواتین کے لئے یا پردہ انتظام

جو بیس گھنٹے با آسانی انٹرنیٹ پر قرآن کی تفسیر کے علاوہ

مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات اور بچوں کی اصلاحی کہانیاں بھی سنئے

www.darsequran.com

کتنے فاصلے آگئے ہیں دوریاں آگئی ہیں۔

”یہی دوریاں تو سمیٹنا چاہتے ہیں ہم تاکہ تم دونوں بھائیوں کی جواد کی بیٹیوں سے شادی ہو جائے گی تو پھر میرا شاید اپنے رویے میں تبدیلی لائے۔“ وہ اپنے آنسو پونچھنے لگیں۔

”آپ ابھی ماں کی شادی ہونے دیں خوشی خوشی خواہ مخواہ فضول کی ٹینشن بڑھے گی اور رہی عتاب بہت ٹھنڈ خود کو سمجھتی ہے نا اُسے وہاں رہ کر اپنی ماں کو ٹھیک نہیں کر پار ہی ہے اگر یہاں آ جائے گی تو میں سچ کہہ رہا ہوں امی وہ انہیں ہی سوچتی رہے گی۔“

”پھر جواد سے کیا کہوں میں؟“ وہ پوچھنے لگیں۔

”چاچو سے یہ بولیں کہ اتنی جلدی کوئی کام نہ کریں پہلے دھکی ہونے دیں اس کے بعد شاید کوئی مسئلہ کا حل نکل آئے۔“

”محبوب! مجھے یہ بتاؤ عتاب بہت کتنی سزا نہیں دینا چاہتا اُسے وہ بچی بہت معصوم ہے۔“

”بس رہنے دیں مجھے پتہ ہے کتنی معصوم ہے لیکن یہ صرف میں آپ کو بتا رہا ہوں عتاب نے بہت ہرٹ کیا ہے اس لئے میں بھی اسے کچھ تو سبق دوں۔“

”خبردار محبوب! کچھ الٹا سیدھا تم نے سوچا بھی۔“ انہوں نے سرزنش کی۔

”اپنی اس معصوم بچی سے کہیے اپنی امانت پر نظر پھرتی رہے خاکہ وہ میاں کی ذمہ داری سمجھائے گی۔“ جلا بھتا تو وہ پہلے ہی تھا۔

”فضول کی بک بک نہیں کرو۔“ وہ کھڑی ہوئیں۔

”کچھ بھی ہے آپ نے ہی کوئی بات بتائی ہے مجھ پر نہیں ڈالے گا اور ہاں اب کو بھی آپ ہی ہینڈل کیجیے گا اور پلیز دادی جان تک یہ بات نہیں پہنچنے دیجیے گا کیونکہ چاچو نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہارے فیصلے کے بعد انہیں بتائیں گے کچھ بھی۔“

”دیکھو تو اس لڑکے کو کیسے اپنی ماں کو ہدایتیں دے رہا ہے۔“ انہوں نے محبوب کو گھورا۔

وہ سونے کے لئے لیٹ چکا تھا آفس سے آیا بھی دیر سے تھا ڈنر باہر ہی کر لیا تھا۔

”میں آپ کو صرف بتا رہا ہوں ہدایت نہیں دے رہا۔“ وہ نکل سا ہوا۔

”یاد آیا محبوب! وہ محمود نے ابھی تک بھی ایک چکر نہیں لگایا اپنی بیوی کے پاس اس کے خرچے پانی کی بھی اسے کچھ پرواہ ہے یا نہیں۔“ انہیں یاد آ گیا تو وہ رُک گئیں۔

”کیا تھا اس کے پاس بھی آئے گا کسی دن۔“ بھکی سیدھا کیا اور لیٹ گیا۔

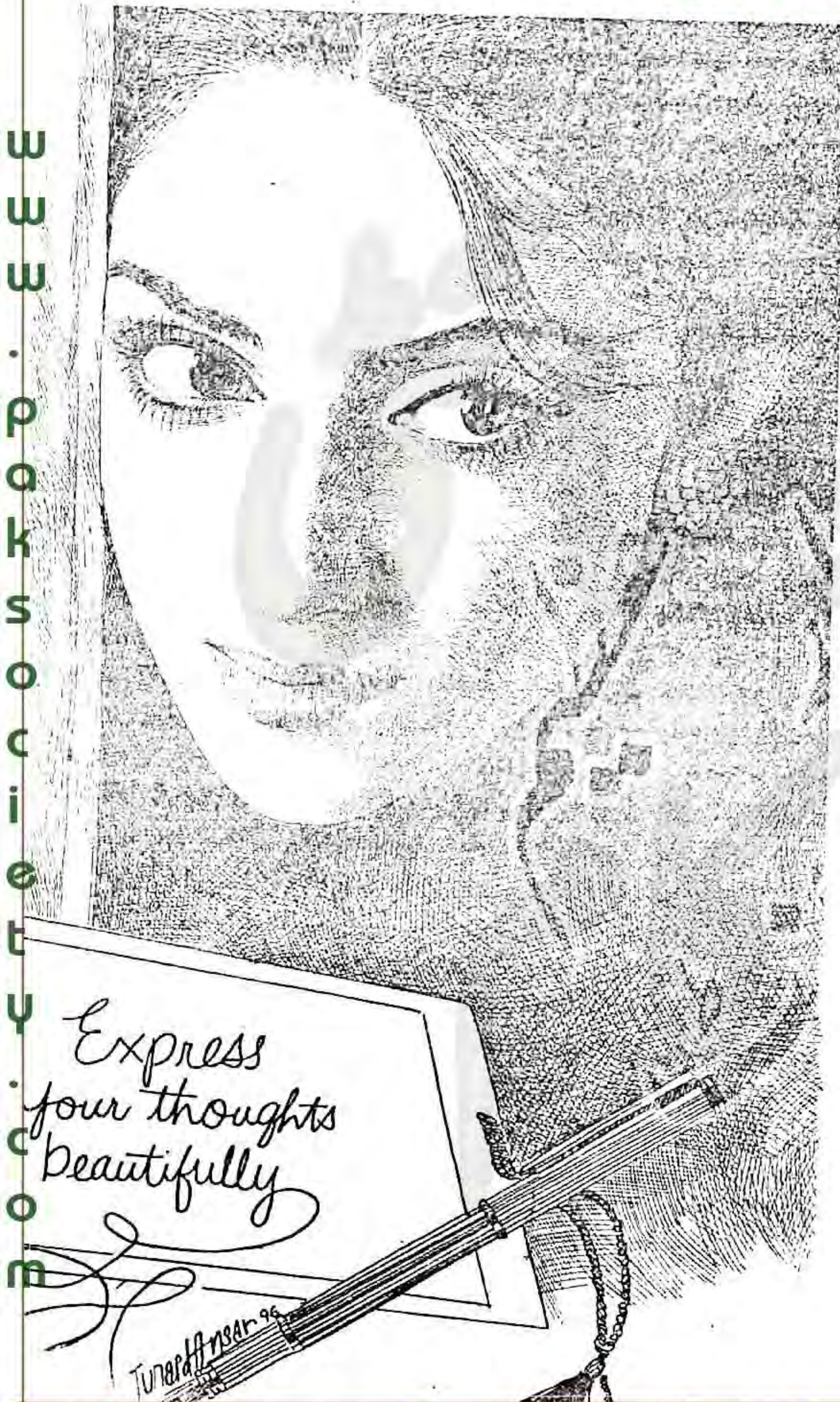
”اس سے کہنا اگر کچھ بھی الٹا سیدھا کیا ناں میں اس کے گھر پہنچ جاؤں گی۔“ وہ تو اس دن سے منتہی کے لئے کافی فکر مند تھیں جو اتنی ساداسی اور معصوم لگی تھی۔

”کچھ گھر کی پر اہم ہے کہہ رہا تھا آج کل میں چکر لگائے گا۔“

”یاد سے اسے کہہ دینا بیٹا! مجھے اس لڑکی کی بہت فکر ہے میری بیٹی کی طرح ہے۔“ وہ بولیں۔

محبوب کو اپنی ماں کی یہی عادت تو اچھی لگتی تھی وہ سب کے لئے ہی در در کمتی تھیں اور فکر مند بھی رہتی تھیں۔
(جاری ہے)

☆☆☆



شازیہ مصطفیٰ
سلسلے وار ناول - قسط نمبر 9 -

ہمایت و دل کی رحمت



ابھی اس نے گھر میں قدم رکھا بھی نہ تھا کہ وہ راہ میں حائل ہو گیا، تہذیب و حشمت زدہ سی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی، سرسبز شلوار میں ملبوس اپنی ڈسینٹ اور سو بر شخصیت کے ساتھ اس کے مقابل تھا۔

”بیٹے راستے سے“۔ اس نے فائق پر غصیلی سی نگاہ ڈالی تھی۔

”ابھی گیٹ پر وہی آدمی تھا نا جو اس دن ملا تھا؟“۔

”کون سے گیٹ پر؟“ وہ انجان بن کے نگاہ چرانے لگی۔

”دیکھو! تم بے وقوف کسی اور کو بتانا مجھے یہ بتاؤ ابھی وہ آدمی تھا کون؟“

”آپ آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔“

”کیسے نہیں بتا سکتی؟“ فائق نے بلا جھجک اس کا بایاں بازو اپنے مضبوط ہاتھ میں دبایا اور پیچھے کی طرف لے گیا

جہاں اس وقت چوکیدار بھی نہیں تھا، تہذیب کا تو سانس ہی رک گیا۔

”کیا حرکت ہے چھوڑیے مجھے۔“

”ابھی ایسے ہی پکڑا تھا نا اُس آدمی نے تمہارا بازو جھوٹ نہیں بولنا مجھ سے۔“ اس کی سرخ سرخ غصہ میں بھری

آنکھیں تہذیب پر تھیں۔ تہذیب نے متحش زدہ ہو کر اسے دیکھا جو جانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا، حالانکہ وہ تو

پتہ بچاتی آئی تھی اس آدمی نے یہاں کا راستہ بھی دیکھ لیا تھا، یہی اسے ڈر بھی تھا کہ وہ نہ دیکھ لے۔

”وہ فاطمہ کا سہینڈ تھا۔“ ناچاہتے ہوئے بھی اسے بتانا پڑا۔

”کیا دھمکی دے رہا تھا؟“ فائق نے اپنی نگاہ اس پر بھادی جو کاسنی لان کے کپڑوں میں ملبوس بڑی سی چادر میں

خود کو سمیٹے ہوئے تھی۔

”کہہ رہا تھا کہ اگر فاطمہ کو واپس نہیں بھیجا تو میں.....“ آگے بولتے ہوئے زبان نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

”آگے بولو۔“ اتنے جارحانہ انداز میں وہ پوچھ رہا تھا۔ تہذیب کو اس کا اکڑا انداز غصہ دلانے لگا جو کچھ نہیں آ رہا

تھا کہ کیوں اتنی اس میں دلچسپی لے رہا ہے جبکہ وہ تو اسے دیکھتی بھی چوری چھپے تھی فائق جانے کب اس کے دل میں

گھر کر چکا تھا، وہ خود حیران تھی مگر وہ اسے دیکھ کر انکارے چبانے لگا تھا۔

”آگے یہ کہ اگر فاطمہ واپس نہیں گئی تو مجھے غائب کروالے گا۔“

”ادھہ.....“ فائق نے لمبی سانس بھری۔

”پلیز! آپ محریب بھائی کو نہیں بتائیے گا۔“ اسے محریب کی فکر رہتی تھی کہ اگر یہ جاب بھی گئی تو اور مشکل ہو

جائے گی، پہلے ہی وہ محریب کے احسانوں تلے دبی ہوئی تھی۔

”اب تم جاؤ مجھے جو کرنا ہے وہ تو کروں گا میں۔“ وہ پرسوج لہجے میں بولا، تہذیب جانے لگی۔

”فائق فائق۔“ اسی وقت مائز کی آواز آئی تو دونوں ہی چونک گئے، کیونکہ دونوں پچھلی طرف تھے اور دونوں میں

سے کسی کو بھی ٹکلتے اس نے دیکھ لیا ساتھ تو فضول میں ان کا ریکارڈ لگتا۔

”زکوتم۔“ اس نے تہذیب کی کلائی پکڑ لی وہ گرتے گرتے بچی۔

”یار اکدھر گئے؟“ وہ پورے لان میں آوازیں دے رہا تھا۔

”اب کیا کروں؟“ وہ پریشان تھا۔

”تم ادھر زکوتم میں پہلے جاتا ہوں۔“ اسی وقت گیٹ پر کوئی دھڑ دھڑ کرنے لگا، فائق چونک گیا۔

”یار کون ہے دروازہ توڑتا ہے؟“ مائز چیخا تھا۔ دروازہ کھلا اور دیکھا تو کوئی تھا۔

”یہ..... یہ..... فاطمہ کا سہینڈ ہے۔“ تہذیب نے بھی دیکھ لیا کیونکہ گیٹ سامنے ہی تھا، دونوں سائیڈ سے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ فائق تیزی سے نکلا اور گیٹ تک پہنچ گیا، تہذیب کا تو سانس رُک رہا تھا، چہرہ بھی حواس باختہ سا تھا۔

”ادھر تہذیب صاحبہ رہتی ہیں کیا؟“ جو بھی تھا تہذیب کا مظاہرہ کرنے لگا۔ فائق، فاطمہ کے شوہر کو تو جانتا ہی تھا مگر یہ

وہ تو نہ تھا کوئی اور ہی تھا، شاید اس کا پالتو نہ کر تھا۔

”یہاں کوئی تہذیب نہیں رہتی ہے۔“ فائق نے جواب دیا، جبکہ مائز نے استعجابیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”ہمیں تو یہی ایڈریس دیا تھا۔“ وہ بولا۔

”غلط دیا ہے جس نے بھی دیا ہے۔“ یہ کہہ کر فائق نے گیٹ بند کر لیا۔

”علیم بابا، علیم بابا۔“ اس نے چوکیدار کو آواز دی۔ وہ دوڑ دوڑا آیا، عصر کی نماز پڑھ کے وہ اپنے کمرے میں چلا

گیا تھا اسی لیے گیٹ بھی مائز کو کھولنا پڑا تھا۔

”یہاں کوئی بھی فضول آدمی نظر آئے تو تم نے گیٹ نہیں کھولنا ہے بلکہ اسکرین پر دیکھنا ہے۔“ اس نے کمرے

کی جانب نگاہ مبذول کروائی۔

”اور ہاں! اگر کوئی تہذیب کو پوچھنے آئے تو تم نے کہنا ہے کہ یہاں نہیں ہوتی اس نام کی جا چکی ہیں وہ۔“ وہ

ساری تفصیل اسے سمجھا رہا تھا، وہ سر ہلائے جا رہا تھا۔ پھر فائق اندر چلا گیا، مائز کوئی سوچوں کا سراپکڑا گیا تھا، وہ اس

کے ساتھ شاپنگ کرنے جا رہا تھا مگر فائق اور تہذیب کے معاملے میں اتنا سنجیدہ اسے کچھ شک بھی ہوا۔

تہذیب جلدی سے انیکسی کی جانب بڑھ گئی تھی اور گھستے ہی چادر اتار کر پھینکی، منتہی عصر کی نماز پڑھ کر چائے

بنانے کچن میں جا رہی تھی اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

”خیریت تو ہے لڑکی اتنے پسینے پسینے کیوں ہو رہی ہو؟“

”وہ بس آج گرمی ہے نا۔“ جھٹ بات بنائی۔

”اب ایسی بھی نہیں ہے۔“ اسے تہذیب کی جیسے دماغی حالت پر شبہ ہو رہا تھا۔

”آپ کو نہیں پتہ بہت گرمی ہے آج دین نے بھی مین روڈ پر اتار دیا تھا، پیدل چلتی ہوئی آئی ہوں۔“ اس

نے اپنے دونوں پاؤں صوفے پر ادھر پر کئے اور لمبے لمبے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے لگی۔ حکمت فوراً پانی کا

گلاس لے آئی تھی۔

”امی نظر نہیں آ رہی ہیں کہاں ہیں؟“ پانی پی کر گلاس حکمت کو تھمایا اور پوچھا۔

”امی، محریب بھائی کی طرف گئی ہیں ان کی امی نے بلایا تھا کچھ کپڑے اور تھے سلائی کے لیے کہنے لگیں کہ

یہاں آ جاؤ تو سمجھا دوں گی۔“ منتہی نے بتایا۔

”آپ! اتنا مزہ آئے گا مائز بھائی کی شادی میں آپ اور میں تو آگے آگے ہوں گے۔“ حکمت بہت خوش

ہو رہی تھی۔

”کیوں ان کی دو بہنیں اور بھی تو ہیں، ندرت باجی اور یمنی۔“ تہذیب بولی۔

”پھر بھی ہیں تو ہم ان کی ہی بہنیں نا، ہمارا بھی وہی حق بنتا ہے۔“

”تہذیب! چائے ابھی پیو گی یا نماز پڑھ کے؟“ منتہی نے کچن سے ہانک لگائی۔

”میں پہلے نماز پڑھوں گی۔“ فوراً کلاک پر نگاہ ڈال کر وہ کھڑی ہو گئی۔

”ارے ہاں منتہی باجی! آج آپ جی تھیں انٹرویو کے لیے؟“

”ہاں جی تھی مگر امید نہیں ہے کہ جاب ملے۔“ وہ افسردگی سے بتانے لگی۔

”مصلیٰ اللہ بہتری کرے گا! آپ کی قسمت میں ہوگی تو ضرور ملے گی۔“ اس نے منتہی کی ہمت بندھائی۔

”شکر ہے بال بال بچ گئی! اگر مائز بھائی کی نگاہ پڑ جاتی تو کتنا برا لگتا۔“ وہ کیا سوچتے۔“ وہ نماز پڑھ کے کچھ دیر

آرام کرنے کے لئے لیٹ گئی تھی۔

”اور یہ فائق احمد کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔“ وہ اسے سوچتا نہیں چاہتی تھی مگر سوچ رہی تھی۔

”ہاتھ ہیں کہ فواد کتنی زور سے بازو پکڑا تھا۔“ بازو پر یکدم درد سا محسوس ہوا اور اسے ایسا لگا کہ وہ ابھی بھی اس

کے آس پاس ہی ہو۔

”ہنڈسم ہے! اسمارٹ ہے مگر اتنا جھکا کیوں ہے ہر وقت سپاٹ سا کیوں لگتا ہے؟ کاش فائق احمد۔۔۔۔۔“

”ہشت۔۔۔۔۔ یہ میں کیا سوچنے لگی! ایسا کبھی ہو سکتا ہے! میں ایک معمولی سی غریب لڑکی اور وہ اتنا امیر و کبیر

باپ کا بیٹا۔“

”نہیں تہذیب! تمہاری قسمت میں غلوں کے شہزادے نہیں ہو سکتے! تم صرف اپنی حیثیت کے خواب دیکھو! اپنے

سے اونچے اپنی اوقات سے زیادہ کے خواب نہ دیکھو۔“ دل ایک دم ہی افسردہ اور بے چین سا ہو گیا! وہ خود حیران تھی

کہ وہ ایسا کیوں سوچنے لگی تھی جبکہ فائق جب سامنے ہوتا تھا تو اسے اس کی سرد مہری اور بے نیازی پر اتنا غصہ آتا تھا

وہ اس سے اتنے رد گئے اور اکٹری لہجے میں بات کرنے لگتی تھی جبکہ وہ خود اس کے گھر میں رہ رہی تھی اور اسی کو آنکھیں

بھی دکھاتی تھی! مگر یہ سب اسے فائق کی بے نیازی پر ہی ایسا کرنا پڑتا تھا جو اس کے پیچھے پڑ گیا تھا! اس کی جاب

چھڑوانے کے درپے تھا! کیوں ایسا کر رہا تھا جب وہ اس کی کچھ لگتی نہیں تھی تو کیوں سہا پاتا ہوا تھا اور اگر کسی کو گھر میں

خبر ہو گئی تو بااوجہ اس پر بن آئے گی۔

”فائق احمد! تم تو مرد ہو ماری تو میں جاؤں گی! کیوں تم ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہو! ایک ٹھکانہ ملا ہے! کون

اسے بھی چھوڑنے کو مجبور کر رہے ہو۔“ وہ سوچے جا رہی تھی مگر اس نے ابھی تک منتہی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا کچھ سوچ

چکی ہے اور فائق سے اس کی کیا بحث چل رہی ہے۔

”زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کی انجانے میں چاہ کی ہے! میں جانتی ہوں میری اوقات سے بڑھ کر ہے۔“

آنکھیں بند کر کے وہ جانے کن خلاؤں میں تھی بلکہ وہ شاید فائق کو خود کی سنگت میں دیکھ رہی تھی! اس کا لمس ابھی تک

اس کی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

☆☆☆.....

اس دن وہ شامین کے ساتھ شاپنگ پر چلی گئی کیونکہ ساری تیاری اسے ہی کرنی تھی جبکہ سیرا تو اپنے اوپر غصے کا

خول چڑھائے ہوئے تھیں! دس کے بس کپڑوں وغیرہ کی ہی شاپنگ کرنی تھی جبکہ دیگر چیزوں کو ریحان احمد نے تو سٹی

سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہیں لیں گے مگر جواد احمد بیٹی کو ایسے خالی ہاتھ بھی جانے نہیں دے سکتے تھے! عنائہ کی بھی

کوشش تھی کہ دس کی شادی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے۔

”آج تو لگتا ہے آپ! آپ پورا بازار خرید کے لے آئی ہیں۔“ اتنے ڈیمر سارے شاپرز کمرے میں پڑے

دیکھے جن کی چیکنگ دس کر رہی تھی۔ ساری شاپنگ کا جو بھی سامان لے کر آتی تھی وہ اپنے کمرے میں رکھتی تھی کیونکہ

وہ اس بات کا بھی خیال رکھتی تھی کہ سیرا کو غصہ نہ آئے۔

رداؤ انجسٹ [132] فروری 2010ء

”آپ! آپ نے تو ساری شاپنگ ہی اچھی کی ہے! سارے کپڑوں کے کمر بہت اچھے ہیں۔“ دس نے ستائشی

وازیں کہا۔

”اچھا اور جو کچھ تمہیں منگوانا ہو تو وہ بھی بتا دو کیونکہ شادی کے بعد کہیں تم پریشان ہوتی پھر دو کیونکہ مائز کا اسٹڈی کا

نلکہ ہے اسے فرصت تو ہوگی نہیں۔“ عنائہ نے ساری چیزیں اٹھا کر صوفے پر رکھ دی تھیں۔

”ایسے تو نہیں چھوڑوں گی! ساری اپنی ذمہ داری ان پر ڈالوں گی۔“

”بس دس! تم وہاں جا کر اس سے لڑائی و بحث میں مت پڑ جانا! اچھا۔“ وہ اپنی بہن کو بھی جانتی تھی کیونکہ اس کی

اڑ سے کبھی نہیں بنی تھی۔

”یہ میں ہوں دس! جواد عنائہ جواد نہیں جواد ہے حق کے لیے آواز تک نہ اٹھائے۔“ اس نے طنز سے کہا۔

”زیادہ فضول گوئی نہ کرو۔“ عنائہ خفیف سی ہو گئی۔

”آپ! آخر کب تک آپ اپنی خواہشات اور جذبات کا گلا گھونٹتی رہیں گی۔“ دس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”یہ تم سے کس نے کہا کہ میں ایسا کچھ کرتی ہوں۔“

”کیوں مجھے کیا آپ کی آنکھوں میں حسرت نظر نہیں آتی؟ صرف آپ امی کی وجہ سے اپنا بچپن سے ملے

ایسا وار شتہ تک داؤ پر لگانے پر تلی ہوئی ہیں! کچھ تو محریب بھائی کا بھی خیال کریں! آخر کب تک! انہیں انور کر کرتی

ہیں گی۔“

”پلیز دس! تم اس ٹاپک کو بند نہیں کر سکتی ہو؟“ وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔ وہ اسے کیسے بتاتی کہ کتنے کڑے

مامل سے گزر رہی ہے اور کتنا مشکل ہوتا ہے اپنی خواہشات کو دبانے کا جبکہ اسے پتہ بھی تھا کہ ایسا کرنے سے وہ

کتنے پیار کرنے والے محبت کرنے والوں کا دل توڑ رہی تھی اور محریب اسے بھی تو ناراض کیا ہوا تھا! وہ تو اس کی محبت

کی نہیں شرافت تھی جو ابھی تک رشتہ جوڑا ہوا تھا اور نہ وہ تو توڑ کے داہیں جاسکتا تھا! ہر لمحہ اس نے محریب کے جذبات کو

لمو لگاتی تھی مگر وہ ہر بار پھر اپنا موڈ درست کر کے اس سے مخاطب ہو جاتا تھا۔

”آپ! آپ کتنی آنکھیں چرائیں مگر آپ کا چہرہ اور آنکھیں آپ کی ساری کہانی کہہ رہا ہے۔“ دس کو اپنی صابرو

ما کر بہن پر اتنا رشک آیا کہ اس نے گلے سے لگا لیا۔

”آپ! اتنا برداشت نہیں کریں اور نہ مضبوط بننے کی کوشش کریں کہ آپ کی شخصیت تک بکھر جائے۔“

”دس! میں ایسا صرف امی کو خوش کرنے کے لیے کر رہی ہوں کہ انہیں یہ نہ محسوس ہو کہ ان کا کوئی خیال نہیں کرتا

ہے اور تم دیکھنا ایک دن امی خود مان جائیں گی اور میں ان کی دعاؤں کے سائے میں ہی رخصت ہوں گی۔“ عنائہ کو

پارا یقین تھا۔

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ دس کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے! ایک تو رخصت ہونے کا غم اور اپنی امی کی سرد مہری

اور بے نیازی پر الگ ہر وقت رونا آتا رہتا تھا! اس کا بھی تو دل تھا! اس کی ماں بھی اور ماؤں کی طرح اپنی رخصت

نے والی بیٹی کے خنجرے اٹھائے! اس کی ضرورت کا خیال رکھے۔

”ایک بات کہوں آپ!؟“ اس نے آنسو صاف کیے اور اپنی افسردہ اور مغموم سی بہن کے کول اور نرم ملائم سے

ہاتھ تھامے۔

”ہوں۔۔۔۔۔ کہو۔“

”امی تو ہمارے بارے میں کچھ سوچتی ہی نہیں ہیں۔“

”نہیں سوچتی ہیں ہمارے بارے میں جب ہی تو وہ ابو سے لڑتی ہیں۔“ حنا بے یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ کچھ بھی اٹکاسیدھا سوچے۔

”اگر سوچتیں تو ابو سے لڑتیں نہ آپ! وہ صرف اپنے غصے کی بیسٹ ہم دونوں کو چڑھانا چاہتی ہیں۔“
”تم کچھ ہی اٹکاسیدھا نہ سوچو ایسی کوئی بات نہیں ہے تم یہ ساری چیزیں صوفے سے اٹھا کر رکھو کیونکہ مجھے کچھ بھی دیکھنا ہے معارج کو چنگ سے آنے والا ہے۔“ وہ ٹال کے کھڑی ہو گئی۔
اب وہ اپنا دل کھول کر اسے کیسے دکھائے کہ اس کے دل میں کیا تھا اور وہ بھی ایسا ہی کچھ سوچتی بھی تھی مگر وہ مثبت سوچ رکھنا چاہتی تھی۔

”آپ چاہے کتنا مجھے ٹالیں مگر میں سب جانتی ہوں۔“ دسہ ساری چیزیں اٹھا کر وارڈروب میں اور کچھ سوٹ کیس میں رکھنے لگی کیونکہ حنا بے اس کی پینٹنگ کر کے سب کچھ سوٹ کیس میں ہی رکھ رہی تھی۔ دل اس کا بھی انجانے دوسو میں گھرا ہوا تھا سب سے زیادہ اسے مائز کی فکر تھی اتنا وہ اُسے تنگ کرتا تھا پتہ نہیں بعد میں اور کس انداز میں تنگ کرے گا۔

”آپ! آئی کے ہاں چلیں ہم دونوں کسی دن۔“ وہ مگن میں آ گئی۔
”ہاں چلیں گے انہوں نے بھی چکر نہیں لگایا اکل اسلام آباد گئے ہوئے تھے ہو سکتا ہے آگئے ہوں۔“ حنا بے چادر بواہل کرنے رکھ چکی تھی۔

”کل چلتے ہیں۔“ دسہ کو زیادہ بے چینی ہو رہی تھی جانے کی کیونکہ آئی سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ دونوں ہلکا کر لیتی تھیں۔

”ایک دو دن میں چلیں گے کیونکہ میں چاہتی ہوں تمہاری شاپنگ پوری ہو جائے مجھے کل بھی شامین بھابی کے ساتھ جانا ہے۔“ وہ اپنے ترتیب دیئے کل کے پروگرام سے آگہی دینے لگی۔
”آئی خود بھی اپنے دنوں سے نہیں آئی ہیں۔“

”اکل اسلام آباد گئے ہوئے ہیں گھر اکیلا چھوڑ کے نہیں آ سکتی ہیں۔“ حنا بے نے سلا دے کے لیے فریج سے کھیرا اور ٹماٹر نکال کے دسہ کے ہاتھ میں تھمائے۔

”اسے کاٹ لو معارج اور ابو آنے والے ہوں گے میں کھانا جلدی لگا دوں گی کیونکہ مجھے آج بہت تھکن ہو رہی ہے۔“ تھکن اس کے چہرے سے بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ دسہ ڈانٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کے کاٹنے لگی تھی مگر اس کا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا حنا بے ساری چیزیں ٹیبل پر لگا رہی تھی جو اد احمد آفس سے آٹھ بجے آگئے تھے معارج کو چنگ سے آج نوبے تک آئے گا اس نے فون کر کے بتا دیا تھا۔ میرا کو کمر سے جیسے کچھ مطلب ہی نہ تھا اور اب تو اور ہی لائق سی ہو گئی تھیں یہی بات دسہ کو اور زلاتی تھی۔

☆☆☆

”بڑی دلہن! میری بیٹی کی تیاری میں تم کوئی بھی کی نہیں چھوڑنا۔“ دادی جان نے نزہت سے کہا جو انہیں گولڈ کی جیولری دکھا رہی تھیں۔

”آپ بے فکر رہیں میری تو بیٹی سے وہ سب کچھ میں نے بہت اچھا بنایا ہے۔“ انہوں نے جیولری کے بکس اٹھا کے ایک سائیڈ پر رکھے۔ وہ ساری بڑی انہیں دکھا رہی تھیں سب ہی ہال کمرے میں بیٹھے تھے مہینہ بھی آئی ہوئی تھیں آج گھر میں رونق سی لگی تھی ندورت بھی آئی ہوئی تھی کیونکہ وہی تو ساری تیاریاں کروا رہی تھی۔ منتہی حکمت اور

تہذیب کو بھی یمنی بلا کے لے آئی تھی وہ سب اٹک اپنی محفل جہاں کے بیٹھی تھیں منتہی آتے ہوئے جبکہ بھی رہی تھی مگر نزہت نے ڈانٹا تو وہ ان کی محبت پر پھر کچھ نہ بولی تھی۔

”اپنے لائے باڈی کاراز تو ہٹائیے۔“ یمنی نے پوچھا۔ وہ سب لاؤنج میں بیٹھی تھیں تہذیب تو اخباروں میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی جبکہ حکمت ٹی وی کے آگے بیٹھی کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی۔
”ہالوں کا راز تو کچھ بھی نہیں ہے بس خود ہی لے لے ہیں۔“ منتہی مسکرائی۔
”لیکن آپ کے ماشاء اللہ کافی لے لے ہیں۔“ یمنی کو اسے دیکھ کر رشک آ رہا تھا۔
”آپ کے خاندان میں کسی کے ہوں گے۔“

”پتہ نہیں مجھے اس بارے میں۔“ پھر مسکرا کے بولی۔
”یمنی! چائے وغیرہ ڈرائنگ روم میں بھیج دو محریب بھائی کے دوست آئے ہیں۔“ اسکاٹی بلیو شلوار قمیض میں سو برس فاقی اپنی ذہانت سے بھرپور آنکھوں سے چشمے کے اندر سے دیکھ رہا تھا۔ تہذیب اس کی آواز پر پہلو بدل کر رہ گئی فائق نے اچھٹی نگاہ ڈالی ضرور تھی۔
”کون آیا ہے؟“ یمنی کو بھس ہوا۔
”حمود بھائی آئے ہیں۔“

”کیا حمود بھائی؟“ تہذیب نے چونک کر نام لیا۔ پھر فائق کو فہمائش لگا ہوں سے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ خفیف سی ہو گئی پھر وہ نگاہ بھی چڑا گئی۔ منتہی کا تو دل دھک دھک کرنے لگا تھا تہذیب کھڑی ہو گئی اور جانے لگی فائق بھی اس کی تھلید میں باہر نکلا۔
”تم کہاں چلیں؟“ وہ راہ میں حائل ہو گیا۔

”آپ کو کیوں میری اتنی فکر رہنے لگی ہے کہیں بھی جاؤں۔“ وہ پھر آگے بڑھی فائق کو دیے بھی لڑکیوں کا اس طرح زبان چلانا سخت برا لگتا تھا وہ بھنا کیا بازو پکڑ کے اسے دیوار سے لگا دیا تہذیب تو حواس باختہ سی ہو گئی اس کی اس بے باک حرکت پر کوریڈور میں کوئی نہیں تھا ورنہ سب کیا سوچتے۔
”تم مجھ سے ایسے حقارت زدہ لہجے میں کیوں بولتی ہو؟“

”میں یا آپ بولتے ہیں مجھ سے۔“ اس کے حصار سے ٹکٹنے لگی پر فیم کی بھینی بھینی مسو رکن سی خوشبو اس کے حواس پر چھانے لگی تھی اور وہ کسی بھی کمزور لمحے کی گرفت میں نہیں آنا چاہتی تھی۔
”اتنی لڑکیوں ہے تم میں؟“

”دیکھیں! آپ فضول میں بات کو بڑھا رہے ہیں مجھے جانے دیں۔“ وہ پھر آگے بڑھی مگر اس بار فائق گرفت اتنی مضبوط تھی کہ تہذیب کی چیخ ہی نکل گئی اگر فائق بروقت اس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھتا تو وہ مزید چڑھ رہی۔
”کیوں مجھے بھی پھنساؤ گی اور خود بھی پھنسو گی۔“ پشت پر حصار باندھ کے اپنے سینے سے لگا کے وہ بیسٹ رہ میں لے کر گھس گیا کیونکہ اسے مائز کی آواز آ رہی تھی۔

”کیا بد تمیزی ہے؟“ وہ جھٹکے سے اپنا آپ چھڑا کے اس پر آنکھیں نکال کر کھڑی ہو گئی اور وہ وارنٹی سے اس پر ہم ہوئے لال چہرے کو دیکھنے لگا جو اپنا بھی بازو سہلاتی تو بھی ہاتھ سہلاتی۔
”واٹ! اے مہترما! ہوش میں تو ہو؟“

”میں بالکل ہوش میں ہوں آپ ہوش میں آجائے اگر آئندہ آپ نے میرا رستہ رد کیا یا میرے معاملے میں

تک اڑائی تا میں آپ کی شکایت کر دوں گی سنا آپ نے؟“

”شوق سے کرنا رہا تمہارے معاملے میں ٹانگ اڑانے کا وہ تو میں اڑاؤں گا تمہیں تمہاری جاب سے نکلوا کر ہی مل گا۔“ فائق نے بھی مصمم ارادہ باندھا ہوا تھا۔

”میرا قصور یہی ہے نا کہ میں غریب ہوں آپ کے در پر پڑی ہوں جو دل چاہے گا میرے ساتھ سلوک کریں۔“ تہذیب کی آنکھوں میں نمی سی آگئی۔

”فضول بکواس کم کیا کرو سمجھیں۔“ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تہذیب بھی باہر آئی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اڈرائنگ روم میں گھس گیا جبکہ اسے بھی وہیں جانا تھا کیونکہ اسے حمود سالار سے ملنا تھا وہ سوچوں میں گم کھڑی ہوئی

”میری بے اسے دیکھا تو وہ چونک گیا۔

”تہذیب! کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو؟“

”جی جی وہ کک..... کچھ نہیں۔“ وہ گڑبڑ اسی گئی۔

”حمود آیا ہے تم منتہی کو بھیج دو ر۔“

”بھائی! وہ تو شاید نہ آئیں۔“ تہذیب بولی۔

”ارے کیسے نہیں آئیں گی تم بولو جا کر کیونکہ وہ شاید باہر کہیں لے کر جائے گا۔“

”پھر تو بالکل بھی نہیں آئیں گی۔“ وہ بولی۔

”میں حمود بھائی سے مل لوں؟“ اس نے گویا محریب سے اجازت لی۔

”ہوں مل لیکن منتہی بھائی کو ساتھ لے کر جاؤ تم اندر۔“ وہ یہ کہہ کر چکن کی طرف بڑھ گیا۔ تہذیب بھی پھر منتہی کو

نے کے لئے لاؤنج میں آگئی وہ بھی اخباروں میں شاید کوئی جاب وغیرہ کا ہی دیکھ رہی تھی۔

”منتہی باجی! چلے آپ کے وہ آئے ہیں۔“

”کون؟“ وہ حیرانگی سے سر اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

”ارے حمود سالار صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے کے لیے۔“

”کیا..... نہیں..... نہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔

”مجھے تو محریب بھائی نے پیغام دیا ہے کہ آپ کو لے کر جاؤں۔“

”تہذیب! میں..... نہیں..... کیسے..... ارے نہیں مجھے نہیں جانا۔“ اس کے تو پسینے چھوٹنے لگے تھے اس کے

دنگان میں بھی نہ تھا کہ حمود ایک دن اس سے ملنے کے لئے چلا آئے گا۔ وہ تو خواہش کرتے ہوئے بھی ڈرتی تھی

تہذیب جانتی تھی اور پھر جن حالات میں نکاح کیا تھا مفاہمت کی گنجائش تو نکلتی ہی نہ تھی۔

”نئی بانی! آپ اگر ایسے گھبراتے رہیں نا ہو گیا گزارا۔“

”تم سمجھتی کیوں نہیں ہو تہذیب! میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔“ وہ بولی۔

”کیا بات ہے تم ابھی تک منتہی کو لے کر نہیں گئیں۔“ نزہت چلی آئی تھیں دونوں ہی بوکھلا سی گئی تھیں۔

”آئی! یہ منتہی باجی جانے سے منع کر رہی ہیں۔“

”دیکھو بیٹا! حمود تمہارا شوہر ہے اور تم اس بات سے بے فکر ہو جاؤ کہ وہ یہ رشتہ توڑے گا میں اس کی عقل ٹھکانے

دل گی۔“ وہ جیسے منتہی کے اندر کے ڈر کو جان گئی تھیں۔

”آئی! مجھے ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا ہے اور پھر ان کے گھر والے۔“

”یہ رشتہ تو اب ہو گیا ہے اس کے گھر والے بھی سب مانیں گے مگر تم اگر اس طرح پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی رہو گی

کام۔“ وہ اسے سمجھانے لگیں۔ اور پھر اسے مانتے ہی بنی ڈرتی سمجھتی بلیک لان کے پرچہ ڈکٹروں میں ملبوس اپنے

ستے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ چل رہی تھی ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو لگا ہی اسٹین سے گریز کر رہی تھیں حمود نے

کن آنکھوں سے دیکھا اور کھڑا ہو گیا کیونکہ نزہت کو اس نے اندر آتے دیکھ لیا تھا۔

”مل گئی فرصت تمہیں؟“ انہوں نے دعائیں دینے کے بعد طنز سے پوچھا۔

”وہ آئی! میں محریب سے مسلسل پوچھ رہا تھا آپ بے فکر رہیں اپنی بیوی سے بے خبر میں بالکل نہیں ہوں۔“

اس نے جھٹ اپنا دفاع کیا بڑے صوفے پر وہ لب بچھے ہوئے بیٹھی تھی۔ حمود کے منہ سے بیوی کا لفظ سن کے اسے

جیسے یقین ہی نہ آیا ہو۔

”کسی دن بھی اگر تم نے کوشش کی بیوی سے لاتعلق ہونے کی دوسرے دن تمہارے گھر پہنچی ہوں گی میں

منتہی کو لے کر۔“

”آئی! بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔“ تہذیب نے بھی تائیدی کی۔ فائق کے لب مسکرانے لگے جو کتنا چمک کے بولی

تھی درنہ ابھی کچھ لمحوں پہلے وہ ڈری سبھی غصہ میں بھری اس کے سامنے ہی تھی۔

”اوہو یعنی اپنے اتنے حمایتی بنا لیے ہیں صرف چند دنوں میں۔“ حمود نے ہنس کے طنز کیا۔

”میری بیٹی کی طرح ہے منتہی بھی۔“ انہوں نے منتہی کو ساتھ لگایا حمود نے خاموش بیٹھی منتہی پر پھر ایک

بھر پور نگاہ ڈالی۔

”کیسے زبان کو پلیٹ کے بیٹھی ہے درنہ اتنی چلتی ہے اس کی زبان۔“ وہ سوچنے لگا۔

”اتھما تم لوگ بیٹھو مجھے بہت کام ہیں۔“ وہ کھڑی ہو گئیں فائق پھر ڈرائنگ روم سے چلا گیا اب وہ چاروں

نہوں تھے محریب سے اشاروں میں حمود کچھ کہہ رہا تھا۔

”منتہی بھابی! آپ کو حمود کہیں لے جانا چاہتا ہے۔“ محریب قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

”جی..... وہ..... میں..... نہیں جاسکتی۔“ وہ تو کھڑی ہوئی۔

”منتہی باجی! کیا کر رہی ہیں جانیے نا۔“ تہذیب بولی۔ مگر منتہی رُکی نہیں تیزی سے نکل گئی تہذیب بھی

اس کے پیچھے دوڑی تھی۔

”دیکھا تو نے نخرے شروع کر دیے نا۔“ حمود کو غصہ آ گیا۔

”اچھا! اچھا زیادہ غصہ نہیں کرو۔“ محریب نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”میں ابھی اندر جا کر بول رہی ہوں۔“

”سن محریب! یہ میری انا کا مسئلہ ہے اگر وہ نہیں مانی نا میرے ساتھ سوچ لے پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔“ وہ بولا۔

محریب چلا گیا کیونکہ اسے مہینہ سے بھی بولنا تھا پھر امی ہی اسے سمجھا بجا کر جانے پر راضی کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

وہ چادر سے خود کو لپیٹے ہوئے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی اور وہ بلیک پیٹ پر اسکاٹی بلیو شرٹ میں ملبوس خاموشی سے

گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا ابھی تک دونوں میں بات نہ ہوئی تھی۔

”یہ موبائل ہے اور یہ میسج ہیں رکھ لو۔“ اس نے ڈیش بورڈ سے موبائل نکالا اور پانچ ہزار کے پانچ نوٹ اس کی

کود میں ڈالے منتہی چونک گئی۔

”میں کچھ کام میں بڑی تھا اس لیے نہیں آسکا“ مگر عریب سے پوچھتا رہا تھا۔ ”موڑ کاٹا اور گاڑی شاپنگ مال کے آگے روک دی“ منتہی نے قیمتی اور جدید طرز پر بنے مال پر حیرانگی سے نگاہ ڈالی اس نے تو کبھی تصور تک نہیں کیا تھا کہ وہ اور ادھر بھی آسکتی ہے حمود ڈرائیونگ ڈور کھول کے باہر نکلا وہ خواب کی سی کیفیت میں جلا ابھی تک یونہی بیٹھی تھی۔

”نکلو باہر“ فرنٹ ڈور کھول کے گویا حکمیہ انداز میں کہا۔

”کیوں نکلوں؟“ وہ ہنوز بیٹھی رہی۔

”بہت زبان چلتی ہے تمہاری“ نکلو باہر۔ ”وہ گرم گرم گھونٹ ٹھنکی ہوئی فرنٹ ڈور سے نکلی حمود نے گاڑی لاک کی اور پھر آگے آگے چلنے لگا۔

”یہاں کیوں آئے ہیں؟“ وہ بولی۔

”میری ایک عدد بیوی ہے اور اس کے نان نفقے کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے اسے کچھ شاپنگ کرانی ہے اس لیے ہم یہاں آئے ہیں۔“ ایک ایک لفظ رزورڈے کر اسے بتایا۔

”مجھے کچھ بھی نہیں لینا۔“ رکھائی اور خٹکی دکھائی۔

”یہ جو تم نے اتنے اپنے حمایتی بنالے ہیں سب سے زیادہ محریب کی امی کو حمایتی بنایا ہے ان سے جو تے کھانے کا مجھے قطعی شوق نہیں ہے۔“ وہ بولا۔

”آپ نے انہیں بتایا کیوں نہیں کہ میں نے صرف کاغذی شادی کی۔“

”سب کو بتایا ہے مگر کوئی سنا ہی کہاں ہے دیکھو میرے پاس فضول ٹائم نہیں ہے کہ تمہارے خڑے برداشت کروں جلدی جلدی چلو تمہاری جتنی بھی ضرورت کی چیزیں ہیں وہ خرید لو۔“ وہ پھر اُٹھ کر بولا۔

”مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے سب ہے میرے پاس“ مبینہ آغوشی میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔“

”مجھے پتہ ہے سب خیال رکھتے ہیں مگر میں جو تمہارا خیال کر رہا ہوں یہ کسی گنتی میں شمار نہیں ہوتا۔“ اسے منتہی کی بات سن کے غصہ آ گیا۔

”میں مزید آپ کا کوئی احسان نہیں لینا چاہتی اور آپ اطمینان رکھیے میں آپ کو پریشان بھی نہیں کرنا چاہتی ہوں۔“

”مجھے تم یہ بتا دو کہ یہ خڑے اور غصہ کس بات پر دکھا رہی ہو اگر تمہیں یہ غصہ ہے کہ میں نے تمہاری اتنے دن خبر نہیں لی تو وہ وجہ میں تمہیں بتا دوں گا“ ابھی تمہیں جو جو لینا ہے لے لو اور بلا جھجک اور بلا شرم کے تم میری بیوی ہو سکتی ہیں اور ہاں کچھ بھی جھجک اور عار محسوس نہیں کرنا ورنہ تم مجھے نہیں جانتی ہو خاصا بے باک اور رو میٹنگ بندہ ہوں۔“ اس کے کان میں سرگوشی کی۔ منتہی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی جو مسکرا رہا تھا مگر اس لمحے حمود کی آنکھوں میں کوئی ناگواری کا رنگ نہیں تھا بلکہ آنکھوں میں الگ ہی رنگ تھا وہ نر دس سی ہو گئی۔

وہ اسے دنیا جہان کی شاپنگ کراتا رہا“ منتہی حیرت و استعجاب سے دیکھ رہی تھی سب اپنی مرضی سے دلا رہا تھا“ شرم بھی اسے آ رہی تھی دو تین گھنٹے اسے لگے تھے تو نوج گئے تھے جس وقت واپسی ہو رہی تھی۔

”ہاں اب پوچھو مجھ سے جو جو پوچھتا ہے۔“ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

”مجھے کچھ نہیں پوچھتا۔“ ہنوز بیٹھی رہی۔

”چلو میں بتاتا ہوں خود سب کچھ تاکہ تمہاری خٹکی دور ہو جائے۔“ گاڑی بڑی مستعدی سے چلا رہا تھا۔

”مجھے کچھ بھی نہیں پوچھتا ہے اور نہ ہی آپ مجھے بتائیے آپ کی اپنی لائف ہے جو دل کرے کریں۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

”یہ پلٹر ہے یا غصہ یا ناراضی ہے؟“ حمود کے مناجاتی لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

”کچھ بھی نہیں ہے ان میں سے میں بالکل سنجیدہ اور نارمل انداز میں بول رہی ہوں“ آپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ آپ نے مجھے اپنے نام کا تحفظ دیا جو میں ساری زندگی بھی نہیں اتار سکتی ہوں۔“ نگاہ اس کی اپنے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھی۔

”احسان انسان مختلف طریقوں سے بھی اتار سکتا ہے۔“ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے گاڑی کو ریٹورنٹ کے اندر پارک کرتے ہوئے گویا ہوا“ منتہی تو اچھل ہی گئی اتنا مہنگا ترین ہوٹل جو اس نے صرف ٹی دی پر یا پھر میگزین میں دیکھا تھا یہ سب کچھ اس کے سامنے تھا وہ پلکیں جھپکاتا ہی بھول گئی۔

”نکلے محترمہ! آئیے۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کی محویت توڑنے لگا مگر وہ تو خواب کی سی کیفیت میں تھی۔

”یہ یہاں کیوں.....؟“

”میرا کچھ دل کر رہا ہے تمہیں اپنے بارے میں بتانے کا تاکہ تم نیکسٹ ٹائم مجھ سے جب بھی ملو فریش موڈ کے ساتھ ملو۔“

”دیکھیے! اگر آپ نہ ہت آغوشی کی باتوں کی وجہ سے اتنا مجھ پر مہربان ہو رہے ہیں تو سوری میں ایسا بالکل نہ چاہوں گی اور نہ کروں گی۔“ خاصی محتاط انداز میں وہ اس سے مخاطب ہو رہی تھی اور پھر وہ کیا کچھ نہیں جانتی تھی اس کی ایک ایک بات جو وہ ہر بات کے شروع میں اپنے بابا کا ذکر کرتا تھا“ کتنے غصے والے تھے وہ اور ایک غریب انجان لڑکی کو اپنی بہو بنالیں گے کبھی نہیں اسے تو دھکا کر کے نکالیں گے ہی اس کی وجہ سے حمود کو بھی نکال دیں گے اور اپنی وجہ سے مزید حمود کو کسی پریشانی میں جلا نہیں کرنا چاہ رہی تھی اسی لیے اس نے اپنا رویہ بھی کچھ زود ڈھنسا لیا تھا۔

”مجھے آپ واپس وہیں چھوڑ دیں جہاں سے لے کے آئے ہیں۔“ وہ گاڑی میں اسی طرح جمی ہوئی بیٹھی تھی۔

”تمہاری زبان تو بہت چلتی ہے اور تم حد سے زیادہ بے مروت بھی ہو۔“

”کہہ تو رہی ہوں آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں اتار سکتی ہوں اور کیا کہوں مگر میں اتنی بھی خود غرض نہیں ہوں کہ اپنی وجہ سے آپ کو مزید مشکل میں ڈالوں۔“

”جب ادھلی میں سردیا تو موصولوں سے کیا ڈرتا“ نکلو باہر جلدی۔“ وہ کچھ سخت اور درشت لہجے میں بولا۔ منتہی کی تیوری پر ناگواری کے بل پڑ گئے مگر وہ اُن سنی کر کے بیٹھی رہی۔

”سنائی کم دیتا ہے“ نکلو باہر۔ ہاتھ پکڑ کے نکالا وہ گرتی پڑتی چادر سنبھالتی ہوئی گاڑی سے باہر آئی تھی۔

”حد ہوتی ہے ہر بات کی“ کیوں آپ زبردستی کر رہے ہیں؟“

”بھولومت تم میری بیوی ہو۔“ وہ خامے رعب اور حق سے اس کی فسوں خیز آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولا تھا“ منتہی نے نگاہ پھیر کے لب بچھنے لیے۔

”سیدھی طرح چلتی ہو یا پھر تمہیں اٹھا کر لے جاؤں اندر۔“ منتہی بڑبڑاتی ہوئی آگے آگے چلنے لگی حمود نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تمہیں پتہ ہے کہاں جانا ہے جو چل پڑیں۔“

تو تھا ورنہ اس نے کب سوچا تھا کہ ایسی جوشن بھی کبھی اس پر آ سکتی ہے۔

”میرا نام حمود سالار ہے، میں پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں، میرے بابا خاصے اصول پرست آدمی ہیں اور میری ماں وہ یوں سمجھو ٹھنڈے اور ٹھٹھے پانی کا چشمہ ہیں کہ میرے بابا کے اتنے غصے کے باوجود اتنی میٹھی ہمارا گارمنٹس کا بزنس ہے ہماری زیادہ تر ڈیلنگ باہر ممالک سے ہوتی ہیں، مجھ سے چھوٹی ایک بہن ہے راحیل 9th کلاس میں پڑھتی ہے، اب تم یہ خود اندازہ کر لو مجھ سے کتنی چھوٹی ہوگی، ہم صرف دو بہن بھائی ہیں ہمارے بزنس میں پارٹنر شپ ہوئی ہے، بابا کے جو پارٹنر ہیں نیاز احمد ان کی بیٹی ہے، جس نے مجھے دیوانگی کی حد تک چاہتی ہے مگر میں نے اسے کبھی رسپانس ہی نہیں دیا، بابا کی آج کل کوشش ہے کہ میں کسی طرح بھی اس شادی پر راضی ہو جاؤں۔“

”تو ہو جائیے نا۔“ ملتھن نے اتنی تفصیل سننے کے بعد اتنا ہی کہا۔

”تمہیں میں صرف بتا رہا ہوں، مشورہ نہیں مانگا۔“ وہ بھٹا کے کھڑا ہو گیا۔

”یہ سب بتا کر آپ مجھ پر کیا ظاہر کرنا چاہتے ہیں؟“

”تم نے میری اتنی بکواس سنی مگر تم اسی طرح ہی اکثری ہوئی ہو۔“ حمود کے تو آگ لگنے لگی۔

”آپ چاہتے کیا ہیں؟“

”میں جو چاہتا ہوں تمہیں بتا دوں گا، تم جلدی سے شروع ہو جاؤ اپنے بارے میں بتانا۔“

”میں آپ کو سب کچھ بتا چکی ہوں، اب کچھ نہیں بتاؤں گی۔“ وہ سرد مہری دکھانے لگی۔

”اوکے نا مگر تم اپنے دماغ میں یہ بٹھالینا، میں ایک اصول پرست اور پٹھان قبیلے کا ہوں، اپنی بات ایک رکھوں جو کرتا ہوں پورا کر کے دکھاتا ہوں۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

”اتفاق سے میں بھی پٹھان ہی قبیلے کی ہوں۔“ اگر بولی تو اتنا ہی۔

”اچھا آگے بولو۔“ حمود چونک گیا۔

”آگے بول کے کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ بتادیں کہ ہمیں کب چلنا ہے یہاں سے۔“ انداز میں لہجے میں ناگوار

بے زاری اور اکتاہٹ آ گئی۔

”تم میں بالکل میرے بابا والی عادت ہے اپنی بات پر ڈٹے رہنا۔“

”ناگم دیکھ لیں کیونکہ بقول آپ کے بابا کے وہ گولی پہلے چلاتے ہیں وجہ بعد میں پوچھتے ہیں۔“ طنز۔

ساتھ ہی بولی۔

”طنز کرنے بھی آتے ہیں تمہیں تو۔“

”کیا کروں جب حالات ہی ایسے ہو جائیں تو لب و لہجہ خود ہی طنزیہ ہو جاتا ہے ورنہ میں بھی کوئی ایسی تلخ نہیں

تمہی اچھی خاصی خوش گفتار مشہور تھی۔“

”آف..... تم تو نہ صرف ایک فلاسفر ہو بلکہ اردو دان بھی اچھی ہو۔“ حمود کھسیا گیا۔

”کاش..... فلاسفر ہی ہوتی کم از کم میں حالات کا بیٹھ کر تجزیہ ہی کرتی رہتی، اتنے مصائب اور رنج و الم کا شکار تو

ہوتی۔“ اس کی پھر روانی میں زبان چلنے لگی تھی۔

”اٹھو چلو، تم تو اچھی خاصی میرے دماغ میں خشکی کر دو گی ایسی خشک باتوں سے۔“ اس نے ریٹ وائی

نگاہ ڈالی، گیارہ بجنے والے تھے کھانا بھی دونوں نے نہیں کھایا تھا۔ سارا سامان اس نے گاڑی میں رکھوایا

رداؤ انجسٹ [141] فروری 2010ء

”اوٹھ۔“ وہ اس کے منہ لگتا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔ گلاس ڈور کھول کے اندر آ گئے تھے اور پھر اندر کی جانب اسے لے کر بڑھتا ہی رہا، وہ کچھ نہ بولی تھی، لفٹ آئی اور پھر کوریڈور اس کے بعد ایک روم کو کی رنگ سے کھول کر اندر آ گیا، منتہی تو بے ہوش ہونے کے قریب ہی ہو گئی، اتنا خوبصورت جدید اسٹائلش فرنیچر کے ساتھ کمرہ، خوابناک ماحول میں ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا، وسیع و عریض بیڈ اس پر تکیہ اور کشنز ایک سائڈر صوفہ سیٹ اور کرشل کی ٹیبل دیبیز پردے کھڑکیوں پر پڑے تھے، فل اسے سی کی ٹھنڈک کمرے میں ایئر فریشنز کی بجھنی بجھنی مسکور کن مہک نے اس کے حواسوں کو کچھ سرور سا کیا تھا، حمود نے سارے شاہزادہ بیڈ پر رکھے۔

”کہاں کھو گئیں؟“ وہ بولا تو اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔

”آں..... ہاں.....“ چونک کے وہ گھومی تھی، حمود کی ذہانت سے بھرپور بھوری بھوری آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

”پسند آیا میرا آئیڈیا۔“

”کیسا آئیڈیا؟“ وہ بڑبڑائی۔

”ارے یہی کہ آج چند گھنٹے ہم ساتھ گزاریں گے، کچھ میں تمہیں بتاؤں گا کچھ تم بتانا۔“ وہ مسکرایا۔

”میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ مجھے آپ سے کچھ نہیں پوچھنا اور رہا اپنے بارے میں بتانا، میں آپ کو بتا

چکی ہوں۔“ وہ آواز کو ناچاہتے ہوئے آہستہ رکھ کر گویا ہوئی۔

”ارے تم تو بہت ہی اڈیل اور ضدی لڑکی ہو، جیسے مجھ سے دھونس اور رعب سے نکاح کیا ہے تم اسی طرح

اپنی ہر بات مجھ سے منوانا چاہتی ہو۔“ حمود اس کے رو برد آ کے کھڑا ہوا جوب کچل رہی تھی۔ دل کی دھک

دھک اتنی تیز تھی کہ وہ جتنا پر اعتماد بننے کی کوشش کر رہی تھی اتنی ہی حمود کے ایسے اپنائیت بھرے لہجے پر وہ جیسے

تھکنے لگی تھی، اس نے تو حمود کے بارے میں سوچنا تک شروع نہیں کیا تھا، کیونکہ اس پر وہ کوئی حق نہیں رکھتی تھی،

صرف چند بول سے کسی کی زندگی پر قابض تو نہیں ہو سکتی اور پھر یہ معاشرہ یہاں سکے رشتے اپنے نہیں ہوتے تو

غیروں کا کیا بھروسہ اس نے حمود پر بھروسہ کیا زبردستی اسے مجبور کیا صرف اس لئے کہ وہ لڑکی تھی مجبور و بے کس،

کم از کم اس کے ساتھ نام کا سہارا تو ہوگا، ہر ایک کو یہ تو بتا سکے گی کہ وہ شادی شدہ ہے، کچھ تو اس کا تحفظ رہے

گا، پلٹ کر گاؤں تو جانا ہی نہ تھا، اپنے چچا کی وجہ سے جو اسے ڈھونڈنے کے لیے اپنے پالتو کتے اب تک دوڑا

بٹکا ہوگا شاید۔

”پلیز! میں آپ کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی، آپ بات کو سمجھیے۔“ وہ قدرے توقف کے بعد روہانے لہجے

س گویا ہوئی۔

”تم کیا سمجھتی ہو کہ میں کیا اب سکون سے ہوں، ابھی بھی مشکل میں ہوں۔“ کچھ برہم ہوا۔

”اسی لیے تو کہہ رہی ہوں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، خواہ تو آپ اگر میری وجہ سے کسی مشکل میں پھنس گئے

میں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔“

”بولتی بہت ہو سکتی ہو اور نہ سمجھتی ہو، بیٹھو ادھر اور ایک لفظ بھی اب بولیں نا، میں رکھ کر جھانپڑ لگا دوں گا۔“ وہ

ننگ دینے لگا، منتہی نے حیرانگی سے اس کی بھوری آنکھوں کے غصے کے شرارے دیکھے تو وہ نگاہ جھکا گئی، حمود نے

ساکا ہاتھ پکڑا اور صوفے پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ ہی بیٹھا۔

”تم اب میری صرف سنو گی، سچ میں اگر بولی نا بہت برا ہوگا تمہارے لیے۔“ منتہی خود کو اتنی بے بس اور لاچار سمجھ

تی تھی کہ اس شخص کے سامنے اتنی خاموش ہو کر بیٹھنا اور ڈانٹنا اس کے رعب میں آنا یہ سب اس کے لیے بالکل نیا ہی

رداؤ انجسٹ [140] فروری 2010ء

ماہوسی سب ہی کچھ تو تھا۔

”زندگی بہت خوبصورت ہے، چیلنج تم بنا رہی ہو، آسان طریقے سے بھی گزار سکتی ہو۔“ اس کی ایسی باتوں سے چڑنے لگا تھا۔

”سوری مجھے کافی کام کرنا ہے، آپ اپنے پیسے اور موبائل آکر لے جائیے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے میں لا بوجہ خود اٹھاؤں گی، آپ پر ڈالنا نہیں چاہتی۔“

”تمہیں بتایا ہے نا میں اپنی بات کو نبھانے والا بندہ ہوں، تم چاہے مجھ سے کتنا دامن بچاؤ مگر میں تمہارا ہونچھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں، منتهی حمود سالارا“ پورا نام لے کر اسے یہ بتایا کہ وہ اب کیا ہے۔ ایک دم ہی لالہ کٹ چکی تھی کیونکہ منتهی سے شاید برداشت نہ ہوا تھا، نہ اس کے پاس کوئی جواب تھا۔

”میں بھی دیکھتا ہوں تم کتنی اپنی مرضی چلاتی ہو، یہ میرا تم۔ سے وعدہ ہے تمہیں اپنے گھر میں لا کر رہی رہوں گا۔“ سوچ رہا تھا اسے بھی کچھ ضدی ہو گئی تھی۔

”حمود سالار کو تم نے چیلنج کیا ہے اور میں یہ چیلنج قبول کرتا ہوں۔“ موبائل کو اپنے ہاتھ میں گھما رہا تھا اثر کام بجا تو چونکا۔

”کیس بابا! بس میں لے کر آ رہا ہوں۔“ وہ شپٹا ہی گیا کیونکہ کافی دیر سے وہ فائلز کا کہہ کر گئے تھے وہ یکسر بھلا بیٹھا ہوا تھا۔

☆☆☆.....

سمیرا کو بالکل ہی چپ لگی ہوئی تھی وہ کچھ بھی نہیں پوچھ رہی تھیں، عتابہ کو ان کی لائق خون کے آنسو رہی تھی وہ اتنی خود غرض کیوں تھیں کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں بھی نہیں سوچ رہی تھیں شروع سے ہی ہار لینے کی پڑی رہتی تھی اور ایک آنی تھیں جو ہمیشہ درگزر کا ہی سبق دیتی تھیں، ذرا بھی تو ان کی بات نہ مانتی تھیں، چاری محبت میں چلی آتی تھیں۔

”آنی! امی تو کچھ پوچھ ہی نہیں رہی ہیں کہ کیا کیا تیاری کرنی ہے۔“ وشہ افسردگی سے بولی۔

”اس کے مزاج سے تو تم واقف ہی ہو، نہیں پوچھ رہی ہے تو نہ پوچھے میں تو پوچھ رہی ہوں۔“ انہوں وشہ کو ساتھ لگایا۔

”وشہ بابی! میں آپ کی شادی پر ایک ہفتے پہلے رہنے آؤں گی۔“ نشاء بولی آج تو وہ بھی آئی تھی درمیا پڑھائی کی وجہ سے آنی اسے نہ لاتی تھیں۔

”اس نے تو ابھی سے میرا دماغ کھا کے رکھا ہوا ہے۔“ شمینہ نے نشاء کو دیکھا جو وشہ کے جھڑکا سامان دم رہی تھی۔

”آنی! بھیج دیجیے گا، کم از کم گھر میں اس کی وجہ سے ہی رونق ہو جائے گی ورنہ آپ تو جانتی ہی ہیں، دادی ہمارے گھر سے کوئی کزن بھی نہیں آتا ہے، صرف امی کی وجہ سے۔“ افسردگی سے گویا ہوئی۔

”تم دیکھنا تمہاری شادی کے بعد سارے مسئلے حل ہو جائیں گے، سمیرا بھی ٹھیک ہو جائے گی۔“ انہوں تسلی دی۔

”آنی! مجھے آپ سے پہلے اپنی شادی کچھ عجیب سی لگ رہی ہے، ان کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔“ وہ رو رہی تھی

رداؤ انجسٹ [144] فروری 2010ء

عتابہ کا بھی خیال آ رہا تھا۔

”بہت صابر بن گئی ہے اس کی قسمت اللہ تعالیٰ اچھی کرے، تم فکر نہ کرو وہ ایسا کچھ نہیں سوچ رہی ہے، اس کے دل کو پتا اطمینان ہے کہ اس کی بہن بھی اسی گھر میں جا رہی ہے جہاں وہ جائے گی۔“ انہوں نے وشہ کو سمجھایا۔

”پھر بھی آنی! آپ تو کچھ بھی نہیں بولتی ہیں، ساری شاپنگ تیار کیا وہی کر رہی ہیں۔“

”سمجھو عتابہ کے لیے یہ آزمائش ہے چند دن کی، سب ٹھیک ہو جائے گا جلد ہی، بس دل میں اللہ پر یقین رکھو اور مثبت سوچو دیکھنا وہی ہوگا جو تم چاہو گی، مگر شرط یہ ہے کہ دل کو صاف کر کے اللہ کی رسی کو تھامو۔“ شمینہ

ایسہ ہی دونوں بہنوں کو مثبت انداز میں سمجھایا کرتی تھیں اور پھر ان کی خود کی سوچ بھی تو ایسی ہی تھی، اچھا سوچو اور اچھا کرو وہی ہوگا تمہارے ساتھ۔

”مجھے تو آنی! کچھ بھی نہیں آتا ہے، میں کیسے سب کروں گی؟“ اب نئی فکر سوار کر لی۔

”اس میں اتنا پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، تمہاری تائی وغیرہ سب ہی اچھے ہیں، سب کر لو گی آرام سے۔“ انہوں نے اس کے رخسار پر چمکی دی۔

”آپ کو نہیں پتہ، وہ مائز بہت لڑتے ہیں۔“

”ارے وشہ! کزنز میں سب چلتا ہے، بیٹا اتنی ٹینشن مت سوار کرو، اچھا لڑکا ہے میں بھی ملی ہوں۔“ انہوں نے تسلی دی۔

”اچھا میں ذرا سمیرا کی خیر خیریت پوچھ لوں ورنہ ناراض ہوگی وہ۔“ شمینہ کو خیال آیا۔

”اچھا آج تو آپ رکیں گی ناں؟“

”بیٹا! آج نہیں ٹک سکتی میں کیونکہ کل فرزان کا یونیورسٹی میں کوئی فنکشن ہے، مجھ سے کہہ رہا تھا کہ چاٹ افرہ بنا کر دیں وہ میں لے کر جاؤں گا۔“ انہوں نے عذر پیش کیا۔ وشہ کا منہ اتر گیا، جب بھی شمینہ آنی تھیں انوں ہمیشہ ہی خوش ہوتی تھیں، زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزارنے میں مزا بھی آتا تھا پھر ان کے مسئلے بھی سنتی تھیں اور حل بھی کرتی تھیں۔

”کتنی تیاری اور رہ گئی ہے وشہ کی؟“ شمینہ نے ان سے پوچھا جو لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں صوفے پر ٹیک لگائے۔

”جس کی مرضی سے یہ شادی ہو رہی ہے اسے ہی پتہ ہوگا تیاری کا بھی، اونہ۔“ انہوں نے ہنکارا بھرا۔

عتابہ کچن سے سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی، کتنا اس کا دل افسردہ ہوتا تھا، ذرا بھی وہ کسی بھی کام میں دلچسپی ہی لیں۔ لے رہی تھیں۔

”سمیرا! اب بس بھی کرو وشہ بیٹی ہے تمہاری دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کرو۔“

”میرے بچوں کے لیے دعائیں ہر وقت ہیں مگر جو کچھ یہ جواہ احمد نے کیا ہے، بہت بُرا کیا ہے، دیکھنا وہ سب بری بیٹیوں سے میرے بدلے نکالیں گے۔“ وہ تیز لہجے میں روٹھ گویا ہوئیں۔

”حد ہوتی ہے سمیرا! غلط سوچنے کی وہ کیوں بدلے نکالنے لگے، تم نے کیا ایسا کیا ہے کہ جو ان معصوم بچوں کے ساتھ وہ ایسا کریں گے۔“ شمینہ کو ان کی منہ سوچوں پر بہت ہی حیرانگی اور افسوس ہوتا تھا۔

”وہ لڑکا مائز اتنا منہ پھٹ ہے کہ ذرا لحاظ نہیں کرتا ہے بڑے چھوٹے کا۔“ اکثر مائز ہنسی ہنسی میں اتنا طنز کرتا تھا کہ وہ صرف گرم گرم گھونٹ اندر بھرنے کے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

رداؤ انجسٹ [145] فروری 2010ء

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”اچھا اب جو بھی ہے وہ تمہارا داماد بننے جا رہا ہے۔“

”ارے شہینہ! عقل دو جواد کو کہ ان بچیوں کی عمر نہیں ہے کہ شادی کی جائے انہیں گھر داری کا بھی ذرا پتہ نہیں ہے۔“ وہ پوری کوشش میں تھیں کہ کسی طرح بھی یہ شادی رُک جائے۔

”دیکھو! تم میری بات سنو ہماری دوشہ کا اس سال بی اے مکمل ہو جائے گا اس کے بعد تو شادی کرنی ہی ہے نا اور پھر عنایت کی عمر ایسی ہے اس کی تو اب ہو جانی چاہیے۔“ وہ بولیں۔

”میری کون سی اتنی عمر شادی کی جو سب نے کر دی تھی اسی کا ہی نتیجہ تھا کہ مجھے کچھ نہ آیا۔“ وہ اپنی بات درمیان میں لے آئی تھیں۔

”ہاں تو تم اتنی معصوم بچی تھیں کہ فیشن کی ساری خبریں تھیں اگر نہیں خبر تھی تو گھر داری کی۔ ایسے موقعوں پر جواد بوجھ ضرور بولتے تھے میرا تو دانت پیسنے لگی تھیں۔“

”ہاں آ جاؤ تم بھی کیونکہ تمہیں بہت سکون ملتا ہے مجھے سنانے میں۔“

”شہینہ! آپ کی اس بہن کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ یہ زیادہ غلط ہیں۔ جواد احمد گویا ہوئے۔“

”تم سے زیادہ مجھے سمجھ ہے کہ لڑکیوں کی شادی کب کرنی ہے؟“ میرا ترخ کے بولیں۔

”تم پر اگر میں نے اپنی بیٹیوں کو چھوڑا نہ ساری عمر بھی نہ کرواؤ گی شادیاں۔“ کیونکہ وہ اس دن ان کی سہیلی سائرہ کی گفتگو جوں چکے تھے۔

”میں جواد بھائی اسے بھی سمجھا رہی ہوں کہ یہ شادی کی ساری تیاریاں خود کرے۔“

”بس شہینہ! تم مجھے اپنے مشورے نہ دو تو اچھا ہے۔“ ذرا بھی تو وہ اپنی بہن کا لحاظ نہیں کرتی تھیں۔ شہینہ خفیف سی ہو گئی تھیں مگر وہ بھی میرا کیس اور کڑوی باتوں کا اثر نہیں مانتی تھیں کیونکہ وہ شروع سے صلح جو طبیعت کی تھیں اپنی بہن کو بچپن سے ہی دیکھتی آ رہی تھیں ایسی تک مزاج اور اپنے حسن کی تعریفوں پر خوش ہونے والی تھیں۔

”کسی نے کتنا بچہ کہا ہے کہ ضروری نہیں کہ جن کی شکل اچھی ہو وہ بات بھی اچھی کرے۔“ جواد احمد طنز میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئے۔

”دیکھا تم نے؟ یہ انسان میری ایسے ہی تھیک کرتا ہے۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر اپنی مظلومیت دکھا کر اشارے کرنے لگی تھیں۔

”تم کس لہجے میں ان سے بات کرتی ہو تم نے سوچا ہے کبھی میرا! جواد بھائی تمہارے شوہر ہیں ان کی عزت کرو۔“

”ایسے آدمی کی میں عزت کروں جو مجھے دھکا تارہتا ہے۔“ وہ رونے لگی تھیں عنایت سے دیکھا ہی نہیں جا رہا تھا کہ اپنی ماں کو روتے ہوئے دیکھے۔

”تم دیکھنا میں دوشہ کی شادی ہونے ہی نہیں دوں گی۔“ وہ غصے میں اتنی وحشت زدہ لگ رہی تھیں کہ عنایت کا دل دھک دھک کرنے لگا شہینہ تو سر ہٹ کر کے ہی بیٹھ گئی تھیں سنا دوشہ نے بھی تھا جو نشاء کے ساتھ اپنے کپڑوں کی سیٹنگ کر رہی تھی۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 10 -

سلسلے وار ناول

جہالت و دل کی جہالت



Express
your thoughts
beautifully

Timor Ansari 96

محرِب کو ذرا فرصت نہ تھی کیونکہ وہ مائز کی ساری تیاریاں خود کر رہا تھا اس کے کمرے تک کا کلر چینج کر دیا، نیو فرنیچر سب کچھ ہی نیا ڈلوایا تھا۔ پھر اسے آفس بھی دیکھنا ہوتا تھا اس نے خود کو مصروف کر لیا تھا کیونکہ مائز کی پڑھائی کی مصروفیت تھی لے دے کر ساری ذمہ داری اس پر ہی تھی اس دوران اس نے عنائہ کو بھی یکسر فراموش جیسے کیا ہوا تھا اتنی اسے ٹھکن ہو رہی تھی کہ وہ ڈھیلے سے انداز میں کاؤچ پر دراز تھا فائق کب سے اسے دیکھ رہا تھا اسے کچھ بات جو کرنی تھی۔

”محرِب بھائی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ وہ کچھ شاکھی بھی ہوا۔

”نہیں یار! ٹھیک ہے وہ بس ٹھکن سی ہو رہی ہے۔“ وہ سیدھا ہوا۔

”مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“ وہ قدرے توقف کے لیے رُکا۔

”محرِب بھائی! دادی جان بلا رہی ہیں آپ کو۔“ رافع نے آکر ہانک لگائی۔ دونوں ہی کی توجہ اس کی جانب ہو گئی تھی۔

”اچھا آتا ہوں۔“

”آپ ایسا کریں! دادی جان کے پاس حاضری لگائیے میں آپ سے رات کو آپ کے کمرے میں آکر بات کرتا ہوں۔“ وہ بھی کچھ سوچ کر کھڑا ہو گیا۔

”اوکے۔“ محرِب نے بھی تردید نہ کیا۔

وہ جیسے ہی کمرے میں آیا رافع نے کھانا شروع کر دیا کیونکہ سامنے عنائہ جو بیٹھی تھی، محرِب جھینپ سا گیا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک کروں۔“ اس نے رافع کو گھورا، وہ لب بھینچ کر رہ گیا کہ اگر مزید کوئی شرارت کی تو خیریت نہیں تھی۔

”آؤ میرا بچہ۔“ دادی جان نے اپنے قریب ہی بیڈ پر جگہ بنائی جبکہ عنائہ ایزی چیئر پر بیٹھی تھی، کچھ نروس سی بھی ہو رہی تھی۔

”بیٹا! ہم تو تمہاری صورت کو ترس گئے ہیں ایسی بھی تیری کیا مصروفیت۔“ وہ ناراضی کے ساتھ شکوہ بھی کرنے لگی تھیں۔

”آپ کو پتہ ہی ہے کہ کتنے کام ہیں جو مجھے ہی کرنے ہیں۔“ وہ جان بوجھ کر اب عنائہ کو انور کرنے لگا، خواخواہ ہی جزبزی ہو رہی تھی۔

”دو گھڑی اب تو تجھے دادی کے پاس بیٹھنے تک کا ٹائم نہیں ہے اور یہی عنائہ کا حال ہے میں نے آج رافع کو بھیج کر اسے بلوایا ہے، بچی کو دیکھے مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ مدت گزر گئی ہے۔“ انہوں نے کہا۔ محرِب نے مسرڈ اور بیک

جار جٹ کے پرنڈ ڈکھڑوں میں ملبوس اس کا نازک موہنا سا کھڑا دیکھا جو اسے آج کچھ سا ہوا لگ رہا تھا جانے کیوں وہ اس کے معاملے میں اتنا سخت بنتا جا رہا تھا، وہ جو سب کی فکر کرتا تھا اور عنائہ سے تو اس کی آج تک ہلکی سی بھی جھڑپ نہیں ہوئی تھی اس سے اس دن ایسی تلخ اور کڑوی باتیں کی تھیں کہ بعد میں خود کو ملامت ہی کرتا رہا تھا۔

”آپ مجھے یہ بتائیے کہ انہیں کیا آپ نے مار کے بٹھایا ہے جو یہ اتنی خاموش بیٹھی ہیں۔“ اس نے اپنی عادت کے خلاف ذرا شوخی سے عنائہ کو دیکھ کر اشارہ کیا۔ عنائہ جھینپ کر پہلو بدلتے لگی وہ حیران بھی ہوئی کہ محرِب اور اتنا شوخ انداز سامعیتیں اور بصارتیں یقین نہیں کر رہی تھیں۔

”وہ ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ عنائہ نے ہی جھٹ جواب دیا۔ محرِب کے ہونٹوں پر مبہمی مسکراہٹ رینگ گئی۔

”دادی جان! میں ذرا فریش ہوں بہت تھک گیا ہوں۔“ وہ ان کے ہاتھ تھام کے کچھ مسکرا کے پوچھنے لگا۔

”ٹھیک ہے جا۔“ انہوں نے خوشدلی سے اجازت دی۔ عنائہ کو ایسا لگا کہ اس کی سانسوں کو وہ کھڑا ہوا روک رہا ہو اتنی وہ گھبرائی ہوئی تھی کہ محسوس یہ ہوا کہ اس کا ہر انداز محرِب کو ناگوار ہی گزرے گا مگر خود کو بہت کنٹرول کیے بیٹھی رہی تھی۔

”دادی جان! میں ابھی آتی ہوں۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔ کیونکہ سوچ کے آئی تھی کہ منتہی سے بھی مل کر آئے گی اسے پتہ تو چل ہی گیا تھا کہ حمودا سے کئی گھنٹوں کے لیے اپنے ساتھ لے گیا تھا اسے پوچھنا تھا کہ ملاقات کیسی رہی۔ وہ باہر کوریڈور میں آئی، یمنی کو دیکھنے لگی کیونکہ اس کے ساتھ ہی وہ جاسکتی تھی اس کی ایسی بے تکلفی بھی نہیں تھی تہذیب سے کہ بلا جھجک ہی چلی جاتی۔

”چھوٹی تائی! یمنی کدھر ہے؟“ اس نے انہیں اپنے روم سے نکلتے ہوئے دیکھا تو جھٹ پوچھ لیا۔

”لاؤنج میں تھی فون کر رہی تھی۔“

”اچھا.....“ وہ لاؤنج میں ہی آگئی جو اپنے نوٹس وغیرہ پھیلائے بیٹھی تھی، لگتا تھا پڑھائی کر رہی تھی۔

”مصروف ہو۔“ وہیں سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

”نہیں تو، وہ بس آپ کو پتہ ہی ہے نیکسٹ ویک میں پیپر شروع ہونے والے ہیں، دوشہ کو پیپر زنا بتا رہی تھی کہ کیا اپورٹسٹ ہے۔“

”ہاں دوشہ بھی بڑی مصروف ہے آج کل پڑھائی میں۔“ وہ مسکرائی۔

”ذرا میرے ساتھ تو چلو مجھے ملنے سے ملتا ہے۔“ اس نے بھائی وغیرہ نہیں لگایا تھا، کیونکہ اسے منشی اپنی ہی جیسی لگی تھی تو سہیلی کا رشتہ زیادہ اچھا لگا تھا۔

”چلے میں یہ اپنے نوٹس ذرا روم میں رکھ کر آتی ہوں۔“ وہ اپنی فائلز سمیٹ کے تیزی سے نکل گئی تھی۔ عنائہ وہیں بیٹھی رہی، گھر میں اس کا ٹائم خاصی خاموشی تھی کیونکہ مائز اور فائق بھی نہ تھے چھوٹے تائی، تائی ابوالہ بھی تک گھر نہیں آئے تھے مغرب ہو چکی تھی اسے بھی گھر جانا تھا، دوپہر میں ہی تو آئی تھی جب رافع اسے لینے آیا تھا۔

یمنی کے ساتھ وہ چلی آئی تھی، منتہی تو حیران ہی رہ گئی ورنہ تو وہ بھی تھی کہ عنائہ بھی دیگر لڑکیوں کی طرح خاصی مغروری ہو گئی مگر اس نے تو اتنی محبت اور اپنائیت کا مظاہرہ کیا کہ وہ گنگ رہ گئی۔

”میں آپ کو محرِب بھائی کے رشتے سے بھا بھو کہہ سکتی ہوں؟“ تہذیب نے عنائہ کو مسکرا کے دیکھا۔

”یعنی تم بھی مائز کی طرح بھا بھو ہو اؤ گی۔“ یمنی نے شوخی سے کہا۔

”ظاہری بات ہے میں محرِب بھائی کی بہن ہوئی تو میں بھی مائز بھائی کی طرح انہیں بھا بھو ہی کہوں گی۔“

تہذیب نے تقارزدہ لہجے میں کہا۔

”بھئی تمہاری مرضی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ وہ جھینپ گئی۔

”یمنی باجی! آئیے آپ کو میں اپنے اسکول کی فرینڈز کی تصویریں دکھاتی ہوں۔“ حکمت اسے بلانے چلی آئی۔ اتنے میں مبینہ ان لوگوں کے لیے کباب اور نمکو وغیرہ چائے کے ساتھ لے آئی تھیں۔

”ارے آئی! آپ نے یہ تکلف کیوں کیا؟“ عنائہ شرمندہ سی ہونے لگی۔

”میرے بیٹے کی ہونے والی دلہن آئی ہے میں ایسے ہی جانے دیتی کیا۔“ انہوں نے مسکرا کے کہا، عنائہ تو اور ہی جھینپ گئی۔

”میں تو منتہی کی خیر خیریت کے لیے آئی تھی۔“ اس نے خاموش بیٹھی منتہی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، وہ صرف مسکرا دی۔

”کیوں نہیں ملیے گا پہلے کچھ ہم کھا لیتے ہیں۔“ تہذیب نے پلیٹیں سب کے آگے رکھی تھیں، مبینہ نے خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ کچھ ہی دیر میں پھر عنابہ نے ہی منتہی کو مخاطب کیا، سب ہی وہاں سے اٹھ گئے تھے دونوں بیٹھی تھیں۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“

”کچھ خاص نہیں۔“ منتہی نے مسکراتی نگاہ ڈالی۔

”فضول اور غلط بالکل نہیں سوچنا، کیونکہ اچھا سوچو گی تو اچھا ہی ہوگا۔“ عنابہ نے اسے سمجھایا۔

”اگر میں کچھ اچھا سوچوں گی بھی ضروری نہیں کہ وہ ہو بھی جائے۔“ لہجے میں حسرت، خرومی اور اداسی تھی۔

”اگر خود پر اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین ہو تو اچھا ہی ہوتا ہے۔“

”ایک بات کہوں عنابہ! اب جبکہ تم نے ہی بے تکلفی اور جھجک کی دیوار گرا ہی دی ہے اور میں تمہیں پتہ ہی ہے محریب بھائی کے دوست کی منکوحہ ہوں، تم اچھی طرح جانتی ہو میری اوقات کیا ہے اور وہ حمود سالار وہ کتنے اونچے گھرانے کا بیٹا ہے، میں تو معمولی سی ان کے گھر کی ملازمہ تو بن سکتی ہوں بہو نہیں۔“

”کیوں امیروں کے گھر غریبوں کی بیٹیاں بہو نہیں بنتی ہیں۔“ عنابہ نے جھٹ نفی کی۔

”لیکن عنابہ! میں جس حیثیت کی ہوں میں جانتی ہوں۔“ اتنی مغموم اور مایوس تھی کہ عنابہ کو اس پر ترس سا آنے لگا۔

”پتہ ہے ہم غریب لڑکیوں کو تو خواب تک دیکھنے کا حق حاصل نہیں ہے، تم ہر خواب دیکھ سکتی ہو، میں تمہارا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی ہوں، تمہیں اتنے لوگ سپورٹ کرنے والے ہیں اور مجھے کوئی بھی نہیں۔“

”تم خود کو ہم سے الگ نہیں سمجھو تم جاؤ گی حمود سالار کے ہی گھر یہ میں تم سے کہہ رہی ہوں۔“ عنابہ کے لہجے میں وثوق اور یقین تھا۔

”پلیز! تم مجھے ایسے خواب دیکھنے پر مجبور نہ کرو عنابہ جس کی تعبیر ہی نہیں ہے۔“ وہ رونے لگی۔

”تعبیر دینے والا ہمارا خدا ہے، تم اور ہم بیٹھ کر یہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ اس کی تعبیر ہی نہیں۔“

”میں نے اپنے سگے رشتوں کو قریب سے دیکھا ہے اور جو سر راہ چل کر رشتے بنائے جاتے ہیں انہیں تو کوئی قبول ہی نہیں کرتا، پھر وہ ہمیں کیسے وہ مقام دلا سکتے ہیں۔“ لب کھلنے لگی۔

”ضروری نہیں کہ سارے رشتوں میں کھوٹ ہو، تم ایک بار اعتبار تو کرو اس رشتے پر اسے پانے کی اسے حاصل کرنے کی جستجو تو کرو، کوشش تو شروع کرو دیکھنا یہ کاغذی رشتہ اتنا مضبوط اور اٹوٹ ہوگا کہ تم خود پر رشک کرو گی، مگر یہ اسی صورت میں ہوگا کہ تم منفی نہ سوچو نہ حمود سالار کو غلط سمجھو اس نے تمہارا بیک گراؤ نہ جانے بغیر نکاح کیا ہے جب یہ اس طرح اچانک ہو سکتا ہے پھر تم ایک دن ان کے گھر میں بھی اپنے مقام اور حیثیت کے مطابق جاؤ گی مگر اس کے لیے اللہ کو ساتھ لے کر چلو، دیکھنا کامیابی تمہارا مقدر ٹھہرے گی۔“ وہ ہمیشہ دوسروں کو بھی اسی طرح ہی مثبت اور یقین کا درس دیتی تھی۔

”کاش..... عنابہ! میں بھی تمہاری ہی طرح کی لڑکی ہوتی۔“ وہ اسے رشک بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”کسی دن میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گی، میں اور تم الگ نہیں ہیں، ایک ہی ہیں، بس میں یقین

اور اعتماد کو دور نہیں کرتی ہوں۔“ اس نے منتہی سے کہا۔

”آج ہی بتا دو نا۔“

”پھر کبھی ابھی جلدی میں ہوں، گھر جانا ہے اور ہاں یاد آیا، دشا اور ماز کی شادی کا ہر فنکشن اٹینڈ کرنا ہے۔“ ساتھ ہی حکمیہ انداز میں ہدایت دی۔

”مجھے کہاں تمیز ایسے فنکشنز کی۔“ وہ گھبرائی۔

”فضول بات کوئی نہیں، ہماری دوستی ہو گئی ہے نا تو میری ہر بات بھی ماننا ہوگی۔“ عنابہ نے اس کے رخسار پر ہلکی دی۔

”مجھے ایک بات تو بتاؤ، تمہیں حمود سالار کا کیا؟“ عنابہ نے معنی خیزی سے سرگوشی میں پوچھا۔

”پتہ نہیں۔“ حمود سالار کے نام پر ہی دل دھڑک اٹھا، نگاہ جھک گئی۔

”یعنی اچھے لگے۔“ وہ سمجھ گئی۔ منتہی نے مسکرا کر نگاہ اٹھائی، دونوں ہی زور سے ہنس پڑی تھیں، تہذیب اور مبینہ نے اندر جھانک کر حیرانگی سے دیکھا۔

☆☆☆

”پلیز بابا! مجھے کچھ تو ٹائم دیں۔“ وہ اتنا لاچار بے بس اور روہانسا ہو رہا تھا کہ ہشام سالار کے چتون آؤش میں سکر گئے کیوں کہ ان کے کسی بھی فیصلے اور بات ماننے پر وہ اتنی بحث تو کبھی نہیں کرتا تھا پھر اب کی بار ایسا کیوں کر رہا تھا۔

”تم مجھے وجہ بتا دو آخر مسئلہ کیا ہے؟“

”ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے، مجھے ابھی شادی تو کیا مگنی تک نہیں کرنی۔“

”یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کیوں؟“ وہ سوالیہ انداز میں چیخے، کلثوم بانو پہلو بدل کے رہ گئیں کیوں کہ حمود سر مانے ان کے سامنے کھڑا تھا، جہرے سے انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کچھ اُلجھن اور پریشانی میں ہے۔

”میں صرف چند ماہ کی مہلت مانگ رہا ہوں، پھر میں وہی کروں گا جو آپ چاہیں گے مگر پلیز ابھی مگنی وغیرہ

بھول کر لیں۔“

”پہلو ٹھیک ہے، میں تمہیں صرف تین ماہ کی مہلت دے رہا ہوں مگر یاد رکھنا اگر تم نے اس دوران کوئی بھی گل

طمانی کی کوشش کی یا اپنی مرضی چلانے کی کوشش کی، گھر سے تو نکالوں گا ہی جائیداد سے بھی عاق کر دوں گا۔“

ایسی دھمکی پر وہ لب بھینچ کے رہ گیا کیوں کہ گل تو وہ کھلا ہی چکا تھا، بس اس گل کو اس گھر میں لا کر سجانا تھا، اس کے لیے اتنی جدوجہد کرنا تھی پہلے اس سر پھری کو منانا تھا، پھر اپنے بابا کو کیوں کہ سب سے مشکل یہ دو ہی تھے۔

”ساتم نے۔“

”جی..... جی۔“ وہ اچھل گیا۔ حمود نے اس پر ہی شکر ادا کیا اوپر والے کا اس نے ایک مشکل ٹالی اور اسے قوی

کر دیا۔ یہ ہمیشہ کے لیے ہی گل گئی۔

”تمہیں کیا نیاز کو تو وہ کبھی اپنی بیوی کے روپ میں برداشت ہی نہیں کر سکتا ہے۔“

”بہسی نہیں۔“ کمرے میں آ کر خود سے ہمکلام ہوا۔

”اگر اس گھر میں آئے گی یا میرے اوپر جس کا حق ہوگا وہ صرف منتہی حمود سالار کا، اس کے علاوہ کوئی

”واٹ.....جواب؟“ وہ تو اچھل ہی گیا۔ منتہی قدرے توقف کے لیے رُک گئی تھی وہ شاید سمجھ گئی تھی کہ وہ شاک میں آگیا ہوگا۔

”تمہیں جواب کی کیا ضرورت ہے میں نے جواتنے پیسے دیئے ہیں وہ کیا کم پڑ رہے ہیں۔“ طنز کے ساتھ گویا ہوا۔
”آپ اپنے پیسے اور موبائل لے جائیے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور میں مزید آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ خاصی افسردگی سے گویا ہوئی۔

”پہلی فرصت میں جواب کا دماغ سے نکال دو کیوں کہ ہمارے خاندان میں عورتوں کا جواب کرنا نہ سمجھا جاتا ہے۔“ وہ رعب سے بولا۔

”سوری میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی ہوں آپ کی مہربانی کہ آپ نے مجھے اپنا نام دیا اتنی عزت دی مگر میں اپنی اوقات سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتی ہوں۔“

”تم ضرورت سے زیادہ بولتی ہو اور اتنا بولتی ہو کہ میرا دماغ چکرانے لگتا ہے۔“ وہ کھسیا ہٹ کے ساتھ جھنجھلا ہٹ کا شکار ہو گیا۔

”اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں ورنہ آپ کی زندگی میں اتنے چکر آئیں گے کہ آپ خود چکر کر گر گئے تو میں یہ برداشت نہیں کر سکتی ہوں۔“

”اف..... اتنا فلسفہ بولتی ہو کہ میں ایک لمحے کو سن سا ہوتا ہوں۔“ حمود کو وہ اتنی قنوطی اور حالات کی ستائی ہوئی لگی تھی کہ اب وہ اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

”پھر سن کیوں نہیں لیتے۔“
”پہلے مجھے یہ بتاؤ تم ہو کدھر؟“ حمود نے موضوع بدلنے کو پوچھا۔

”میں اس وقت محن میں بیٹھی ہوئی ہوں اور باقی سب سو رہے ہیں۔“
”اچھا اور آسمان پر دیکھو کتنا خوبصورت چاند ہے نظر آ رہا ہے محن سے یا نہیں؟“ اس نے ٹیرس پر سے نگاہ سامنے آسمان پر لٹکانی جہاں سات تارخ کا چاند چمک رہا تھا اور اس کی روشنی اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ وہ ایک ٹک دیکھے ہی گیا۔

”جی نظر آ رہا ہے۔“ وہ اتنا ہی بولی۔
”خوبصورت لگ رہا ہے نا؟“

”ظاہر ہے خوبصورت ہے جب ہی تو سب کی توجہ کا مرکز ہے اسے اس بات کا ڈر بھی نہیں ہے کہ کوئی اس کی روشنی چھین لے گا۔“

”پھر فلسفہ.....“ وہ اُکتا کے گویا ہوا۔
”میں نے بس آپ سے یہ کہنے کے لیے کال کی ہے کہ میں جواب کر رہی ہوں آپ اپنی چیزیں آ کر لے جائیں۔“ وہ جھٹ بولی۔

”مجھے چیزوں کے ساتھ چیزیں استعمال کرنے والی بھی چاہیے، سنا تم نے۔“ ایک ایک لفظ جتا کے کہا۔ اسی وقت منتہی نے لائن ہی کٹ کر دی، حمود نے مسکرا کے موبائل کو دیکھا کیوں کہ اس کے ذہن نے بہت کچھ سوچ لیا تھا کہ اسے آگے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

کے بعد ہی بدل جاتا ہے۔

”منتہی! تم نے مجھے اندر تک ہلا دیا ہے، تم نے مجھ سے ہاتھ جوڑ کے رشتہ جوڑنے کو کہا تھا، دیکھنا میں کیسے یہ رشتہ ہمیشہ کے لیے جوڑتا ہوں۔“ وہ بیڈ پر چاروں خانے چت لیٹ گیا، کتنا بدلا ہوا وہ خود کو محسوس کر رہا تھا، کل تک محبت سے بے گانہ تھا مگر اسے ہو کیا گیا تھا، ایک لڑکی کے لیے وہ اتنا سوچ رہا تھا۔

”شکر ہے بھائی! بلائی، ذرا جلدی سے مجھے بتائیے کون ہے جس کا نام ابھی آپ پکار رہے تھے۔“ راحمہ کی اچانک غیر متوقع آواز پر وہ اچھل ہی گیا، دیکھا تو وارڈروب سے فیک لگائے کھڑی تھی، نگاہوں میں معنی خیزی، تجسس اور اشتیاق تھا، حمود گڑبڑا سا گیا۔

”میں کسے پکار رہا تھا؟“ انجان بننے لگا۔
”بھائی! میں نے خود نام سنا ہے۔“ وہ توجہ بھی کسی بات کے پیچھے پڑتی تھی ہاتھ دھو کر پڑ جاتی تھی۔

”کس کا نام؟“ وہ نگاہ چراتا ہوا وارڈروب کھونے لگا اور وہ اپنی بہن کی عادت کو بھی خوب جانتا تھا کہ اسے ٹاننا کتنا مشکل ہے۔

”بھائی! ادھر میری طرف دیکھیں بالکل جھوٹ نہیں چلے گا۔“ وہ اس کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی دونوں ہاتھ پشت پر جمائے ہوئے تھے، حمود نے چتون تیکھے کیے اور اسے گھورنے لگا۔

”تمہارے آج کل کان کچھ زیادہ ہی سننے لگے ہیں میں نے کسی کا نام نہیں لیا ہے۔“
”اور ہاں تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟“ اس نے وارڈروب بند کی اور پھر بیڈ پر دونوں ہاتھ پیچھے لگا کر بیٹھ گیا۔

”کیسی چلتی ہے ویسی ہی ہے، متھس کا مسئلہ ہو رہا ہے اور ہاں مجھے انگش میں بھی براہم ہو رہی ہے۔“ وہ منہ بسورنے لگی۔ حمود نے شکر ادا کیا کہ وہ بھولی تو سہی ورنہ اسے تو کسی بھی ٹاپک سے ہٹانا بڑا مشکل ہوتا تھا۔

”آپ نے کہا تھا کسی ٹیوٹر کا۔“
”کوشش میں تو ہوں۔“ وہ پھر کھڑا ہو گیا، دیکھا تو موبائل اس کا بیپ دے رہا تھا، کال تھی حتمی نیازی، اس کا حلق تھک کر ڈا ہوا گیا۔

”اچھا تم نکلو یہاں سے مجھے کچھ کام کرنا ہے آفس کا۔“ وہ اپنا ٹاٹ سوٹ لے کر واش روم میں گھس گیا۔ راحمہ نے اس کی چوڑی پشت کو گھورا اور دھڑ سے دروازہ بند کر کے کمرے سے نکل گئی۔ موبائل مسلسل بیپ دے رہا تھا، حمود دانت پیس رہا تھا وہ چہنچ کر کے باہر آیا، بھنا کے موبائل بیڈ سے اٹھا لیا، اسکرین پر جو نام دیکھا بصارت کو یقین نہ ہوا، دل خوش ہو گیا، دھڑ سے بیڈ پر سیدھا ہو کر لیٹ گیا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

”لیس۔“ شمار آلود لہجہ بتالیا۔
”السلام علیکم؟“ اس نے اپنی مہین آواز میں سلام کیا۔ حمود موبائل کان سے لگائے اپنے بیڈ روم سے نکل کر ٹیرس پر چلا گیا، کیونکہ بیڈ روم میں ہو سکتا تھا کہ امی آ جائیں۔

”خوش رہو۔“ وہ ٹیرس پر سیٹ کے صوفہ سیٹ پر ٹانگیں لمبی کر کے دراز ہو گیا اور نگاہ لان میں پھیلی مدہم روشنی میں لپٹے درختوں اور پیڑوں پر تھی۔

”زہے نصیب آج آپ نے کیسے یاد کر لیا ہمیں؟“ خاصا شوخ ہو رہا تھا۔
”میں نے یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ مجھے ایک جگہ جاب مل رہی ہے۔“

رداؤ انجسٹ [88] مارچ 2010ء

اسے پکنگ کے لیے یمنی نے بلالیا تھا۔ آفس سے تو جلدی آ جاتی تھی پھر رات تک اس کا وقت نہیں مگر رات تھادہ اور یمنی پکنگ سے فارغ ہوئیں تو تہذیب جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

”ارے جلدی کیا ہے بیٹھو تو“۔ یمنی نے اسے زبردستی بٹھایا۔ مگر اسے لاؤنچ میں فائق کی موجودگی کافی نروس کر رہی تھی جو کمپیوٹر پر بیٹھا ہوا تھا اور مسلسل اپنے گلاسز کو بھی درست کرتے ہوئے کی بورڈ پر اپنی انگلیاں چلا رہا تھا۔

”وہ اصل میں یمنی صبح پھر اٹھنے میں دیر ہو جائے گی“۔ وہ ٹائم بھی دیکھنے لگی کیوں کہ پونے بارہ بج رہے تھے۔

”میں تمہیں اپنے کپڑے تو دکھا دوں جو میں مائز بھائی کی شادی پر پہنوں گی“۔ وہ اسے بٹھا کر پیک کیے جوڑے اٹھا کر لے گئی اور وہ گھبرا سی گئی۔

”بیٹھو کھڑی کیوں ہو؟“ فائق نے پشت گھما کر اسے دیکھا۔

”جی“۔ وہ اتنا ہی بول سکی۔

”سنائی کم دیتا ہے بیٹھو“۔ وہ میز سے کھڑا ہو گیا۔ تہذیب گھبرانے لگی جو اس میں لگتا تھا کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگا ہے اور وہ اس سے بچتی تھی خواہ مخواہ فائق کے گھروالے الٹی سیدھی بات کرنے لگتے تو کتنی بُری بات ہوتی۔

”میں جا رہی ہوں مجھے صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے“۔ ایک دم ہی جانے کے لیے اس نے قدم بڑھا دیئے مگر فائق کے چتون تن گئے اور وہ راہ میں حائل ہو گیا۔ یلو پرنٹڈ کاشن کے کپڑوں میں وہ چہرے پر ناگواری لیے دانت پیسنے لگی جبکہ وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

”جواب کب چھوڑو گی؟“

”آخر آپ کو میری جواب پر اتنا اعتراض کیوں ہے؟“ وہ تنک گئی۔

”وہ اس لیے کہ تم سوائے بے وقوفی کرنے کے کچھ کر ہی نہیں رہی ہو“۔ وہ اس کے برہم ہوتے چہرے کو پُرشوق نگاہوں کی زد میں لیے ہوئے تھا۔ تہذیب اسے دیکھنے تک سے گریز کر رہی تھی ڈرتی تھی کہ اس کے دل کے اندر کا چور اس کے سامنے نہ آ جائے اور پھر وہ اس شخص کے بارے میں سوچنا تک نہیں چاہتی تھی جو اس کی منزل تو کبھی نہیں ہو سکتا۔

”جو بھی کر رہی ہوں آپ کو کیوں تکلیف ہے؟“

”سوری تہذیب! میرے کپڑوں کا شاپر ہی نہیں مل رہا“۔ یمنی خاصی افسردہ سی آئی دونوں گڑبڑا کے الگ ہو گئے۔

”کوئی بات نہیں پھر دیکھ لوں گی“۔ وہ مسکرائی۔ فائق کمپیوٹر کے بشن پر پس کر رہا تھا تہذیب جانے لگی تھی۔

”رُکو تہذیب! اکیلی نہیں جاؤ“ فائق چھوڑ دے گا۔“ ناظمہ اسے ہی دیکھنے آئی تھیں کہ چلی تو نہیں گئی کیونکہ کافی دیر سے وہ اور یمنی پکنگ کر رہی تھیں۔

”میں چلی جاؤں گی آنٹی!“ تہذیب جھٹ بولی۔

”چلی تو جاؤ گی پھر بھی رات ہو رہی ہے لان میں ہلکا سا اندھیرا بھی ہوتا ہے“ فائق چھوڑ آئے گا۔“ انہوں نے پھر بھی زبردستی فائق کو اشارے سے کہا۔ وہ لب بلیج کے رہ گئی مجبوراً اُسے جانا پڑا کوریڈور عبور کر کے دونوں ساتھ ہی باہر نکلے پورج کی سیڑھیوں سے اتر کر وہ تیزی سے دائیں جانب بڑھ رہی تھی تاکہ فائق اس سے کوئی اور سوال نہ کرے۔

”اتنی جلدی بھی کیا ہے جانے کی“۔ وہ معنی خیزی کے ساتھ طنز کر گیا اس نے جزبزی ہو کر اپنی چال کو ہلکا کر لیا۔

”میں اب جا سکتی ہوں آپ جانیے“۔ وہ رکھائی اور سرد مہری سے گویا ہوئی لان میں پھیلا مہیب سا ٹاپیڑ اور دووں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ ماحول کو کچھ بُرا سا ریتا رہی تھی۔

”تم مجھ سے کتنا ہی بچ لو مگر میں تمہارا پیچھا ایسے تو نہیں چھوڑوں گا“۔ وہ مسکرایا تہذیب نے دانت پیسے اور فائق کی گلاسز سے جھانکتی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تھیں۔

”کسی مجبور اور بے بس انسان کو ڈرا کر آپ کس جذبے کی تسکین چاہتے ہیں“۔

”کچھ جذبے انسانیت کے ہوتے ہیں تم یہی سمجھو کہ مجھ سے وہ جذبہ ہی یہ سب کچھ کروا رہا ہے خواہ مخواہ تم اگر کسی ایسے نقصان سے دوچار ہو گئیں ناں سوچ لو بہت مشکل ہو جائے گی“۔ وہ گھمبیر لہجے میں اسے آگاہی دینے لگا۔

”آپ بے فکر رہئے میں آپ کو پھر بھی کوئی تکلیف نہیں دوں گی“۔

”محترمہ! اتنے بڑے بول نہ بولیں اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ تکلیف ہو میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دوسری جانب کرلو“۔ وہ بولا۔

”شکریہ مشورے کا بلکہ روز ہی دیتے ہیں پلیز آئندہ مجھے نہیں دیجیے گا“۔ گھر آیا تو وہ گیٹ کے باہر رُک کر ناگواری سے بولی تھی۔ فائق نے حیرانگی سے اس لڑکی کو دیکھا جو خود کو کتنا مضبوط اور پُرا اعتماد ظاہر کر رہی تھی جبکہ وہ تو اتنی ڈری سبھی ہوئی تھی کہ اس سے نگاہ تک تو ملا کے بات نہیں کرتی تھی۔

”تم کچھ بھی کہو میں تمہاری راہ سے نہیں ہٹوں گا“۔ اس نے جتایا۔

”آپ پاگل تو نہیں ہو گئے ہیں“۔ وہ جھنجھلا کر تیز لہجے میں بولی۔ اس نے گیٹ پر ابھی تک دستک نہ دی تھی فائق اور وہ آٹھ منے سامنے تھے وہ دیکھ بھی بغور رہا تھا تہذیب کو اس کا انداز غصہ دلا رہا تھا۔ جتنا وہ اسے انکور کرنا چاہ رہی تھی وہ اتنا ہی راہ میں آ رہا تھا دل کو تو وہ پہلے ہی تھپک کے چپ کر چکی تھی کہ یہ سراب ہے یہ تمہارا کبھی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ زمین پر رہ کر آسمان کو چھونے کی وہ بات کر ہی نہیں سکتی امیر اور غریب کے فرق کو وہ بچپن سے دیکھتی اور سنتی آرہی تھی وہ کیا اور اس کا حسن کہا ہے وہ خوب جانتی تھی۔

”ابھی تو نہیں ہوا ہوں لیکن مجھے لگ رہا ہے تم کر دو گی اپنی ضد کی وجہ سے“۔ انداز ذومعنی اور طنزیہ تھا۔

تہذیب کے تو پسینے چھوٹنے لگے تھے وہ وارنگی سے دیکھ رہا تھا اس کی نگاہوں میں ایسا کچھ تو تھا جو تہذیب نگاہ بھر کے دیکھ نہ پاتی تھی۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں آپ کی شکایت محریب بھائی سے کر دوں گی“۔ وہ ہراساں ہونے کے ساتھ گھبرا بھی گئی۔

”گڈ! پھر تو اور آسانی سے تم یہ جواب چھوڑ سکتی ہو“۔

”پلیز! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں میرا پیچھا چھوڑ دیں میں یہ جواب نہیں چھوڑنا چاہتی“۔ کتنی مجبور اور بے بس ہو رہی تھی۔ فائق کو اس پر ترس بھی آ رہا تھا مگر اسے یہی ڈرتھا کہ وہ کسی مصیبت میں نہ پڑ جائے کیونکہ وہ اتنی معصوم اور سادہ تھی اگر اس کی معصومیت کو کسی نے چھین لیا تو کیا ہوگا فاطمہ کا شوہر اسے اکثر دھمکیاں بھی دیتا تھا کہ وہ تہذیب کو منع کر دے مگر تہذیب اس کی کوئی بات مان ہی نہیں رہی تھی۔

”پھر ٹھیک ہے میں کرتا ہوں تمہارا بندوبست“۔

”کیسا بندوبست؟“ تہذیب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی وہ مڑ گیا تھا آگے اس نے کچھ کہا ہی نہیں تھا۔

”اُف یا اللہ! یہ شخص کیا کرنے والا ہے؟“ اس کا دل انجانے خوف میں مبتلا ہو گیا تھا اس نے دروازے پر متواتر

دستک دینی شروع کر دی تھی کیونکہ اندر کا خوف اسے اپنے گھٹنے میں لینے لگا تھا۔

☆☆☆.....

وہ خود اس کی گاڑی میں گھس کے بیٹھی تھی جو اس نے چاہا تھا وہ مل بھی گیا تھا مگر اپنی اوقات سے زیادہ اس کا تو ذہن ہی پریشان تھا وہ اس سے لاکھ پیچھا چھڑانا چاہتی تھی مگر وہ تو اس پر دن بدن اپنا تسلط بجا رہا تھا وہ حیران تھی ایسے ڈینگ بندے کو لڑکیوں کی کیا کمی تھی آخر وہ اس کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتا ہے۔ کہتے ہیں ناں کہ کبھی آپ کسی کی طلب کرتے ہیں اور پھر آپ اسی کی طلب بن جاتے ہیں کتنا مشکل اور دشوار ہوتا ہے یہ مرحلہ وہی جانتی تھی اس نے اگر حمود سے نکاح کی بات کی تھی تو صرف اپنے تحفظ کے لیے مگر اس نے یہ نہیں چاہا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ بھی رکھے۔

سوچ سوچ کے ذہن شل ہو گیا تھا کب سے صحن میں ٹہل رہی تھی جب اسے مل رہی تھی مگر حمود کا ڈر بھی تھا کہ وہ کہیں غصہ میں نہ آجائے اور پھر وہ زبردستی اپنے ساتھ لے جائے۔ اس کی زندگی بھی کیا تھی دنیا میں آئی تو باپ چلا گیا پھر ماں نے پالا کتنی پریشانیوں کے ساتھ اسے پڑھا لکھا بھی رہی تھی مگر اس کا چچا کتنی بچ ذہنیت کا تھا کہ اس کا رشتہ پیسوں کے عوض کسی اوباش آدمی کے ساتھ کر رہا تھا اگر اس کی ماں پڑوس کی عورت کے ساتھ مل کر اسے گاؤں سے نہ نکالتی تو شاید آج اس کا تیرا ہی حشر ہو رہا ہوتا۔ پتہ نہیں اماں کیسی ہوں گی چاہا جانے کیا حال کیا ہوگا افسردگی سے سوچتے ہوئے آسمان پر نگاہ جمادی۔

کاش میں پرندہ ہوتی، کم از کم مجھے اپنی عزت کی فکر تو نہ ہوتی۔
”کیا سوچ رہی ہیں آپ؟“ حکمت حیرانگی سے اسے آسمان تکٹے ہوئے دیکھنے لگی شام کی سرمئی پھیلی ہوئی تھی چھوٹا سا صاف ستھرا صحن جہاں ایک تخت بھی بچھا تھا اکثر وہ حکمت کو ٹیوٹن دیں پڑھاتی تھی۔
”کچھ نہیں“ منتھی نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔
”آپ کو اپنی امی یاد آ رہی ہوں گی؟“
”ہوں“ وہ اتنا ہی بولی۔

”حمود بھائی سے بولے گا کہ وہ آپ کو ملانے لے جائیں گے۔“ وہ اپنا بیگ لے کر تخت پر ہی بیٹھ نئی اسکول کا کام بھی کرنا تھا۔
”منتھی باجی ایک بات پوچھوں آپ سے؟“ وہ چونک کر پوچھنے لگی۔ منتھی بھی تخت پر ہی ٹک گئی اور سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

”حمود بھائی کے کبھی گھر گئی ہیں؟“
”نہیں ایک بار بھی نہیں“ وہ بولی۔

”آپ کو جا کر ان کا گھر تو دیکھنا چاہیے؟“ بیگ سے کتابیں کا پیاں نکال کر وہ بیٹھ گئی تھی
”تم اپنا کام کرو اچھا یہ سب نہیں سوچو۔“ اسے چپٹ لگائی اور ٹال کے اندر چلی گئی۔ مبینہ رات کے لیے چاول جن رہی تھیں کیوں کہ وہ پہر انہوں نے دال بنائی تھی سوچا تھا کہ اس کے ساتھ چاول پتالیں گی۔

”خالہ جان میں چاول پکا لوں گی۔“ وہ ان کے ہاتھ سے چاول کی ٹرے لے کر خود لاؤنج میں بیٹھ کے چنے لگی کیوں کہ زیادہ سے زیادہ خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک گئی جہاں تک صحن میں دیکھا حکمت دروازہ کھولنے اٹھ گئی تھی مگر سامنے حمود سالار کو بلیو جینز کی پینٹ پر لائٹ پینک ٹی شرٹ میں

رداؤ انجسٹ [92] مارچ 2010ء

دیکھ کر تو وہ گھبرا ہی گئی۔

”میں آپ ہی کی باتیں منتھی باجی سے کر رہی تھی۔“ حکمت مسکراتے ہوئے اسے اندر لے آئی تھی مبینہ کو اس نے سلام کیا انہوں نے جواب میں ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔ منتھی نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی پچ کلر کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس وہ گھبرائی ہوئی کھڑی ہو گئی سلام تک کرنا جیسے بھول گئی تھی حمود نے خاصا گہری نگاہوں سے اس کا ہجکنا گھبرانا دیکھا۔

”ارے بیٹا بیٹھو۔“ مبینہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ منتھی کے سامنے والے بڑے صوفے پر بیٹھ گیا مگر خود کو خاصا مودب ظاہر کر رہا تھا کیونکہ مبینہ جو سامنے کھڑی تھیں حکمت بھی موجود تھی تہذیب ابھی تک آفس سے آئی نہیں تھی حمزہ کو رافع بلا کر لے گیا تھا۔

”بیٹا آپ بیٹھو میں جائے بناتی ہوں۔“ مبینہ نے حکمت کو آنکھوں کے اشارے سے باہر جانے کو کہا وہ سر جھکا کر واپس صحن میں تخت پر جا کر بیٹھ گئی۔ منتھی کو تو پسینے ہی آنے لگے مگر اس لمحے اس نے اپنی اس کیفیت کو چھپانے کے لیے پہلو بدلا تھا حمود کی گہری اور بے سوچ مسکراتی نگاہوں نے اس کا حصار باندھا ہوا تھا۔
”کیسی ہو؟“ مسکرا کے پوچھا۔

”کیسی ہو پوچھنا بے کار ہے کیونکہ کیسی ہوں یہ تو جان ہی چکے ہیں۔“ انداز ذوقی مسخر زدہ اور کچھ حسرت بھرا بھی تھا۔

”ہاں کیسی ہو یہ تو نظر آ رہا ہے۔“ اس نے اپنے دلائے ہوئے کپڑوں میں اسے ملبوس ستائشی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”جانب کا بھوت اُترا۔“
”کچھ بھوت ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اُترتے بھی نہیں اور نہ اُتر پاتے ہیں وہ سواری رہتے ہیں۔“ پھر اس نے فلسفہ بولا۔

”اُف۔“ حمود نے اپنی کالر لود دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور نچلے کی جانب اوپر نگاہ جما کر تاثیر دیا کہ اسے گرمی لگنے لگی ہو۔

”تم آسان زبان میں بات نہیں کر سکتی ہو؟“ وہ جھنجھلا کر اسے تیز لہجے میں ڈانٹنے لگا۔
”جس کی زندگی مشکل ہو وہ آسان زبان کیسے استعمال کر سکتا ہے کیونکہ وجود اتنی مشکلات کا عادی ہو چکا ہے کہ اب تو آسان چیز بھی مشکل نظر آتی ہے۔“

”دماغ مستقبل قریب میں تم میرے دماغ کی وہی کر دو گی۔“ وہ اس کے سپاٹ اور نخوت زدہ چہرے کو دیکھ کر طنز کرنے لگا۔

”آپ یہاں آئے ہی کیوں۔“ بدلتا طئی کی حد کر دی۔
”دراصل تمہارے لیے ایک جاب ہے تنخواہ بھی ملے گی ٹھیک ٹھاک بس لڑکی کو ٹیوٹن پڑھانا ہے۔“ وہ بولا۔
”سوری میں ٹیوٹن نہیں پڑھا سکتی۔“ صاف انکار کر دیا۔

”لیکن میں چاہتا ہوں جس لڑکی کو پڑھانے کے لیے کہہ رہا ہوں اسے تم ہی پڑھاؤ تو بہتر ہے۔“
”میں ہی کیوں اور پھر میں نے آج تک ٹیوٹن نہیں پڑھائی مجھے تجربہ نہیں ہے۔“ اس نے جھوٹ بولا جبکہ یہاں جب سے آئی تھی حکمت اور حمزہ کو وہی پڑھا رہی تھی۔

رداؤ انجسٹ [93] مارچ 2010ء

”مجھے پتہ ہے تمہیں تجربہ بھی ہے۔“ وہ بولا کیونکہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا۔
”لیکن میں ٹیوشن نہیں پڑھا سکتی۔“

”تمہیں ٹیوشن میری بہن کو پڑھانا ہے وہ پڑھائی سے بھاگتی ہے کتنے ہی کوچنگ وہ چھوڑ چکی ہے اور اب پڑھائی چھوڑنے کے چکر میں ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے تم ہینڈل کرو۔“ وہ نرم سے لہجے میں اسے بتانے لگا۔ منتہی نے حیرانگی سے سنا کیونکہ حمود اس لمحے خاصا سنجیدہ بھی تھا۔

”پھر میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے گھر کے ماحول کو لوگوں کو بھی سمجھ لو گی کیونکہ تمہیں ایک دن رہنا وہیں ہے۔“ وہ ایک ایک لفظ جما جما کر بول رہا تھا۔ منتہی لب بلبھنے کے سر جھکائے سب سن رہی تھی جانے کیوں دل کو یقین ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص اسے اتنی اہمیت دے رہا ہے وہ اسے دیکھنے تک سے گریز کرتی تھی۔

”پلیز میں آپ کو پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے۔“ سختی سے لہجے کی۔

”کیا ممکن نہیں ہے؟“ حمود نے انجان بننے کی ایک ٹینگ کی۔

”یہی کہ آپ کے گھر.....“ وہ منمنائی۔

”اس وقت تو مسئلہ میری بہن کا ہے جو پڑھائی چھوڑنے کے چکر میں ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ایسا کرے اس لیے میری یہ خواہش ہے کہ تم اسے پڑھاؤ گی، خواہ تمہیں میں اس لیے نہیں دوں گا کہ تم میری بیوی ہو میری ذمہ داری ہو تمہیں ہر ماہ خرچ میں دوں گا جو کچھ رقم ہی ہوگی۔“

”مگر مجھے آپ کے پیسوں کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔“ قطعیت سے گویا ہوئی۔ حمود نے اس لڑکی پر نگاہ غلط کی جو بڑے سے دوپٹے میں خود کو چھپائے پر اعتماد ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی اس کے ایک ایک انداز اور بات میں سادگی تھی جو بھی بات کرتی صاف ہی کرتی تھی۔

”مجھے ضرورت ہے۔“

”پھر رکھیے اپنے پاس ضرورت ہے تو۔“ جھٹ بولی۔

”پیسوں کی نہیں تمہاری۔“ وہ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا، منتہی نے گرم گرم سانسیں نچوٹ زدہ باہر نکالی تھیں وہ جتنا اس پر اپنی ناگواری اور سرد مہری ظاہر کر رہی تھی وہ اتنا ہی اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

”میں نے کہہ دیا ہے تمہیں پڑھانا ہے تو پڑھانا ہے۔“

”زبردستی ہے؟“ وہ تیز لہجے میں چڑ کے بولی۔

”کچھ ایسا ہی۔“ بڑی معنی خیز مسکراہٹ لیے منتہی کو سگتے ہوئے دیکھ رہا تھا وہ بل کھا کے اٹھی۔

”اور گاڑی تمہیں پانچ بجے لینے آئے گی اور چھوڑنے کے بھی جائے گی۔“

”آخر آپ کا مسئلہ کیا ہے۔“ وہ تنک گئی۔

”ارے مسئلہ ابھی بتایا تو ہے۔“ وہ ہنسا۔

”میں دوسرے مسئلے کی بات کر رہی ہوں۔“ لا جواب سی ہو گئی۔ اسے حمود سے یہاں گھر میں بحث کرنا عجیب بھی لگ رہا تھا اندر مبینہ کیا سوچ رہی ہوں گی اس بات کی بھی گھبراہٹ تھی وہ مسلسل اسے بغور دیکھ رہا تھا منتہی کو لگ رہا تھا کہ اگر وہ رضا مندی نہیں دے گی تو وہ یہاں سے جائے گا بھی نہیں۔

”دوسرے مسئلے تو تمہارے وہاں آ کر شروع ہوں گے۔“ وہ شرارتی اور معنی خیز لہجے میں گویا ہوا۔

”جی۔“ وہ چونک گئی۔

”اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے ظاہری بات ہے جب تم اس گھر میں آؤ گی تو جب ہی تو مسئلے ہوں گے تمہیں اور پھر پتہ بھی چلے گا۔“

”آپ نہایت فضول گفتگو کرتے ہیں۔“ وہ تو کھسیا گئی۔

”ہاں تم خلیل جبران کی بہن بنی گھومتی رہو میں کچھ نہ بولوں۔“ وہ اکثر اس کے فلسفوں سے تنگ آ کر اس پر طنز کرنے لگا تھا۔ منتہی کو حمود کی ایسی باتیں سخت گراں گزرتی تھیں جو بالکل بھی کسی بات کو سیریس نہیں لے رہا تھا اپنے باپ کو نہیں جانتا کیا اسے تو سوچ سوچ کے اکثر پسینے آ جاتے تھے۔

”پلیز تم بھی آسان اور سادہ گفتگو کر لیا کرو مجھے تمہارے فلسفے ہضم نہیں ہوتے ہیں۔“

”ظاہری بات ہے جو شخص آسان سانسوں میں رہتا ہو اسے یہ سب ہضم بھی کیسے ہوگا کیونکہ ایسی باتیں وہی لوگ ہضم کر سکتے ہیں جنہوں نے سرد گرم موسم دیکھے ہوں یا ان پر آئے ہوں۔“ وہ پھر شروع ہو گئی تھی۔ حمود سر تھام کے رہ گیا کیونکہ منتہی کے اندر کی محرومی حسرت وہ سب جانتا اور سمجھتا تھا مگر اسے منتہی سے چڑ نہیں ہوئی تھی ایسی بچی اور کھری لڑکی تھی جو آج کے دور میں تو ہونا مشکل تھی۔

ایک وہ جتنی تھی جسے منہ ٹیڑھا کر کے انگلش بولنے سے فرصت نہیں تھی لباس سے لے کر لب و لہجہ تک بناوٹی تھا ایسی لڑکی تو اس کی لائف پارٹنر ہو ہی نہیں سکتی تھی جب سے وہ منتہی سے ملا تھا اس کی سوچوں میں اس کا گزر ہونے لگا تھا۔

”محترمہ! یہ سب نصیب کا کھیل ہوتا ہے میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا، تم اطمینان رکھو چند دن کی تمہاری پریشانیاں ہیں پھر آنا تو میرے پاس ہی ہے۔“ وہ مخمور اور ترنگ بھرے لہجے میں بولا، منتہی نے ایک نظر ہی ڈالی اور اٹھ کر اندر چلی گئی مبینہ چائے جو لے آئی تھیں اس طرح اس کی بچت بھی ہو گئی۔

☆☆☆.....

دو دن سے سمیرا بیگم بے چین تھیں نہ رات کو نیند آ رہی تھی اور نہ ہی پارلر میں ان کا دل لگ رہا تھا کیوں کہ جوں جوں وشہ کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے ان کے دل میں ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ خالی پن سا ہو رہا ہو مگر انہیں ایک طرف جو ادا احمد پر بھی غصہ تھا وہ انہیں مات دینے کے لیے ہی شادی کر رہے تھے اپنے بچوں سے وہ بھی بھی محبت و لگاؤ سے بولی ہی نہ تھیں مگر اس بار انہیں کچھ ایسا ہی کرنا تھا کہ وشہ کی شادی رُک جائے وہ انہیں کوریڈر میں پڑی چیر پر بیٹھ گئیں۔ وہ ماں تھیں مگر اتنی سخت کیوں تھیں شاید ان میں خود سری اور ضد تھی شروع سے انہوں نے اپنا سراہا جانا ہی سنا تھا اور اب بیٹی کی شادی کے بعد تو ان کا سارا اسکوپ ہی خراب ہو جائے گا لیکن اپنی بیٹیوں سے بھی کچھ نہیں کہہ رہی تھیں۔

پوری رات وہ بے چین اور مضطرب تھیں اپنے سرال والوں سے اتنی بد دل تھیں کہ اپنی بیٹیوں تک کو وہاں بھیجنا گوارا نہ تھا۔

”کیا بات ہے معارج اٹھا نہیں۔“ صبح وہ ناشتہ کرنے ٹیبل پر آئیں تو عنایت سے پوچھا۔

”وہ دادی جان کی طرف چلا گیا ہے تائی امی نے بلایا تھا۔“ ڈرتے ڈرتے اس نے بتایا کیونکہ وہاں کا نام سن کے تو سمیرا بیگم کے ماتھے پر ناگواری کے جالے تن جاتے تھے۔

”تم تینوں کو ہر وقت وہاں جانے کی پڑی رہتی ہے۔“ انہوں نے چائے کا سپ بھرا۔ عنایت لب بلبھنے کے انہیں کن انگلیوں سے دیکھتی رہی وشہ کا لُج گئی ہوئی تھی اس کے پیچہ زکی ڈیٹ آ گئی تھی کیونکہ ایڈمٹ کارڈ اور ڈیٹ، شیٹ

لینے گئی تھی شادی اس کے پیپر کے بعد ہی رکھی تھی یہ بھی دوشہ کی ضد سے ہوا تھا۔

”ای! اگر آپ دوشہ کی چیزیں دیکھ لیتیں تو.....“ عتابہ رُک رُک کے بولی۔

”میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے کہ فضول دیکھتی پھروں، اپنے باپ کو دکھاؤ کیونکہ انہیں ہی تم بیٹیوں کو نکالنے کی پڑی ہے جبکہ میرے لیے تم دونوں بوجھ نہیں ہو۔“ انہوں نے نیا پینتر اٹھایا، عتابہ کو جواد احمد کی طرف سے بدظن کرنے کا پوری رات جاگ کے وہ اسی نتیجے پر پہنچی تھیں۔

”اتنی کم عمری میں تم دونوں کی شادیوں کی پڑی ہے دوشہ تو بہت چھوٹی ہے جسے اپنی خبر نہیں وہ شادی کی ذمہ داری اٹھالے گی کیا؟“

”ہماری دوشہ سمجھ دار ہے امی! سب اٹھالے گی۔“

”ارے خاک اٹھائے گی! اگر پہلے سال ہی بچے کے چکر میں پڑ گئی تو رورود کے یہ تو اپنا حشر کرے گی، نزلہ بخار تو اس سے برداشت ہوتا نہیں ہے کجا یہ برداشت کرے گی۔“ میرا بیگم آج دل کھول کر عتابہ کو ایسی سوچوں کے حوالے کرنا چاہتی تھیں کہ وہ جواد احمد سے پھر اڑ جائے۔

”بیٹا! شادی کے بعد کی زندگی بہت مشکل ہوتی ہے اور پھر وہ دونوں تمہارے باپ کی طرح ہیں، سوچ لو کتنی درد سہی ہوگی کیونکہ ہیں تو وہ انہی کے بچتے۔“ ان کا لب و لہجہ اتنا کیٹلا اور کڑوا تھا وہ غصہ اور نفرت کی آگ میں ایسی اندھی تھیں کہ انہیں کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ عتابہ کو اپنی ماں کی سطحی سوچوں پر بہت افسوس ہوتا تھا جو اپنی اولاد تک کا خیال نہیں کرتی تھیں جبکہ وہ ان کی خوشی کے لیے اپنا نقصان تک کر رہی تھی یہ ایک ماں تھیں اور وہ بیٹی جانے دونوں میں کون ٹھیک تھا اس کا دماغ پریشان تھا۔

”ماںز حد سے زیادہ زبان دراز اور بدتمیز ہے دوشہ کو سکون سے رہنے دے گا، نچا کر رکھ دے گا، سمجھتا کیا ہے خود کو۔“

”ای! آپ پلیز ایسی باتیں تو نہ کریں۔“ وہ گھبرا گئی۔

”کیسے نہ کروں، تم میری اولاد ہو تم دونوں کی میں فکر نہ کروں تو کون کرے گا! اگر میرے بدلے تم دونوں سے لیے گئے تو کیا ہوگا۔“ انہیں سب سے زیادہ یہی دھڑکا تھا۔

”ضروری ہے جو آپ سوچ رہی ہوں وہی ہو، کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔“ دل اس کا اتنا ٹھنکنا اور رنجور ہو رہا تھا کہ میرا بیگم سے آگے کچھ اور کہہ ہی نہیں پار ہی تھی وہ تو محبت میں رُک ہوئی ہے۔

”رہنے دو ایسا نہیں ہے کوئی، محریب اسے تم کتنا جانتی ہو، ارے پورا گھنا ہے مجھے تو پکا یقین ہے پانچ سال بعد امریکہ سے آیا ہے ضرور وہاں کوئی ناکوئی شادی کر رہی ہے۔“

”جی۔“ وہ تو حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی ایسی تو اس کے دل تک میں بات نہیں تھی محریب جیسا ریزرو طبیعت کا شخص ایسی حرکت، ذہن و دل نہیں مان رہا تھا۔

”دیکھنا تمہیں پتہ چلے گا بعد میں جب اس کی انگریز بیوی بچے لیے یہاں آئے گی۔“ وہ اس لمحے اتنی بے حس لگ رہی تھیں کہ عتابہ کا دل کٹنے لگا، وہ ناشتہ چھوڑ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔

غلط تو وہ کبھی سوچتی ہی نہیں تھی، ہمیشہ مثبت سوچیں ذہن میں رکھیں، اچھا سوچا اچھا ہوگا کسی کا، نہ کہو مگر آج اس کی سماعتوں نے ایسی باتیں سنیں جو بھول کے بھی اس کے دل میں نہ دماغ میں آئی تھیں، وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے روئے جا رہی تھی۔ زندگی اتنی ارزاں بھی ہوتی ہے کاش وہ اس دنیا میں نہ ہوتی، کاش وہ یہ سب نہ سنتی، اس نے تو بھی

اپنی زندگی تک کو کو سا نہ تھا ہمیشہ صبر و شکر ہی کیا تھا۔

”محریب احمد نہیں تم ایسے نہیں ہو سکتے، اگر تم ایسے لکے ناں میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، سوچ لو کوئی غلطی معاف نہیں کروں گی۔“ ایک دم ہی دل بدگمان سا ہونے لگا جبکہ وہ غلط اور منفی تو سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

”نہیں میں ایسا کچھ بھی غلط ان کے بارے میں نہیں سوچوں گی، وہ ایسے نہیں ہیں۔“ جلدی سے دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھے اور خود کو تسلی دی، اطمینان دلایا، بیڈ سے وہ اٹھ گئی تھی کیونکہ دوشہ جلدی کالج سے آ جاتی، اسے کچن بھی دیکھنا تھا ماسی سے صفائی بھی کروانی تھی۔ جب سے وہ دادی جان کے گھر سے آئی تھی وہ پریشان تھی کیونکہ محریب نے اس بار اسے رخ ہی نہیں دیا تھا، کتنا اس کا دل رویا تھا نہ ہی اب اس کا کافی دنوں سے فون آیا تھا۔

”تمہیں میری باتیں دکھ تو دیتی ہیں مگر تم سب کو بعد میں اندازہ ہوگا جب وہ ماںز اپنے رنگ دکھائے گا۔“ میرا بیگم نے پھر اسے دیکھ کر وہی موضوع چھیڑا۔ عتابہ ڈانٹنگ ٹیبل سے برتن اٹھا رہی تھی مگر لب اس کے چپ تھے وہ ان سے پہلے بھی بحث کب کرتی تھی۔

”میری ایک اولاد بھی تو میری پرواہ نہیں کرتی ہے۔“ وہ غصہ میں بڑبڑاتی ہوئی ماسی کو پارلر میں چلنے کا اشارہ کرنے لگیں کیونکہ سب سے پہلے وہ پارلر میں جھاڑ پونچھ کر داتی تھیں، گھر کی صفائی وہ بعد میں کرتی تھی۔ عتابہ تاسف اور غم زدہ سی سانسیں بھر رہی تھی، وہ تو خود اپنا نقصان کر رہی تھی وہ سمجھ ہی نہیں رہی تھیں۔

☆☆☆

”کچھ فری ہو؟“ ماںز نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا جو واڈروب سے اپنے کپڑے نکال رہا تھا کیونکہ یونیورسٹی کے لیے کپڑے رات کو ہی پریس کروالیتا تھا۔

”نہیں تو، بس سونے کی تیاری کرنے لگا تھا۔“ کپڑے نکالے اور بیڈ پر ڈالے۔

”مجھے تجھ سے کچھ پوچھنا ہے کیونکہ کافی دنوں سے میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم سے پوچھوں گا۔“ ماںز اس کے بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ فائق نے استغیا مہیہ اور تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا جو اسے گھور رہا تھا۔

”اگر کوئی فضول بات ہے نا تو پلیز مجھے سونا ہے، صبح پھر دیر ہو جاتی ہے۔“

”ہر وقت تمہیں سونے کی پڑی رہتی ہے۔“ ماںز توجہ کیا۔

”مجھے تمہاری طرح دیر تک سونے کی عادت نہیں ہے، اٹھو اور نکلو یہاں سے۔“ کبھی کبھی تو وہ خاصا بد لحاظ ہو جاتا تھا۔

”پوچھتے بغیر تو نہیں جاؤں گا۔“ وہ اڑ گیا۔

”کیا پوچھنا ہے؟“ وہ دونوں ہاتھ پشت پر لگا کر تیز لہجے میں پوچھنے لگا۔

”تم تہذیب میں انٹرسٹڈ ہو؟“ اس نے بغیر تہدید کے ہی پوچھ لیا۔

”یہ فضول بات پوچھنی تھی۔“ فائق کو تو اپنے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا وہ اسے کچھ بھی ایسا ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ماںز اس کا ریکارڈ لگا دے۔

”یہ فضول نہیں ہے، میں نے تمہیں اس دن دیکھا تھا جب کوئی آدمی تہذیب کو پوچھ رہا تھا، تم نے چوکیدار کو کتنی بدایتیں دی تھیں اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے تمہیں اور تہذیب کو انیکسی کے پیچھے ایک ساتھ دیکھا تھا۔“ ماںز تو مکمل اسے گھیر چکا تھا۔ فائق نے حیرانگی سے اسے دیکھا جو اس لمحے خاصا سنجیدہ بھی لگ رہا تھا۔

”کس دن دیکھا تھا!“ وہ انجان بننے لگا۔

”دیکھ فائق مجھ سے ناتوا آنکھ ملا کے بات کر۔“

”یار مائز تم تو بات کا فسانہ بنانا شروع کر دیتے ہو۔“ وہ بے زاری اور اکٹا ہٹ سے بیڈ کی سمت بڑھا۔
”میں فسانہ نہیں بن رہا ہوں، سیدھی بات پوچھ رہا ہوں اس دن تم اس کے ساتھ انگیسی کے پیچھے تھے تو کیا کر رہے تھے۔“

”واٹ! کیا کر رہے تھے مطلب کیا ہے؟“ وہ تیز لہجے میں بولا۔

”مطلب تو جانتا ہے میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔“ اس نے فائق کو گھورا۔

”انگیسی کے پیچھے وہ بھی میں تو یہ دیکھنے گیا تھا کہ وہ کیوں ہے میں نے پوچھا تو کہنے لگی کہ کوئی آدمی اسے تنگ کر رہا تھا اس لیے ادھر چھپ گئی۔“ بروقت اس نے کچھ جھوٹ اور سچ ملا کر اسے بتا دیا۔ مگر مائز کی تجسس بھری اور تشویش بھری عادت کو وہ جانتا تھا کہ وہ مطمئن پھر بھی نہیں ہوگا۔

”پلیز یار اب چلے جاؤ مجھے سونا ہے۔“ وہ نیند کا تاثر پیش کرنے لگا۔

”یہ جو تو نے فضول کی کہانی مجھے گھر کے سنائی ہے میں یقین کرنے والا نہیں ہوں، ضرور کچھ تو ہے کیونکہ میں نے تہذیب کو دیکھا ہے تجھے دیکھ کر وہ گھبرانے لگتی ہے۔“ وہ بیڈ سے اٹھا۔

”وہ رہتی ہی گھبرائی ہوئی ہے مجھ پر الزام مت ڈالو۔“ وہ لیٹ گیا۔

”دیکھ فائق! اگر کوئی ایسی بات ہے تو یار بتاناں لڑکی بُری نہیں ہے صرف غریب ہی تو ہے تو کیا ہوا یہ ایسی کوئی پرالیم بھی نہیں ہے۔“ وہ بغیر تھا کہ کسی طرح تو مان لے۔

”فضول ہی بات کرنا اور بکنا ایسا کچھ بھی نہیں ہے اور میں بتا چکا ہوں میں لڑکیوں کی قوم سے بچتا ہوں۔“ اس نے نگاہ چرا کے اپنی بات پر زور دے کے کہا۔

”لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو ایک آدمی کو لمحوں میں چاروں خانے چت کر دیتی ہیں۔“ معنی خیزی سے بول کر اُسے گھورنے لگا۔

”مائز یار کیا تم ایک بات کے پیچھے پڑ گئے ہو۔“

”تو سیدھی طرح مان کیوں نہیں لیتا کہ تہذیب کو تو پسند کرتا ہے۔“ وہ بھی ترکی بہ ترکی بولا۔

”ایسی کوئی بات جب ہے ہی نہیں تو کیسے مان لوں۔“

”تو سوچ لے فائق اگر وہ لڑکی تیری زندگی میں آگئی تو جب بھی انکار کرے گا۔“

”لگتا ہے مجھے ہی اب یہاں سے جانا پڑے گا کیونکہ تیری یہ بے سرو پارا مگنی بند تو ہوگی نہیں۔“ فائق غصہ میں بھنا کے بیڈ سے ہی اٹھ گیا۔

”کر تو میری بات کی نفی، جس دن بھی میں نے تجھے رنگے ہاتھوں پکڑا ناں تو سوچ لے پھر میں کیا کرتا ہوں۔“ وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کے بولا۔ فائق تو گھبرا ہی گیا کیونکہ وہ مائز کی عادت کو بھی جانتا تھا کہ کسی بات کے پیچھے پڑ جائے تو اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہی ہوتا تھا۔ اور پھر فائق کی سوچوں میں تو اس لڑکی کا گزر ہونے لگا تھا مگر ابھی تک وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا یا پھر وہ ان جذبوں کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا، وہ خود بھی الجھنے لگا تھا اگر وہ تہذیب کے پیچھے پڑا ہوا تھا تو بس اس لیے کہ وہ بے خبری میں ہی کسی کا ترنوالہ نہ بن جائے اور وہ صنف نازک کی بہت عزت کرتا تھا مگر کبھی اس نے محبت و پیار عشق اور پسند کے بارے میں سوچا ہی کب تھا۔

”میری بات سن لے غور سے زندگی میں کبھی نہ کبھی انسان پر وہ لمحے بھی آتے ہیں جو اس نے تصور بھی نہیں کیے ہوتے ہیں ویسے تو وہ بہت دعوے کرتا ہے مگر ایک دن صرف ایک لمحے اور پل کی زد میں آ کر وہ سب دھڑے کے دھڑے رہ جاتے ہیں اس لیے میرے بھائی اپنی انا کے آگے اپنی محبت کا گلا نہیں گھوٹا کیونکہ محبت مل جاتی ہے تو چڑھتے سمندر میں کچھ ٹھہراؤ آ جاتا ہے اور نہ ملے تو سمجھو طغیانی آ جاتی ہے۔“ مائز اتنی گہری اور سنجیدہ بات اس سے کر رہا تھا اور وہ گنگ سا اسے دیکھے جا رہا تھا کیونکہ مائز اتنا سنجیدہ کبھی نہیں رہا تھا۔

”تم ہوش میں تو ہو۔“

”بالکل ہوش و حواس میں ہوں میں نے ایک بات سمجھائی ہے اور سن میں ایسے تو تجھے بخشوں گا نہیں۔“ اس نے فائق کے شانے پر دونوں ہاتھ رکھے۔ فائق حیرانگی سے اسے دیکھے جا رہا تھا وہ بھی تو بچپن سے وشہ کو پسند کرتا آ رہا تھا یہ بات صرف فائق کو ہی پتہ تھی اور اکثر وہ اس سے ذکر بھی کرتا رہتا تھا مگر اس نے کبھی بھی مائز سے اپنی فیلنگ شیئر نہ کی تھیں وہ تو اتنا محمل مزاج شخص تھا سب اسے محریب کا دوسرا پارٹ کہتے تھے جبکہ رافع اور مائز اتنے ہی چلبے تھے لڑکیوں میں وشہ بھی مائز سے اس کی ایک لمحے کو نہیں بنتی تھی۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تو ایک دم اتنا سنجیدہ کیسے ہو گیا۔“

”زیادہ بکواس نہ کر۔“ مائز جھینپ گیا۔ فائق نے جواب میں قہقہہ لگایا تا کہ سنجیدہ ماحول تو ختم ہو۔

☆☆☆

اس کے دل میں ایک ویرانی اور بے چینی سی ہو گئی تھی یہ بات نہیں تھی کہ اسے اپنے بھائی کی شادی ہونے سے جیسی ہو رہی تھی بلکہ اسے تو ساتھ ہی یہ خوشی بھی تھی کہ اس کے بھائی نے ابھی اپنی خواہش کو لبوں تک لایا بھی نہ تھا کہ وہ پوری ہونے والی تھی اس نے مائز کی شادی کی تیاریوں میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی کمرے تک کی اس نے مع فرنیچر کے ساری سیٹنگ کر دئی تھی مگر اسے ساتھ ہی یہ فکر سوار تھی کہ کہیں بعد میں عنایتہ اپنے اور اس کے رشتے سے اگر انکار کر گئی تو وہ یہ برداشت نہیں کر پائے گا۔ بچپن سے وہ اپنے جذبول کو چھپائے ہوئے تھا صرف اس ایک خاص لمحے میں اسے سب عنایتہ پر آشکار کرنا تھا مگر وہ لمحہ آنے ہی نہیں دے رہی تھی پہرے بٹھائے جا رہی تھی اور وہ اس کی اس شدت پسندی اور سرد مہری پر کتنی ہی بارتراپا تھا، جھنجھٹایا تھا مگر عنایتہ کو جسے مطلق پر واہ ہی نہ تھی۔ اگر سمیرا چچی نے اسے اس حد تک مجبور کر دیا کہ وہ رشتہ توڑ دے تو کیا وہ یہ بھی کر گزرے گی اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے جس دن سے دونوں کی پارک میں تلخ کلامی ہوئی تھی اس دن کے بعد اس نے عنایتہ پر حق جتاننا چھوڑ دیا تھا اور نہ ہی وہ اسے رخ دے رہا تھا صرف وہ اپنی خفگی اسے دکھا رہا تھا شاید وہ کچھ تو سوچے۔ دروازے پر متواتر دستک نے محریب کے خیالوں کی جھیل میں پتھر پھینکا اور اس کی توجہ ہٹ گئی فوراً ہی سیدھا ہوا کھڑکی کے پردے برابر کیے اور دروازے کی سمت دیکھا۔

”آ جاؤ۔“ چہرے پر زبردستی کی بشارت بھی رکھی۔ دروازہ کھول کر آنے والا مائز تھا وہ حیرانگی سے دیکھنے لگا کہ اتنی رات کو وہ اس کے کمرے میں کیوں آیا۔

”تم ابھی تک سوئے نہیں؟“

”نیند ہی نہیں آرہی تھی فائق نے تو کمرے سے ہی نکال دیا میں نے دیکھا آپ کے روم کی لائٹ جل رہی تھی تو آ گیا۔“ وہ محریب کا بغور جائزہ لینے لگا جو بلیوناٹ ڈریس میں ملبوس نارمل خود کو ظاہر کر رہا تھا۔

”بھائی جان! اپنی پرابلم“ اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

”نو پرا بلیم“۔ مبہم سا مسکرایا۔
 ”خیر سب سے بڑی پرا بلیم تو آپ کی اور میری ساس محترمہ ہیں۔“
 ”ماز“۔ محریب نے چتون چیکھے کر کے تنہی لگا ہوں سے دیکھا۔
 ”یار بھائی جان اس سے تو نہ آپ انکار کر سکتے ہیں اور نہ میں۔“
 ”امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں تم بہت فضول بولتے ہو۔“ اس نے ماز کی بات پر کچھ ناگواری کا بھی اظہار کیا۔
 ”ہر ایک کو میری بات فضول ہی لگتی ہے مگر میں آپ سب کو ہر بات بالکل ٹھیک اور پریکٹ کہتا ہوں۔“ مدامان
 کے گویا ماز بھی اس کے بیڈ پر لیٹ گیا تھا اور وہ نیم دراز تھا کب سے سوچوں کی یلغار میں اسی پوزیشن میں ہی لیٹا تھا۔
 ”صبح تمہیں یونیورسٹی نہیں جانا جواب تک جاگ رہے ہو۔“
 ”کمپیوٹر پر بیٹھا تھا کچھ کام تھا وہ کر رہا تھا آپ کو پتہ ہے میں کب اتنی دیر تک جاگتا ہوں۔“ وہ اٹھا۔
 ”پڑھائی پر تنجید کی سے دھیان۔“ کیونکہ تمہارا آخری سال ہے۔“
 ”شادی پر دھیان دوں یا پڑھائی پر۔“ وہ منہ کو بگاڑ کے بولا۔
 ”پھر ایسا کرتے ہیں شادی ایک سال کے لیے ٹال دیتے ہیں اگر تمہیں مسئلہ ہے تو۔“ محریب نے معنی خیزی
 سے کہتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔ ماز اسی مل ایڑیوں کے بل گھوما۔
 ”اب ایسا بھی مسئلہ نہیں ہے پھر میرا چچی کو سیدھا کرنے کے لیے تو میرے پاس ایک ہتھیار آ رہا ہے وہ کیسے
 چھوڑ دوں۔“
 ”ماز! سدا جوا اگر تم نے ایسی فضول کوئی بھی بات بعد میں کرنے کا سوچا ہے تاں تمہاری شادی سچ کہہ رہا
 ہوں نہ کوادوں گا۔“ محریب فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔
 ”میں ماز احمد ہوں، محریب احمد نہیں کہہ دوں گا جواں میرا چچی سے آپ دیکھیئے گا بعد میں کیا کرتا ہوں۔“ ماز تو معصوم
 ارادہ باندھ چکا تھا کہ اسے کرنا کیا ہے۔
 ”وہ آپ کو اور بھابھو کو اسی طرح انکا کر رکھیں گی اب وقت آ گیا ہے کہ میرا چچی کو احساس دلایا جائے کہ وہ جو کچھ
 کرتی آئی ہیں یا کر رہی ہیں غلط ہے۔“
 ”ماز! مجھے بالکل یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ تم بعد میں میرا اور عتاب کا مسئلہ کھڑا کرو۔“ محریب دیسے بھی اب
 اپنا تو کوئی ذکر چاہتا ہی نہ تھا۔
 ”بھائی جان! زندگی کوئی مذاق نہیں ہے کہ اسے یوں برباد کیا جائے آپ کے اور بھابھو کے بھی کچھ
 جذبات ہیں۔“
 ”تم چپ کرتے ہو یا میں تمہاری مار لگاؤں۔“ وہ جھینب گیا۔
 ”آپ اسی لحاظ و مردت میں اپنا نقصان کر کے رہیں گے اور میں اپنے ہیرے جیسے بھائی کو اس طرح برباد تو کبھی
 نہیں ہونے دوں گا۔“
 ”تم زبردستی کرو گے بولو جب وہ لڑکی ہی راضی نہیں ہے تو یہ سب کرنا بھی فضول ہے۔“ محریب کے اندر کی محرومی
 دکھ بن کے غصہ میں چھلک پڑی۔
 ”میں بے باک ملک میں رہ کر ضرور آیا ہوں مگر مجھے خود پر کنٹرول ہے۔“
 ”یہی تو مجھے آپ پر حیرانی ہوتی ہے پانچ سال امریکہ میں گزارے بھائی جان! ذرا بھی تو آپ میں تبدیلی نہیں
 آئی ہے۔“ ماز کو اکثر محریب پر حیرانی بھی ہوتی تھی جوا زاد اور بے باک ملک میں رہ کر ضرور آیا تھا مگر اس کی سوچیں
 خیالات ابھی اتنے بے باک نہ زاد خیال ہوئے تھے۔

”تبدیلی لا کر مجھے کرنا کیا تھا میں وہاں پڑھنے گیا تھا خود کو بدلنے نہیں گیا تھا اور پھر مجھے اپنی مشرقی اقدار اور
 مذہب کا بھی خیال ہے۔“ وہ بولا۔
 ”آپ اور لڑکوں کی طرح کیوں نہیں ہیں آپ بھی کیوں نا اڑ گئے بھائی جان! بھابھو کی مرضی کوئی اہمیت نہیں رکھتی
 ہے آپ مضبوط تو بننے کیسے پھر بھابھو رضامندی نہ دیتیں۔“ وہ جھنجھلا کر بولا۔
 ”میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں پھر جو رشتے دلوں کی خوشی سے جوڑے جاتے ہیں وہ پائیدار بھی ہوتے ہیں۔“
 وہ دھڑکتی بولا۔
 ”یعنی میرا اور دشا کا رشتہ تو پھر دلوں کی رضامندی سے کب جڑا ہے وہ تو خود مجھ سے اتنا چڑتی ہے آپ سوچیئے وہ
 میرے ساتھ رہ لے گی۔“ وہ سنجیدگی سے اپنا موضوع بھی لے آیا۔
 ”دشا میں اور عتاب میں بہت فرق ہے۔“ محریب جھٹ بولا۔
 ”کیا فرق ہے؟“ وہ حیرانگی سے پوچھنے لگا۔
 ”دشا لڑ بھگڑ کے دوستی کر لیتی ہے جبکہ عتاب نہ ہی لڑتی ہے اور نہ ہی کچھ کہتی ہے۔“ وہ بولا۔
 ”ہوں۔“ ماز نے سر ہلایا۔
 ”میری یہ بات یاد رکھنا اگر تم نے سمیرا چچی سے کوئی بھی بد تمیزی کی بعد میں تو سوچ لو میں کیا کر سکتا ہوں۔“
 محریب نے دھمکی دی۔
 ”میں بھی تو سنوں کیا کر سکتے ہیں۔“ وہ دونوں ہاتھ پشت پر جما کے گویا ہوا۔
 ”یہ میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گا بعد میں بتاؤں گا جب تم کچھ کرو گے۔“ اس نے ماز کو گھورا۔ ماز کے ہونٹوں پر
 مسکراہٹ رینک گئی۔
 ”مسکراؤ نہیں میں سیریس ہوں۔“ محریب تب ہی گیا۔
 ”یار آپ تو اس ٹائم بالکل ہی بدلے ہوئے لگ رہے ہیں آپ بے فکر رہے آپ کی ساس کی شان میں گستاخی
 کرنے کا مرتکب بھی نہیں ہو سکتا ہوں۔“ بات تو مل میں یونہی گھماتا تھا۔
 ”اچھا اب اچھے بچوں کی طرح یہاں سے نکلؤ صبح تمہیں یونیورسٹی بھی جانا ہے۔“ محریب نے اسے جانے کا اشارہ
 کیا۔ وہ بھی پھر کچھ نہ بولا اور سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ محریب نے ایک لمبی تھری سانس لی اور آنکھیں بند کر
 لیں جیسے ہی آنکھیں بند ہوئیں وہ سامنے آ گئی۔
 ”عجیب لڑکی ہو میرے حواسوں پر چھائی رہتی ہو مگر حقیقت میں کتنی دور ہو۔“ وہ سوچنے لگا۔
 زندگی کو وہ کتنا خوش کن سمجھ کے یہاں آیا تھا مگر یہاں تو آ کر دیکھا سب ہی بدلا ہوا تھا کتنا افسردہ ہوا تھا
 جب پتہ چلا کہ جواد چاچا اس گھر سے چلے گئے ہیں وہ دید کا شوق لیے پردیس سے واپس آیا تھا مگر وہ یہاں بھی
 ہی نہیں وہاں تو وہ سمیرا چچی کی وجہ سے جاتا ہی نہ تھا بلکہ گھر کا کوئی فرد نہ جاتا تھا۔ عتاب دشا اور معارج آتے
 رہتے تھے کتنا کچھ بدل گیا تھا ایک احد ہی تھا جس کی اس سے بنی ہوئی تھی سارے رازوں سے بھی واقف تھا
 ہر بات وہ اس سے کرتا تھا مگر اپنی بے تابی بے قراری اور بے چینی کی داستان اسے کبھی نہیں سنائی تھی۔ دوسرا
 حمود تھا جو اس کا اسکول و کالج تک میں ساتھ رہا تھا پھر یہ تو امریکہ چلا گیا اس طرح دونوں کا رابطہ منقطع ہو گیا
 اب پھر دونوں مل گئے تھے تو اس کی زندگی میں کچھ تبدیلی یہاں سے آ گئی تھی اس کی طرف بھی نکل جاتا تھا یا وہ
 یہاں آ جاتا تھا وہ یہاں آ کر بیزار ہی ہوا تھا۔

(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 11 -

سلسلے وار ناول

جہالت و دل کی جہالت



Express
your thoughts
beautifully

Timor Ansari 96

”گھر کتنی دور ہے؟“ ہشام سالار نے کچھ سخت لہجے میں پوچھا۔
 ”وہ میرا دوست محریب ہے ناں اس کی انیسویں سالگی میں رہتی ہے وہ اپنی خالہ کے ساتھ۔“ حمود سنبھل سنبھل کے بول رہا تھا۔ ہشام سالار اس کی بات غور سے سننے کے بعد اتنا بولے تھے ”کلثوم بانو بھی وہیں بیٹھی تھیں۔“
 ”اس لڑکی نے پڑھا کتنا ہے؟“
 ”ماسٹر کیا ہے۔“ وہ صوبہ انداز میں بول رہا تھا۔ حمود سالار کی نگاہ ٹٹی دی کی اسکرین پر بھی تھی اور وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ انہیں منٹھی کے بارے میں بتا رہا تھا کہ وہ راحہ کو ٹیوشن پڑھائے گی۔
 ”تم خود ملے ہو؟“ وہ کچھ مشکوک انداز میں بولے۔
 ”نہیں وہ محریب کی کزن ہے اس نے خود بتایا ہے۔“ جھٹ بولا۔
 ”ٹھیک ہے اگر راحہ کو وہ سنڈل کر لے تو میرے خیال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ایسا کیجیے گا آپ جا کر مل آئیے گھر والوں سے بھی دیکھ لیں ماحول بھی۔“ ہشام سالار اپنے بول رہے تھے جیسے کوئی رشتہ طے ہو رہا ہے۔
 ”بابا! ہم راحہ کے لئے ٹیوشن رکھ رہے ہیں کوئی رشتہ نہیں کر رہے۔“ حمود کو خود بولنا پڑا۔
 ”تم گدھے ہی رہتا، کبھی عقل سے نہ سوچتا، ہماری بیٹی دو گھنٹے وہاں گزار کے پڑھے گی، پھر بھی ہمیں یہ تو دیکھنا پڑے گا ناں وہاں کا ماحول وغیرہ۔“ ہشام سالار نے اسے ڈانٹ دیا۔ حمود لب بھج کے رہ گیا، کلثوم بانو نے پہلو بدلاتھا۔
 ”اور ہاں اس لڑکی کو آپ یہ ضرور سمجھا دیجیے گا کہ ہماری بیٹی پڑھائی کی بہت چور ہے۔“ وہ بولے۔
 ”میں نے بھی کہہ دیا ہے راحہ کے بارے میں سب کچھ۔“ وہ بھی گویا ہوا۔
 ”اور ہاں فیس وغیرہ بھی طے کر لیجیے گا آپ ہی جا کر۔“ ہشام سالار پھر بولے۔ حمود پہلو پر پہلو بدل رہا تھا اور دل میں شکر بھی ادا کر رہا تھا کہ سب کچھ آسانی سے طے ہو گیا تھا ورنہ بابا کو سنبھالنا تو بہت ہی مشکل تھا۔
 ”ایسا کریں آپ آج ہی جائیے راحہ کو ملے کر۔“
 ”بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ حمود نے جھٹ تائید کی، ہشام سالار نے چونک کے اسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا تو وہ کچھ گڑبڑا سا گیا اور نگاہ جھکالی، بیوی جنم پر بیوی جنم کی شرٹ میں ملبوس خاصا ڈشنگ بھی لگ رہا تھا۔
 ”میں راحہ کو تیار ہونے کا کہہ دیتی ہوں کیونکہ چھنچ رہے ہیں۔“ کلثوم بانو کھڑی ہو گئیں۔
 آج دیے ہی حمود اور ہشام سالار جلدی آفس سے اس لئے آگئے تھے کہ دونوں کی ہی میننگ تھی، حمود بھی اٹھنے لگا تھا کہ انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔
 ”کب تک تم میریس ہو کر تمہنی کے بارے میں سوچو گے؟“
 ”وہ بابا! میں آپ کو جلدی بتا دوں گا۔“ جتنا وہ اس ذکر سے بچ رہا تھا وہ اتنا ہی کرتے تھے۔
 ”دیکھو حمود! میں چاہتا ہوں کہ نیاز احمد کی بیٹی ہی اس گھر کی بیو بنے کیونکہ وہ لڑکی مجھے بالکل ٹھیک لگی ہے تمہارے لئے۔“ وہ بولے۔
 ”آف..... بابا کو اپنی پارٹنرشپ کو جوڑے ہی رکھنا ہے۔“ وہ سوچ کے دانت پیسنے لگا۔
 ”جی آپ کی بات سناؤ سر! انکھوں پر مگر کچھ دن میں آپ کو جواب دے دوں گا۔“ وہ کھڑا ہو گیا کیونکہ بروقت موبائل کی بپ نے اسے اس ناگوار ٹاپک سے بچالیا تھا۔ وہ تو تمہنی کو سوچتا تک نہیں چاہتا تھا اور کجا وہ اپنی زندگی میں شامل کر لے۔ اب تو سوائے منٹھی کے اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا تھا راحہ کو اس سے ٹیوشن پڑھوانے کا مقصد بھی یہی تھا تاکہ

منٹھی اس کے گھر والوں کو جان لے اور پھر وہ ایسا کچھ سلسلہ کرے گا کہ منٹھی اسے گھر آ کر ہی پڑھائے اس سے پھر وہ باقی گھر کے ماحول کو بھی جان لے گی۔ جس وقت وہ گھر پہنچا تھا منٹھی محن میں بیچے تخت پر بیٹھی حکمت کو اور حمزہ کو پڑھا رہی تھی ان تینوں کو سامنے دیکھ کر وہ گھبراہٹ مچ گئی تھی۔
 ”ارے بہن! آئیے اندر آپ۔“ مینہ نے جھٹ انہیں اندر بلایا۔ کلثوم بانو اور راحہ سیدھی اندر چلی گئیں تھیں جبکہ وہ راہداری میں ہی ٹک گیا تھا۔
 ”میری امی اور بہن ہیں۔“ وہ منٹھی سے بولا۔ منٹھی نے سنا ہی نہیں اور وہ بھی اندر چلی گئی کیونکہ اسے گھبراہٹ بھی سوار ہو گئی تھی، حمود بھی اندر ہی آ کر بیٹھ گیا تھا۔
 ”یہ ہے منٹھی؟“ مینہ نے تعارف کر دیا۔ کلثوم بانو نے کاسنی کاشن کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس پر وقار اور سادہ سی لڑکی کو بغور چونک کے دیکھا۔
 ”منٹھی.....“ وہ زیر لب بولیں اور جیسے وہ اس کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہی ہوں۔
 ”جی۔“ وہ چونک کر انہیں بغور دیکھنے لگی کیونکہ کلثوم بانو کا پرسوج چہرہ اسے پزل کر گیا تھا۔
 ”بیٹا! آپ نے میری اس ٹکی بیٹی کو پڑھا نا ہے۔“ جھٹ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ راحہ نے مہاسا منہ بنایا، پڑھائی سے شروع سے ہی بھاگتی تھی اور اب تو اس کے پڑھنے کا پکا انتظام اس کے بھائی نے کر دیا تھا۔
 ”جی وہ میں.....“
 ”میری بہن کچھ شرارتی ہے، پلیز آپ اس کی شرارتوں سے گھبرائیے گا نہیں۔“ حمود نے اس کی جھجک دیکھ لی تھی اسے ڈر بھی تھا کہ وہ پڑھانے سے منع ہی نہ کر دے۔
 ”بھائی! جھوٹ تو نہ بولیں آپ سے کم ہی شرارتی ہوں۔“ راحہ نے اپنے بھائی کے بازو پر زوردار مکا جڑ دیا۔
 ”راحہ! کہیں تو لحاظ کر لیا کرو، بڑا بھائی ہے تمہارا۔“ کلثوم بانو نے اسے سرزنش کی، وہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔ جبکہ منٹھی عجیب سچویشن میں تھی کہ کیا بولے وہ کبھی حمود کو دیکھتی تو کبھی کلثوم بانو کو دیکھتی۔
 ”امی! آپ فیس وغیرہ بھی طے کیجیے میں محریب کی طرف ہوں۔“ وہ اٹھ گیا مگر آنکھوں سے منٹھی کو کچھ کہا تھا راحہ کی آنکھیں الگ اپنے بھائی پر تھیں پھر اس نے منٹھی کو دیکھا جو کچھ بوکھلائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔
 حمود محریب کی طرف آ گیا تھا اتفاق سے وہ گھر میں موجود تھا ورنہ عموماً وہ اس ٹائم پر ہوتا نہیں تھا۔
 ”ہو گئی بات؟“ محریب نے پوچھا۔
 ”امی باقی کر لیں گی تمام بات۔“ وہ گویا ہوا۔ حمود کی نگاہیں ڈرائنگ روم کے باہر گلاس وال سے لان کا نظارہ بھی کر رہی تھیں۔
 ”اللہ کرے تمہارا باقی کا معاملہ بھی سیٹ ہو جائے۔“ محریب نے دل سے دعا دی تھی۔
 ”یار! میں اس لڑکی کے فلسفے سے پریشان ہوں ہر بات میں اتنا گہرا فلسفہ بولتی ہے میرا دماغ گھوم جاتا ہے۔“ وہ خاصا جھنجھلایا ہوا اور نے زار سا بولا۔
 ”شکر ہے کوئی تو تمہیں چپ کرانے والا ملا۔“ محریب معنی خیزی سے شرارتی لہجے میں گویا ہوا۔
 ”وہ تو میں اس لئے بھی برداشت کر رہا ہوں کہ لڑکی کافی سمجھدار ہے، خوش فہم بالکل نہیں ہے اور میری ماں کی بھی پسندیدہ بیو بھی ہو سکتی ہے۔“
 ”پھر وہ تمہنی نیاز کا کیا ہو گا؟“ محریب نے اس کے پرسوج چہرے پر گہری نگاہ ڈالی۔

”بس کچھ وقت انتظار پر رکھوں گا پھر خود ہی مجھ سے مایوس ہو کر اپنے قدم موڑ لے گی۔“ محمود خاما سنجیدہ تھا۔

”تم لوگوں کی پارٹنرشپ کا کیا ہوگا اس کے بارے میں بھی سوچا ہے؟“

”اس کے بارے میں بھی میں نے سوچا ہوا ہے اور میں خود کو اور نہ ہی بابا کو نیاز اکل کا محتاج بنانا چاہتا ہوں اگر پارٹنرشپ ٹوٹی بھی ہے تو ٹوٹ جائے۔“ وہ مطمئن انداز میں بول رہا تھا۔

”سوچ لو اکل برداشت کر لیں گے۔“

”بابا کو میں ریلیکس کروں گا اور پھر محریب احمی میرے مزاج کی لڑکی بالکل نہیں ہے مجھے یار یہ پارٹنر گلیمز پسند نہیں ہے اور میں پٹھان قبیلے کا ہوں مجھے بیوی پردے میں چھپی اچھی لگتی ہے۔“ اس کی سوچیں محریب سے کتنی ملتی تھیں۔

”ہم دونوں کی کہانی میں زیادہ فرق تو نہیں ہے۔“ محمود یکدم بولا۔

”ہوں۔“ اس نے صرف مبہمی آواز نکالی۔

”اچھا میں اب چلا ہوں امی تو وہاں سب کچھ بھول کے بیٹھی ہیں۔“ اس نے اپنی ریسٹ وائچ برنگہ ڈالی اور اٹھ گیا اسے یہ بھی تو جانتا تھا کہ ملحقہ ماں بھی گئی یا ابھی تک اپنی ضد پر آڑی ہوئی ہے اور وہ یہ موقع کسی طور کھونا نہیں چاہتا تھا آہستہ آہستہ ہی اسے سارے معاملات طے بھی کرنے تھے۔

☆☆☆.....

دشہ کی ایگزام کی ڈیٹ شیٹ بھی مل گئی تھی مگر اس کا پڑھنے میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا، جتنا وہ پڑھنے میں دل لگا رہی تھی دل اس کا اچھا ہورہا تھا سارا سارا دن کتابیں کھولے بیٹھی رہتی تھی مگر یاد ایک لفظ نہیں ہو رہا تھا ذہن بھٹک بھٹک کے مائز کی طرف جا رہا تھا کیونکہ دونوں کی ایک لمحہ بھی نہیں بنی تھی اور اب ساری زندگی سوچ سوچ کے گمراہیٹ اور پسینے چھوٹ رہے تھے اپنی یہ کیفیت وہ عنائیہ سے بھی نہیں کہہ رہی تھی وہ خود پہلے ہی اتنی پریشان اور افسردہ تھی اسے مزید اپنی جانب سے فکر مند نہیں کرنا چاہتی تھی اور امی سے تو کہنے کا سوال ہی نہیں تھا وہ تو اس کی جانب سے بالکل ہی لائق بنی ہوئی تھیں۔

کب سے فون بج رہا تھا اسے ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ سٹائی ہی نہیں دے رہا ہو عنائیہ نہار ہی تھی سیر اپنے پارلر میں تھیں وہ انٹھی اور لاؤنج میں رکھے کارٹر سے فون اٹھالیا۔

”ہیلو۔“ نہایت جھنجھلا کے کہا۔

”ہیلو کی بچی فون اتنی دیر میں ریسو کیا ہے تم نے؟“ دوسری جانب مائز کی شوخ اور پر جوش آواز ابھری تو وہ اچھل ہی گئی۔

”آپ.....“

”شکر ہے پہچان لیا ورنہ تو لگتا تھا تم مجھے جب بھی نہ پہچانتی جب میں تمہارا گھونٹھٹ اٹھاتا۔“ معنی خیزی بات کے ساتھ اسے تپانے لگا۔

”فضول باتوں سے پرہیز کریں۔“ دل دیے ہی اداس تھا اس پر مائز کی ایسی بے باک گفتگو اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

”تم آرہی ہونا پرہیز کروانا میرا۔“ پھر اسے سلگایا۔

”فون کیوں کیا ہے؟ آپ اپنی نہار ہی ہیں اور میں پڑھ رہی ہوں میرے ایگزام ہیں نیکسٹ ویک میں کچھ خبر ہے“

ردا ڈائجسٹ [156] اپریل 2010ء

آپ کو۔“ غصہ اس پر اتارنے لگی۔

”سب خبر ہے یہی تو پوچھنے کے لئے فون کیا تھا وہ تو میری لک اچھی ہے کہ فون تم نے ریسو کیا ہے ورنہ تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری ساس صاحبہ نہ ریسو کر لیں۔“

”میں اپنی امی کے متعلق کچھ بھی فضول نہیں سن سکتی ہوں سن لیں آپ۔“ وہ تیز لہجے میں بولی۔

”تمہاری امی میری چچی لگتی ہیں۔“

”اچھا جلدی بولے کیوں فون کیا ہے؟“ وہ کچھ نرم سی آواز میں بولی۔

”اتنی جلدی فون پر تو نہیں بول سکتا چند دن بعد فیس ٹوفیس بولوں گا۔“

”پلیز.....“ وہ پھر بے زاری سے بولی۔

”اچھا اچھا غصہ نہیں کرو۔“

”کیسے غصہ نہ کروں میری پڑھائی آپ نے ڈسٹرب کر دادی میں نے کیا کیا نہ سوچا تھا سب میرا تباہ کر دیا آپ نے اور ساری زندگی مجھے آپ کو برداشت کرنا پڑے گا۔“ وہ تو کاٹنے کو دوڑی۔

”ابھی تو دیکھو تم آگے آگے کیا ہوتا ہے۔“ وہ دشہ کو تپانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

”کیا گناہ کیا تھا میں نے جو مجھے ایسی سزا مل رہی ہے۔“

”اب سزا تو مجھے مل رہی ہے ساری زندگی کی تم جیسی لڑکا لڑکی کو میں برداشت کروں گا تم آخر اپنے آپ کو سمجھ کیا رہی ہو۔“ وہ کبھی بھی دشہ کی باتوں کا رد نہیں مانتا تھا۔

”پھر کیوں کر رہے ہیں شادی منع کر دیں۔“ وہ روہانی ہو گئی۔

”میں کیوں منع کر دوں دادی جان کو جانے کیوں تم بہنوں سے اتنی محبت ہے کہ وہ تو تمہیں اور بھابی کو اپنے سامنے رکھنا چاہتی ہیں ورنہ ہم بھائیوں کو ایسی کوئی مار نہیں پڑی ہے۔“ دشہ دانت پیسنے لگی اور دھڑ سے فون ہی رکھ دیا۔

کیونکہ مائز نے بات ہی ایسی کی تھی خوب منہ ہی منہ میں بد بدانے بھی لگی تھی۔

”ہم بہنیں بھی ایسی فالتو نہیں ہیں دیکھنا میں ابھی آپ کی کو بھی بتا دوں گی۔“ وہ اپنی ساری کتابیں اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ عنائیہ نہا کر کل چکی تھی اب نماز پڑھ رہی تھی دشہ بیڈ پر بیٹھ گئی دل اتنا رو رہا تھا کہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کر دے۔ عنائیہ نے نماز سے فارغ ہو کے اس کے تنے ہوئے روئے چہرے کو دیکھا تھا تو

شاک کی ہو گئی۔

”دشہ! کیا بات ہے؟“ گلابی کپڑوں میں عنائیہ کا سراپا چمک رہا تھا۔

”آپ! ابھی مائز کا فون آیا تھا انہوں نے جو کہا ہے آپ سنیں گی۔“ وہ رونے لگی۔ عنائیہ نے پُر سوچ نگاہ ڈالی

دشہ نے مائز کی ساری باتیں اسے بتا دیں۔

”ارے وہ مذاق کرتا ہے۔“

”آپ! وہ مذاق میں نہیں کہا تھا مجھے بہت غصہ آ رہا ہے ان دونوں بھائیوں پر۔“

”لیکن مجھے سن کے بالکل بھی غصہ نہیں آ رہا۔“ وہ مسکرائی۔

”آپ! مجھے محریب بھائی سے یہ امید نہیں تھی۔“

”مائز نے صرف مذاق کیا ہے۔“ عنائیہ دیکھ کر بھی مائز کی عادت کو جانتی تھی وہ صرف دشہ کو ٹھک کر رہا تھا۔

”اور آپ کو نہیں بتا کچھ الٹا سیدھا بھی بول رہے تھے۔“ وہ منہ بسور کے بیڈ پر دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھی۔

ردا ڈائجسٹ [157] اپریل 2010ء

”وہ التماسید حاس میں بھی جانتی ہوں کیا بول رہا ہوگا۔“ اس نے آنکھیں گھمائیں کیونکہ مائز نے یقیناً اس سے کوئی معنی خیز باتیں بھی کی تھیں جب ہی اسے غصہ آ رہا تھا۔

”آپ! میرا پڑھائی میں دل نہیں لگ رہا ہے۔“ ساری جھجھلاہٹ اب اس نے پڑھائی پر نکالی۔

”پھر کیا خیال ہے مائز سے نہ کہہ دوں کہ تمہیں پڑھا دیا کرے۔“

”آپ! آپ بھی شروع ہو گئیں ناں۔“ وہ چڑ گئی۔

”تم پڑھائی کو مسئلہ کیوں بنا رہی ہو شادی ہم نے تمہارے ایگزام کے بعد رکھی ہے حتیٰ کہ ہم نے مائز کے ایگزام کی بھی پروا نہیں کی ہے جبکہ سب بھی کہہ رہے تھے کہ مائز کے ایگزام کے بعد رکھیں گے لیکن یہاں تایا ابواور تائی امی نے تمہارا خیال کیا کہ دشہ کے ایگزام کے بعد رکھی جائے گی۔“ وہ اسے سمجھانے لگی۔

”پڑھائی میری پھر بھی ٹھیک تو نہیں ہو رہی ہے ناں۔“

”تم صرف پڑھائی پر توجہ دو تمہیں کیا ضرورت ہے کچھ بھی سوچنے کی۔“ اس نے دشہ کو اپنے شانے سے لگایا۔

”کیسے نہ سوچوں۔“ وہ بولی۔

”میں ہوں نا تمہارے ساتھ پھر کیا فکر ہے؟“

”آپ! آپ وہاں تو نہیں ہوں گی جبکہ آپ کو وہاں پہلے ہونا چاہیے تھا۔“ وہ بولی۔

”جی نہیں بھی فکر ہے پھر۔“

”کیوں مجھے نہیں کرنی چاہیے؟“ وہ افسردگی سے بولی۔

”ابھی تو بالکل نہیں کرؤ تم ایسا کر دو کچھ دیر سو جاؤ شام میں اٹھ کر یاد کرنا میں دیکھتی ہوں معارج کیا کر رہا ہے کھانا بھی نہیں کھایا ہے اس نے۔“ وہ اسے تھپکتے ہوئے چلی گئی۔

☆☆☆.....

اس دن وہ جلدی گھر آ گیا کیونکہ وہ چاہ رہا تھا کہ پہلے دن وہ راحمہ کو چھوڑ آئے تو اچھا ہے پھر بابا نے بھی اجازت دے دی تھی تیار ہو کر وہ کمرے سے باہر نکلا تو حیرانی سے جھٹکا کھاتے رہ گیا راحمہ تیار بیٹھی تھی اور بیگ بھی اس کے ساتھ ہی صوفے پر پڑا تھا۔

”پڑھنے میں جا رہی ہوں آپ کس حساب میں اتنا تیار ہوئے ہیں۔“ راحمہ نے بلیک ڈریس پینٹ پر لائٹ پنک شرٹ میں بلبوس اپنے ڈشک سے بھائی کا بغور جائزہ لیا وہ جھینپ سا گیا۔

”بچی ہو دادی اماں بن کے مت پوچھا کرؤ۔“ حمود نے ہلکی سی ڈانٹ پلائی، کٹھوم بانو مسکرانے لگی تھیں۔

”مجھے نظر بھی تو رکھنی ہے نا کہ میرا جوان بھائی آخر اتنا تیار ہو کر کسے خوش کرنے جا رہا ہے۔“

”احماز زیادہ فضول بولنے کی کوشش نہ کر ڈیگ اٹھا کر باہر آ جاؤ۔“ وہ خود ہی چور سا بن گیا ڈرائیونگ ڈور کھول کے بیٹھا، لمبی روش جو کہ لال اینٹوں کی تھی بڑا سا سر سبز لان اور جدید طرز پر بنایا ہوا بنگلہ سب کی توجہ کا مرکز تھا ہر چیز قیمتی تھی راحمہ فرنٹ ڈور کھول کے بیٹھ گئی چونکہ اریگٹ کھول چکا تھا وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دل خوش تھا کہ اس نے یہ معرکہ بھی سر کر لیا تھا منتہی کو ٹیوشن کے لئے راضی کرنے کا۔

”گاڑی روکیے۔“ راحمہ نے اچانک ہی اس کے بازو پر مکار کے کہا۔

”کیوں اب کیا ہوا؟“

”ایک خوبصورت سا بکے لے کے آئیے اپنی ٹیچر کو دینا ہے۔“ وہ بولی۔ حمود کے لب مسکرا اٹھے گاڑی رکوائی بھی

اس نے پھولوں کی دکان کے پاس تھی اس نے بڑا سا بکے لیا اور راحمہ کو دیا۔

”اب ایک گفٹ بھی لینا ہے۔“ وہ پھر بولی۔

”آج بھی دے دو گفٹ کل لے جانا۔“ وہ گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

”ٹیچر میری ہیں یا آپ کی؟“

”میری ٹیچر ہو بھی نہیں سکتی۔“ وہ مسکرا کے ذومعنی لہجے میں بولا۔

”سنوٹو کی اتم مجھے تنگ کیے جا رہی ہو۔“

”اچھا تنگ کر رہی ہوں موڑیے گاڑی واپس مجھے نہیں پڑھنا ڈھٹا۔“ وہ پھر اکڑ گئی۔

”سوری میری بہن مجھے معاف کر دے جو کہہ رہی ہے دلادیتا ہوں۔“ مجبوراً پھر اس نے گاڑی مارکیٹ کے پاس روکی راحمہ نے دو تین گفٹ منتہی کے لیے خریدے۔ حمود نے شکر ادا کیا کہ وہ زیادہ بد کی نہیں ورنہ اسے قابو کرنا بہت مشکل تھا ساڑھے بائیس بج گئے تھے لگتا تھا وہ اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی حمود نے مسکراتی نگاہوں سے منتہی کو بلیک کپڑوں میں دیکھا وہ گھبرا کے نگاہ جھٹکائی تھی۔

”سوری مس آج لیٹ ہو گئی مگر کل سے ٹائم پر آؤں گی۔“ اس نے بکے اور گفٹ منتہی کو دیئے۔

”اس کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ تو بولکھلا ہی گئی۔ حمود آرام سے بڑے صوفے پر بیٹھا تھا، مبینہ اور حکمت بھی بیٹھی تھیں تہذیب شاید آفس سے آنے کے بعد آرام کر رہی تھی وہ نہیں آئی تھی۔

”کہتے ہیں کہ گفٹ دینے سے محبت بڑھتی ہے۔“

”بالکل ٹھیک کہا آپ نے بیٹا۔“ مبینہ نے جھٹ تائید کی۔

”لے لو منتہی اتنی محبت سے لائی ہے۔“ وہ جھجکتی ہوئی لینے لگی تھی حمود نے پھر نگاہ ڈالی جو کتنی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ حکمت چائے بنانے چلی گئی تھی مبینہ بھی اٹھ گئی تھیں اب کمرے میں تینوں تھے حمود ابھی تک بیٹھا تھا۔

”آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں چلیں جائیں یہاں سے مجھے پڑھنا ہے اور ہاں ڈرائیو کو بھیج دیجئے گا میں آ جاؤں گی۔“ راحمہ نے حمود کو اطمینان سے بیٹھے دیکھا تو بولی وہ جزیز سا ہو گیا، منتہی کو ہلکی آگئی جو اس نے مشکل سے ضبط کی حمود نے چونک کے حیرانگی سے دیکھا وہ اس کے سامنے پہلی بار مسکرائی تھی۔

”ارے مس کو کیا دیکھ رہے ہیں۔“ وہ پھر ٹو کے بناء نہ رہ سکی۔

”لڑکی ہو کہ ہنگامہ..... جا رہا ہوں۔“ وہ گھورنے لگا اصل میں وہ منتہی سے کچھ بات کرنا چاہ رہا تھا اور یہاں ممکن نہیں تھا کیونکہ راحمہ کی نظریں اس پر جو لگی ہوئی تھیں۔ وہ مجبوراً اٹھ گیا مگر اسے کچھ تو کرنا ہی تھا کہ منتہی سے کچھ بات کر سکے۔

”آئی چائے بنانے گئی ہیں وہ تو پی لوں۔“ وہ پھر رکا۔

”بھائی! اتنے چائے کے آپ دیوانے تو نہیں ہیں۔“ وہ فہمائشی انداز میں تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

”راحمہ! آپ ایسا کریں اندر والے روم میں بیٹھیں میں آتی ہوں۔“ اسے حمود پر جیسے رحم سا آ گیا۔ خود محن میں چلی گئی کیونکہ حمود جو چلا گیا تھا۔

”مہینے۔“ اس نے پیچھے سے جا کر مخاطب کیا۔ حمود اسی وقت ایڑیوں کے بل گھوما اور منتہی کی جانب متوجہ ہو گیا وہ جھینپ کے رُک سی گئی۔

”شکر ہے آپ کو مجھ غریب کا خیال آ گیا ورنہ میں تو پورا راستہ سوچتا ہی رہتا۔“

”مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ میں فیس بالکل نہیں لوں گی“ آپ اپنی امی کو بتا دیجیے گا۔“
”کیوں احسان کرنا چاہتی ہو۔“

”احسان تو آپ نے کیا ہے مجھ پر درنہ میری اوقات کیا۔“ وہ افسردگی اور حسرت بھرے لہجے میں بولی۔
”تمہاری اوقات ہے 5 سے 7 میں راحہ کو پڑھانا، بس یہی یاد رکھو۔“ اس نے بات کو مذاق میں اڑایا۔
”میں سیریس ہوں۔“ وہ روہانی ہو گئی۔

”میں بھی تو سیریس ہوں اتنا کہ لائف میں کبھی نہیں ہوا۔“ وہ مسکرایا۔ ”متحلی کی سرخ و سپید رنگت اور سرخ پڑ گئی وہ لب بھنج کے رہ گئی۔“

”حمود سالار! یہ زندگی ہے کوئی مذاق نہیں ہے آپ میری بات سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔“ وہ جھنجھلا گئی۔
”تم سمجھا دو کسی دن فرصت میں شاید سمجھ آ جائے۔“ وہ ترنگ بھرے لہجے میں بولتا ہوا متحلی کے حواس خراب کرنے لگا تھا۔

”آپ سے میں بات ہی نہیں کروں گی اب۔“ وہ اندر کی جانب بڑھ گئی، حمود نے تہہ لگا لیا کیونکہ آج پہلی بار وہ اس سے ہارنی ہوئی تھی اور اس کا شرمانا گھبرانا کتنا اچھا لگا تھا، خود میں کبھی ہوئی لڑکیاں اچھی لگتی تھیں اُسے۔

☆☆☆

”بڑی دلہن! سیرا ایک بار بھی تو یہاں نہیں آئی ہے۔“ دادی جان کو اب یہ نئی فکر لگ گئی۔ سب نے ہی چونک کے انہیں دیکھا جو بہت فکر مند اور مغموم سی لگ رہی تھیں۔

”اماں جی! آپ سیرا کی فکر چھوڑیے جب بیٹی یہاں آ جائے گی تو خود آیا کرے گی۔“ وہ انہیں تسلی دینے لگیں۔
”سب ہی لوگ ہال میں جمع تھے ندرت بھی آئی ہوئی تھی شادی میں صرف چند روز ہی تو بچے تھے ساری تیاریاں پوری ہو گئی تھیں بس ماں کے روم کی سیٹنگ تھی جو محریب آہستہ آہستہ کروا رہا تھا۔
”میں نے ایسی کیا خطا کر دی کہ وہ میری صورت تک سے بے زار ہے۔“

”ارے دادی جان! آپ کیا فضول سوچتے لگی ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ وہ آپ کی صورت سے بے زار ہوں۔“ محریب فوراً انہیں سنبھالنے کے لیے ان کے قریب بیٹھا۔ رضوان احمد لب بھنج کر رہ گئے تھے اور رحمان احمد الگ یہ سوچتے تھے کہ آخر کب تک اس طرح یہی سب چلتا رہے گا، وہ سب تو چاہتے تھے سیرا بھی ان سب کے درمیان آ کر بیٹھے اور شادی کی تیاریوں پر ڈسکس کرے مگر وہ اپنی بھانج کی بجائے مزاحی کو بھی خوب سمجھتے تھے۔

”فضول کی ضد نہیں ہے کہ وہ تیری شادی نہیں ہونے دے رہی ہے اور جواد نے صرف میری خوشی کے لیے دشا اور ماں کا رشتہ طے کیا ہے۔“ انہیں اس پر بھی افسوس ہوتا تھا کہ دشا ابھی بچی ہے اور کم عمر ہے اتنی جلدی اس پر ساری ذمہ داریاں پڑ جائیں گی۔

”آپ ہی تو کہتی ہیں کہ لڑکیوں کی جتنی جلدی ہو شادی ہو جائے آپ ایسی بات کیوں کہہ رہی ہیں۔“ محریب نے ان کے کچیف سے ہاتھوں کو اپنے مضبوط تانہا تھوں میں تھاما۔

”میری خواہش تھی کہ پہلے عہنا سید اور تیری شادی ہوتی۔“
”ارے دادی جان! آپ دیکھیے گا ایک سال کے اندر ہی محریب اور عہنا سید کی بھی ہو جائے گی شادی۔“ ندرت نے انہیں سمجھایا اور ماحول کو افسردہ ہونے سے روکا۔

”انشاء اللہ تعالیٰ دیکھنا ایسا ہی ہوگا۔“ ناظمہ نے بھی دل سے دعا کے ساتھ تائید کی۔
”ارے محریب تم اپنی دونوں بہنوں کو تو بھول ہی گئے ہو ان کی بھی کچھ فکر ہے تمہیں یا نہیں۔“ نزہت کو یکدم ہی تہذیب اور حکمت کا خیال آیا۔

”ہاں دلہن! وہ بچیاں بہت اچھی ہیں جلدی سے تہذیب کے لئے تو کہیں کوئی رشتہ ڈھونڈ ہی لو۔“ دادی جان سب کی فکر میں رہتی تھیں۔ فائق نے اسی وقت پہلو بدلا جبکہ ماں نے بڑی گہری اور کھوجتی ہوئی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا جو طور کشن سے ٹپک لگائے عروہ کے ساتھ ہاتھوں میں لگا ہوا تھا مگر ماں کی نگاہیں خود پر محسوس کر رہا تھا۔

”ہوں..... یہ ماں اور دشا کی شادی سے فارغ ہوتی ہوں تو کچھ کرتی ہوں۔“
”امی! کیا آپ رشتہ کرانے والی ماسی سے کہیں گی۔“ ماں نے شوخی سے کہا۔
”فضول مت بکا کرو ہر وقت۔“ انہوں نے خشکیوں لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے اسے سرزنش کی تھی فائق کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

”کتنی عزت ہوتی ہے ماں بھائی آپ کی تائی امی کے ہاتھوں۔“ رافع نے اسے چڑانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

”ابھی تمہاری عزت افزائی شروع کروں سب کے سامنے کہ وہ بڑوں کی ٹھک سے کیا چل رہا ہے۔“ ماں نے زور سے بول دیا اور رافع تو بڑی طرح گڑبڑا گیا، فائق کی اسی وقت گھورتی عیسیٰ لگا ہوں نے رافع کو دیکھا تو وہ بظاہر جھانکنے لگا، وہ تو شکر تھا بڑوں نے نہیں سنا تھا۔

”مجھے لگتا ہے تمہارا موبائل ضبط کرنا پڑے گا۔“ فائق نے ہمیشہ اپنا عیب اس پر رکھا تھا، یعنی تک اس سے ڈرتی تھی اور ندرت بھی ڈر جاتی تھی کیونکہ وہ تھا ہی اتنا سنجیدہ مزاج۔
”وہ بھائی! میں ایسا کچھ نہیں کرتا۔“ رافع منمنایا۔

”ادب بھائی! کیا تو اس پر اپنا عیب دکھاتا ہے۔“ ماں کو رافع پر ترس آنے لگا۔
”تم بیچ میں مت بولا کرو۔“ اس نے خامے برہم لہجے میں ماں کو بھی جھڑک دیا۔
”یار! میں مذاق کر رہا تھا تم تو سیریس ہو جاتے ہو۔“ وہ شرمندہ ہونے لگا۔

”رافع! ابھی تمہاری جو عمر ہے نا اس میں یہ فضول کی بکواس اچھی نہیں لگتی ہے۔“ وہ عروہ کو بٹھا کے اٹھ کر چلا گیا۔ بزرگوں نے شاید ان لوگوں کی گفتگو نہیں سنی تھی البتہ اسے جانتے ہوئے سب نے دیکھا تھا۔

”دیکھا ڈانٹ پڑ دادی نا! اب موڈ بھی ان کا خراب ہو گیا ہے روز ڈانٹ پڑتی رہے گی۔“ رافع منہ بسورنے لگا۔
”اچھا اچھا زیادہ منہ مت بسور، اسے میں درست کر لوں گا۔“ سمجھتا کیا ہے خود کو وہ۔“ ماں کو اس وقت فائق کا لب دلچہ بہت ناگوار گزارا تھا مگر وہ کبھی فائق کی کسی بات کا منہ نہیں مناتا تھا، فائق کو کسی دوست کے پاس بھی جانا تھا وہ تیار ہو کے کمرے سے نکلا تو دیکھا وہ سامنے کھڑی تھی پنک اور اسکا کی بلیو کاٹن کے پریٹڈ ٹیگڑوں میں ملبوس، جھجک کر رک گئی، بلایا اسے محریب نے تھا اس لیے آئی تھی درنہ رات آٹھ بجے کے وقت تو وہ آئی ہی نہ تھی۔

”وہ مجھے محریب بھائی نے بلایا ہے۔“ جھٹ بولی۔
”میں نے پوچھا تم سے کس نے بلایا ہے اور میرے بلانے پر تو تم آنے سے رہیں۔“ فائق کا لب دلچہ معنی

خیر ہو گیا۔

”آپ تو ہر وقت لڑنے کا موقع تلاش کرتے ہیں۔“ وہ ہنک گئی۔

”لڑنے کا موقع تم دیتی ہو۔“ گہری اور تفصیلی نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا وہ گھبرانے لگی۔

”اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں آپ کے گھر میں کبھی آ کر نہ رہتی۔“

”میرے گھر میں محترمہ میرے گھر میں تو ابھی آپ آئی ہی کب ہیں۔“ وہ بے ساختہ بولا تہذیب نے چونک کے اس کے لب و لہجہ پر غور کیا وہ مسکرا رہا تھا جانے کیوں اب جب بھی تہذیب کو وہ دیکھتا تھا اس کی رگ رگ طرافت پھڑک اٹھتی تھی اسے جان بوجھ کے تنگ کرتا تھا۔

”جی.....“

”اندر جاؤ خواہ مخواہ تمہارا میرا فسانہ بن جائے گا اور میں ابھی ایسا کچھ نہیں چاہتا۔“ یہ کہہ کر اس کے برابر سے مخصوص کلوں کی مہک بکھیرتا ہوا نکل گیا تہذیب حواسوں میں آ گئی۔ وہ بھی تو اسے دیکھ کر خود کو پکھلتا ہوا محسوس کرتی تھی اس کی سحر انگیز شخصیت اس پر گہرے لب و لہجہ اور دیکھنے کا انداز سب ہی تو جہاں وہ چوری جیسے اسے دیکھتی تھی جب بھی وہ گھر سے نکلتا تھا اور جب وہ اس کے سامنے ہوتا تھا تو وہ بکھرنے لگتی تھی زبردستی لہجے میں ترشی لے آتی تھی تاکہ اس کے اندر کا چور اس کے چہرے پر اپنے رنگ نہ بکھیر دے اور وہ پھر چمپا بھی نہ پائے۔

☆☆☆.....

وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا اور کھانا کھا رہا تھا دی وی آن تھا اس کی نگاہیں اس پر بھی تھیں آج کل اسے نئی فیکٹری میں زیادہ ٹائم لگانا پڑ رہا تھا جو اس نے خود شروع بھی کر دی تھی حالانکہ ہشام سالار اور نیاز احمد کو کافی اعتراض بھی ہوا تھا مگر وہ ان دونوں کو ہی سہولت سے سمجھا چکا تھا کہ یہ فیکٹری وہ اپنے تصرف میں رکھنا چاہتا ہے۔

”تم کھانا کھا لیا پھر ٹی وی دیکھ لو۔“ کلثوم بانو نے اس کی توجہ ٹی وی پر مرکوز دیکھی تو ٹو کے بناء نہ رہ سکی تھیں۔ وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا فل سائز کا ٹی وی تھا گھر میں ہر چیز اسٹائلش اور بیش بہا قیمت کی تھی مگر حمود کا انداز سادہ ہوتا تھا وہ فری انداز میں کھانا کھاتا تھا اور اس کا رہنے کا انداز بھی یہی تھا۔

”امی! آپ کو نہیں پتہ کتنے دنوں بعد تو میں ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔“

”بیوی آگئی تاسب تم ہو جائے گا ٹی وی بھی۔“ راحمہ لقمہ دینے ضرور آتی تھی۔

”تم زیادہ بزرگ بن کے مت بولا کرو۔“ حمود نے اسے گھور کے سرزنش کی جو سائیڈ پر پڑے بڑے سے صوفے پر بیٹھ گئی لا پرواہ تو وہ بلا کی تھی۔

”راحمہ! مری بات ہے بڑا بھائی ہے۔“

”ایسے ہوتے ہیں بڑے بھائی اور پندرہ سال بڑے ہونے سے کوئی بڑے نہیں ہو گئے۔“

”امی! آپ اسے چپ کراتی ہیں یا پھر میں اسے ہاتھ پکڑ کے کمرے میں بند کر کے آؤں۔“ ویسے ہی وہ اتنا تھا ہوا تھا اور راحمہ کی فضول گوئی اسے سخت مڑی لگ رہی تھی۔

”السلام علیکم آنٹی!“ حمی کا زوردار اور فرشی سلام عقب سے آیا تو حمود کے چتون تن گئے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا لقمہ ہاتھ سے کر کے پلیٹ میں گیا۔

”ارے واہ حمی! ابھی آپ وقت پر آئی ہیں بھائی آپ کو ہی یاد کر رہے تھے۔“ راحمہ کو اب حمود کو تپانے میں حرا

رداؤ انجسٹ 162 اپریل 2010ء

آنے لگا۔

”حمود! میں تم سے سخت ناراض ہوں میری کال تک ریسیو نہیں کرتے ہو تم۔“ وہ اپنے مخصوص اسٹائل میں تھی بلیک ٹراؤزر پر پنک ٹی شرٹ میں گلے میں ہار یک سا اسکارف میک اپ کی ایک تہہ بھی ضرور ہوتی تھی وہ اٹھلائی نعرے کرتی ناراض ہوتی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کے قریب ہی بیٹھی۔ حمود جھجک کے ناگواری سے ٹرے اٹھا کے کھڑا ہو گیا۔

”ارے حمود! کھانا تو کھا لو۔“ کلثوم بانو نے اس کے چہرے کے زاویے دیکھ لیے تھے جو اتنا تھا ہوا تھا کہ دانت نہیں رہا تھا۔

”امی! کھانا میں نے۔“ اس نے راحمہ کو غراتی اور گھورتی نگاہوں سے دیکھا جو کچھ لمحوں پہلے اس نے حمی کو خواہ مخواہ خوش فہمی میں جتلا کر دیا تھا۔

”پلیز حمود! بیٹھو تو۔“ حمی ناراضی سے بولی۔

”ہاں تم بیٹھو میں بھی بیٹھتا ہوں۔“ وہ اس سے فاصلے پر رکھے سنکل صوفے پر بیٹھ گیا۔

”تم آج کل ہوتے کہاں ہو میں آفس بھی گئی تم وہاں بھی نہیں ملتے ہو۔“

”وہ اصل میں میں دوسری فیکٹری میں ہوتا ہوں۔“ اس نے اسپورٹس کا جینس لگایا اور نگاہ اسکرین پر جمادی۔

”حمی! ابھی آپ سارا دن کیا آفس کے چکر لگاتی رہتی ہیں۔“ راحمہ نے حیرانگی اور فہمائشی انداز میں پوچھا۔

”نہیں تو وہ تو میں جب حمود مجھے کال نہیں کرتا جب جاتی ہوں۔“ وہ کچھ جھجکی ہو گئی۔

”راحمہ! تم تیار ہو جاؤ تمہیں ٹیوشن چھوڑ کے آتا ہوں۔“ اس نے بچنے کا یہی طریقہ نکالا۔

”راحمہ ٹیوشن جاتی ہے؟“

”ہوں..... آج دوسرا دن ہے کیونکہ میرے بھائی کو میری بڑی فکر ہے کہ میں کچھ بن جاؤں۔“ وہ مسکرا کے بولی

حمود کی نگاہیں تو حمی کو دیکھنا تک نہیں چاہتی تھیں۔

”چلو میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔“

”نہن..... نہیں تم کہاں جاؤ گی پور ہو گی مجھے اپنے دوست کے گھر بھی جانا ہے۔“ حمود تو گھبرا ہی گیا۔

”تو کیا ہوا مجھے بھی لے چلو دوست کے گھر آ کر کو بعد میں بھی تو مجھے ان سے ملنا ہی ہو گا ناں۔“ وہ اتنے وثوق بھرے انداز میں گویا ہوئی کہ حمود نے تسخرانہ ہنسی اڑائی۔

”کچھ باتیں اور چیزیں بعد میں ہی اچھی لگتی ہیں۔“

”تم مجھے اس بار ٹال نہیں سکتے آج میں نے اکل سے پریشن لے لی ہے سارا دن آج میں اور تم ساتھ گزاریں گے آؤ کے۔“ وہ اٹھلا کے رعب و دھولس بھرے لہجے میں اسے جتانے لگی۔

”راحمہ! تم جلدی سے تیار ہو کے آؤ آج میں بھی جاؤں گی۔“ کلثوم بانو اپنے بیٹے کے تاثرات دیکھ رہی تھیں جو اتنا بے زار اور اکتایا ہوا لگ رہا تھا کہ انہیں اس پر رحم سآنے لگا۔

”حمی! ایسا کرو آج کچھ دقت میرے ساتھ گزار لو مکن میں۔“

”سوری آنٹی! مجھے مکن میں جانے سے گھبراہٹ ہوتی ہے پلیز آپ مائنڈ نہیں کیجیے گا۔“ حمود تو اندر ہی اندر

سلگ رہا تھا کتنے آرام اور تفاخر زدہ لہجے میں کہا تھا کہ مکن میں جانے سے گھبراہٹ ہوتی ہے کلثوم بانو لب بلیج کے رہ گئی تھیں۔

رداؤ انجسٹ 163 اپریل 2010ء

”تم سارا دن اپنے گھر میں کرتی کیا رہتی ہو؟“ طہر سے پوچھا۔
”مجھ اٹھ کر یوگا کرتی ہوں پھر ناشتہ اس کے بعد فی دی کھول کے بیٹھ جاتی ہوں۔“
”اس کے علاوہ کیا کرتی ہو؟“ حمود کو اس لا پرواہ لڑکی کی باتوں سے بہت ہی چڑھتی تھی۔
”فریڈز سے باتیں یا پھر پارٹیز۔“

”کتنی مختلف ہے نا تمہاری اور میری سوچیں۔“ حمود نے بتایا۔
”حمود! کم آن تم اتنے بیک درڈ کیوں ہو؟“ وہ حیرانگی ظاہر کرنے لگی۔
”پچھلے بھی میں ریڈی ہوں۔“ راحمہ اپنا بیگ لے کے آگئی تو دونوں کی بات درمیان میں رہ گئی۔ زبردستی
”جمنی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی حمود بھناتا ہی رہا تھا راحمہ کی ہنسی بھی کھل رہی تھی۔ جس وقت وہ اتری
جمنی بھی اترنے لگی۔

”تم کہاں جا رہی ہو؟“ حمود نے حیرانگی سے پوچھا۔
”راحمہ کی ٹیچر سے ملوں تو کیسی ہے کیونکہ راحمہ نے تعریف ہی اتنی کی ہے۔“
”راحمہ تو بے وقوف ہے بیٹھو! پس۔“ حمود کو ڈر بھی تھا کہ راحمہ بے وقوفی میں منتہی سے کچھ بک نہ دے۔
”تو میں تو ضرور ملوں گی۔“ وہ راحمہ کے ساتھ چلتی ہوئی جا رہی تھی گاڑی حمود نے پارک کی ہوئی تھی اسے بھی
اندرا آنا پڑا وہ اکیسی کی جانب بڑھ چکی تھی گیٹ کھلا ملا تھا راحمہ سلام کرتی ہوئی اندر گھسی گئی جمنی بھی اس کی تقلید میں
اندر گھسی گئی منتہی نے چونک کے نئے چہرے کو دیکھا پیچھے حمود بھی تھا۔
”بہت شوق تھا جمنی بھائی کو آپ سے ملنے کا۔“

”بھائی.....“ منتہی نے چونک کر جمنی کا حلیہ دیکھا جو ڈراؤنڈ اور شرٹ میں بلبوس خاصی ماڈرن اسٹائل میں تھی حمود
کی نگاہیں اٹھ رہی تھی۔
”جمنی! چلو آؤ۔“

”حمود! جب ہم آئے ہیں تو کچھ دیر بیٹھ کے تو جائیں گے۔“ جمنی نے منتہی کے سادہ سے سر اپے کو دیکھا۔ مبینہ اور
حکمت بھی آگئی تھیں جبکہ حمود کی شرمندگی سے نگاہیں اٹھ رہی تھی۔

”ابھی شادی ہوئی نہیں ہے۔“ حمود نے جھٹ بتایا۔ منتہی کو اس لمحے جانے کیوں جمنی کو دیکھ کر کچھ جلن سی ہوئی مگر
وہ واضح نہیں کرنا چاہ رہی تھی مبینہ نے خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔

”یہ حمود تو مجھے لا ہی نہیں رہا تھا۔“ وہ نزاکت سے بسکٹ اٹھا کر کھا رہی تھی۔ حمود کو اس وقت اپنی حالت بگڑتی
ہوئی لگ رہی تھی کیونکہ منتہی نے ایک دوبار اچھتی نگاہ اس پر بھی ڈالی تھی جو خفیف سا سنکھل صوفے پر بیٹھا تھا۔ جمنی
مسلل اپنی زبان کو بریک دیئے بغیر چلائے جا رہی تھی حکمت اور منتہی اس کی ہی سن رہی تھیں تہذیب 5 بجے کے
بعد ہی آفس سے آتی تھی ورنہ وہ بھی جمنی کو دیکھ کر ضرور حمود کی خبر لے لیتی اور وہ اسی کوشش میں تھا کہ اس کے آنے
سے پہلے ہی یہاں سے جمنی کو لے کر نکل لے۔

”جمنی! چلو کافی ٹائم ہو گیا ہے راحمہ کو پڑھنا بھی ہے۔“ حمود نے یکدم ہی ریسٹ وایج پر نگاہ ڈالی۔
”اوہ..... سواری مجھے یاد ہی نہیں رہا“ اوکے میں پھر آؤں گی۔“ جمنی اٹھلا کر اپنے شوڈر رکٹ بالوں کو دونوں
ہاتھوں سے سنواری ہوئی اپنا اسٹاکس سا شوڈر بیک اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت تہذیب بھی سب کو سلام کرتی ہوئی
پلی آئی حمود تو بھلا ہی کیا جبکہ تہذیب کا انداز جمنی کو دیکھ کر فہمائشی اور پرہیز سنا تھا۔

”حمود بھائی! کہاں بیٹھیں تو.....“ تہذیب تو اسے اپنا نوٹس نہ لیتے پا کر پکار بیٹھی۔

”وہ اصل میں جلدی میں ہوں ضروری کام ہے کیسی ہو تم؟“ جلدی سے خیریت پوچھنے کا کام انجام دیا۔
”میں تو ٹھیک ہوں آپ کہاں بھاگ رہے ہیں اور یہ کون ہیں؟“ وہ تو ویسے بھی ہر بات کی تفتیش ضرور کرتی
تھی۔ مگر حمود جمنی کو لے کر تیزی سے نکل گیا اور تہذیب کو اس لمحے اس پر حیرانگی بھی ہوئی کہ حمود سالار اسے انور کر کے
کیوں گیا ہے۔ اس نے منتہی پر جانچتی نگاہیں ڈالیں جو اب راحمہ کو پڑھانے میں لگ گئی تھی۔
”یہ حمود بھائی کے ساتھ لڑکی کون تھی؟“

”بھائی کی منگیت۔“ راحمہ نے جھٹ بتایا۔

”تہذیب! تم جاؤ اندر میں چائے وغیرہ بناتی ہوں تم فریش ہو۔“ منتہی نے اسے ٹالا کیونکہ اس کے سوالات
شروع ہو سکتے تھے۔

☆☆☆

اس دن سیرا کچھ شاپنگ وغیرہ کے لئے مارکیٹ گئی ہوئی تھیں پارلر میں ان کی درکرز تھیں دشا اپنی پڑھائی
میں مصروف تھی جبکہ عتابہ کی کچھ طبیعت سستی ہو رہی تھی وہ معارج کے کوچنگ جانے کے بعد لاؤنج میں ہی
صوفے پر لیٹ گئی تھی اور پھر اس کی آنکھ بھی لگ گئی مگر ڈور بیل کی وجہ سے اس کی پھر آنکھ ہڑبڑا کے کھلی وہ سمجھ
گئی تھی کہ سیرا آگئی ہوں گی وہ اپنا بلیک پریچڈ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی باہر آگئی اور بغیر پوچھے ہی گیٹ کھول دیا
سامنے محریب کو بلیوڈریس پینٹ پر اسکاکی بلیو شرٹ میں دیکھ کر وہ چونک گئی جھٹ دوپٹہ شانوں پر برابر کیا اور
جزبزی ہو کر سائیڈ پر ہو گئی۔

”گیٹ پوچھ کر کھولا کرو کہ کون ہے۔“ وہ کچھ برہم ہوا اور اندر آ گیا۔

”میں سمجھی کہ امی ہوں گی۔“ وہ بچل ہو گئی۔ محریب اندر چلا گیا اور عتابہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا کیونکہ ایک تو
وہ آیا تھا دسرا اسے امی کے آنے کا بھی خدشہ تھا۔

”چاچو ہیں گھر میں؟“ وہ سنکھل صوفے پر بیٹھ گیا۔

”ابو تو چھ بجے تک آتے ہیں آفس سے۔“ وہ اس کے سامنے نگاہ جھکائے بول رہی تھی۔ محریب اسے دیکھنے
سے گریز کر رہا تھا جو بلیک کپڑوں میں اتنی کھلی کھلی رنگت میں لگ رہی تھی کہ وہ کسی کمزور لمحے کی زد میں نہیں آنا
چاہتا تھا اور پھر اس کی غلطی بھی ہنوز برقرار تھی وہ اسے اب نظر انداز کر کے غلطی کا احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ کتنے
لوگوں کا دل توڑ رہی تھی۔

”ٹھیک ہے میں رات کو آؤں گا۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔ عتابہ نے تشکر بھرا سانس لیا کہ وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا
ورنہ اسے محریب کے بیٹھنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ابو کا انتظار کرے گا۔

”کچھ چائے وغیرہ چلے گی؟“ میزبانی نبھانے کا بھی خیال آیا۔

”جی نہیں ٹھیکس آپ بس اتنا کیجیے گا کہ چاچو سے کہہ دیجیے گا کہ ہوٹل میں نے بک کر دیا ہے میں ان کے
سیل پر ٹرائی کر رہا تھا مگر لگتا ہے نیٹ ورک کا مسئلہ ہے۔“ وہ گویا ہوا۔

”کون سا ہوٹل بک ہوا ہے؟“ اتنا پوچھا۔

”اور ہاں کہہ دیجیے گا کہ میں نے ایڈوائس بھی دیے دیے۔“ وہ نیٹ کا دروازہ کھول کے پورچ میں نکل چکا تھا۔
عتابہ کو اس کی سرد مہری اور بے نیازی اس لمحے زلزلے لگی تھی۔

”گیت جلدی بند کر دیا کرو۔“ وہ ڈانٹ کے بولی تھیں۔ حنا نے گیت بند کیا، وہ مڑ ہی رہی تھی کہ نگاہ زمین پر گرے پھر پر پڑی جو شاید محراب کی پاکٹ سے گرا ہوگا دیکھا تو ہونٹ بک جو کر دیا تھا اس کی سلیپ تھی ہونٹ کا نام بھی PC لکھا تھا۔

☆☆☆.....

”آؤ تہذیب بیٹا! نزہت نے اسے دیکھا تو مسکرا کے گویا ہوئیں وہ جھجک کے کوریڈور میں رُک گئی۔
”وہ آنٹی! مجھے محراب بھائی سے کچھ بات کرنی ہے وہ ہیں گھر میں۔“ وہ جھٹ اپنا دے عایان کر گئی۔
”ابھی آیا تو ہے اپنے کمرے میں ہے؟ بیٹھ تو جاؤ کیا کھڑے کھڑے بات کر دو گی۔“ انہوں نے ڈرتی جھجکتی تہذیب کا ہاتھ پکڑا اور ہال کمرے میں لے آئیں جہاں سارے ہی موجود تھے وہ اور بھی جھجک گئی فائق نے چونک کے استغیاب مہ لگا ہوں سے اس پر اچھتی نگاہ ضرور ڈالی مگر مائز کی وجہ سے جلدی سے اپنی نگاہوں کا زاویہ ٹی دی اسکرین پر بجالا۔

”مائز! چل جا بھائی کو بلا کر لا! کہنا تیری بہن آئی ہے۔“ انہوں نے مائز کو حکم دیا جو میوزک لگا کے اس پر هجوم رہا تھا۔ بڑا ہال کمرہ جہاں جدید طرز کا فرنیچر بڑے بڑے صوفے درمیان میں خوبصورت سا قالین اس پر بڑے بڑے ایک سائڈ پر فلور کشن رکھے تھے ایک کونے پر بڑا سی ڈی پلیئر سامنے بڑی اسکرین کا ٹی وی درمیان میں قیمتی قانون جس کی پیلی پیلی روشنی سب کے چہروں پر پڑتی ہال کمرے کو اور خوبصورت بنا رہی تھی۔ وہ جھجک کے کونے کے صوفے پر بیٹھ گئی، یعنی ادھر نہیں تھی ورنہ وہ اس سے باتوں میں ضرور لگ جاتی، رافع کے ہاتھ میں ٹی وی کا ریموٹ تھا، فائق بڑے صوفے پر نیم دراز تھا بلیک پیٹ پر بلیو شرٹ میں بلیوس ڈینٹ لگ رہا تھا، تہذیب نے ایک چورنگہ ضرور ڈالی وہ جانے کیوں فائق کی شخصیت سے اتنی متاثر ہوئی تھی کہ وہ چاہے کبھی اسے دل سے نہیں نکال پار ہی تھی، نزہت دوبارہ مکن میں چلی گئی تھیں۔

”اوہو ہماری گڑیاسی بہن کو آج فرصت مل گئی بھائی سے بات کرنے کی۔“ محراب پر داہٹا ہوا چلا آیا تھا، وہ کچھ دیر پہلے ہی تو جو اداحہ کی طرف سے ہو کر آیا تھا اسے رات کو پھر جانا تھا۔ تہذیب نے سلام کیا جواب میں محراب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”وہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

”ہوں..... کہو میں سن رہا ہوں۔“ وہ بھی سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔ فائق کو اس کی آواز نہیں آرہی تھی مگر تجسس بھی تھا کہ آخر ایسی کون سی ضروری بات اسے کرنی ہے جو وہ یوں اچانک ہی چلی آئی تھی۔ مائز بھی وہیں بیٹھ گیا، محراب نے اسے دیکھا تو وہ جڑ بڑسا ہو کر اٹھا۔

”میں تہذیب کے لئے چائے لے کر آتا ہوں۔“

”نہیں میں چائے وغیرہ سب لی کر آئی ہوں پلیز یہ تکلف نہ کریں۔“ وہ جھٹ بولی۔

”دیکھو لڑکی! ہمارے گھر میں لڑکی صرف ایک ہے ہماری والدہ کو ماسی سے کچن کا کام کر دانا قطعی پسند نہیں ہے اس لئے چائے میں خود بنا کر لاؤں گا، یعنی، ندرت آپ کی طرف گئی ہوئی ہے۔“ اس نے بتایا۔

”اس نے کچھ پوچھا جو تم اسے بتا رہے ہو۔“ محراب کو اس کی فضول گوئی بُری لگی۔

”بھائی جان! میں اسے اس لئے بتا رہا ہوں کہ اتنی دیر سے میں امی سے چائے کا کہہ رہا ہوں مگر امی کہہ رہی ہیں کہ بتانی ہے تو خود بنا کر پیو میں کام کر رہی ہوں یہ کچن میں جائے گی تو ہمارے لئے بھی چائے بنا کے لے آئے گی۔“

”آپ آ کر خود کہہ دیجیے گا، مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں۔ اسے بھی غصہ آ گیا۔
”خاصی لمبی زبان ہوگی ہے تمہاری ورنہ تو سب بہت مصوم سمجھتے ہیں آپ کو۔“ فہمائشی انداز میں طنزیہ کہا۔
”میں آپ کی بات پر کہہ رہی ہوں۔ وہ سلگ گئی۔
”اد کے میں چلا ہوں۔“

”رکیے ایک منٹ۔“ حنا نے کو اس کا یہ انداز خاصا گراں گزر رہا تھا۔

”میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔“ وہ اس کی جانب متوجہ ہوا جو دھواں ہوئے چہرے کے ساتھ لب بار بار کچل رہی تھی۔

”مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔“

”سوچ لو آپ کی امی آ سکتی ہیں۔“ وہ پھر طنز کر گیا۔ حنا نے غراتی اور گھورتی نگاہ اس پر ڈالی جو لگتا تھا اسے سارے جلانے اور تپانے کے طریقے آزمایا تھا۔

”آپ اندر آئیے۔“ محراب اندر آیا اور دوبارہ اس سنگل صوفے پر بیٹھ گیا، وہ خود بھی سامنے والے بڑے صوفے پر بٹک گئی وہ اس کی جانب مکمل طور پر متوجہ تھا۔

”حنائے! میں تمہارا مسئلہ سمجھ گیا ہوں تم.....“

”پلیز! آپ پہلے میری بات سنئے۔“

”شروع سے تم باتیں ہی سناتی آرہی ہو خاندان میں ایک میں ہی تمہیں اتنا بڑا بے وقوف مل گیا جسے تم جیسے دل چاہتا ہے چلانا چاہتی ہو دادی جان کی تمہیں سپورٹ حاصل ہے میرے گھر والوں کی حاصل ہے، بس اسی کا تم فائدہ اٹھا رہی ہو۔“ حنا نے افسردہ اور حسرت بھری نگاہیں اوپر اٹھائیں جو اتنا طنزیہ اور کٹھیل لگ رہا تھا کہ وہ حیران تھی وہ ایسی دل جلانے والی باتیں بھی کر سکتا ہے۔

”جلدی بولے محترمہ! آپ کو جو بولنا ہے۔“

”نہیں بولنا مجھے آپ سے نہیں کرنی آپ سے مجھے کوئی بات۔“ وہ تو روہانسی ہو گئی۔

”اد کے جیسے آپ کی مرضی۔“ وہ شانے اُچکا تا ہوا کھڑا ہو گیا، اسے حنا نے کے روہانے لہجے پر بھی کوئی بے چینی نہیں ہوئی، وہ مکمل اس کی جانب سے سرد مہر اور لالچ بن گیا تھا۔

”اد کے چلتا ہوں رات کو آؤں گا۔“ یہ کہہ کر وہ رُکنا نہیں تیزی سے نکل گیا۔ حنا نے کے آنسو خسار بھگونے لگے، محراب آج اسے کتنے فاصلوں پر دکھائی دیا تھا جو اسے دیکھ کر خوش ہوتا تھا آج وہ اس کی کوئی فکر ہی نہیں کر رہا تھا۔

”میں کیا کروں؟ کیسے میں آپ کو بتاؤں کہ آپ میرے لیے کیا ہیں؟ مجھے آپ کی بے رخی زلزلہ رہی ہے میں آپ کے بغیر بھی نہیں رہ سکتی۔“ وہ آج آنسوؤں کو پہنے دے رہی تھی۔

”جانے کہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے کہ مجھے یہ سب برداشت کرنا ہے۔“ وہ اٹک پونچھے لگی۔

”آپ کو میں دیکھنا ایک دن منالوں کی آپ کو روٹھنے ہی نہیں دوں گی میں صرف آپ کی ہوں ہمیں کوئی جدا نہیں کرے گا مجھے اللہ تعالیٰ پر یقین ہے ہمارا ملن ضرور ہوگا۔“ وہ خود کو بھی یقین دلاتی رہتی تھی۔

اسی وقت پھر ڈور بیل ہوئی تو جلدی سے چہرہ صاف کیا کیونکہ اسے قوی امید تھی سیرا ہی ہوں گی اور وہ چہرے سے ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتی تھی کہ کچھ ہوا ہے۔ گیت کھولا تو وہی تھیں، خاصا سامان ساتھ تھا، وہ حیران بھی تھی کہ سیرا اور اتنی شاپنگ۔

”ارے ایسے کیسے جاسکتی ہیں آپ چائے بنا کر پلائیے اور ہاں وہ پراٹھا“۔ رافع جیسے اس کے قارغ ہونے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

”رافع ایہ کیا بد تمیزی ہے؟“ فائق نے سرزنش کی۔

”میں نے ایسی کون سی بد تمیزی کر دی صرف چائے پراٹھے کی فرمائش کی ہے۔“ وہ مدامان کے گویا ہوا۔

”پلیز گڑیا! ایک کپ چائے میرے لئے بھی۔“ عریب نے بھی مسکرا کے فرمائش کی اور پھر وہ اپنے اس بھائی کی تو کوئی فرمائش رد ہی نہیں کر سکتی تھی رافع کی ہر ایسی میں وہ مکن میں آگئی جہاں نزہت اور ناطقہ رات کے کھانے کی تیاریوں میں لگی تھیں۔

”بہت ہی بد تمیزی ہیں یہ لڑکے باز نہیں آئے“ میں نے کہا بھی تھا میں ایک گھنٹے بعد چائے بناؤں گی سنتے ہی نہیں ہیں۔“ نزہت بولیں۔

”آئی کوئی بات نہیں اپنا سمجھ کے ہی مجھ سے کہا ہے میں اتنا تو کر سکتی ہوں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔“ وہ بولی۔

”گڈ ایہ ہوئی ناں بات تہذیب باجی ہال کمرے میں لے آئیے گا۔“ وہ بولتا ہوا چلا گیا۔ وہ پہلے چائے بنانے رکھ چکی تھی رافع کے لئے پراٹھا بھی بنایا سب کچھ تیار کر کے وہ ٹرے اٹھا کے مکن سے نکلی ہال کمرے میں دیکھا تینوں ہی بیٹھے تھے۔

”مازہ بھائی اب عریب بھائی کو چائے دے آئیے۔“ اس نے مازہ سے کہا۔

”چل رافع بھاگ کے جا بھائی جان کو جو اد چاچو کی طرف پھر جانا ہے۔“ مازہ نے اسے حکم دیا۔

”تہذیب! چائے مزے دار بنائی ہے تم نے۔“ مازہ نے چائے کا سپ لیا اور کن اکھیوں سے فائق کو دیکھا جسے چائے ابھی تک نہیں دی تھی۔

”داؤ خوشبو پراٹھے کی اچھی ہے۔“ رافع آ کر بیٹھا۔

”یہ چائے آپ کے بھائی کے لیے ہے۔“ وہ رافع کو اشارے سے کہہ کر چلی گئی۔ رافع اور مازہ نے کھانا شروع کر دیا فائق نے جواب میں دونوں کو گھورا مگر چائے پھر بھی نہیں لی کیونکہ مازہ کی نگاہیں ہر وقت اس پر جو رہتی تھیں وہ اٹھا اور ہال کمرے سے ہی نکل گیا وہ اسے پھر مکن میں نظر آئی جب سے یونیورسٹی سے آیا تھا اسے بھی چائے نہیں ملی تھی کیونکہ شام کی چائے یعنی بنائی تھی اب وہ روٹیاں پکانے میں مصروف ہو گئی۔

”چائے پی تم نے۔“ ناطقہ نے اس کی جھنجھلائی ہوئی صورت دیکھی گریے پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں خاصا سو برگ رہا تھا۔

”وہ دل نہیں کر رہا تھا۔“ اس نے تہذیب پر بھول کے بھی نگاہ نہ ڈالی۔

”تہذیب! تو سب کی چائے لے کے گئی تھی۔“ وہ سنک میں پڑے برتن دھو رہی تھیں۔ فائق کی غیر ارادی نگاہ تہذیب کے ہاتھوں پر تھی جو روٹیاں اتنی نفاست اور سلیقے سے تیل کے پکار رہی تھی۔

”تم کب سے مانگ رہے تھے اب پی کیوں نہیں رہے؟“

”دل نہیں کر رہا تھا بول تو رہا ہوں۔“

”فائق! میں تمہارے مزاج سے پریشان ہوں جانے کیوں ہل میں کچھ ہل میں کچھ ہوتے ہو۔“ وہ بے زاری سے گویا ہوئیں۔

”چلو پھر کھانا کھا لینا تہذیب روٹیاں پکا لے تو۔“ وہ بولتی ہوئی مکن سے جانے لگی تھیں۔ تہذیب کی پشت تھی

مازہ بھی ایک شرارتی تھا۔ عریب اور تہذیب کو کبھی آگئی فائق بھی سن رہا تھا۔

”دیکھا تہذیب باجی! ہمارے مازہ بھائی کی جالا کی آپ کو دیکھ کر انہیں کیا خیال آیا۔“ رافع نے لقمہ دیا۔

”تم جب کرڈیاں تو تہذیب چائے ابھی بناؤ گی یا بعد میں؟“ وہ اس کے سامنے سینے پر بازو پلیٹ کر پھر مخاطب ہوا تہذیب مسکراتے لگی۔

”وہ کام سے آئی ہے۔“ عریب نے مازہ کے ٹھوکا مارا۔

”بھائی جان! یہ رشتے سے ہماری بہن ہے اور اس کا فرض ہے کہ ہم بھائیوں کا خیال کرے، چلو تہذیب پہلے چائے بناؤ۔“

”آپ فکر نہ کریں چائے وغیرہ سب بنا دوں گی مجھے پہلے عریب بھائی سے بات کرنے دیں۔“ وہ اجازت طلب نظروں سے گویا ہوئی۔

”تہذیب باجی! آپ چائے تو بنائیں گی ہی پلیز ایک پراٹھا بنا دیجیے گا بھوک لگ رہی ہے اور امی اور تائی امی تو ابھی رات کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی ہیں مجھ مصوم کا کسی کو خیال نہیں ہے۔“ رافع نے مصوم سی صورت بنا کے دہائی دی۔

”فائق! تو بھی اپنی فرمائش متادے موقع اچھا ہے۔“ مازہ نے معنی خیز لہجے میں بولتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

”جی نہیں شکریہ۔“ وہ روکھا تو پہلے ہی تھا۔ تہذیب کو اس کی رکھائی پر غصہ بھی آیا مگر وہ ضبط کر گئی کیونکہ جہاں

دلوں کے رابطے ہی نہ ہوں تو یہ سب سوچنا بھی بے کار تھا۔

”پارا فائدہ اٹھالے۔“ مازہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

”فصل کم ہانکا کرڈ۔“ وہ ڈانٹ کے بولا۔

”تہذیب! تم بولو کیا کہنا ہے یہ تو ایسے ہی لقمے دیتا رہے گا۔“ عریب کچھ اکتا کے بولا تھا۔ تہذیب پھر سیدھی ہو کر بیٹھی کیونکہ اسے تو حمود اور حمنی کے سلسلے میں بات کرنی تھی جب سے راحمہ سے اسے تفصیل ملی تھی اس نے ساری بات عریب کو بتادی۔

”ہاں وہ حمنی نیاز حمود کی مگیت رہے۔“

”مگیت تھی ہے نہیں عریب بھائی! آپ اپنے دوست کو سمجھا دیں کہ اگر انہوں نے منجھی باجی کو چھوڑنے کی فطری

کی نا میں پھر انہیں نہیں چھوڑوں گی۔“ اسے بہت ہی غصہ آ رہا تھا۔ رافع اور مازہ تو ہال کمرے سے چلے گئے تھے جبکہ فائق جما ہوا بیٹھا تھا۔

”تم فکر نہیں کرڈ حمود حمنی سے شادی کبھی نہیں کرے گا۔“

”مگر ان کے والد صاحب نے اموشنی بلیک میل کیا تو؟“ وہ بولی۔

”حمود سالار کو کوئی نہیں ہلا سکا وہ ایسے پریش میں بالکل نہیں آئے گا اور ہاں تم اپنے دماغ پر اتنا بوجھ مت ڈالو

حمود پٹھان قبیلے سے ہے جو بات اس نے کہہ دی تو کہہ دی منتہی اس کی بیوی ہے وہ اسے ایک دن گھر لے کر ہی جائے گا۔“ وہ اسے یقین دلانے لگا۔

”مگر آپ کو پھر بھی ان سے بات کرنی ہے کہ وہ حمنی کے چکر میں نہ آجائیں۔“

”نہیں آئے گا۔“ وہ مسکرایا۔

”اچھا پھر میں چلتی ہوں۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔

اور وہ ہیں موجود تھا وہ اس گھر کی فرد جس تھی مگر کچن میں کام ایسے کر رہی تھی کہ جیسے برسوں سے یہاں رہتی ہی ہو۔
”سارے جہان کا درد لے کر گھومتی ہوں۔“

”جی۔۔۔ وہ چوگی۔“

”تمہیں کیا فرق پڑتا ہے حمود سالار کسی سے بھی شادی کرے۔“ وہ طنز کرنے لگا۔

”مجھے دو غلے مرد سخت مڑے لگتے ہیں۔“ وہ بھی ترخ کے بولی۔

”بہت مردوں کے بارے میں جانتی ہو۔“ پھر ایک حیرانچالا۔

”آخر آپ کو براہم کیا ہے؟“ وہ ہاتھ میں بیلن لے کر سیدھی ہوئی فائق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رہ گئی۔

”اس وقت تو تم مجھے بیوی لگ رہی ہو۔“

”کک۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔“ تہذیب تو اچھل ہی گئی۔

”بیلن سے ہر شریف آدمی ڈرتا ہے اور شوہر تو سب سے زیادہ۔“ وہ معنی خیر لہجے میں بولا۔

”کل دیکھی ہے اپنی شوہر۔“

”اے لڑکی کس خوش چہی میں ہو میں خود کو شوہر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تمہیں بول رہا ہوں کہ بیوی کے اسٹائل مار کے بات کر رہی ہو۔“ لہجوں میں اس نے تسخراڑایا تہذیب تو جڑی ہوئی اور فائق کو اس لمحے اس کی حالت پر حرا آیا۔

”کیوں میرے بارے میں کیا کبھی کچھ سوچا ہے؟“

”شٹ اپ مجھے کیا ضروری پڑی ہے آپ کے بارے میں سوچنے کی۔“ وہ پھر اسے سلگانے لگا تھا۔

”دیے اتنا مڑا بھی نہیں ہوں سوچ لو کیونکہ ایک دو سال تو مجھے سیٹ ہونے میں لگیں گے ہی۔“ وہ اسے ہر طرح سے آزما کر دیکھنا چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اور لڑکیوں کی طرح تو نہیں ہے جہاں کسی لڑکے نے اہمیت دی اور خوش چہی میں پڑ گئیں۔

”آپ کو چاہیے دس سال لگیں مجھے آپ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آپ انتہا سے زیادہ خود پسند خوش فہم آدمی ہیں اور ایسے آدمی مجھے سخت زہر لگتے ہیں۔“

”اچھا دو غلے بھی مڑے لگتے ہیں اور ایسے بھی کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں ایسا ہوں۔“ وہ دونوں ہاتھ پشت پر جما کر گویا ہوا۔

”آپ کی باتوں سے اور ہر انداز سے۔“

”اتنا غور سے دیکھتی ہو مجھے۔“ وہ لب بھینچ کے ہنسی روکنے لگا۔

”آپ۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔“ وہ تو تنگ گئی۔

”جاری ہوں میں۔“ وہ روہا لسی ہو گئی۔

”ارے روٹیاں تو پوری پکا دو۔“ وہ اس کے پیچھے دوڑا۔ مگر تہذیب کو اس وقت زبردست غصہ آیا تھا فائق کو ہنسی آرہی تھی کیونکہ اس کا جلنا کڑھنا اور تنگ کے جواب دینا اس کا انداز کتنا منفرد سا تھا بالکل بناوٹ سے عاری تھی نہ اور لڑکیوں کی طرح اس میں اتراہٹ تھی مگر وہ ابھی تک بھی اپنے جذباتوں کو اس پر عیاں نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

آج اسے حممتی نے اتنا گھمایا تھا کہ وہ جان ہی نہ چھڑا پایا تھا فیکٹری تک نہ جاسکا کیونکہ حممتی نے بابا سے اجازت لی

رداؤ انجسٹ [170] اپریل 2010ء

ہوئی تھی ڈنر بھی زبردستی باہر کیا حالانکہ حمود کا دل بالکل نہیں کر رہا تھا ذہن و دل تو پریشان تھا کہ پتہ نہیں منٹھی اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی بلکہ وہ تو خوش ہو رہی گی شاید کہ جان چھوٹ جائے گی۔

”مگر میں تم سے دستبردار تو کبھی نہیں ہوں گا تم میری عزت ہو اور عزت کو گھر کی عزت بنایا جاتا ہے اُسے چھوڑا نہیں جاتا۔“ وہ بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔ اسے خود اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ بے گلی اور بے چینی کیوں ہوتی ہے جتنا وہ منٹھی کو سوچتا تھا اس کے دل میں ایک دھڑکن میں بسا نام محسوس ہوتا تھا وہ تو اتنا لالہ بابا تھا کہ کبھی محبت کو نہ سمجھا اور جانا تھا مگر آج اپنے اندر کی بے گلی اور بے قراری کو وہ کوئی نام نہیں دے پاتا تھا جب جب مل کے آتا وہ کھویا کھویا رہتا اور آج کے بعد تو وہ اور ہی انداز میں سوچ رہا تھا، پہنچ کر کے وہ دانش روم سے باہر آیا تو کلثوم بانو دودھ کا گلاس لے آئیں تھیں۔

”آج سارا دن ہی حممتی کے ساتھ پھرتے رہے تم۔“ انہوں نے مسکرا کے پوچھا۔

”امی! میں تنگ آ گیا ہوں جان کا عذاب ہو گئی ہے پلیز جان چھڑائیے میں اسے انور ڈ نہیں کر سکتا۔“ وہ اتنا بے زار اور پریشان لگ رہا تھا کہ وہ مگر مندری ہو گئیں۔

”بیٹا! میں تمہارے بابا کے آگے کچھ بول نہیں سکتی ہوں۔“

”پھر ٹھیک ہے مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔“ اسے بھی جیسے ضد سوار ہو گئی تھی۔

”کیا کرو گے تم۔“ گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ حمود نے اسے سی کی کوٹنگ بڑھادی۔

”ایک شادی بابا کی پسند کی اور ایک میری پسند کی ہوگی۔“

”کیا۔۔۔۔۔؟“ کلثوم بانو کو بیٹے کی دماغی حالت پر حیرانگی کے ساتھ شبہ ہوا۔

”بابا کو اپنی پارٹنر شپ عزیز ہے انہیں بکلی بھی کرنی ہے ٹھیک ہے حممتی سے کر لوں گا میں شادی بھی مگر ایک میری پسند کی ہوگی۔“ حمود نے دودھ کا گلاس خالی کیا اور رائٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

”اپنے بابا کو جانتے ہو اتنے جوتے ماریں گے بلکہ وہ تو بندوق لٹکانے کو تیار رہتے ہیں۔“ وہ ڈر گئیں۔

”اس بار میں ان کی بندوق سے بھی نہیں ڈروں گا کیونکہ اپنی پسند سے شادی کرنے کا مجھے بھی حق ہے۔“ وہ نگاہ چراتے ہوئے بول رہا تھا۔

”اس عمر میں مجھے بھی گھر سے نکلوانے کا کیا؟“

”نو براہم مائی مام! آپ کا بیٹا اتنا تلاش نہیں ہوگا اپنے قدم وہ بجا رہا ہے ساتھ رہیں گے آپ اور میں اور ساتھ میں آپ کی بہو۔“

”حمود! بات مذاق میں اڑانے کی نہیں ہو رہی ہے۔“ انہوں نے دو تھپڑ اس کی پشت پر جمادیئے۔

”امی! حرا تو بعد میں آئے گا گھر والی اور باہر والی کے ساتھ۔“ وہ کورٹس بجا کے بولا۔

”گلدھے اگر اپنے بابا کی گولی سے بچے گا تو اپنی پسند سے بھی کرے گا شادی۔“

”میری ماں اتنی پریشان مت ہوں مگر پلیز مجھے اس حممتی جڑیل کے ساتھ بالکل نہیں رہنا۔“ وہ اپنے بال نوچ کے بولا۔

”میں کیا کر سکتی ہوں اس سلسلے میں؟“

”کیوں۔۔۔۔۔ آپ بابا سے اڑ جائیے کہ میں بہو اپنی پسند کی لاؤں گی۔“ وہ کلثوم کو جوش دلانے لگا۔

”بہت آسان ہے نا! ان سے اڑ کے بات کرنا باہر کا راستہ دکھادیں گے ساتھ ہی مجھے بھی۔“ وہ ویسے ہی ان کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران میریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

غصے سے ڈرتی تھیں۔
 ”او کے پھر مجھے کرنے دیں جو کرنا ہے۔“
 ”کسی لڑکی کو دیکھ کے رکھا ہوا ہے؟“ وہ اسے جاچتی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔
 ”ہوں..... یہی سمجھ لیں لیکن ابھی لڑکی راضی نہیں ہے منانے کے لئے مجھے پا پڑتے پڑ رہے ہیں۔“
 ”تلتے پڑ رہے ہیں۔“ وہ زیر لب بول کے چنیں۔
 ”ہاں تیل تو لے ہیں بس تلتے ہیں۔“ لہجہ اس کا معنی خیز اور شرارتی بھی تھا۔
 ”حمود! میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔“
 ”آپ جا کے آرام کریں صبح کا انتظار کریں ناشتے پر ملیں گے۔“ اس نے کلثوم بانو کو شانوں سے پکڑ کے اٹھایا
 ان کی پیشانی پر پیار کیا۔
 ”میری بات سن پہلے وہ جمنی نے وہاں منتہی کے سامنے کیا زیادہ کچھ الٹا سیدھا بولا ہے؟“
 ”وہ ہے نا آپ کی صاحبزادی راحمہ سالار اس کی کم زبان چلتی ہے پورا تعارف کروایا ہے کون ہے کیا لگتی ہے جمنی۔“ وہ بولا۔
 ”ویسے بچی اچھی ہے۔“ کلثوم بانو کی نگاہوں میں منتہی کا طبع چہرہ محسوس کیا۔
 ”کون سی بچی.....؟“ وہ حیرانگی سے پوچھنے لگا کیونکہ جمنی کی وہ تعریف کر ہی نہیں سکتی تھیں۔
 ”میں منتہی کی بات کر رہی ہوں ایسا لگتا ہے جیسے میں اسے جانتی ہوں۔“ حمود چونک گیا کہ کہیں انہیں کچھ شک تو نہیں ہو گیا فوراً ہی سنبھل گیا اور خود کو نارمل کر کے گویا ہوا۔
 ”اس سے تو آپ پہلی بار ملی ہیں۔“
 ”ہوں..... مگر ایسا لگتا ہے جیسے مل چکی ہوں منتہی نام بھی بھلا سا ہے۔“ انہیں اپنی رشتے کی بہن یاد آ گئی۔
 ”میں تو کہتی ہوں کہ وہ یہاں ہی پڑھانے آ جایا کرے۔“ وہ بولیں۔
 ”مشکل ہے کہ آئے۔“ وہ بولا۔
 ”ویسے راحمہ وہاں جا کر پڑھے تو اچھا ہے ورنہ یہاں وہ پھر دوسرے جتنے بھی ٹیوٹر آئے ہیں اس نے سوائے ان میں کیڑے نکالنے کے کیا کیا ہے۔“ وہ خود ہی پھر لپٹی بھی کرنے لگی تھیں۔
 ”تم سو جاؤ صبح پھر بات کرتی ہوں تم سے کہ تم نے آخر کس لڑکی کو پسند کیا ہے۔“ وہ اس کا ماتھا چوم کے کمرے سے نکل گئیں۔ حمود کچھ بوکھلاہٹ کا شکار بھی ہو گیا کہ انہوں نے پوچھا تو کیا جواب دے کس لڑکی کو بتائے اور ابھی وہ منتہی کا نام لینا نہیں چاہ رہا تھا اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ جمنی بھی ضرور کوئی نہ کوئی فساد کھڑا کرے گی کیونکہ آج وہ سارے راستے یہی بولتی رہی تھی۔
 ”منتہی کو گھر بلاؤ اور راحمہ کو ٹیوشن پڑھواؤ۔“ حمود کو منتہی کی عزت زیادہ عزیز تھی وہ اسے یوں حقارت سے تو کسی کو دیکھنے نہیں دے گا وہ اس کی بیوی تھی۔

(جاری ہے)

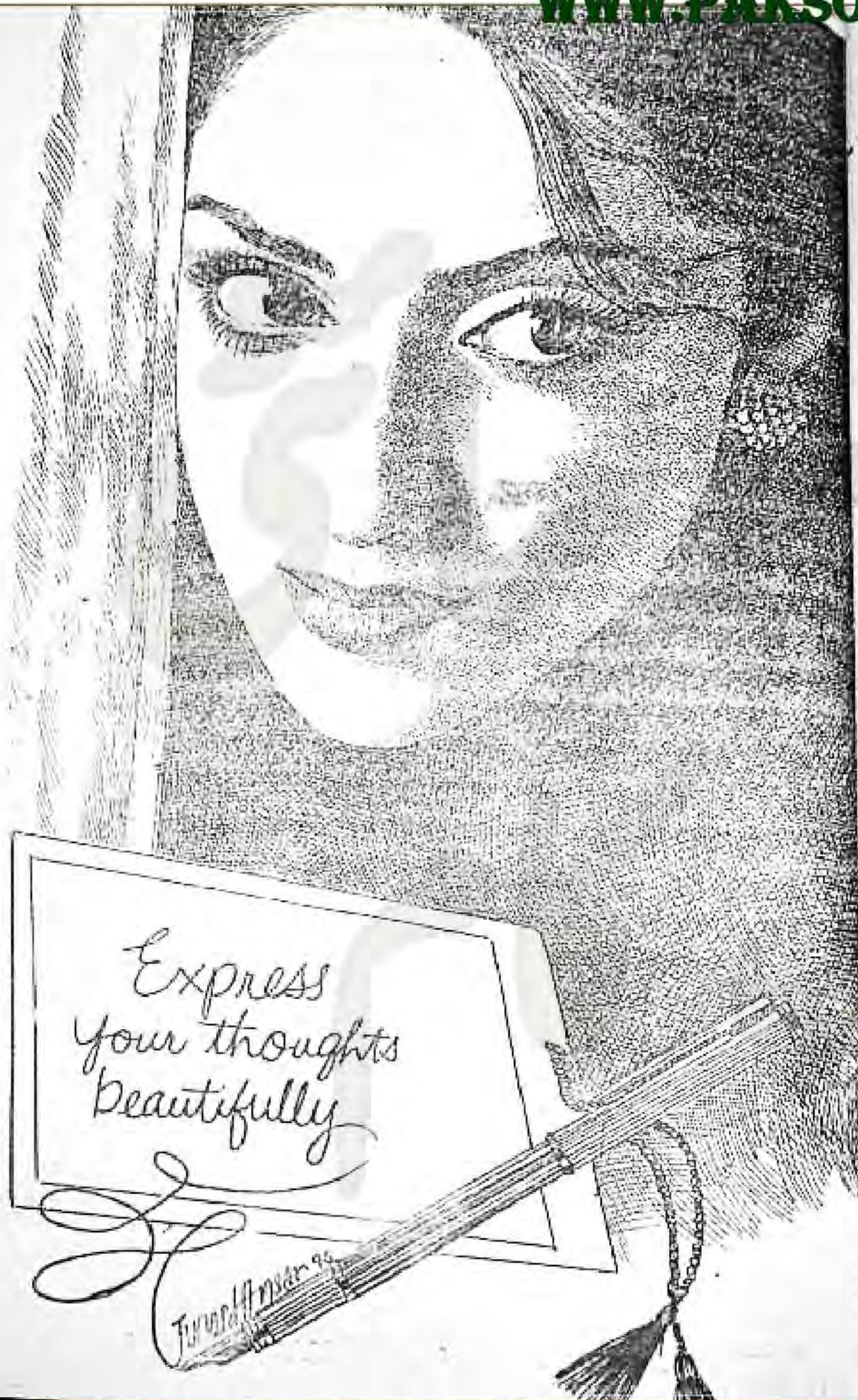
☆☆☆.....

شازیہ مصطفیٰ

سلسلے وار ناول

جہالت و دل کی جہالت

تقریباً 12



Express
your thoughts
beautifully

Turned near 95

”چھوڑے میرا ہاتھ کیا بھری ہے؟“ وہ ناگواری اور غصہ بھری آواز میں چلتی۔
”کون کھول کے سن لو تمہاری ذرا بات میں میں ضرور یوں گا“ سمجھیں تم۔“ کرخت اور درشت لہجے میں۔

اسے وارن کیا۔

”آپ نے ٹیکہ لے رکھا ہے میرا؟“ ہاتھ جھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ فائق نے ہنوز اسی طرح اسے دیکھا تھا۔

”نہیں۔“ وہ ہنسنا مسکرایا۔

”مجھے اب اس انٹیکسی کو چھوڑنا ہی پڑے گا کیونکہ آپ کا تو کچھ نہیں جائے گا مجھے رسوا کروادیں گے۔“ وہ غصے میں آواز میں بولی۔ خود کو جتنا اس کے سامنے مضبوط اور بڑا دکھا رہی تھی مگر وہ اتنا ہی پست پڑنے لگی تھی۔
پہلے وہ اس کی قہقہہ کر رہی تھی مگر یہ شخص تو گستاخ و جھوٹ اور عیار کے مفہوم سے کبھی آشنا ہی نہیں ہوا تھا۔ صرف دھوکے اور اپنی حکومت جتانے کا شوق تھا۔

”پتہ ہے آپ جیسے لڑکوں کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں رہتے ہیں میں اس طرح کی بات نہیں ہوں فائق احمد جیسا آپ کہتے ہیں۔“

”واٹ ڈو یو مین آپ جیسے لڑکے؟“ فائق کے تو دماغ پر جاگی تھند بکھرا گئی ہونٹوں پر لب پھیرے کی طرح ایک دم مختل ہو گیا تھا۔

”اور دانتا نا کہ میں تمہیں کس طرح کی لڑکی سمجھتا ہوں؟“

”ہائیز آپ میرا ہاتھ تو چھوڑے۔“ وہ روپوش ہو گئی اسے فائق کا برہم ہونا بھی ڈرانے لگا۔
”جی یا تمہارا دل ہے لوگوں میں تو ڈر جانی ہو یہ تم سوشل ورکر بن کیسے گئی ہو؟“ اس نے طنز بھی کیا۔

”ہر بات میں آپ کو اعتراض ہے۔“

”تم پہلے مجھے یہ بتا دو کہ تم نے مجھے کیا سمجھا ہے؟“ وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا یہ تک بھول گیا تھا کہ کوئی بھی سکتا ہے۔

”آپ کو تو اگر کوئی بات کہہ دو تو اپنی جان مشکل میں ڈال لو۔“ وہ اپنا ہاتھ جھڑا کے غصے سے بولی۔
”میں بندہ بھی ایسا ہی ہوں اگر کوئی مجھے التماسیدھا کچھ بولے تو میں اس کے پیچھے پڑ جاتا ہوں۔“ ایک ایک پروردے کے اسے جتا رہا تھا۔

”میرے علاوہ آپ کو کوئی اور نہیں ملی جو میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔“

”کیا تمہارے پیچھے محترمہ ہوش میں تو ہو میں اور تمہارے پیچھے ابھی مجھ پر اتنا اذیت نہیں آیا ہے کہ تمہارے پیچھے پڑوں اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے لڑکیاں خود میرے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔“ وہ آج دل کھول کر جھڑا ہوا تھا۔

تھند بک کا چہرہ اہانت اور تھیک سے سرخ پڑ گیا تھا دل میں اتنا شور ہوا تھا کہ لب سمیٹنے لے گئے تھے۔ وہ تو اسے دل نہ دے سکی تھی اور وہ اتنی نفرت و عناد سے اس سے پیش آ رہا تھا۔ وہ اتنی بے وقعت ہے کہ فائق اس سے ناگواری برتنے لگا۔

”گستاخ میرے خواب دیکھنے لگی ہو۔“ پھر دیا حیرت پیچکا۔

”سنو اے ڈراف کسی اور کو بٹانا دیکھنا نہیں تو پہلے جاب سے لکھواؤں گا پھر اس انٹیکسی سے لکھوا کر دیکھنا چاہیے کہاں سمجھتا ہوں۔“

”پتہ کریں اپنی بکواس۔“ وہ دھاڑی۔
”دل تو یہ کرتا ہے تمہیں کہیں بند کر دوں اتنی ہی تم ہو کام آتے پڑے کرنے لگی ہو سنو میں تمہیں خوب سمجھ رہا ہوں تم مجھے پر اپنا جادو چلانا چاہو رہی ہوتی۔“

”مسٹر فائق احمد! حد ہوتی ہے کسی پر الزام لگانے کی اگر میں کچھ برداشت کر رہی ہوں تو صرف محریب بھائی کی وجہ سے۔“

”ورنہ پھر کیا کر تھیں تم؟ توپ سے اڑا دیتیں۔“ وہ دونوں ہاتھ پشت پر بھا کے اس سے لڑا کا انداز میں طالب تھا۔

”دل تو یہی کر رہا ہے۔“ وہ روپوش ہو کر چیزی سے بھاگ لی۔ فائق نے اپنی ہنسی کو فضا میں بکھیرا کیونکہ وہ اس کا طرف اور برداشت دیکھ رہا تھا کہ کتنی ہے کب تک وہ اس سے مقابلہ کرتی ہے کب تک وہ اپنے کردار پر اگلی اٹھانے والے کو نہیں کرتی ہے۔

”کتنی مختلف ہو تم تھند بک اذرا بھی تو خوش فہم نہیں ہو ہر انداز الگ جدا ہے تمہارا۔“ کی رینگ کھاتا ہوا وہ بھی اندر بڑھ گیا۔

☆☆☆

”پانچ بجے تمہیں کہاں جانا ہے؟“ شام سالار کے شکمے چتون اٹھے وہ فائیکس میں مصروف تھے۔

”بابا! میرے دوست کے بھائی کی شادی ہے اسی کے ساتھ کچھ شاپنگ وغیرہ ہے اس کی اور کچھ کام بھی ہیں فراری۔“ وہ کھسیا گیا۔

”تم کہہ کر دو کھٹنے کا جاتے ہو اور چھ کھٹنے میں واپس آتے ہو۔“ انہوں نے ریح الونگ جیسے سے بک لگائی اور اپنے غور و جتن کو بخور دیکھا جو بلیک پینٹ گوٹ میں خاصا ڈشنگ لگ رہا تھا۔

”کام ہی اتنے نکل آتے ہیں۔“

”ایسے کون سے کام ہوتے ہیں۔“ وہ جرج پر جرج کر رہے تھے۔

”ہوتے ہیں کچھ کام ایسے جو بتانا ضروری نہیں ہیں۔“

”اپنے باپ کو بھی.....“ لہجہ ان کا درشت تھا۔

”سوری میں آپ کو بھی نہیں بتا سکتا اور ہاں میں جا رہا ہوں چھ کھٹنے میں ہی واپس آؤں گا۔“ وہ مضطرب بن گیا۔

”ہوش میں تو ہو۔“

”اس وقت تو ہوں۔“ وہ اپنا موبائل اور والٹ اٹھانے لگا۔ شام سالار کو اس پر اسی بات پر غصہ آتا تھا کہ وہ سنتا نہیں تھا۔

”تمہاری لگا میں کتنی پڑیں گی۔“

”لگا میں چاہے جتنی کیس آپ مگر تمہاری سے میں شادی بالکل نہیں کروں گا۔“ وہ ڈائل پیتا سے بولا۔

”دفع ہو تم یہاں سے۔“ حمود بھی رکا نہیں ان کے کہیں سے نکل گیا آج اس نے منجھنی کو کچھ شاپنگ کروانی تھی کیونکہ مائیک کی شادی سر پر تھی ایک گھنٹہ تو اسے منانے میں لگنا پھر راحہ کو بھی بلانا تھا ورنہ وہ تو میڈیٹن کے لیے چار چٹنی ہوگی۔

گھبرا آ تو دیکھا جتنی آئی ہوئی تھی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا جتنی کے چہرے پر اسے دیکھ کر چمک سی آگئی۔

”جب وہ منع کر رہا ہے تو نہیں جاؤ۔“
 ”ڈرائیور کے ساتھ چل جاتی ہوں۔“ وہ منہ بسور نے لگی۔
 ”جب تمہیں منع کر دیا ہے تو کیوں ضد کرتی ہو گھر میں پڑھائی کرلو۔“ وہ چیخ کر کے آگیا تھا، بلیو جینز پر لائٹ
 ہنگ چپک کی شرٹ میں لمبوس ناما سا سویر بھی لگ رہا تھا۔ تھنی منہ بتائے سنگل صوفے پر بیٹھی تھی، وہ اسے بھی انکوار کر
 چکا تھا، آج تو اسے منتہی کو لے کر ضرور جانا تھا۔
 ”ای! آپ لمچر کو گھر ہی بلوایا کر س۔“ راحمہ نے ناراضی دکھائی۔
 ”عمود! آخر تمہیں اعتراض کیا ہے، تمہیں اگر جانا ہے تو تم چلے جاؤ میں ڈرائیور سے کہہ دیتی ہوں وہ چھوڑ آئے
 گا۔“ کلثوم بانو کو بھی اس کا منع کرنا سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
 ”محررب کا میرے پاس فون آیا تھا وہ سب کہیں گئے ہوئے ہیں۔“ اس نے خود ہی جھوٹ گھر کے بتایا۔
 ”میں لمچر کے نمبر پر کال کرتی ہوں۔“ راحمہ کھڑی ہو گئی۔
 ”بیٹہ جاؤ آرام سے، ہر بات کی خدمت کیا کرو۔“ عمود نے ڈانٹ دیا۔
 ”مجھے آپ کی سمجھ نہیں آرہی ہے کہ کیوں جانے سے منع کر رہے ہیں۔“
 ”جب کر کے گھر میں پڑھائی کرو۔“ وہ ڈپٹ کے پولا۔
 ”آؤ کتنی اچھیں میں گھر ڈراپ کر دوں گا۔“ اس نے سوچا کہ راستے میں اسے بھی اتار دے گا۔
 ”جینکس میں خود چل جاؤں گی۔“ ناراضی دکھائی۔
 ”اوکے جیسے تمہاری مرضی۔“ شانے اچکا تا ہوا وہ جیزی سے کوریڈر عبور کر گیا کیونکہ جلدی پہنچنا بھی تھا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM



PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

”بھائی! میں نے ان سے کوئی ملائی دیکھی ہے اور اب تو کوئی بات ہی نہیں کرتی ہے۔“ وہ دن پہلے کی بات تھی۔ جب بھائی کی کسی عملی سہولت کے لیے گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں محراب آگیا مگر محتاج کو دیکھ کر وہ ناگواری سے آنکھیں بند کر کے بیٹھے۔

”محبوب! یہاں چلے؟“ احمد نے پکار لیا۔
”تم مجھے ملاقات پر کیوں بلا رہے ہو؟“ اس نے کتا بازی تھا، جنہیں فضول کی باتیں سمجھتی ہیں۔ وہ نے کہنے کا محتاج بول رہی تھی جبکہ شامین باری باری دونوں کے ایکسپریشن دیکھ رہی تھی۔
”چلے جاتے تو کتا بازی آدنی ہے شادی کے بعد دیکھتا ہوں کیسے دل لگتا ہے آفس میں ہر منٹ میں محتاج کو فون کرتا ہے۔“

”احمد! شروع ہو گئی نا تمہاری فضول کی بکواس۔“ وہ غصہ میں تو پہلے ہی تھا اور محتاج کے سامنے تو اسے اور ہی حسا رہا تھا۔

”محبوب! یہاں بیٹھے تو۔“ شامین نے اسے پھر کھڑے ہونے دیکھا۔
”سن میں نے اس لیے بلا یا ہے کہ تو محتاج سے اپنی فلاحی دور کر لے نا مرضی ختم کر یا۔“ وہ بولا۔
”میری کوئی ہر مرضی نہیں ہے اور نہ میرے پاس ایسا قانون نام ہے کہ یہاں بیٹھ کے برباد کروں۔“ اس نے محتاج پر اپنی نگاہ ڈال کے طعنے کا حیرا بھالا۔ وہ اپنی کم مائیگی پر اندر ہی اندر آنسو اتارنے لگی کیونکہ اس سے کچھ بول کے وہ محراب بات کو بند کرنا نہیں چاہتی تھی۔

”یار! بس کر دو دیکھ سکتی اس کی اصل اترتی ہے۔“ احمد اس کی توجہ محتاج کی جانب کر دینے لگا۔
”محبوب! یہاں ایک منٹ بیٹھ کے آپ دونوں بات تو کر لیں۔“
”سوری بھائی! مجھے لمبی لمبی باتیں کرنی نہ پہلے آتی تھیں اور نہ اب آتی ہیں اب جبکہ سب کچھ ان کے کہنے کے مطابق ہو رہا ہے تو بات کرنا بھی بے کار ہے۔“ وہ بولا۔

”یار! محتاج کے ساتھ تو زیادتی کر رہا ہے۔“
”میرے ساتھ کسی کو نظر نہیں آتی یہ مظلوم ہیں محترمہ کیونکہ پورے خاندان کی پسندیدہ جو ہیں۔“ وہ گھورنے لگا۔
”محتاج کا دل کر رہا تھا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے مگر کہاں کوئی ایسا جگہ بھی تو نہیں تھی کہ وہ چھپ کر بیٹھ جائے۔“
”سب سے صابر و شاکر لڑکی ہے یہ ہمارے خاندان میں۔“ احمد نے تقاضہ وہ انداز میں کہا۔
”پھر ان سے کہو کہ صابر و شاکر بن کے بیٹھی رہیں۔“

”آپ ان دونوں کو یہاں تھا چھوڑیں پھر ہی یہ دونوں بات بھی کر سکتے ہیں۔“ شامین کو خیال آیا تو احمد کو ٹوکا۔
”بھائی! آج آپ ایسی کوئی بھی حرکت نہیں کریں گی کیونکہ مجھے کوئی بھی بات نہیں کرنی ہے مجھے جلدی بھی ہے۔“ وہ اٹھا۔

”محبوب! میرے آدنی ہو کب سے میں تم سے آرام سے بات کر رہا ہوں کوئی بات سمجھ ہی نہیں رہے ہو۔“ احمد کو محراب کی اکثر غصا نے لگا۔
”مجھے سر پھر رہی رہنے دو اور خیر دار جو آئندہ مجھے یہاں ایسے فضول کسی کام پر بلا یا تو۔“ وہ یہ کہہ کر مڑا ہی تھا کہ دھڑ سے کھڑے کی آواز آئی۔

”محتاج! محتاج۔“ شامین اور احمد گھبرا گئے۔ محراب نے دیکھا اور رونے لگی تھی اور چپکوں پہکوں رو رہی تھی اسے رونا اچھٹ [112] مئی 2010ء

سخت گراں گزرتا تھا اس کا یوں رو رہا۔

”ہاں! یہاں دروازہ شروع کر دو تمہارے ساتھ آ کر مسئلہ کیا ہے؟“ وہ اٹھا اس پر برسنے لگا۔
”یار! کیا بد قسمتی ہے ایک تو وہ رو رہی ہے اور تم اسے ڈانٹ رہے ہو۔“
”مجھے اس کے رونے پر بہت غصہ آتا ہے کیوں محترمہ! فسوں کا بندھن کھول کے بیٹھ جاتی ہیں۔“ وہ جھجھلنے لگا۔

شامین اسے شانے سے لگا کر جب کرانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کے آفس بھل بھل بہہ رہے تھے۔
”رو رہی رہو مجھے کوئی پروا نہیں ہے کیونکہ بہت پردہ کی ہے میں نے تمہاری۔“ وہ ڈکائی چلا گیا۔
”محبوب! ہو گیا ہے یہ آدنی۔“ احمد تھک سفا و دکھ سے گویا ہوا۔ محتاج کو اس کے ایک ایک لفظ نے اندر تک گھما کر دیا تھا کب سے وہ اس کی بے اعتنائی سر دھری سب ہی برداشت کر رہی تھی اتنا سخت گیر کہیں بن گیا تھا اس کے ذرا سے منع کرنے پر۔

”محتاج! اب بس کر دو۔“ شامین نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔
”بھائی! میں اتنی بُدی ہو گئی ہوں کہ وہ جب دل چاہے گا مجھے باتیں سناتے رہیں گے۔“ وہ دکھ و کرب سے بولی۔ احمد ریان کو اٹھا کے باہر چلا گیا تھا اسے بھی آج محراب کے رویے پر خاصا دکھ ہوا تھا۔
”محبوب! یہاں! دل کے برے نہیں ہیں ان کا وقتی غصہ ہے تم دیکھنا بعد میں سب اتر جائے گا جب تم ان کی رہن بن کے سامنے جاؤ گی۔“ وہ مسکرا کے اسے سمجھا رہی تھی۔

”پتہ نہیں بھائی! وہ یہ رشتہ برقرار بھی رکھیں گے یا نہیں۔“ اسے یہ بھی تو ڈر تھا۔
”ارے مجال ہے کہ وہ کوئی ایسی سیدھی حرکت کریں رشتہ برقرار رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔“ اس نے محتاج کا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔ محتاج اندر ہی اندر سسک رہی تھی۔

☆☆☆
جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا تھا ہال کمرے میں محمود کو دیکھ کر چونک گیا پورے راستے وہ کھولتا ہوا آیا تھا مگر غصہ اس کی سرشت میں نہیں تھا خود کو نورانی سنبھال بھی لیا تھا۔
”شکر ہے یارا تم آگئے کب سے بیٹھا ہوں۔“ محمود نے اس سے ہاتھ ملایا۔
”خیریت تو ہے؟“ محراب نے سوالیہ لگا ہوں سے پوچھا۔
”ہاں خیریت ہی ہے یہ بتاؤ تم آ کہاں سے رہے ہو؟“
”احمد نے بلا یا تھا وہاں گیا تھا۔“ اس نے بتایا۔
”اچھا تم نے کچھ شند و غیرہ بھی لیا یا نہیں؟ میں پوچھتا ہوں۔“
”میں سب کچھ لے چکا ہوں آٹنی لے کر آئی تھیں۔“ اس نے محراب کو دکھا۔
”من یارا وہ مٹنی کو میں شاپنگ پر لے جانے کے لیے آیا ہوں تم آٹنی سے کہو کہ وہ اسے راضی کریں میری بات نہیں مان رہی ہے۔“ خاصا پریشان اور شکریہ سا لگ رہا تھا۔
”میں آٹنی کی بھی نہیں مانی؟“

”یار! کمرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھی ہوئی ہے اتنی دیر وہاں بیٹھ کے آ گیا ہوں۔“ وہ بتانے لگا۔
”تم امی سے کہہ دیجئے۔“
”وہ مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا تم بولو جا کر کہہ دو اسے سمجھائیں۔“

روانا اچھٹ [113] مئی 2010ء

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

"اور میں کہتا ہوں۔" وہ اندر چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں نزہت چلی آئی تھیں، حمود انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔
"ارے بے وقوف لڑکے مجھ سے پہلے بولتے انا؟ تم بھی تم نے برا دیکھا۔" وہ حیرانگی سے بولی تھیں، حمود

جھپٹ گیا۔
"میں اسے لے کر آتی ہوں۔" وہ چلی گئی تھیں۔

"یارا جب سر بھری لڑکی ہے۔" حمود بولا۔
"یہ ساری سر بھری تو ملڑکیوں کی ہی کیوں ہوتی ہے۔" محراب نے مسکرا کر پوچھا۔
"نہی میں سوچتا ہوں شاید اس لیے بھی کہ کوئی انہیں زیادہ اہمیت اور توجہ دے تو وہ کچھ اترا نہ لگتی ہیں اس لیے
کوشش یہ کرنی چاہئے کہ زیادہ اہمیت نہ دے دیکھنا کیسے لائن پر آتی ہیں۔" حمود بول رہا تھا اور محراب کا ذہن غائب کے گرد
گھومتے لگا۔

"ہوں۔" وہ بس اتنا ہی بولا۔
چہرے پر بے زاری کا کواری غصے لیے وہ بلیک چادر اوڑھے چلی آئی تھیں۔

"جاؤ اب تم دونوں۔" نزہت نے منہ کی کاٹھ پکڑ کے آگے کیا۔
"نہی بات ہے بیٹا شوہر کو اسے نرے نہیں دکھاتے ہیں۔" انہوں نے سمجھایا۔ حمود نے تشکر بھرا سانس لیا
کہ وہ آگئی تھی۔
"شکریہ آئی۔"

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے بیوی ہے تمہاری اور مجھے سب سے زیادہ یہ خوشی ہے کہ تم اس کا خیال رکھتے لگے
ہو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر چمکی دی۔

"اب جلدی اسے گھر بھی لے جاؤ۔"
"جی انشاء اللہ تعالیٰ لے جاؤں گا۔" وہ جھٹ بولا۔
وہ ان دونوں سے اجازت لے کر نکل گیا تھا، منہ کی کاٹھ کے مارے بُرا حال تھا مگر وہ لیوں کو لگتا تھا گوند سے
جما کے بیٹھی تھی۔
"آج کیا بات ہے غلیل جبران کی رشتے دار اتنی خاموش کیوں ہے؟" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ شوخ
سے لہجہ میں بولا۔

"جب رشتے سنبھالے نہیں جاتے ہیں تو انہیں چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" وہ پھٹ پڑی۔
"کون سے رشتے؟" وہ انجان بنا۔
"آپ کا اور میرا رشتہ۔"
"اور۔۔۔۔۔" وہ مسکرایا۔

"حمود سالہ صاحبہ ایک عام سی لڑکی سے زندگی بھر کا رشتہ قائم رکھنا آپ امیر مردوں کے لیے بہت مشکل ہوتا
ہے۔" وہ گاڑی کی وینٹر اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"امیر ہونے کے لیے دل کا امیر بھی ہونا چاہئے، میں ان امیر مردوں سے بالکل مختلف ہوں، عورت کی عزت کرتا
ہوں اور کہتا ہوں۔" اس نے گاڑی بڑے سے شاہنگ مال کے سامنے روکی۔
"کیوں خود کو بھرے لیے بدباد کر رہے ہیں پلیز آپ اپنے قدم سڑکیں میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتی۔" لب

رداؤ اجبٹ [114] مئی 2010ء

ہاتھ ہوئے وہ فرنٹ وینڈر سے باہر دیکھتے آئسورہ کھتے ہوئے گویا ہوئی۔ حمود نے اسٹیرنگ پر اپنے دونوں مضبوط
ہاتھ جمائے رکھے ہوئے تھے اور اس کے بلیک چادر سے جھانکتے ہالے سے چہرہ دیکھنے لگا۔

"مجھے کچھ چاہئے بھی نہیں کیونکہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے ہاں بس تمہاری تھوڑی سی توجہ اور
اپنا بیت چاہئے۔" اس نے منہ کی کاٹھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا جو اس نے گھبرا کے فوراً ہی پیچھے کر لیا، اس حد
تک بے لگشی کی تو وہ امید بھی نہیں رکھتی تھی۔

"توجہ اور اپنا بیت آپ کو میں اسی صورت میں دے سکتی تھی اگر ان حالات میں میں آپ سے شادی نہ کرتی، میں
آپ کے اسٹیلٹس کے برابر ہوتی۔"

"کیا فضول بات کرتی ہو یہ اسٹیلٹس کیا ہوتا ہے تمہاری نظر میں شرافت کچھ نہیں ہوتی، میں تمہیں کیا دھوکے باز
نظر آتا ہوں۔" وہ غصے میں آ گیا۔

"دھوکہ تو میرے ساتھ ہوا ہے زندگی میں اتنے دھوکے ملے ہیں کہ اب تو ہر چیز پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔" لگا
اس نے اپنے ہاتھوں پر جھانکی۔

"تم بھول رہی ہو تم نے کہا تھا کہ آپ مجھے سب سے الگ لگے ہیں آپ کی آنکھوں میں وہ سب نہیں ہے جو
میں نے اور مردوں میں دیکھا ہے۔" وہ اسی کی کہی بات یاد دلانے لگا کہ اسے جواب کر گیا۔ منہ کی کاٹھ کی گہری
بڑی آنکھوں میں دیکھا جہاں اتنی معصومیت اور سادگی ہوتی تھی کہ حیران ہوئی تھی کہ وہ کتنا مختلف ہے اور مردوں کی
طرح اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ہوس تک کا کوئی تاثر نظر نہ آتا تھا جب بھی ملتا بات کرتا محبت کا رچاؤ اور اپنا بیت
کے رنگ لے کر کرتا، اس کی سر دھری کے باوجود بھی وہ اس سے ہر دفعہ نئے موڈ کے ساتھ ملتا تھا، کبھی کسی بات پر زنج
ہی نہیں ہوتا تھا۔

"آپ پلیز میری بات کو سمجھئے، میں اسی وجہ سے آپ کے لیے کوئی مسئلہ کھڑے نہیں کرنا چاہتی ہوں اور پھر میں
نے آپ کی منگیتر بھی دیکھ لی ہے، منہ کی کاٹھ کی پیاری لڑکی ہے آپ سے بیار بھی بہت کرتی ہے۔" وہ نگاہ چما کے بولتی
ہوئی حمود کو کچھ غصہ میں جھلا کر رہی تھی۔

"وہ پیار کرتی ہے میں تو نہیں کرتا، مجھے ایسی لڑکیاں بہت ندری لگتی ہیں جو کھلم کھلا اپنی محبت اور بیار کا اظہار ہر ایک
کے سامنے کرتی رہتی ہیں۔"

"حیرت ہے درنہ لڑکے تو خوش ہوتے ہیں کہ کوئی لڑکی ان سے ہر وقت محبت کا اظہار کرتی رہے۔" وہ اس کے
تیز لہجے پر طعنے کرنے لگی۔

"میں کوئی تو عمر لڑکا نہیں ہوں جو ایسی باتوں کو پسند کرتا ہو، مجھ پر غصہ نہیں ہوں اور لوگ بھی ایسے ہی پسند کرتا ہوں۔"
منجیدہ انداز میں بولتا ہوا اسے جتانے لگا۔

"زندگی گزارنے کے لیے مجھ پر مرد و عورت کا ہونا ضروری ہے اگر ایک بھی اُن مجھ پر ہوگا تو زندگی مشکل ہو جاتی
ہے، خود کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی۔" منہ کی گہرائی سے اس نے مشاہدہ بتایا۔

"زندگی ایسی بھی نہیں گزر سکتی مرد تو حیثیت میں اونچا اور عورت اس کے ملازموں کی حیثیت رکھنے والی۔" بحث
تو وہ آسانی سے کر لیتی تھی۔

"مجھے پتہ ہے زندگی میری بہت اچھی گزرے گی بلکہ میں اور تم اپنے دو تین بیارے بیارے بچوں کے ساتھ ہی
گزاریں گے۔" وہ بے باکی سے کچھ موڈ کو شوخ بنا کے بولا۔ منہ کی نے جھپٹ کے لب سمجھنے لگے دل کی دھک دھک

رداؤ اجبٹ [115] مئی 2010ء

یاد دہائی کا دور پر مبنی چٹک چڑی پکوں کی ہمارا لڑی گی۔
"جو جرم میں ہے وہ جرم میں نہیں ہے۔" اس نے منہ کی چہرے کو بھرا بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے

خجری سے کہا۔
"لکھنات مت کریں جی کے پاس سب کچھ ہے دولت ہے خوب صورتی ہے اور میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ خود کو ہار دینا کر اس کی لٹی کرنے لگی۔
"جی میری سوچ کے مطابق نہیں ہے جو مجھے چاہئے جی۔" اس نے آج پہلا اظہار کر

تھا۔ منہ کی تو حیرت و انجساز میں لگ اسے دیکھنے لگی۔
"میں کچھ کہہ رہا ہوں جو مجھے چاہئے جی وہ تم ہو۔" وہ مسکرایا۔
"دیکھئے امیں آپ کی کسی بھی بات کے قریب میں بالکل نہیں آؤں گی۔"
"جس قریب دے کون رہا ہے بالکل کچھ کہہ رہا ہوں۔"
"سب تک آپ میرے پیچھے خود کو خوار کریں گے میں کسی بھی آپ کو قبول نہیں کروں گی اور نہ آپ کے ساتھ

دعویٰ گزاروں گی۔" وہ منہ کی لہجے میں بولی۔
"اچھا ابھی تو یہ بحث ملتوی کرو آؤ جلدی شاپنگ رہ جائے گی تمہاری۔" وہ ڈرا پیچنگ ڈور سے لکھ اور فرنی
اور کھول کے اسے اترنے کا اشارہ کیا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اتری مگر چہرے پر اتنا تھکاؤ اور ناگواریت تھی کہ جو
سے غلٹی نہ تھی یہ سب بھی وہ اس لیے کر رہی تھی کہ خود کے بابا کے بارے میں جو کچھ اس نے سنا تھا اس کے بعد تو وہ
کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی اس نے صرف کاغذی تحفظ چاہا تھا اس سے آگے وہ کچھ نہیں سوچتی تھی اور پھر
وقت اپنی ماں کا خیال بھی آتا رہتا تھا کہ پتہ نہیں وہ کن حالوں میں ہوں گی۔ خود نے شاپنگ میں کوئی کسر نہیں
رکھی تھی سب اپنا مرضی اور پسند سے دلایا تھا۔

"میرے پاس پہلے کا بھی بہت کچھ ہے۔" منہ کی نے واپسی میں کہا۔
"یہ سب میں نے ماؤ کی شادی کے فنکشنز میں پہننے کے لیے دلایا ہے کیونکہ میرا بھی دل سے میری بہن
سب سے اچھی نظر آئے اور پھر ای بھی آئیں گی۔" وہ بول رہا تھا اور منہ کی اس کی سوچ سب جانتی تھی وہ کیا
ایا کر رہا تھا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں آپ کی امی مجھے پسند کر لیں گی؟"
"آف کورس۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔
"آپ کے بابا انہیں بھول رہے ہیں اور پھر وہ جی۔۔۔۔۔" اس نے یاد دلایا۔
"وہ میرا مسئلہ ہے جس پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بڑی مستحضر سے گاڑی چلا رہا تھا آؤ
پکے تھے اور اسے جلدی گھر بھی پہنچنا تھا۔

"سارے کپڑے جلدی ٹیلر کو دے دینا تمہاری تیاری میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔" وہ ساتھ ہی ہدایت دینے لگا۔
"کپڑے میں خود بھی سی لیتی ہوں اتنے پیسے لیتا ہے ٹیلر پہلے ہی آپ کا اتنا خرچہ ہو گیا ہے۔" وہ مصوہیت سے
بولتی خود کو تہہ لگانے پر مجبور کر گئی وہ جڑی نہ تھا کسی انداز میں اسے دیکھنے لگی۔
"اے تم خود سالار کی بیوی ہو جس میں خرچے کی بالکل فکر نہیں کرنی چاہیے آرام سے بے دریغ خرچہ
کرنا۔" وہ ہلکا۔

"جی نہیں مجھے فضول خرچی ذرا پسند نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بھی نہیں پسند کرتا ہے آپ جیسے محنت سے کھاتے ہیں
لگانے کے لیے نہیں۔" اس کی فکر آج سے پہلے تو کسی نہیں ہوئی تھی خود کی بصارت اور سماعت یقین نہیں کر پارہی تھی
اس نے منہ کی سے گاڑی سائینڈ پر روکی۔

"جی کیا کہا تم اتنا کچھ سوچتی ہو میرے بارے میں یا راتاتی کیوں نہیں ہنودیکھا میں ٹھیک کہتا ہوں ناں کہ جو تم میں
جی میں نہیں ہے۔" وہ اتنا خوش ہو رہا تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا منہ کی کی پیشانی چوم لے مگر اس نے اپنی
اس خود ساختہ حرکت کو روک رکھا منہ کی جھینپ گئی۔
"بھئی وہی اچھی جو شو ہر کی کمانی کا بھی خیال رکھے جھینکس گاڈا تو نے مجھ پر اتنا کرم کیا ہے۔"

"زیادہ خوش نہیں میں جھلا نہ ہوں میں نے ایک بات کہا ہے میں کوئی آپ کا خیال نہیں کر رہی ہوں۔" جھٹ
اس نے لٹی کی۔
"کچھ بھی کہو سچ تو عیاں ہو ہی گیا تمہارے ہر انداز سے۔" وہ پھر گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا سڑکوں پر دوڑتا بھاگتا
رہا اور خود کی گتکتا ہٹ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کتنا خوش ہے۔
"منو! جس میں زیادہ سے زیادہ امی کے ساتھ وقت گزارنا ہے میں امی کو ہر فنکشن میں لے کے آؤں گا۔"

"آپ کو کیا ہو گیا ہے کیوں آپ اپنی اور میری شامت بگاڑ رہے ہیں۔" وہ تو انجانے وہ ہوں اور دوسو سوں
سے ڈر رہی تھی۔
"ایک بات کہوں میری ماں بہت اچھی ہیں بابا بھی ایتھے ہیں مگر ان کی اور میری اکثر لڑائی بھی ہو جاتی ہے پھر
بعد میں میں متا بھی لیتا ہوں تم دیکھنا جب گھر آؤ گی تو۔"

"مجھے کوئی ارمان نہیں ہے دیکھنے کا اور نہ گھر آنے کا۔"
"مگر مجھے تو ہے نا کہ میں اپنی بیوی کو اپنے گھر میں دیکھوں۔" وہ ترمک میں بولتا ہوا منہ کی کو شرماتے پر مجبور کر رہا
تھا۔ پھر وہ پورا راستہ بولی ہی نہیں کیونکہ اس کی ہر بات میں شوخی معنی خیزی اور بے باکی تھی۔
"آج میں نے تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے اوکے کل پھر ملاقات ہوگی راحمہ کو جب لے کر آؤں
گا۔ سارا سامان وہ اندر رکھ کر جا رہا تھا کہ اس سے سرگوشی میں بولا۔

"راحمہ کا فون آیا تھا وہ پوچھ رہی تھی کہ آج ٹیوشن کیوں نہیں پڑھا رہی ہیں۔" اس نے قدرے توقف کے بعد بتایا۔
"کیا کہا تم نے؟" چاند کی روشنی میں منہ کی کا چہرہ اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ وہ وارگی سے دیکھے گیا۔
"میں نے کہا کہ میری طبیعت خراب ہے اور مجھے محراب بھائی کی طرف بھی جانا ہے۔" اس کی محویت توڑ
کے بولی۔

"اوکے کل مزے تم اسے بتا دینا اللہ حافظ۔" وہ مسکرا کر اس پر اودامی نگاہ ڈال کے چلا گیا منہ کی نے دروازے
میں کھڑے رہ کر اسے جاتا ہوا دیکھا جو لان سے گزر کے جا رہا تھا آج کا دن تو اس کے لیے بھی بالکل نیا اور انوکھا تھا
بے قوتی میں کیا کیا اقرار کر گئی۔

.....
"امی اچھا بھائی بہت تیز بخار ہو گیا ہے جو اد چاچو بتا رہے تھے۔" راحمہ صاف فکر مند نہ بہت سے مخاطب تھا۔
"ظاہر ہر بات ہے ساری ذمہ داری بچی پر آئی ہے اور میرا تو کسی کام میں ہاتھ ہی نہیں ڈال رہی ہے۔" سانسف
دکھتے گویا ہوں شادی میں ہفتہ دس دن ہی تو تھے اور اتنے کام تھے کہ وقت گزر رہا تھا۔

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 13 -

سلسلے وار ناول

جہان کی جہان



Express
your thoughts
beautifully

Tunepoint 96

اسے 103 بخار تھا، دوش ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی، جو ادھر سمیرا بیگم اور معارج سب ہی اس کے پاس تھے وہ مسلسل ہڈیاں بھی ہورہی تھی۔ سمیرا بیگم اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ رہی تھیں، کتنی جلدی وہ کلاسی گئی تھی مگر ابھی تک ان کے رویے میں لچک نہ آئی تھی، انہیں اولاد سے زیادہ اپنی انا عزیز تھی۔

”اتنے کام اس پر ڈال دیئے تم نے اور چھوٹی کی پہلے شادی کر دیا ہے، ہو یہ سب نہیں سوچتی ہو گی وہ“۔ وہ جو ادھر سے منی ہی بولیں۔

”کبھی تو سوچ سمجھ کر بھی بول لیا کرو، یہ سب اگر سوچتی تو آج اس کی شادی ہورہی ہوتی۔“

”پلیز ای اور ایو! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ دونوں جھگڑا تو نہیں کریں۔“ معارج بے زاری اور فکر مندی سے بولا کیونکہ وہ خود اتنا پریشان تھا اس کے لیے جو کب سے بخار میں پھنک رہی تھی۔

”تمہارے باپ کو عادت ہے جھگڑنے کی“۔ سمیرا منہ بتاتی ہوئی بیڈ پر بیٹھی تھیں اور دوش کے ہاتھ سے پٹیاں لیں اور خود رکھنے لگیں، وہ اس سے بھی تو بات چیت نہیں کر رہی تھیں جب سے شادی کی تاریخ رکھی تھی۔

”ہاں میں ہی کرتا ہوں“۔ وہ انہیں گھورنے لگے۔

دو گھنٹے تک اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھی تھیں جب کہیں جا کر عتاب کا بخار اترتا تو سب اپنے اپنے روم میں جا کر لیٹے تھے۔ دوش کی پھر بھی آنکھ نہیں لگی تھی کیونکہ عتاب بار بار آنکھ کھول کے اسے دیکھ رہی تھی۔

”دش! سو جاؤ۔“

”آپ سو جائیے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ اس نے عتاب کا سرد بانا شروع کر دیا۔

”جہیں من پڑھنا بھی ہوگا، سو جاؤ میری طبیعت اب ٹھیک ہے۔“ اس نے دوش کا ہاتھ ہٹایا۔

دش اسی کے برابر میں ہی لیٹ گئی مگر بے آواز وہ رو رہی تھی، اسے سمیرا کے بات نہ کرنے کا بھی دکھ تھا اور دوسرا عتاب کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بھی دکھ تھا، مار تو دونوں طرف سے عتاب کو پڑ رہی تھی، محریب اس سے جو ناراض ہو گیا تھا اس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر ساری ان دونوں کی گفتگو سنی تھی جس دن محریب شام کو آیا تھا پھر اسی رات کو دوبارہ بھی آیا تھا وہ جانتی تھی عتاب کو یہ بھی دکھ تھا مگر اس کی بہن اس سے کچھ نہیں کہتی تھی۔

”دش! صبح یاد سے آنی کو فون کر دینا، وہ اسلام آباد سے آگئی ہیں۔“ عتاب کو شہینہ کا خیال آیا تو اسے یاد دلایا کیونکہ شہینہ کے آنے سے وہ کچھ اپنے دل کا بوجھ ہلکا ہی کر لیتی تھی۔

”جی کر دوں گی آپ سونے کی کوشش کریں۔“ اس نے ماتھے پر بازو ہٹائے بغیر ہی اسے کہا تاکہ عتاب اسے روتا ہوا نہ دیکھ لے۔

لڑکیوں کے لیے زندگی بھی کتنی عجیب ہوتی ہے، بس قربانیاں ہی دیتے رہو، کبھی کسی کی خوشی کی خاطر تو کبھی کسی کی خاطر۔ اس نے کبھی یہ خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی اتنی جلدی شادی بھی ہو جائے گی، اسے سوچ سوچ کے گھبراہٹ ہو رہی تھی، اسی گھبراہٹ اور ٹینشن کی وجہ سے اس کا کوئی بھی پیرا چھٹا نہیں ہوا تھا، اسے کتنا شوق تھا کہ وہ انگلش میں ایم اے کرے گی اور کسی بھی کالج میں پڑھائے گی، سارے خواب اس کے ادمورے رہ گئے اب صرف اسے گھر سنبھالنا تھا، شوہر اور شاید بعد میں بچے بھی۔

”میں بچے کیسے سنبھال سکتی ہوں، مجھے تو لیتا بھی نہیں آتا۔“ اب نئی فکر لاحق ہوئی۔

”نہیں اتنی جلدی تو قطعی نہیں۔“ ذہن اس کا جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔

”وہ مائز احمد بدتمیز انسان کتنی کھلی گفتگو کر رہا تھا بعد میں تو وہ اور ہی بے لگام ہوگا۔“ وہ گھبرا کے اٹھ گئی۔

”کیا ہوا اٹھ کیوں گئیں؟“ عتاب شاید سوچی نہیں تھی چونکہ کرا سے دیکھنے لگی تھی۔

”وہ مجھے نیند نہیں آ رہی ہے، میں ایسا کرتی ہوں تھوڑی دیر پڑھ لیتی ہوں نیند آئے گی تو سو جاؤں گی۔“ وہ بیڈ سے اتر گئی اور اپنی رائٹنگ ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی، پڑھتی وہ خاک دل تو اس کا دھڑکے جا رہا تھا، عجیب وحشت سوار ہو رہی تھی، کاش وہ کہیں چھپ سکتی، مگر وہ صرف سوچ کے رہ گئی، ساری رضا مندی جو ادھر کی خوشی کی وجہ سے دی پھر اسے سمیرا بیگم کا بھی پتہ تھا جانے اپنے غصہ میں اسے کسی ایسے دیے کے ہاتھ جھونک دیا تو پھر تو وہ بالکل ہی اکیلی رہ جائے گی، کم از کم وہاں سارے اپنے تو ہیں دل کو خود ہی پھر تسلی بھی دی۔

☆☆☆

”ایسے تم نے کون سے کام نمٹانے تھے جو تم پر سوں مجھے ڈانچ دے کے کھل گئے تھے اور تمہنی بھی تمہاری شکایت کر رہی تھی۔“ شام سالار نے اسے آج ناشتے پر گھیر لیا۔ حمود نے کچھ گڑبڑا کر سلاکس دانٹوں سے کاٹا کیونکہ وہ سنجیدہ اور درست سے لگ رہے تھے۔

”میں نے آپ کو بتایا تو تھا محریب کے بھائی کی شادی ہو رہی ہے اسی سلسلے میں محریب کے ساتھ گیا تھا۔“ وہ اطمینان سے فریش موڈ کے ساتھ انہیں بتانے لگا۔ کلثوم بانو دونوں کے آگے چائے سے بھرے کپ رکھنے لگی تھیں، رحمہ سات بجے اسکول کے لیے نکلتی تھی کیونکہ اس کی دین وقت سے پہلے آتی تھی اور باقی کے یہ تین افراد آٹھ بجے تک ہی ناشتہ ایک ساتھ کرتے تھے۔

”تمہنی کو تم کیوں اگور کرنے لگے ہو؟“

”بابا! آپ کو پتہ ہے میرا مزاج کتنا مختلف ہے، مجھ سے نہیں لے کر پھر جاتا اسے جگہ جگہ وہ آخر مجھے اپنی ملکیت کیوں سمجھتی ہے۔“

”یہ مت بھولے حمود سالار! وہ اس گھر کی بہو بننے جا رہی ہے۔“

”جب تک میں نہیں کہوں گا کیسے بنے گی۔“ وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

”نامعقول انسان میں باپ ہوں تمہارا، حواسوں میں رہ کر مجھ سے بات کیا کرو۔“ وہ اس کے لا ابالی پن پر اکثر اسی طرح اشتعال میں آ جاتے تھے اور حمود کو جیسے مطلق پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

”کول بابا کول! میں حواسوں میں ہی ہوں آپ سے ابھی وقت مانگتا ہے۔“ وہ کچھ ڈر سا گیا۔

”ہاں کچھ دن رک جائیں۔“ کلثوم بانو بھی ڈرتے ڈرتے گویا ہوئیں۔

”ہاں سر پر ہٹا لو اسے تم۔“ وہ چائے کا کپ اٹھا کر سب بھرنے لگے۔

”یار بابا! آپ بات کو تو سمجھئے۔“

”نامعلوم انسان! باپ کو یا ر بول رہا ہے۔“ وہ تو بیٹھے سے کھڑے ہو گئے۔

”اوہ..... سو رہی بابا! میری بات کو آپ سمجھئے جو آپ کہتے ہیں وہ ہوگا ضرور مگر کچھ دن رک کر۔“ اس نے تھوک نکلا پھر کلثوم بانو کی خشکیوں اور تنہی نگاہوں نے اسے مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

”کتنار کوں! نیاز مجھ سے روز روز بول رہا ہے کہ تمہنی کی رسم کر دیتے ہیں۔“

”کر دیتے گا! میں منع کب کر رہا ہوں مگر کچھ دن رک کر۔“ جلدی جلدی ناشتے سے وہ فارغ ہوا، غلٹ میں تو اکثر رہتا تھا جیسے اس کی کہیں ٹرین ہی تو چھوٹ رہی ہو۔

”آرام سے بیٹھو اور مجھے آج سیدھی طرح جواب دو کہ تمہنی سے اختلاف کیوں کر رہے ہو اچھی خوبصورت

”ہاں الزام لگا دیں کوٹھے پر جانے لگا ہے مئی صحبت میں بیٹھنے لگا ہے اور ڈرنک بھی کرنے لگا ہے۔“ مزید آگے سے لقمے اس نے دیئے تھے۔

”دفع ہو جاؤ یہاں سے پاگل کر دینے والی اولاد ہے۔“ وہ سر قدام کے جیسے بے زار ہو گئے ہوں۔

”اسی لیے تو آپ کو دارن کر رہا ہوں جیسا میں ہوں اگر مجھ جیسا دوسرا پیدا ہو گیا تو آپ کی تو ناک کٹ جائے گی۔“ وہ سرگوشی میں بولا۔

”ہاں اس عمر میں باپ کے اور بچے کر دئے گا۔“ وہ سلگ گئے، کلثوم بانو جھپ کر حمود کو گھورنے لگیں۔

”جی نہیں اپنی بات کر رہا ہوں اگر میری اولاد مجھ جیسی ہی پیدا ہو گئی تو سوچے کیا ہوگا لوگ آپ کو ہی کہیں گے بیٹے اور پوتے نے ناک کٹوا دی۔“

”اسے دفع کر دو یہاں سے ورنہ میں اپنی بندوق لے آؤں گا اور بھول جاؤں گا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔“ وہ جلدیلا رہے تھے۔ حمود اپنی ہنسی روک رہا تھا آج وہ انہیں پھر روکنے میں کامیاب ہو گیا تھا اس نے رخ سے مکا ہوا میں لہرایا۔

کلثوم نے سر ہلا کر اس کی بحث پر آنکھیں بند کی تھیں۔

”کہاں چلے میرا فیصلہ سن کے جاؤ۔“ ہشام سالار نے پھر اسے پکارا وہ ایڑیوں کے بل گھوما ٹریک سوٹ میں ملبوس ان کے سامنے وہ کھڑا تھا۔

”تم جتنی کو ایک بار اور سوچ سمجھ کے پرکھ لو اچھی لڑکی ہے تمہارے ساتھ سوٹ کرے گی اور خدا را یہ بھی سوچ لے گدھے نیاز نے اگر پارٹنر شپ توڑ دی تو کتنا نقصان ہوگا۔“ وہ اب اصل موقف پر آئے۔

”سوری مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا آپ پارٹنر شپ نہیں کریں مگر آپ نے مانی کب۔“ وہ انہیں ان کی غلطی کا احساس دلانے لگا۔

”کچھ بھی ہو شادی تمہیں پھر بھی جتنی سے کرنی ہے۔“

”ٹھیک ہے میری بھی ایک شرط ہے۔“ وہ موقع سے فائدہ اٹھانے لگا کیونکہ ایسے موقع پر ہی تو اپنا پتا پھینک کر بازی اپنے موافق کی جاسکتی تھی۔

”کیا شرط ہے؟“ لہجہ اپنا کچھ نرم بنایا۔

”میں جتنی سے بھی شادی کر لوں گا اگر آپ کو اعتراض نہیں ہو تو میں.....“ وہ کہتے ہوئے جھجک بھی رہا تھا اور ڈرنک بھی رہا تھا۔

”آگے بکھو کیا شرط ہے۔“ وہ اس کے رُکنے پر چڑھ ہی گئے۔

”رہنے دیں ابھی سے آپ کو خضوعاً نے لگا ہے۔“ وہ گھوما۔

”گھماؤ آدمی میں تیرا باپ، ہوں کوئی دوست نہیں جو مجھ سے فضول کے نخرے کر رہا ہے۔“

”یار بابا! آپ میرے دوست بھی ہو اس سے انکار نہیں کریں آپ۔“ وہ فوراً سعادت مند بن کے انہیں جذباتی بلیک میل کرنے لگا۔

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے بولو کیا شرط ہے۔“ وہ بولے۔

”میں ایک اپنی پسند سے شادی کروں گا۔“ جھٹ بولا۔

”کیا تیرے باپ نے بھی کبھی کی ہے پسند سے شادی جو ایک تو اپنی پسند سے کرے گا۔“ وہ تو من کے آگ بگولا ہی ہو گئے۔

پڑھی لکھی اور ماڈرن لڑکی ہے تم لڑکوں کی پسند بھی یہی ہوتی ہے۔“

”بالکل ایک زبان ہے سر اور بھوک۔“ وہ بڑبڑایا جو بہت واضح تھی ہشام سالار نے بغور سنا۔

”کون سی بھوک؟“

”وہ میرا مطلب ہے کہ بالکل ہو بہو آپ نے لڑکوں کی پسند کا وہی نقشہ کھینچا ہے مگر انسوس بابا! وہ میرے معیار پر نہیں اترتی ہے۔“

”تم گھاس تو نہیں چر گئے؟ میں نیاز سے رشتہ پکا کر چکا ہوں تم دونوں کی منگنی کی ڈیٹ کا دن سیٹ کرنا ہے اور لگتا ہے کہ مجھے ہی کوئی ڈیٹ رخصتی پڑے گی۔“

”ٹھیک ہے منگنی بھی آپ ہی کروالچے گا۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔ کلثوم بانو نے اپنا ہاتھ ہی پیٹ لیا کیونکہ وہ جب بھی بحث پراڑتا تھا یہ تک بھول جاتا تھا کہ کس سے بات کر رہا ہے۔

”دیکھ رہی ہیں آپ اپنے لاڈلے کو کیا بکواس کر رہا ہے۔“ وہ تو غضبناک اور درشت لہجے میں بولے۔

”حمود.....!“ وہ دبی دبی آواز میں چیخی تھیں۔

”سوری بابا! میں مجبور ہوں مجھے ایسی لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔“

”سوری کے بچے میں باپ ہوں تیرا میری لات ہوگی اور تیری بات ہوگی نیاز کے سامنے مجھے شرمندہ کر دئے گا۔“ وہ سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہے تھے۔ حمود انہیں یہ بتا کر اپنی شامت نہیں بلا سکتا تھا کہ اس نے تو شادی جیسا فریضہ انجام دے لیا ہے مگر اسے پہلے انہیں ٹھنڈا کرنا تھا، منی کا معاملہ بھی رفع دفع کروانا تھا۔

”آپ کہیں تو میں معذرت کر لیتا ہوں منی کو اور بہت سے اچھے لڑکے مل جائیں گے۔“ وہ مسلسل اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

”دامغ چل گیا ہے تمہارا تو میں نے یہ رشتہ طے کیا ہوا ہے اور اگر تم نے میرے فیصلے سے ٹکرانے کی کوشش کی تو میں حسل ٹھکانے لگا دوں گا۔“ وہ اسے وارننگ دینے لگے۔

”زیادہ سے زیادہ آپ کیا کریں گے مجھے عاق کر دیں گے مگر سے چلا کر دیں گے اس کے لیے میں بالکل تیار ہوں۔“ وہ اکڑ کے بولا۔

”میں ایسا بالکل نہیں کروں گا بلکہ تمہیں اس گھر کی چار دیواری میں قید کر دوں گا دیکھتا ہوں کیسے میرے فیصلے سے انکار کرتا ہے۔“

”واہ میرے بابا کی کیا لوجک ہے میں تو تیار تھا کہ آپ نکالیں گے خیر آپ کے ارادے تو مجھ سے بھی زیادہ الگ ہیں۔“ وہ استہزائیہ انداز میں شوخ لہجے میں بولا۔

”بکومت گدھے بھول جاتا ہے کس سے بات کر رہا ہے۔“ ہشام سالار نے اسے ڈپٹ کے کہا۔

”یاد رہتا ہے اپنے باپ سے بات کر رہا ہوں جو کافی بڑے بزمین مین ہیں پٹھان قبیلے سے تعلق ہے مگر سوچیں بڑی ماڈرن ہیں امی کیا بابا نے آپ کو بھگا کے شادی کی تھی۔“ وہ پھر مذاق اڑانے لگا۔

”لاحول ولا قوۃ! ایسی اولاد ہے شرم و غیرت سب اٹھا کر بیچ دی ہے۔“ ہشام سالار نے اس کے بازو پر دھڑکھڑو لگائے۔ کلثوم بانو اپنی ہنسی روک رہی تھیں کیونکہ حمود بحث کرتے ہوئے ایسے چٹکے چھوڑتا تھا کہ وہ ہنستی ہی رہتی تھیں۔

”میرا باپ رومی تک تو میں کیوں نہیں ہوں گا۔“ وہ شانِ تفاخر سے اپنے کالر اکڑا کے بولا۔

”دیکھی تم نے اس کی بے ہودگی پہ نہیں کہاں جانے لگا ہے۔“

”حمود! پاگل تو نہیں ہو گئے ہو“۔ کلثوم بانو تو ڈر ہی گئیں۔

”پلیز امی! آپ کچھ نہیں بولیں گی یہاں بات میری زندگی کی ہے اور پسند کی ہے اگر آپ اپنی پسند سے میری شادی کروا سکتے ہیں جبکہ تمہیں مجھے پسند بھی نہیں ہے اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی پارٹنرشپ نہیں ٹوٹے تو ایک شادی میں اپنی پسند سے کروں گا“۔ وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا اپنی بات پر اڑ گیا۔ ہشام سالار سوچ میں پڑ گئے اور وہ لب سیٹی کے انداز میں کیے ان کے تاثرات دیکھنے لگا۔

”نہیں نہیں بالکل نہیں، تمہیں بالکل برداشت نہیں کرے گی اور نیاز علی کو بھی یہ نہیں برداشت ہوگا“۔

”بابا! انہیں بتائے گا کون آپ یا میں بتائیں گے تو پتا چلے گا انہیں“۔ وہ ان کے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گیا اور خوش بھی ہو گیا کہ وہ اس کی باتوں میں آگئے تھے۔

”ارے حمود بیٹا! اتنی بڑی بات کسی سے چھپ سکتی ہے جو تو ایسے آسان سمجھ رہا ہے“۔ کلثوم بانو کو تو اس کی باتوں سے خوف ہی آنے لگا اور تمہیں جس جنونی لڑکی کو بھی جانتی تھیں وہ کتنی شدت پسند اور بدتمیز لڑکی تھی اگر اسے پتہ چل گیا تو وہ طوفان بھی مچا سکتی ہے۔

”ہم چھپائیں گے کیونکہ میں تمہیں کو اسی صورت خوش رکھ سکتا ہوں اگر میں نے اپنی پسند سے شادی نہیں کی تو تمہیں سے میری ایک دن بھی نہیں بنے گی سوچ لیں آپ“۔ وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑے ہوئے انہیں کن اکھیں دیکھنے لگا۔

”میری بھی پھر ایک شرط ہے“۔ ہشام سالار چہرے پر سختی لے کر گویا ہوئے۔

”میں آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں پہلے آپ بتائیے میری شرط منظور ہے“۔ وہ بولا۔

”ہوں“۔ انہوں نے اتنا کہا۔

”تم جس کسی بھی لڑکی سے شادی کرو گے وہ میری نگاہوں کے سامنے نہیں آنی چاہئے نہ اسے تم بھول کے یہاں لے کر آؤ گے“۔

”اوکے مجھے سب منظور ہے“۔ اس نے جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

”تمہاری پسند کی شادی میں میں بالکل شریک نہیں ہوں گا اور نہ تمہاری ماں“۔

”اوکے“۔ اطمینان سے گویا ہوا۔ کلثوم بانو نے اس کا اطمینان اور دیدہ دلیری حیرت و انبساط سے دیکھی، کتنی آسانی سے وہ اپنے باپ کو باتوں میں لے چکا تھا۔

”تمہاری ہونے والی اولاد کا میری جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہوگا“۔

”کم آن بابا! یہ بعد کی بات ہے“۔ وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

”اگر تمہیں سے شادی کے بعد تم نے ذرا بھی تمہیں کو انور کیا تو سوچ لینا کتنا بڑا کروں گا“۔ وہ سختی خیزی سے کہتے ہوئے اسے وارننگ دینے لگے۔

”آپ اطمینان رکھیے ایسی کوئی کہانی نہیں ہوگی“۔ وہ مسکرایا اور اپنے کپڑے جھاڑ کے اٹھا کتا ہکا پھلکا ہو گیا تھا وہ یہ معرکہ سر کر کے در نہ تو اسے لگ رہا تھا کہ بابا کو کبھی نہیں مناسکے گا۔

”کون لڑکی ہے وہ؟“ انہیں جاننے کا بھی تجسس ہوا اسے پھر مخاطب کیا وہ رُک گیا۔

”ہے معصوم سی سادہ سی جیسی مجھے چاہئے تھی“۔ وہ آنکھوں میں ملتھنی کی شبیہ لاکے مسکرا کے بولا اور پھر پرسوں سے وہ کتنا خوش بھی تھا کہ پہلی بار ملتھنی کے انداز سے لگا تھا کہ وہ اس کے لیے اہمیت رکھنے لگا ہے۔

”معصوم تھی جب ہی تمہیں بھانپ لیا“۔ وہ دانت پیسنے لگے۔

”خیر ایسی تو کوئی بات نہیں تو کھلی کی رہنے والی ہے“۔ اس نے بیک گراؤ ٹھٹھایا۔

”کوئی سے تعلق ہے کون ہے پھر؟“ وہ چونکے۔

”اتفاق دیکھئے بابا! آپ کے بیٹے کو اگر پسند آئی بھی تو وہ پشمان قبیلے کی ہی پسند آئی ہے“۔ وہ فخر سے بتائے لگا۔

”کہاں ملی تھی؟“ وہ پوری چھان بین کر رہے تھے۔

”جب میں سائیٹ کی فیکٹری دیکھنے گیا تھا واپسی میں ملی تھی بہت پریشان اور مجبور تھی“۔ اس نے آدھا جھج اور آدھا جھوٹ ملا کے تفصیل بتادی تاکہ انہیں یہ شک نہ رہے کہ وہ کسی غلط لڑکی کے چنگل میں پھنسا ہے۔ ہشام سالار نے بغور اس کی کہانی سنی تھی، کلثوم بھی خاموشی سے سن رہی تھیں کیونکہ اس نے تعریفیں بھی بہت کی تھیں انہیں ملنے کی بھی خواہش ہوئی، نام بھی اس نے فرضی بتایا تھا ورنہ کلثوم بانو ہو سکتا تھا کہ پہچان لیتیں اور وہ ملتھنی کو ابھی کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اسے آج سے پہلے خود سے اتنی گھبراہٹ نہیں ہوئی تھی جتنی اب ہونے لگی تھی اسے ڈر تھا کہ اس کے اندر کا چور اس کی آنکھوں سے عیاں نہ ہو جائے اور اگر قاتل کو ذرا بھی اندازہ ہو گیا تو وہ سر اٹھانے کی نہ رہے گی کیونکہ جتنی اپنے لیے اس کے لب و لہجے سے چہرے سے ناگواریت اور سخت دیکھتی تھی وہ اپنا آپ اس کے سامنے بامال نہیں کر سکتی تھی چاہے وہ اسے ملے ہی ناں مگر وہ اسے ساری زندگی اپنے دل میں چھپائے رہے گی اسے پہلی بار کسی مرد کی مضبوطی اور اعتماد اتنا تحفظ کن لگا تھا وہ اسے بھول نہیں پارہی تھی کیونکہ ہر بار وہ اسے بجانے کے لیے موجود ہوتا تھا اور وہ جواب میں ہمیشہ لڑتی تھی مگر اسے فائق کا رویہ بھی سمجھ نہیں آتا تھا اس کی گفتگو کبھی تو اتنی معنی خیز ہوتی کہ اسے خوش گمانی ہوتی مگر دوسرے ہی بل زمین پر وہ شیخ دیتا تھا اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتا تھا۔

”جو باتیں تم اتنی آسانی سے بے باکی سے کہہ دیتے ہو کاش وہ سچ میں ایک دن کہہ دو“۔ وہ سوچ رہی تھی اور جانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔

آج نہرت نے سب کو ہی یہاں جمع کیا ہوا تھا ایک رونق سی لگی ہوئی تھی، کچھ دن بعد مہندی کا فنکشن تھا جو جواد احمد نے اور ریحان احمد نے کہا سن ہی رکھ دیا تھا کیونکہ ایک ہی گھر کی تو شادی تھی۔

”سب کے لیے بن گئی چائے“۔ نہرت نے اسے کپوں کی تلاش میں سرگرداں دیکھا جو سارے کینٹ کھول کھول کے دیکھ رہی تھی۔

”جج..... جی..... ہو گئی“۔ وہ چونک کر ڈر سی گئی۔

”ارے تہذیب! تم ڈر گئیں“۔ نہرت نے خود ہی کینٹ سے کپ نکالے اور کاؤنٹر پر رکھے۔

”جی وہ میں گہری سوچ میں تھی تو ڈر گئی“۔ وہ جھینپ گئی۔

”ابھی رافع کی فرمائش آنے والی تھی وہ تو امی نے اسے ڈانٹ کے بٹھا دیا کہ یہ رات کے بارہ بجے پراٹھے کھانے کی کیا تنگ ہے جبکہ کھانا کھا چکا ہے“۔ وہ بھی اس کے ساتھ چائے نکالنے میں مدد کرنے لگی۔

”ارے تو کیوں منع کر دیا دیر ہی کتنی لگتی“ میں بنا دیتی ہوں“۔ وہ فوراً بولی۔

”بس رہنے دو تمہارا دماغ خراب کرتا رہے گا“۔

”کوئی بات نہیں آپ اسے بھیجے میں بنا دیتی ہوں“۔ فرح سے آٹا نکالنے لگی تو نہرت نے اسے

کی اور وہ اپنے سے متعلق کوئی بھی فسانہ بنوانا نہیں چاہتی تھی اور نہ اپنی عزت ان سب کی نظروں میں گرانا چاہتی تھی۔
 ”ارے یہ ماز! ایسے ہی مذاق کرتا ہے پتہ ہے فائق ایسی باتیں پسند نہیں کرتا پھر بھی اسے چڑھاتا رہتا ہے۔“
 اسے تہذیب کے حواس باختہ چہرے کی رنگت اڑتی ہوئی لگ رہی تھی۔

”میں فائق کو اچھی طرح جانتی ہوں کس مزاج کا ہے۔“
 ”وہ میں چلتی ہوں کافی دیر ہوگئی ہے حمزہ بھی چلا گیا ہے۔“ اسے سمجھ نہیں آیا تو وہ جانے کے لیے ہڈ تو لے لگی۔
 ”تم ماز کی باتوں سے گھبرا کے جا رہی ہو۔“
 ”نہیں ایسی بات نہیں ہے وہ صبح پھر آفس کے لیے اٹھنا ہوتا ہے۔“ وہ عذر پیش کرنے لگی۔
 ”کل سنڈے ہے تم کیا بھول گئی ہو اور آج ہم سب نے جاننے کا پروگرام بنایا ہے ارے کہیں ماریں گے مزا آئے گا۔“ ندرت نے اسے یاد دلایا۔

”اصل میں ندرت باجی! وہ منجھلی باجی بھی گھر میں ہیں وہ پورہ پورہ ہی ہوں گی۔“
 ”میں نے تو اسے بھی بلوایا تھا مگر عجیب لڑکی ہے آئی ہی نہیں۔“ وہ خفگی سے گویا ہوئی۔
 ”وہ کچھ تنہائی پسندی ہیں۔“ اس نے حمایت لی۔
 ”کچھ بھی کہو انسان کو اپنے خول سے بھی باہر نکلتا چاہئے جتنا تنہائی میں رہتا انسان افسردہ اور مایوس ہوتا ہے۔“ وہ اپنی گہری سوچ سے آگاہ کرنے لگی۔
 ”میں خود اتنا سمجھاتی ہوں۔“ وہ تاسف سے بولی۔

”اچھا جو بھی ہے تم آج ادھر ہی رکو گی، تائی امی نے مینہ آٹھی سے کہہ دیا ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے زبردستی ہال میں لے آئی جہاں سب اپنی اپنی باتوں میں لگے تھے بزرگ حضرات دادی جان کے کمرے میں تھے محریب بھی وہیں تھا۔ فائق نے گرین کپڑوں میں تہذیب کا گھبراہٹا ہوا چہرہ دیکھا جو صاف لگ رہا تھا کہ زبردستی لائی گئی ہے۔
 ”آپ! عروہ کو آپ نے کیا سلا دیا ہے؟“ فائق نے پوچھا۔
 ”عروہ ہاں سوگئی تھی امی کے کمرے میں ہے۔“ اس نے بتایا۔

”ندرت باجی! آپ نے پتہ کیا بھابھو کا بخار کم ہوا یا نہیں۔“ ماز کو یکدم ہی متوجہ کا خیال آیا۔
 ”ہاں تائی امی نے پوچھا تو تھا فون پر سوچ رہی ہوں میں کل دیکھ آئی ہوں۔“ وہ بولی۔ فائق گلاسز کے اندر سے تہذیب کو گاہے بگاہے دیکھے جا رہا تھا جو اب یمنی اور حکمت کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی دونوں سی ڈی پلیئر پر سوئچ سن رہی تھیں۔

”ارے مجھے ایک ضروری بات یاد آئی میں ذرا دادی جان کے کمرے میں جا رہی ہوں۔“ ندرت کو یاد آیا۔
 ”کیا ضروری بات ہے ہمیں بھی بتائیے۔“ ماز کو زیادہ ہر بات جاننے کا بھس ہوتا تھا۔
 ”ابھی تم لوگوں کے بتانے کی نہیں ہے۔“ وہ معنی خیزی سے مسکرائی۔
 ”ایسی کون سی بات ہے جو آپ ہمیں نہیں بتا سکتی ہیں۔“ وہ تو آڑ گیا۔

”ہے ایک ضروری بات۔“ وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی چلی گئی۔ اب وہاں وہ لوگ ہی بچے تھے تہذیب گھر جانے کے لیے ہڈ تو ل رہی تھی کیونکہ فائق کے سامنے گھبراہٹ ہو رہی تھی جو مسلسل تنقیدی لگ رہا تھا اور وہ ایک دم ہی کھڑی ہوگئی تڑکی نہیں یمنی نے پکارا بھی مگر وہ تیزی سے کل گئی اب حکمت کو بھی اٹھنا پڑا کیونکہ تہذیب جو چلی گئی تھی۔

☆☆☆

پھر ڈانٹ دیا۔
 ”چھوڑو آؤ وہاں آ کر بیٹھو۔“ وہ اسے ساتھ ہی لے کر گئی۔ تہذیب اس لمحے فائق کی طنزیہ اور گھورتی نگاہوں سے بچنا چاہتی تھی جو آج تو اس پر جیسے ٹکا کر بیٹھا تھا۔

”چلو تہذیب! سب کو چائے کے کپ تھماؤ۔“ ندرت ماز کے ساتھ والے فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ حکمت اور یمنی تو گانے سننے میں لگی ہوئی تھیں البتہ منجھلی نہیں آئی تھی مینہ کچھ دیر بیٹھ کے چلی گئی تھیں ان تینوں بہن بھائی کو ماز نے ہی زبردستی روکا تھا۔

”حمزہ! یہ چائے کا کپ انہیں دو۔“ اس نے فائق کا نام لینے سے گریز کیا اور اشارہ کر دیا۔
 ”تہذیب! تم فائق سے کیا ڈرتی ہو۔“ ماز تو اب ان دونوں پر اپنا فوکس فٹ کیے بیٹھا تھا کہ کب دونوں رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں اور وہ فائق کی بات بھی سیٹ کر دے۔
 ”میرا بھائی کیا بھوت ہے جو تہذیب ڈرتی ہے۔“ ندرت ممان کے بولی۔

”یہ تو کوئی مجھ سے پوچھے بھوت سے کم ہیں۔“ تہذیب سوچ کے ہی رہ گئی۔ حمزہ نے چائے کا کپ اسے تھمایا اور خود پھر فائق کے ساتھ ہی بیٹھ گیا فائق اس سے باتیں کرنے لگا تو تہذیب کو کچھ سکون ہوا کیونکہ اس کی تنقیدی نگاہیں تہذیب کو نروس جو کر رہی تھیں۔

”لگتا تو یہی ہے بے چاری کی رنگت تک اڑنے لگتی ہے۔“ ماز کو مزا آیا فائق کا موضوع گفتگو بننا اور اسے تو موقع ہی چاہئے تھا۔

”فضول کی مت ہانکا کرو۔“ فائق جھینپ گیا۔ جبکہ تہذیب بھی غلجی ندرت کے برابر میں بیٹھ گئی مگر فائق وہاں بھی اسے واضح نظر آ رہا تھا اور وہ کچھ نروس سی بھی ہو رہی تھی رافع الگ اپنے بھائی اور تہذیب کو جا چٹتی لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”پوچھ لو تہذیب سے بے چاری تمہیں دیکھ کر کاٹنے لگتی ہے۔“ اسی وقت فائق نے کارز ٹیبل پر رکھا چھوٹا سا لوہو پیراٹھا کر نشانہ بنا کر پھینکا جو سپدھا تہذیب کی ناک کی خبر لے گیا اور وہ ہڑبڑا گئی ماز کا قہقہہ پڑا رافع کی بھی ہنسی چھوٹ گئی ندرت دھیمی دھیمی ہنسنے لگی جبکہ تہذیب پیر کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی۔

”تم بھی چالاک ہو کہہ نہیں سکے مگر تاک کے تیر تہذیب کو خوب مارا ہے۔“ وہ چھیڑنے سے باز پھر بھی نہیں آیا معنی خیز اس کی نگاہیں تھیں۔ تہذیب کے الگ پسینے چھوٹ گئے فائق نے پیر پر جو نگاہ ڈالی تو خود کو ہی ملامت کرنے لگا کیونکہ ماز کو تو ویسے بھی فسانہ بنانے میں مہارت حاصل تھی۔

”فضول کی بکو اس میرے ساتھ مت کیا کرو۔“ وہ ویسے بھی خود کو موضوع گفتگو بنانا پسند نہیں کرتا تھا۔
 ”پھر اکیلے میں کیا کروں؟“ وہ ہنسا۔ تہذیب تو اٹھ کر ہی وہاں سے چلی گئی کیونکہ فائق کا غصہ ہی اتنا تھا کہ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ گھور گھور کر اسے سالم لگ لے گا۔

”بہت ہی خبیث ہوتم بے چاری کو بھگا دیا۔“ ندرت ماز کو سناتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ وہ تو شکر تھا کہ حمزہ کچھ دیر پہلے ہی اٹھ کر باہر نکلا تھا کیونکہ اسے مینہ نے بلایا تھا۔

”ارے تہذیب! تم تو گھبرا کے چلی آئیں۔“ ندرت مسکرا رہی تھی اور وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی جہاں وشکی مری کا سارا سامان اور کپڑے پھیلے تھے۔

”جی وہ نہیں تو.....“ اسے شرمندگی بھی ہونے لگی نگاہ اس کے سامنے اٹھ ہی نہیں رہی تھی جانے وہ کیا سوچ رہی ہوں

آج وہ فجر کی اذانوں کے ساتھ ہی اٹھی تھی نماز پڑھ کے وہ محن میں تخت پر آ کر بیٹھ گئی تھی ذہن اس کا آج بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ گھر سے نکلے ہوئے اسے دو ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا اور اس نے کوئی جا کے خبر نہ لی تھی کہ اماں کا کیا حال ہے۔ حمود سالار سے ٹکراتا اسے نکاح کے لیے مجبور کرتا، کتنا مختلف ہے یہ شخص جس نے ہمیشہ کے لیے اس کی ذمہ داری اٹھانے کا سوچ لیا تھا مگر وہ اسے اپنی وجہ سے کسی مشکل میں بھی نہیں ڈالنا چاہ رہی تھی۔

حمود کی محبت اور پیار سے لبریز بیٹھی نکلیں وہ جب بھی اسے دیکھتا تھا خود پر یقین نہیں آتا تھا کہ وہ کسی کے لیے اتنی اہمیت رکھتی ہے وہ بھی کسی کو پیاری لگتی ہے وہ بھی محبت کے لیے کوئی اس کے لیے سب کچھ برداشت کرنے کو تیار تھا اس کی ہر بات میں پریم تھا ہر بات اتنی پیاری ہوتی تھی کہ وہ بہرہوں منگ سی رہ جاتی تھی۔

”حمود سالار! نہیں کرو مجھ سے اتنی محبت تم در نہ چھتاؤ گے میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتی میں تمہیں تمہارے گھر والوں سے ٹکراتے نہیں دوں گی۔“ اس نے سوچتے ہوئے آسمان پر ہلکی ہلکی ہوتی روشنی کو دیکھا۔ ایسی روشنی حمود نے بھی اس کے اندر کر دی تھی کتنی خود سے بے زار ہو گئی تھی اور صرف ایک شخص نے اس کی ذات کو ایسا سمیٹا اسے یہ بتایا کہ وہ کوئی بیکار اور فالتو چیز نہیں ہے بلکہ ایک جیتی جاگتی دل رکھنے والی انسان ہے وہ کسی کے دل میں بسنے لگی ہے۔ پل پل محبت کا اظہار کرتی آ نکھیں الفاظ کی معنی خیزیاں اور وہ وارفتگی والہانہ پن سب اسی کے لیے ہوتا تھا وہ جب بھی اس سے بات کرتا یا دیکھتا تھا ایسا لگتا تھا کہ وہ اطراف سے بالکل بیگانہ ہو گیا ہے اور وہ اس کے سامنے چھوٹی موٹی سی بنی اپنے دھڑکتے دل کو سنبھال کر اعتماد بننے کی کوشش کرتی تھی ایسی گھبراہٹ اور گھبراہٹ کی باتیں کرتی تھی کہ وہ بالکل نہیں سمجھتا بلکہ مسکرا کے اسے بس اتنا کہتا تھا۔

”خلیل جبران کی رشتے دار ہوں تو۔“ لب اس کے مسکرانے لگے۔ کتنا وہ اس کا خیال رکھتا تھا فون پر خبر لیتا رہتا تھا اسے پتہ بھی نہیں چلتا تھا اور وہ بیلکس اس کے موبائل میں لوڈ کر داتا رہتا تھا۔ ایک اچھا پیار کرنے والا شوہر بننے کی وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر وہ اس کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کرتی تھی صرف اس لیے کہ وہ خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ کتنی جدوجہد میں لگا ہوا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر لے آئے گا رحمہ کا اس کے قریب کرنا اور پھر خود بھی روز آنا یہ سب اس کی محبت اور پسندیدگی ہی تو واضح کر رہا تھا اور اب اس نے مائز کی شادی پر پہننے کے لیے دنیا جہان کی چیزیں دلائی تھیں بے دریغ اس نے پیسہ خرچ کیا تھا ایک سے ایک قیمتی چیزیں میک اپ، جیولری، کپڑے جوتے سب کچھ ہی دلا یا تھا وہ جتنا بھی خود پر نازاں ہوتی کم تھا مگر اس کے دل کو اطمینان ہی نہیں تھا اور نہ بے فکری تھی کیونکہ اس نے جب سے حمود کو دیکھا تھا ملی تھی اس دن سے خود کو اور ہی روک لیا تھا۔

”حمود جیسی لڑکیوں کا نصیب ہوا کرتے ہیں ایسے مرد مجھ جیسی غریب اور معمولی شکل و صورت والی لڑکی کا نہیں۔“ وہ اٹھ کر محن میں چہل قدمی کرنے لگی مبینہ بھی فجر کی نماز پڑھ کے کچن میں چلی گئی تھیں۔ آج سنڈے تھا سب ہی دیر سے اٹھتے تھے مگر وہ اور مبینہ کا فجر کے وقت ہی روزاٹھنے کا معمول تھا۔

”رات تہذیب اور حکمت دیر سے آئی تھیں۔“ اس نے مبینہ سے پوچھا وہ ناشتہ اس کے لیے اور اپنے لیے نکال کے لاؤنج میں لے آئی تھیں دونوں ساتھ ہی ناشتہ بھی کرتی تھیں۔

”ہاں ایک بچہ گیا تھا حمزہ تو پہلے ہی آ گیا تھا۔“

”تم بھی چلی جاتیں۔“ قدرے توقف کے بعد اس سے پھر کہا۔

”مجھے اچھا نہیں لگتا ہے خالہ جان! وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

”بیٹا! اس طرح اگر تم لوگوں سے بچتی اور چھٹی رہیں تو تم بالکل ہی لوگوں سے ڈرنے لگو گی۔“ وہ سمجھانے لگیں۔

رداؤ انجسٹ 110 جون 2010ء

”مل کے کیا کروں گی! ایک دن مجھے یہاں سے چلے ہی جانا ہے۔“ افسردگی اور حسرت سے گویا ہوئی۔

”وہ تو جانا ہے مگر رخصت ہو کے حمود کے گھر۔“

”خالہ جان! پتہ نہیں میں نے ٹھیک بھی کیا ہے یا نہیں اور پھر میں اپنی حقیقت جانتی ہوں میں کس قابل ہوں کیسے ان کے گھر والے مجھے قبول کریں گے۔“ اسے یہی فکر اور احساس تو مارے ڈال رہا تھا۔

”کیوں قبول نہیں کریں گے تمہارے ساتھ وہ لڑکا مجھے سلجھا ہوا لگا ہے وہ سمجھتا ہے کہ کیا کرنا ہے۔“ انہوں نے اسے تسلی دی۔ جو ماہیوں اور محرومیوں میں ڈوبی رہتی تھی۔

”ان کے سلجھے ہونے سے کیا ہو گا! ان کے والدین تو مجھے قبول نہیں کریں گے اور پھر میں انہیں اپنی وجہ سے کسی مشکل میں بھی نہیں ڈالنا چاہتی ہوں۔“ وہ ناشتے کے بعد ٹرے اٹھا کے کچن میں لے گئی برتن وغیرہ دھو کے وہ باہر آ گئی تھی مبینہ محن میں ہی تخت پر بیٹھ گئیں وہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی، صبح کی سپیدی پورے میں پھیل چکی تھی۔

”حمود جب خود کہہ رہا ہے کہ میں ہوں تو ساری مشکلات کا سامنا کرنے کو تم کیوں گھبراتی ہو اور پھر اس کا ساتھ تمہارے لیے سب سے ضروری ہے۔“

”ان کا ساتھ ہونے سے کیا فائدہ جس دن بھی ان کے والدین کو پتہ چل گیا ایک قیامت آئے گی اور پھر آپ کیا حمود سے نہیں ملی ہیں کتنا وہ ان کے معاملے میں لگی ہے۔“ اسے یہ بھی تو دکھ تھا کہ کوئی لڑکی حمود پر اتنا مروتی ہے اور وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی حمود کے لیے کچھ نہیں اور حمود کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہے۔

”حمود جیسی لڑکیاں کبھی بھی حمود جیسے لڑکے کے ساتھ رہ نہیں سکتیں کیونکہ حمود سادہ مزاج کا لڑکا ہے اور وہ اتنی ماڈرن سی اتنا بڑھ بڑھ کے بولنے والی لڑکی ہے آف تو بہ۔“ انہوں نے اپنا سر ہلایا۔

”حمود کو ان کے والدین نے ہی تو پسند کیا ہے اور پھر جب ان کے والدین راضی ہیں تو وہ بھی کچھ نہیں بول سکتے ہیں۔“ وہ بولی۔

”کچھ بھی ہو مجھے پورا یقین ہے اور اللہ پر بھی یقین ہے وہ تمہیں تمہاری منزل پر ضرور پہنچائے گا کیونکہ تمہاری شادی جس انداز میں ہوئی ہے یہ بھی اوپر والے کی مرضی اور حکم سے ہوئی ہے تمہارا جو حمود سے ہی اللہ تعالیٰ نے جوڑا ہے۔“ انہوں نے اس کے ہاتھ دیا کے دعا کے ساتھ تسلی بھی دی۔ منتہی نے دل سے آمین کہا کیونکہ وہ تو خود اس انسان کو انجانے میں پسند کرنے لگی تھی جس نے اس کا کتنا ساتھ دیا اور آج ساری ذمہ داری بھی اٹھا رہا تھا اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھ رہا تھا۔

”ہو گئی صبح تمہاری۔“ جب تک وہ تینوں اٹھے منتہی نے سب کا ناشتہ تیار کر لیا تھا وہ یہاں آ کر ایسے رچ بس گئی تھی کہ جیسے اسی گھر میں برسوں سے رہ رہی ہو۔

”اٹھا ہی نہیں جا رہا تھا بہت تھکن ہو رہی ہے مجھے ابھی بھی۔“ تہذیب اپنا ناشتہ لے کے کمرے میں آ گئی، منتہی سلائی مشین کھول کے بیٹھ گئی تھی کیونکہ حمود کے دلوائے ہوئے کپڑے بھی سینے تھے جو اسے مائز کی شادی میں پہننے تھے۔

”منتہی باجی! آپ کو شاپنگ حمود بھائی نے زبردست کروائی ہے کیا خوبصورت چیزیں ہیں بالکل آپ کی طرح۔“ اس نے سی گرین جھللاتے کپڑوں پر نگاہ ڈالی جسے منتہی نے سلائی کے لیے نکالا تھا۔

”بس اتنا جھوٹ مت بولا کرو۔“ وہ جھینپ گئی۔

”میں صبح کہہ رہی ہوں آپ اتنی خوبصورت ہیں کہ ہاتھ لگاؤ تو میلی ہوں لگتا ہے بچپن میں آپ نے آخرت بادام بہت کھائے ہیں۔“ وہ چھیڑنے لگی۔

رداؤ انجسٹ 111 جون 2010ء

”مجھے بہت شوق ہے جانے کا۔“
”تمہاری ہوگی سننا تم اپنے میاں سے محبت بھرے جملے۔“ اس نے بات کو ہی ٹال دیا۔ تہذیب نے جھینپ کے لب بھنج لیے کیونکہ قاتق جو ذہن میں آ گیا تھا۔

☆☆☆

اس کی کچھ طبیعت بہتر ہوئی تو وہ اٹھ کر بیٹھی تھی، ندرت، یعنی اسے دیکھنے آئی ہوئی تھیں، سمیرا بیگم کا حسب معمول نخوت زدہ انداز اور چہرہ تھا، مارے باندھے ہی ان دونوں کے سلام کا جواب بھی دیا تھا، شمیمہ بھی آئی ہوئی تھیں اپنی بیٹی سمیت، گھر میں رونق سی لگ گئی تھی۔
”اب تو بستر چھوڑ دو، بہن کی شادی قریب ہے۔“ ندرت نے اس کے زرد اور بے تاثر چہرے کو دیکھا جو چپ چاپ سی بھی ہو گئی تھی۔
”اب تو عنائہ باجی بالکل ٹھیک ہیں۔“ نشاء نے چپک کے کہا۔
”عنائہ! تائی امی نے تمہارے کپڑے بھیجے ہیں، تم نے مہندی سے لے کر ولیمہ تک میں سارے وہی کپڑے جیواری اور سینڈلز پہننے ہیں۔“

”ندرت باجی! میں نے تو سب کچھ اپنا بتا لیا ہے۔“ عنائہ جھٹ بولی۔
”ہم کیا کریں تائی جی چاہتی ہیں کہ ان کی بڑی بہو بالکل اسی طرح بڑی بن کے شرکت کرے، ادھر سے بھی ادھر سے بھی۔“ اس نے معنی خیزی اور شرارت سے کہا، عنائہ نے جھینپ کے سر جھکا لیا۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ جس سے رشتہ جڑا ہوا ہے وہی لائق اور سرد مہر بن رہا ہے اس کا کیسے دل چاہے گا کہ وہ ادھر سے بھی بڑی بن کے شرکت کرے، اس نے وہ مان اور غرور ہی اس کا چکنا چور کر دیا ہے۔
”ماں تو یہاں آنے کو بھل رہا تھا وہ تو تائی ابو نے اور محریب نے ڈانٹ کے بٹھا دیا ورنہ تو یہاں ہوتا روز۔“ ندرت بتانے لگی۔

”ماں بھائی کو آپ کی اتنی فکر ہے کہ کیا بتاؤں۔“ یعنی نے بھی بتایا۔ عنائہ سر جھکائے سن رہی تھی، جب دل ہی خوش نہیں ہو تو کوئی بات خوشی نہیں بخشتی ہے، جب دل کا کمین روٹھا ہوا ہونا راض ہوئے کلی کیوں بڑھ جاتی ہے، وہ چاہے اس سے بات نہیں کرے مگر اس کی بے رنجی زیادہ مارتی ہے۔ عنائہ نے انہیں رات کے کھانے پر زبردستی روک لیا تھا پھر جواد احمد بھی آگئے تو جانے نہیں دیا، شمیمہ اور نشاء تو پہلے کی آئی ہوئی تھیں۔
”عنائہ باجی! محریب بھائی بھی آئے ہیں۔“ وہ کھانا لگوا رہی تھی کہ نشاء نے اس کے کان میں آ کر خبر دی۔
”وہ آئے ہیں تو تم اتنا خوش کیوں ہو رہی ہو؟“ ڈانٹنگ ٹینل پر ساری چیزیں وہ رکھ چکی تھی، دشت بھی ساتھ لگی ہوئی تھی۔

”میں نے تو دیکھا ہی انہیں قریب سے آج پہلی بار ہے۔“ عنائہ نے اس کے ہاتھ میں سلا کی ٹرے تھمائی کہ وہ ٹینل پر رکھ دے۔
”ایک بات بتاؤں، یہ تو بہت ہی سینڈسم ہیں بالکل آپ کی ہی طرح ہیں۔“ وہ محریب کو دیکھنے کے بعد زیادہ ہی خوش ہو رہی تھی۔

”اچھا تم اندر جا کر سب کو بلاؤ کہ کھانا لگ گیا ہے۔“ وہ خود پھر پکن میں گھس گئی، شمیمہ نے ہی پلاؤ چکن کڑا ہی بنائی تھی، عنائہ کو انہوں نے کچھ کرنے ہی نہیں دیا، پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں تھی مگر عنائہ سے زیادہ آرام بھی نہیں کیا

”اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔“ وہ مشین میں دھاگا لگانے لگی۔
”ویسے میں نے جتنے بھی پٹھان دیکھے ہیں ان کی پٹیاں خوبصورت ہوتی ہیں اب آپ رحمہ کو ہی دیکھ لیں، اس کے رخسار ایسے لال ٹھاڑ لگتے ہیں کہ بس۔“ وہ سراہنے لگی تھی۔
”مگر وہ چٹنی بالکل بھی ان کے خاندان میں مچ نہیں کرتی ہے۔“ وہ بیڈ پر بیٹھی ناشتہ بھی کر رہی تھی اور باتیں بھی کیے جا رہی تھی۔ حکمت صفائی کرنے لگی تھی، حمزہ کو مینہ نے دوپہر کے پکانے کے لیے بھری وغیرہ لینے مارکیٹ بھیجا ہوا تھا۔
”نئی بات ہے کسی کی برائیاں نہیں کرتے ہیں۔“
”ایک تو مجھے آپ کی سمجھ نہیں آتی، ذرا آپ چٹنی کو دیکھ کر جلیس نہیں ہوتیں اگر ہوتی تیں آپ کی جگہ اپنے میاں کے لڑکے ان کا پیچھا چھڑا لیتی۔“ وہ غصے میں بولی۔ منتہی نے حرا لگی کے ساتھ مسکرا کے اسے بھڑکتے ہوئے دیکھا۔
”ارے اس میں جلیس ہونے کی کیا بات ہے، وہ ان کی منگیت پہلے سے ہے، میں بعد میں آئی ہوں اور بعد میں آئی ہوئی چیزوں کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی جتنی پہلے سے موجود چیزوں کی ہوتی ہے۔“ یہاں بھی وہ اپنا فلسفہ جھاڑ گئی۔
”ٹھیک کہتے ہیں آپ کو محمود بھائی خلیل جبران کی رشتے دار پتہ نہیں کیا کیا بول دیتی ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا ہے۔“ وہ کھسا کر بے زاری سے گویا ہوئی۔

”اچھا چلو ناشتہ کر چکی ہو، ذرا جا کر تم آٹا گوندھ کے رکھو میں روٹیاں بنا لوں گی۔“ وہ بولی۔
”پہلے آپ مجھے اپنی ساری چیزیں دکھائیے جو آپ کو شاپنگ کروائی ہے۔“ اس نے اب تک ساری اس کی چیزیں نہیں دیکھی تھیں کیونکہ آفس سے آ کے وہ ایسی لیٹتی تھی کہ عشاء کے وقت ہی اٹھتی تھی، پھر صبح جلدی نکل جاتی تھی اس لیے دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا، رات بھی محریب کی طرف چلی گئی تھی اس لیے دیکھنے سے رہ گئی تھی۔
”وہ الماری کے ساتھ بیک پڑے ہیں نکال کر دیکھ لو۔“ وہ اشارے سے بتانے لگی۔ تہذیب نے بیڈ کی رائٹ سائیڈ پر زمین پر رکھے بیک اٹھائے اور اس کے پاس ہی میچے لاکر بیٹھ گئی، ایک ایک چیز نکال کر دیکھنے لگی۔
”واؤ! منتہی باجی! کیا زبردست پسند ہے محمود بھائی کی، گھر بھی اچھے ہیں اور یہ سینڈل کتنی خوبصورت ہے۔“ اس نے ہائی ہیل کی گولڈنگوں کی سینڈل کو خود بھی پیر میں ڈال کے دیکھا۔

”مجھ سے تو یہ بہن کے چلا بھی نہیں جائے گا۔“ منتہی نے سینڈل پر نگاہ ڈالی۔
”آپ چھوٹی ہیل کے لیے لیتیں۔“ وہ بولی۔
”کیسے لیتی، خود ہی اپنی ہر بات میں چلا رہے تھے تہذیب اگر میں گر گئی تو کیا ہوگا۔“ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔
”آس پاس محمود بھائی ہوں گے سنبھالنے پہنچ جائیں گے آپ فکر مند نہ ہوں اور آرام سے گرے گا۔“
”بد تمیز لڑکی یہاں میری جان لگی جا رہی ہے تمہیں مزے سو جھڑپے ہیں۔“ اس نے تہذیب کے آنکھ مارا۔
”ارے تو آپ اتنا فکر مند کیوں ہوتی ہیں، گھر میں بہن کے پریکٹس کریں، شادی میں ابھی ہفتہ دس دن ہیں۔“ وہ اطمینان سے بولی۔

”اچھی مصیبت مجھے دلا کر چلے گئے ہیں۔“ وہ بڑبڑائی۔
”منتہی باجی! ایک بات پوچھوں۔“ وہ ساری چیزیں دیکھنے کے بعد واپس بیک میں رکھنے لگی۔
”ہوں۔۔۔۔۔“ مشین کو وہ سیٹ کر چکی تھی۔
”محمود بھائی آپ سے محبت بھرے جملے بولتے ہیں؟“ اس نے شرارت سے پوچھا۔
”بہت ہی بد تمیز ہو رہی ہو۔“ وہ جھینپ گئی۔

جاتا تھا وہ خود کو کام میں مصروف رکھتی تھی۔ سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے تھے سیرا بھی مارے باندھے آگئی تھیں۔ عنائہ کا اور محریب کا ایک بار بھی آنا سامنا نہیں ہوا تھا مگر پھر جواد احمد نے اسے پکارا تو کچن سے لکھنا پڑا۔

”بیٹا! آپ کے ہاتھ کی چائے پینے کا دل کر رہا ہے۔“ وہ گویا ہوئے محریب نے بھولے سے بھی نگاہ نہیں ڈالی تھی وہ سر جھکائے کھانے میں مصروف رہا تھا۔ چائے وہ بنا رہی تھی دشبہ کپ وغیرہ ترتیب دینے لگی پھر چائے تیار کر کے اس نے دشبہ کو ہی بھیجا کیونکہ وہ محریب کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

”محترمہ میں بھی کچھ اڑ رہی ہوں۔“ محریب چائے کے سب لیتے ہوئے سوچنے لگا، وہ تو ندرت اور یمنی کو لینے آیا تھا دل میں بھی یہ خواہش ابھری کہ اسے ایک نظر دیکھ ہی آئے جو بیمار ہے۔

”محریب! عنائہ کی طبیعت تو پوچھ لو جا کر۔“ ندرت نے چلتے وقت سرگوشی میں ہی کہا۔

”چپ کر کے چلو۔“ اس نے ندرت کو گھور کے ڈانٹ دیا، وہ لب بھینچ کے رہ گئی کیونکہ اس سے بھی بڑا تھا تو کچھ اپنا رعب بھی رکھا ہوا تھا، گیٹ تک وہ ضرور آئی تھی۔ محریب نے کن آنکھوں سے دیکھا کافی کمزور اور چپ چپ سی لگ رہی تھی مگر وہ ندرت اور یمنی سے باتوں میں لگی رہی تھی۔ محریب کو اس کی یہی بے گامگی اور بے تاثر چہرہ اور غصہ دلاتا تھا مگر خود پر پھر وہ کٹر دل کر کے رہ جاتا تھا پورے راستے وہ عجیب جھنجھلاہٹ کا شکار رہا تھا، وہ چاہ کر بھی اس سے بات نہیں کر سکا تھا مگر دل کہہ رہا تھا کہ کچھ بھی ہے وہ تمہارے لیے بہت کچھ ہے تم یوں انور نہیں کر سکتے ہو۔

☆☆☆

”آج نیاز کے ساتھ میری کہیں میٹنگ ہے تم آفس میں ہی رہنا۔“ ہشام سالار نے اسے جاتے ہوئے یاد دلایا۔

”مجھے یاد ہے مگر پلیز نیاز انکل سے کہہ دیجیے گا حمنی آفس میں مجھے ڈسٹرب کرنے بالکل نہیں آئے۔“ وہ ایڈیو کے بل گھوما اور ان سے تیز لہجے میں مخاطب ہوا۔

”یہ مت بھولا کرو تمہیں اس سے شادی کرنی ہے۔“ وہ اسے گھورنے لگے، حمود نے دانت پیسے کیونکہ حمنی کا نام تک اسے سننا گوارا نہیں ہوتا تھا اور کبھی شادی۔

”اور سوچ لو اگر تم نے فضول کی کوئی بکواس کی تو میں پھر تمہاری کوئی شرط نہیں مانوں گا“ سمجھے۔ انہوں نے فوراً اسے شرط یاد دلائی۔ حمود نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر دھڑ سے دوڑ بند کیا، ہشام سالار بھی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے تھے آفس دونوں ساتھ ہی جاتے تھے۔

”پلیز بابا! آپ صبح اس کا نام لے کر میرا موڈ خراب نہیں کیا کریں۔“ اس نے گاڑی جیسے ہی اشارت کی چوکیدار اپنی گیٹ کھول چکا تھا۔

”میں موڈ خراب کر رہا ہوں یا تمہیں یاد دل رہا ہوں۔“ انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔ حمود نے اپنے سیدھے ہاتھ کو بند کیا اور پشت سے اپنے ہونٹوں پر لگا لیا، حمنی رواں کی بھگ رہی تھی سامنے دیکھ کر وہ گاڑی چلا رہا تھا حمنی کے بارے میں تو وہ بھول کے بھی سوچنے کی غلطی نہیں کرتا تھا ہر وقت اسے منتہی کا خیال ہی دل و دماغ میں رہتا تھا جو مکمل طور پر اس کے دل کے ایوانوں کو گھومتی ہوئی اندر آ چکی تھی۔ جسے محبت و پیار جیسے جذبے کا پتہ ہی نہیں تھا اب یوں اچانک کسی کا زندگی میں شامل ہو جانا اسے سوچنے، اس کی ہر ادا اور ہر بات میں کھوجانا، یہ سب اسے محبت و پیار کے مفہوم ہی تو سمجھا گئی تھی وہ کب سمجھ رہا تھا اپنے اس جذبے کو منتہی کا گریز بے زنجیر یہ سب اسے اور قریب کرنی جا رہی تھی آفس میں بھی سارا دن اتنا ڈسٹرب رہا کہ اس پر مزید جلتی پرتیل کا کام کرتی حمنی آگئی اور وہ کوفت میں جھلا اس کی بے باکیاں برداشت کرتا رہا۔

”حمود! تم مجھ سے کبھی سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے ہو۔“ وہ روٹھ کے خفگی دکھانے لگی۔ حمود کے ہاتھ میں موبائل تھا، وہ منتہی سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر حمنی یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

”خیر ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے خود کو نارل کیا اور حمنی پر نگاہ ڈالی جو اسٹاکس سے ٹراؤزر پر اسٹاکس ہی موبیلوں سے بنی کام کی شرٹ میں ملبوس اپنے لیٹر اسٹیپ کنگ بالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بار بار پیچھے کیے جا رہی تھی اتنے ماڈرن انداز میں وہ رہتی تھی کہ حمود کو گراں گزرتا تھا جبکہ وہ خود شوخ اور اسٹاکس رو میٹنگ تھا مگر اسے لڑکیوں کا یہ انداز بہت ناگوار گزرتا تھا۔

”تم تو شادی کے بعد بھی مجھے لگتا ہے ٹائم نہیں دو گے۔“ وہ پھر قدرے توقف کے بعد منہ بسور کے گویا ہوئی۔

”شادی کے بعد تو خیر تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا اور گلاس وٹڈ کے پردے ایک ڈوری کھینچ کے کھسکائے اور نیچے دوڑتی بھاگتی زندگی پر نگاہ ڈالی، ٹریفک کا ایک اٹو دھام رواں دواں تھا۔

”حمود! میں کیوں نہیں کروں فکر؟“ ہے میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں اگر تم نے مجھے بھول کے بھی انور کیا تو ج کبہ رہی ہوں تمہیں جان سے مار دوں گی۔“ اس نے حمود کا کوٹ کالر سے پکڑ کے جھنجھوڑا، وہ حیرانگی سے اس کی شدت پسندی پر مگن رہ گیا، حمنی کی آنکھوں میں بھی اسے غصے کے لال ڈورے نظر آ رہے تھے۔

”اگر تمہارے اور میرے بیچ میں کوئی بھی آجیاتی کہ تمہارے مام اور بابا میں انہیں بھی برداشت نہیں کروں گی۔“ وہ حمود کے سینے سے لگ گئی اسی وقت وہ کرنٹ کھا کے بدک کے پیچھے ہوا۔ حمنی بے باک تھی مگر اتنی اس نے سوچا نہیں تھا اس کا تو دماغ سن سا ہو گیا۔

”پلیز حمود! تم کیوں اتنے بیک درڈ ہو کبھی تو مجھے اپنی مضبوط بانہوں کا سہارا دے کر یہ یقین دیا کرو کہ میں ہی تمہارے لیے پاگل نہیں ہو رہی ہوں تم بھی ہو میرے لیے۔“ وہ روہانسی ہو کر شکوہ کرنے لگی۔ حمود نے لب بھینچ لینے اس نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہی کب تھا ہر لمحہ اس نے منتہی کو اپنے آس پاس دیکھا تھا۔

”میں ایسی فضول حرکتیں کر کے تمہیں یقین دلانا ضروری نہیں سمجھتا۔“ چہرے اور لہجے میں سختی سمو کے گویا ہوا۔

”بٹ دائے حمود! ہم اتنے ماڈرن زمانے میں رہتے ہیں تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔“

”ماڈرن زمانے میں تم رہتی ہو میں نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ محبت کو وقت آنے پر اگر واضح کر دو تو زیادہ اچھا ہے۔“ کچھ مسکرا کے ڈومستنی لہجے میں بولا۔

”یعنی تم مجھ سے محبت کرتے ہونا۔“ حمنی تو اس کے اتنا کہنے پر خوش ہو گئی۔

”میں محبت ہاں کرتا ہوں اتنی کہ شاید تم سوچ بھی نہیں سکتیں کیونکہ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ میں محبت کرے لگوں گا۔“ منتہی کو ذہن میں لا کر روانی میں جذب سے بولتا حمنی کو خوش فہمیوں میں جھلا کر گیا۔

”ہینکس حمود! آج تم نے مجھے یقین دلادیا۔“ وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی۔ حمود خفیف سا ہو گیا اور حواسوں میں بھی آ گیا کہ وہ ضرور خود کو تصور کر رہی ہے جبکہ جو کچھ اس نے بولا وہ منتہی کو خیالوں میں مخاطب کر کے بولا تھا۔

”سنو! شادی کے بعد ہمارا ہی مون پیرس میں ہو گا۔“

”پیرس میں یہ تو میں نے اس سے پوچھا ہی نہیں۔“ وہ بے ساختہ چونک کر بولا۔

”کس سے نہیں پوچھا۔“ حمنی نے حیرانگی سے پوچھا۔

”وہ کسی سے نہیں خود سے نہیں پوچھا میں نے۔“ کھبرا کے بات سنہالی۔

”سنو ساری شاپنگ وہاں سے کروں گی اور سنو میک اپ سارا لندن سے لوں گی۔“

”تم ابھی لے لو تا جا کر بعد کا کیا انتظار کرتی ہو۔“ طنز میں جل کے بولا۔
 ”نہیں تمہارے ساتھ زیادہ مزا آئے گا۔“ ابھی سے وہ تصوراتی محل میں چلی گئی تھی۔ حمود نے کڑوا سا منہ بتایا جو وہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی بابا کی اور نیا زائل کی میٹنگ تھی وہ جتنی کو یہاں سے خود سے جانے کا بھی نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ یہ آفس اس کے باپ کا بھی تو تھا۔
 ”سنو حمود! میں دو تین سال تمہارے ساتھ گھوم پھر کے انجوائے کروں گی، اس کے بعد ہم بچوں کے بارے میں سوچیں گے۔“

”آف مائی گاڈ!“ حمود نے لمبی سانس بھر کے اس کے بے باک جملے پر گرم گرم گھونٹ اندر اتارے اسے تو شرم نہیں آتی تھی وہ بے چارہ بسنے بسنے ہونے لگا اس کی گفتگو سے غصہ میں۔
 ”جمنی! تم بہت زیادہ مٹھی گفتگو نہیں کر رہی ہو۔“
 ”کم آن حمود! ہم دونوں ماڈرن پیرش بنیں گے سبھے۔“ وہ اٹھلائی اسی وقت حمود کا موبائل بجا تو اس نے صد شکر ادا کیا۔

”جی امی! خیریت تو ہے؟“ وہ کلثوم بانو کی آواز پر چونکا۔
 ”جی میں آنے ہی والا تھا کیونکہ پانچ بج گئے ہیں۔“ اس نے اپنی ریٹ داچ پر نگاہ ڈالی۔
 ”مجھے پتہ تھا وہ کسی دن بھی اکڑ کے بیٹھے گی۔“ وہ بولا۔
 ”میں آتا ہوں۔“ اس نے موبائل آف کر دیا اور اپنا دالٹ وغیرہ کی رنگ اٹھانے لگا کیونکہ آفس وغیرہ تو وہاں کا اسٹاف بند کر کے جاتا تھا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“ وہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔
 ”مجھے کسی کے پاس ضروری پہنچنا ہے۔“ وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔
 ”زکو تو حمود! میں بھی آرہی ہوں۔“ وہ بھی اپنی گاڑی کی سمت بھاگی تھی مگر حمود نے مڑ کے اسے نہ دیکھا تھا۔

☆☆☆

”آج تیسری چٹھی کی ہے رحمہ نے۔“ منتہی تین روز سے اس کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ آہی نہیں رہی تھی جب سے حمود اسے شاپنگ پر لے کر گیا تھا اس دن کے بعد سے رحمہ ٹوشن پڑھنے نہیں آرہی تھی۔

”آپ حمود بھائی کو کال تو کریں۔“ حکمت نے یاد دلایا۔
 ”وہ میں.....“ وہ حمود کے نام سے ہی گھبرانے لگتی تھی۔

”جی آپ منتہی باجی! آپ تو فوراً ہی ڈرنے لگتی ہیں نکالیں موبائل حمود بھائی کے موبائل پر کال کریں جلدی۔“ وہ اس کے پیچھے پڑ گئی۔ منتہی کا دل تو حمود سالار کا نام سن کے ہی دھک دھک کرنے لگا تھا اس کا چہرہ نگاہوں میں جیسے ہی آتا وہ اپنے دل کی سرگوشیوں سے اور پریشان ہو جاتی تھی۔ حکمت نے اس کا موبائل تلاش کر ہی لیا اور پھر اس کے ہاتھ میں تھمایا منتہی چونک سی گئی اور غائب دماغی سے موبائل کو دیکھا۔

”کال کیجیے نا۔“ حکمت نے اشارہ کیا۔ منتہی نے جھجکتے ہوئے فون بک نکالی اور نمبر پریس کیا، حکمت کمرے سے نکل گئی تاکہ وہ ایزی ہو کر بات کر سکے۔ مسلسل بیل جا رہی تھی مگر وہ ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا وہ متشکر بھی ہو گئی کیونکہ کال کٹ چکی تھی دوبارہ نمبر پریس کیا تو پھر بیل جا رہی تھی۔

”ریسیو کیوں نہیں کر رہے کال۔“ وہ دواہموں میں پڑ گئی فوراً ذہن متنی رخ پر چلا گیا۔ بالا خراس نے تھک ہار کر

موبائل سائیڈ پر رکھ دیا اور کمرے میں مضطرب اور فکر مند سی ٹہلنے لگی۔ ایسا تو کبھی ہوا ہی نہیں تھا کہ اس نے کال کی ہو اور حمود نے ریسیو نہ کی ہو دل کی دھڑکنوں میں دھک دھک بڑھ گئی عجیب سی اس کی حالت ہونے لگی گھبراہٹ بھی ہونے لگی دوبارہ اس نے چیئر پر بڑا موبائل اٹھایا اور نمبر پریس کیا۔

”آف..... اللہ کیوں ریسیو نہیں کر رہے ہیں کہاں چلے گئے ان کے بابا کو تو پتہ نہیں چل گیا۔“ موبائل بند کیا اور سر تھام لیا۔
 ”کیا ہوا بات ہوئی؟“ حکمت اندر آئی۔

”آں..... نہیں پتہ نہیں وہ کال ریسیو نہیں کر رہے ہیں ہو سکتا ہے مصروف ہوں کہیں۔“ خود ہی تسلی بھی دی اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔ دل میں وہ کوئی خوش گمانی تو پالتا ہی نہیں چاہتی تھی مگر جب کوئی خوشبوؤں میں لمبی اور رنگوں میں ڈوبی باتیں کرتا ہو تو دل ایک دم ہی خوش فہم ہو جاتا ہے اور خود کو اس کی سلت میں دیکھنے لگتا ہے وہ تو حقیقت پسند لڑکی تھی اس کے ساتھ تو اتنا کچھ ہو چکا تھا کہ اب دل ڈرنے لگا تھا صرف وہ زمانے کی ہوس زدہ نظروں سے بچنا چاہتی تھی اس سے زیادہ تو کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر حمود سالار جیسا شخص جو اسے چھوڑنے کو تیار ہی نہیں تھا کب اس نے دل کا تعلق باندھا تھا جو وہ اس کے لیے اتنا کچھ کر رہا تھا۔

”منتہی باجی! حمود بھائی کی کال ہے۔“ حکمت اس کا موبائل لے کر باہر آئی وہ خیالوں و سوچوں سے باہر آئی لپک کے موبائل لیا اور اندر کمرے میں چلی گئی۔

”السلام علیکم مسز حمود سالار!“ دوسری جانب سے وہ شوخ لہجے میں مخاطب تھا۔ منتہی جھینپ کے لب بھینچ کے رہ گئی، کتنا ہشاش بشاش اس کا لہجہ اور آواز مگر وہ تو ذرا سی دیر میں جانے کیا الٹا سیدھا سوچ چکی تھی۔

”میں تو خوشی سے مرنے کے قریب ہی ہو گیا تھا کہ میرے سیل پر تمہاری اتنی مس کالز۔“ وہ بہت خوش بھی لگ رہا تھا۔

”ریسیو کیوں نہیں کر رہے تھے۔“ منتہی جھٹ بولی اس کے رخساروں پر شرم و حیا کی لالی بکھر گئی تھی۔

”میٹنگ میں تھا موبائل میرا ساکنٹ پر تھا تم بابا کو تو جانتی ہو کہتے ہیں کہ جب بھی آفس کی میٹنگ ہو موبائل ساکنٹ پر رکھو یا آف لیکن میرا موبائل فیل پر میرے سامنے پڑا تھا اور مسلسل نگاہ بھی اٹھ رہی تھی مگر سوری یا مجبور تھا۔“ وہ تفصیل بتانے کے ساتھ معذرت بھی کر رہا تھا۔

”ابھی آپ کہاں ہیں؟“ اس نے پھر پوچھا۔
 ”ابھی میں میٹنگ روم میں ہی ہوں۔“

”سب کے سامنے آپ بات کر رہے ہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔

”میٹنگ ختم ہو چکی ہے سب جا چکے ہیں البتہ میں تم سے بات کرنے کی وجہ سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔“ وہ فوراً اسے ریلیکس کرنے لگا۔

”وہ میں کال اس لیے کر رہی تھی کہ.....“

”کہ آج میں بڑے موڈ میں ہوں اگر حمود سالار آپ کو آتا ہے تو آجائے میں حاضر ہوں۔“ اس نے منتہی کی بات پوری ہی نہ ہونے دی بلکہ درمیان سے ہی کاٹ کر چپک کے اپنا جملہ مکمل کر دیا۔

”اگر آپ نے ایسی ہی باتیں کرنی ہیں تو میں موبائل بند کر رہی ہوں۔“ وہ تو شرم سے آگے کچھ بول ہی نہیں پار رہی تھی۔

”او کے اد کے نہیں کرتا ایسی باتیں مگر یہ بتا دو کپڑے وغیرہ ریڈی کر لیے ساری تیاری ہو گئی ہے تمہاری مائز کی شادی میں تمہیں مکمل سجا سونوار دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”جس کی زندگی بھی سنوری ہوئی نہ ہو وہ سچ سنور کے کیا کرے۔“ پھر اس پر قنوطیت کا دورہ پڑنے لگا۔

”ہو گئی شروع تمہاری راگنی یہ فلسفہ رحم کر دو میرے حال پر۔“ وہ بے زاری دکھایا ہٹ سے بولا۔

”میں تو ایسی ہی رہوں گی کیوں خود کو میرے پیچھے خوار کر رہے ہیں آپ کی پھولوں اور خوشبوؤں میں بیسی زندگی ہے میری زندگی میں سوائے پریشانی اور دکھ کے کچھ نہیں ہے آپ مجھ سے اکتا جائیں گے۔“ لہجے میں اس کے افسردگی اور محرومی بولنے لگی۔

”پشیمان قبیلے سے تعلق ہے تمہارا اور میرا تم بھی جانتی ہو کہ ہم جیسے لوگ مروت جاتے ہیں مگر اپنی زبان سے نہیں پھرتے ہیں۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”اب وہ سب دیا نہیں رہا۔“

”اب بھی سب دیا ہی ہے تم بہت غلط سوچنے لگی ہو اور میں تمہیں کہہ چکا ہوں تمہیں میں اپنے گھر لا کر رہوں گا۔“ ارادوں کا تو وہ پکا تھا۔

”جلدی بولو کس لیے کال کر رہی تھیں۔“ پھر خود ہی موضوع بدل کر لہجہ بھی فریش کر لیا۔

”رحمہ ٹوشن کیوں نہیں آ رہی ہے؟“

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ پڑھائی کی چور ہے کہتی ہے کہ مجھ سے روز نہیں جابا جاتا۔“ وہ چپک کے ہٹانے لگا۔

”پھر اب کیا کریں گے اس کے سیکسٹر شروع ہونے والے ہیں۔“ منتہی افسوس و فکر میں جھلائی۔

”مجھے خبر ہے اس کی بھی۔“

”مگر اس طرح کیسے وہ پڑھائی کرے گی پھر آپ اب کیا کریں گے؟“

”ارے مجھے تو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی وہ تمہنی ہے اس نے حل دیا کہ منتہی کو روز یہاں بلایا کریں۔“ وہ بڑا خوش ہو کر بول رہا تھا۔

”مم..... میں نہیں آپ کے گھر تو بالکل نہیں۔“ وہ ڈرنے لگی۔

”کم آن جان ایسے کیوں ڈرتی ہو۔“ ترنگ زدہ اس کا لہجہ ہو گیا منتہی اس کے بولنے پر گڑ بڑا سی گئی اور خاموش ہو گئی۔

”کہاں گئیں حمود کی جان۔“ وہ اسے تنگ کیے جا رہا تھا۔

”پلیز مجھے ایسی گفتگو بالکل پسند نہیں ہے۔“ وہ برہم ہونے لگی۔

”مگر مجھے جان جانم اور سارے رومینک انداز سب پسند ہیں سمجھیں تم۔“ وہ آج لگتا تھا بڑی فرصت اور موڈ میں تھا۔

”او کے تو اللہ حافظ۔“ اس نے گھبرا کے موبائل آف ہی کر دیا منتہی کو اپنا چہرہ تہمتا ہوا لگ رہا تھا ہونٹوں کو سمجھنے

لیا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا حمود تھا شوخ مگر اس حد تک اس کے تو پسینے چھوٹنے لگے وہ خود کو ذرا بھی خوش نہیں میں جھلا

نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ اپنی حیثیت بھی جانتی تھی پھر حمود کے گھر والے کب اسے قبول کریں گے اسی لیے ذرا بھی

خوش کن خیال تک ذہن میں نہیں لانا چاہ رہی تھی بلکہ اس کی تو یہی کوشش تھی کہ جلد از جلد حمود سے اپنا پیچھا چھڑا لے

کیونکہ اسے داپس اپنی ماں کی خبر گیری کے لیے بھی تو جانا تھا کہ وہ اب کہاں ہیں۔

☆☆☆

”کیا اسے محبت کہتے ہیں اچانک ہی کوئی ہستی اتنی اچھی لگنے لگے اس کی باتیں اس کی ادائیں ان پر پیار یہ سب

رہا ڈائجسٹ 118 جون 2010ء

کیا محبت کو ظاہر کرتا ہے۔“ وہ موبائل کو مسکرا کے دیکھ رہا تھا کچھ لمحوں پہلے وہ کتنی شوخیاں بکھیر رہا تھا منتہی کا شرمنا غصہ جھجک رک رک کر کبھی بولنا کبھی کن اکھیوں سے دیکھنا اس کی شوخ نگاہوں سے گھبرانا اور لمحوں میں ڈر جانا اور پھر کبھی براعتا اور رنڈ رائنڈ میں باتیں کرنا ان باتوں میں شرم و حیا چھپی ہوئی تھی اس کے انداز میں ایک سادگی ہوتی بولتی تو لگتا اطراف میں نفسی بکھیر رہی ہو دیکھتی تو لگتا کہ رنگ پھوٹ رہے ہوں ہلکی سی مدھر پھکی مسخرانہ ہنسی بھی کتنی اچھی لگتی رخساروں پر حیا کی لالی ہمدقت بکھری رہتی لہجے میں وہ زکا زکا سا حجاب کتنا پیارا لگتا۔

”حمود سالارا تمہیں ایک لڑکی نے چاروں خانے جت کر دیا ہے تم اس کے حصار سے اب بھول کے بھی نکلنے کی کوشش نہیں کرو گے۔“ چیئر کھسکا کے مسکراتا ہوا وہ اٹھا۔ حمنی نے تو اس کی مشکل تک آسان کر دی تھی۔

”منتہی سے کہو کہ وہ رحمہ کو گھر بڑھانے آئے۔“ چاہے اس نے جلن میں حسد میں یا پھر خود کو برتر ظاہر کرنے کے لیے کہا تھا مگر حمود کو بہت خوش ہوئی تھی کہ اس طرح منتہی گھر والوں کو اور گھر کے ماحول کو بھی سمجھ لے گی تاکہ اسے بعد میں آسانی تو رہے گی۔

”حمنی! کتنی بڑی تم بے وقوف ہو میرا کام تو تم نے آسان کر دیا میں تو بابا سے شاید چاہ کے بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔“ اپنے کیمین میں آ کر اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی ہشام سالارا تو پہلے ہی میننگ کے بعد نیاز علی کے ساتھ کل گئے تھے آفس کا باقی کا اسٹاف بھی چھ بجے تک جاتا تھا آج حمود کو بھی کچھ دیر ہو گئی تھی اسے گھر جا کر امی سے بات بھی کرنی تھی کہ منتہی کو کب سے وہ بلائیں گی سارے راستے وہ منتہی کو ہی سوچتا رہا تھا۔

”پھر تم کمپیوٹر پر بیٹھی ہو۔“ حمود نے اسے گیم کھیلنے دیکھا بڑا سالارونج کمپیوٹر پر گئے گیم کی آوازوں سے گونج رہا تھا رحمہ بے فکری سے کھیل میں لگی ہوئی تھی۔

”واؤ..... کیا زبردست گیم ڈلوئے ہیں آپ نے۔“

”لڑکی میں نے اس لیے ڈلوئے ہیں کہ تم ہر وقت لگی رہو۔“ حمود نے آف کر ڈیا۔

”بھائی کیا ہے ہمیشہ آپ غلط وقت پر انٹر ہوتے ہیں۔“ وہ تو جھلبلا ہی گئی۔

”تم غلط وقت پر کھیل رہی ہو پتہ ہے تمہاری بڑھائی کا کتنا نقصان ہو رہا ہے۔“ وہ سنجیدہ تھا اور اس پر خاصا غصہ بھی ہو رہا تھا۔ رحمہ نے اسے گھورا اور دھڑ سے سننگل صوفے پر جا کر بیٹھ گئی اس نے گاڑی کی چابی زور سے کرشل سینٹرل ٹیبل پر ڈالی وہ پھسلتی ہوئی دوڑ گئی۔

”میری بڑھائی کا ہو رہا ہے آپ کی تو نہیں ناں۔“

”رحمہ! تم بہت سرچڑھتی جا رہی ہو اور یہ سب تمہیں حمنی بگاڑ رہی ہے۔“ وہ آج رحمہ کو آڑے ہاتھوں لے چکا تھا۔

”آپ کو کیا پرابلم ہے وہ کم از کم مجھے سمجھتی ہیں جانتی ہیں۔“

”اچھا سمجھتی ہے جانتی ہے پہلے تو تمہیں بھی وہ پسند نہیں تھی کتنی برائیاں تم نے بھی کی تھیں۔“ وہ حیرانگی اور غصہ سے اسے یاد دلانے لگا۔

”وہ تو میری بے وقوفی تھی جو حمنی بھابی کو میں غلط سمجھتی تھی۔“

”شٹ اپ! خبردار جو تم نے یہ بھابی کا صیغہ لگایا۔“ اس کا بھابی کہنا آگ لگاتا تھا۔

”جب وہ ہی بنے گی بھابی تو میں ابھی سے عادت ڈال رہی ہوں۔“ اس نے لا پرواہی سے کہہ کر ٹی دی کا

ریسٹ اٹھایا۔ حمود نے فوراً ہی اچک کے دوسرے صوفے پر ڈالا۔

”شروع ہو گئی تا تم دونوں میں جنگ۔“ کلثوم بانوا اپنے کمرے سے نکلیں انہیں حمود کے زور زور سے بولنے کی

رہا ڈائجسٹ 119 جون 2010ء

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

آدازیں آ رہی تھیں۔
”امی! میں اس کی ٹیچر کو آج اور ابھی لے کر آتا ہوں بالکل پڑھائی سے جی جاتی جا رہی ہے اور پلیز جمنی کو منع کر دیجیے گا کہ جس وقت یہ پڑھ رہی ہو وہ بالکل اس ٹائم نہ آئے۔“ اتنا سخت اور بھنایا ہوا لگ رہا تھا کہ رحمہ ایک لمحے کو سہم گئی۔
”میں تو اسے کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ کلثوم بانو نے جھٹ منع کیا کیونکہ وہ جمنی کے مزاج کو کبھی اچھی طرح جانتی تھیں بات کا بھنگو مٹانا اسے بھی آتا تھا زیادہ ہی ماں باپ کی سرچہ مٹی تھی۔
”پھر مجھے ہی کہنا پڑے گا۔“

”خدا راتم کچھ مت کہنا تمہارے بابا سے وہ شکایت لگا دے گی۔“ وہ اسے روکنے لگیں۔
”لگا دے مجھے پرواہ نہیں۔“ وہ بولا۔

”آپ سن لیں مجھے نہیں پڑھنا۔“ رحمہ نے دونوں ہاتھ پشت پر رکھا کرا سے دوبارہ جواب دیا۔
”تمہارے تو اچھے بھی پڑھیں گے۔“ دونوں بہن بھائی لڑتے بھی خوب تھے تو پھر بنتی بھی خوب تھی۔
”سوری حمود سالار! رحمہ سالار نہیں پڑھے گی۔“ وہ انگوٹھا دکھانے لگی۔ کلثوم بانو نے سر ہی پیٹ لیا کیونکہ ان کی عاذا آرائی جو ہو رہی تھی۔
”حمود بیٹا تم متنی کو کہہ دو آنے کا کیونکہ اس لڑکی کا پتہ ہے یہ جا کر پڑھنے والی نہیں ہے۔“ وہ بھی جیسے تنگ ہی آ گئی تھیں۔

”آپ کو میری پڑھائی سے اتنی دلچسپی کیوں ہے نہیں پڑھتی میں۔“
”مجھے تمہاری پڑھائی سے دلچسپی اس لیے ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری بہن پڑھی لکھی کہلائی جائے جاہل نہیں۔“ حمود نے اسے گھورا۔
”جب مجھ سے نہیں پڑھا جاتا تو کیوں آپ سب میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔“
”حمود! میرے بس کی نہیں ہے یہ لڑکی کیونکہ مجھے تو ایسے ایسے بہانے بنا کر بتاتی ہے میں تو حیران ہوتی ہوں۔“ وہ تھک کے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”اسے تو دیکھیے گا میں سیدھا کرتا ہوں۔“
”آپ کی شکایت بابا سے بھی لگا سکتی ہوں میں۔“ وہ دمکی دینے لگی۔
”ٹھیک ہے لگاؤ میں تمہیں ہاسٹل میں بھجوا سکتا ہوں۔“
”ہمارے خاندان میں بلکہ پشمان قبیلے میں لڑکیاں گھر سے باہر نہیں رہا کرتی ہیں۔“ رحمہ نے اتر کے لاجواب کیا۔
”لیکن ہم اتنے بیک در نہیں ہیں۔“ وہ گویا ہوا۔
”بابا سے بول کے تو دیکھیں۔“ وہ اسے چڑانے لگی۔

”رحمہ! تم ہی چپ کر جاؤ بڑا بھائی ہے ذرا لحاظ نہیں کرتی ہو بحث کے جا رہی ہو۔“ کلثوم بانو نے رحمہ کو ایک تھپڑ لگایا، حمود بھی منہ ہی منہ میں بد بداتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا، متنی ہی اسے ٹھیک بھی لگی تھی جس کی ابھی تک رحمہ نے کوئی برائی نہیں کی تھی ورنہ اب تک جتنے بھی ٹیوٹرز سے اس نے پڑھا تھا سب میں اتنے کیزے نکالے تھے کہ ہشام سالار نے ہی انہیں چھڑا دیا تھا کیونکہ رحمہ کو ٹھیک جو نہیں پڑھا رہے تھے مگر حمود اپنی بہن کو خوب سمجھتا تھا۔

☆☆☆

ردا ڈائجسٹ 120 جون 2010ء

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 14 -

سلسلے وار ناول

جہان کی جہان



نزدہت بنیم خاصی دور اندیش اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے والی عورت تھیں اور پھر بیٹی کے معاملے میں وہ بہت زیادہ محتاط تھیں کیونکہ شادی بیاہ کوئی کھیل تو ہوتا نہیں ہے کہ جو بار بار کھیلا جائے پھر یعنی کی کوئی ایسی عمر بھی نہیں نکلی جا رہی تھی کہ تھیلی پر سروسوں جما کے بیٹھ جائیں۔

”محرِب! مجھے نہیں لگتا کہ تائی امی یہ رشتہ ہونے دیں گی۔“ ندرت کو افسوس بھی ہو رہا تھا۔

”ارے ڈونٹ وری! میں ہوں نا تم دل خراب نہ کرو کرتا ہوں میں کچھ۔“ اس نے ندرت کو تسلی دی۔

کیونکہ وہ اس گھر کا بڑا بیٹا تھا اور وہ اپنی ذمہ داری بھی سمجھتا تھا اس نے ہی یہ معاملہ ہینڈل کرنا تھا اس نے سوچ لیا تھا کہ کل کا سارا وقت وہ فراج سے ملے گا تا کہ اس کی باتوں سے اندازہ ہو کہ وہ کس نیچر کا ہے سب کے دل جوڑ رہے ہیں انہیں سنبھالنا بھی تو تھا۔

☆☆☆

اس نے بڑی امی کے بیچے ہوئے سارے کپڑے نکال کر دیکھے جو بہت خوبصورت بھرے ہوئے تھے ایک غرارہ سوٹ دوسرا حیدر آبادی سوٹ اور دو سکیل میض شلوار جو بھرے ہوئے کام کے تھے میچنگ جیولری اور سینڈلرنگ تھیں عنائہ یہ سب دیکھ کر حیران بھی تھی کیونکہ اسے آج اور اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ان سب کے لیے کتنی اہم ہے۔

”آئی! آپ کے تو سارے ہی ڈریس زبردست ہیں۔“ نشاء تو ایک ایک سوٹ کو رشک بھرے انداز میں دیکھ رہی تھی۔

”کون سا ڈریس آپ کب پہنیں گی۔“ وہ ہنسنے لگا کپڑوں کا جائزہ لینے لگی مگر سامنے لگی چٹ پر لکھا دیکھ کر حیرت سے چیخ نکلی۔

”عنائہ! آئی! ہر ڈریس پر لکھا ہے آپ کو کون سا کب پہننا ہے۔“ اس نے فیروز کی کلر کا غرارہ سوٹ کا ہنگر اس کے سامنے لہرایا بڑا سا سوٹ کا کاڈانی دوپٹہ تھا جو جھلمل کر رہا تھا۔

”اس پر لکھا ہے کہ یہ آپ نے دس باجی کی شادی میں پہننا ہے۔“

”اور یہ حیدر آبادی ڈریس دلیسے پر۔“ وہ باری باری سب دیکھ کر بتانے لگی۔ عنائہ بھی حیرت زدہ تھی دس باجی کی بہن پر رشک آنے لگا کتنی وہ سب کے لیے اہم تھی۔

”عنائہ بیٹا! تم نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟“ ثمنینہ دودن سے رُکی ہوئی تھیں کیونکہ گھر کے کچھ کام ایسے تھے جو انہیں کروانے پڑے تھے ورنہ سمیرا کو تو کوئی فکر ہی نہ تھی۔

”جی آئی! بس ابھی پڑھوں گی۔“ وہ کپڑے سمیٹنے لگی۔

”امی! عنائہ! آپ کے کپڑے دیکھیں کتنے اچھے ہیں۔“ وہ ثمنینہ کو دکھانے لگی کل سے تو سوٹ کیس بند ہی پڑا تھا نشاء نے ہی زبردستی کھولا تھا کیونکہ اسے ہر چیز دیکھنے کا زیادہ شوق ہو رہا تھا۔

”بیٹا! مجھے تو جلدی گھر جانا ہے میں نے اسی لیے نماز پڑھ لی ہے۔“

”آئی! آپ آج اور رُک جائیے ناں۔“ دس پھر ضد کرنے لگی۔

”نہیں دس! گھر میں کافی کام ہیں پھر نشاء کی کچھ تیاری ہے فرزان کو بھی مسئلہ ہو رہا ہے تمہارے اٹکل نے مجھے صرف دودن کی اجازت دی تھی۔“ وہ بولیں۔

”امی! آج اور رُک جائیں ناں۔“ نشاء ضد کرنے لگی۔

”لو! اسکل کی دو چھٹیاں کر لی ہیں تم نے اور تمہارے ابو بہت ناراض ہوتے ہیں اسکل کی چھٹی کرنے پر۔“

”کتنی خوشی کی بات ہے بلکہ مجھے تو رات دن کی فکر تھی اس کی۔“ ناظمہ نے شکر ادا کیا کیونکہ یعنی دس کی ہم عمر تھی اس کی شادی ہونے والی تھی اور یعنی کی لگی بھی نہیں تھی۔

”ناظمہ تم تو ایسے فکر مند ہو رہی تھیں اور پھر ہماری یعنی کی عمر نہیں نکلی جا رہی تھی۔“ نزدہت کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی۔

”بھابی! پھر بھی دس کی تو عمر کی ہے نا پھر جتنی جلدی لڑکی بیاہی جائے اچھا ہے۔“ وہ گویا ہوئیں۔

”چلو اچھا ہوا ہمیں فراج اچھا لگا ہے اور پھر ہماری ندرت بھی تو ٹھیک رہ رہی ہے اچھا ہے دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں ہوں گی۔“

”بالکل ٹھیک کہا آپ نے تائی امی! ندرت نے بھی تائید کی۔“

”پھر میں گھر فون کر دوں کہ امی مٹھائی لے کر آجائیں کل ہی یعنی کا منہ میٹھا کر دیں گے کیونکہ فراج ابھی آیا ہوا ہے جو بھی رسم کرنی ہے ہم ماں کی شادی کے دوران ہی کر لیں گے۔“ ندرت کو زیادہ جلدی تھی اس کی تو خواہش بھی یہی تھی کہ اس کی بہن بھی اتنے گھر جائے اور وہ اچھا گھر اس کی سسرال ہی ثابت ہوا تھا کیونکہ ندرت کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے آج تک کوئی اس کی سسرال میں تو تو میں میں نہ ہوئی تھی دہاج اور فراج دو ہی تو بھائی تھے ایک ساس گھر میں کوئی ایسا بکھیڑا بھی نہ تھا ساس کو یعنی ہی پسند آئی تھی۔ فراج انگلیٹڈ میں ہوتا تھا اس نے ایم بی اے کیا تھا وہیں اس کی جاب بھی سیٹ تھی آتا جاتا رہتا تھا ندرت کی بھی اپنے دیور سے کافی ہمت تھی۔

”اتنی بھی جلدی کیا ہے ندرت! تھوڑا ہم سوچ تو لیں۔“ نزدہت جھٹ بولیں۔

”تائی امی! اس میں سوچنے کی کیا بات ہے فراج کو سب ہی جانتے ہیں اور کوئی بُرائی بھی نہیں ہے۔“ وہ بولی۔

”پھر بھی کچھ تو پتہ کرنا چاہیے کہیں تمہارے دیور نے وہاں کر نہ رکھی ہو شادی۔“

”ارے حد کرنی ہیں امی آپ بھی اول تو ایسی کوئی بات ہو گی نہیں۔“ محریب کو اپنی ماں کے انداز پر حیرانگی ہوئی۔

”کچھ بھی ہو ہم لڑکے کی چھان بین ضرور کر دائیں گے۔“

”تائی امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو فراج اس مزاج کا لڑکا نہیں ہے اور پھر اسے اگر کرنی ہوتی نا وہ ہم سے یہ کبھی نہ کہتا کہ آپ لوگوں کی پسند سے کروں گا۔“ ندرت کو ان کی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

”ندرت! میں کہہ رہا ہوں تم اپنی ساس کو جا کر کہو کہ وہ آجائیں ہماری یعنی کا منہ میٹھا کروانے میں ذمہ داری لیتا ہوں اس رشتے کی۔“ محریب نے اشارے سے اسے اٹھنے کو کہا۔

”محرِب! دماغ تو درست ہے تمہارا یہ شادی بیاہ کوئی کھیل نہیں ہے ہم پہلے ہی دیکھ بھال کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔“ انہیں غصہ ہی آ گیا۔ ناظمہ الگ چپ بیٹھی تھیں کیونکہ شک کے اُبال انہیں بھی اٹھ رہے تھے۔

”محرِب! ٹھیک کہہ رہا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی فراج آیا ہوا ہے محریب خود اس سے سوال جواب کرے گا۔“ ریحان احمد نے بھی تائید کی کافی بحث و تکرار کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ابھی کچھ دن کے لیے روک دیتے ہیں تا کہ محریب اپنے طور پر معلومات کر لے۔

”امی! آپ فضول میں ڈر رہی ہیں۔“ محریب پھر گویا ہوا۔

”بھابی ٹھیک تو کہہ رہی ہیں دہاج کو ہم دیکھ بھال چکے ہیں اور وہ یہاں رہتا تھا ہمیں اتنی فکر نہ تھی مگر فوج وہاں پردیس میں رہتا ہے۔“ ناظمہ بھی قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

”ٹھیک ہے آپ سب کی جو مرضی میں اُسی طرح کرتا ہوں۔“ محریب نے سب کو ہی مطمئن کر دیا تھا۔

وہ اسے ڈانٹنے لگیں۔

”آئی! عمران! ماما اور تانی بھی تو آ رہی ہیں۔“ دوشہ نے بتایا۔

”ہاں تمہاری شادی تک شاید پہنچ جائیں۔“ وہ بولیں۔

”وہ ماما اپنے فلیٹ پر تو نہیں آئیں گے ناں۔“ عنایتہ پوچھنے لگی۔

”تمہیں پتہ ہے عمران بھائی کو بہنوں کے گھر رہتا کبھی اچھا نہیں لگا ہے مجھے انہوں نے فون پر پہلے ہی کہہ دیا ہے

تم جا کر فلیٹ کی صفائی وغیرہ کروا دینا۔“ وہ بتانے لگیں۔

”یہ ماما بھی الگ ہی مزاج کے ہیں۔“ دوشہ منہ بسورنے لگی۔

”اچھا تم اپنا دل خراب نہیں کر دسارا سامان سمیٹو اور باہر آ جاؤ سمیرا بیٹی ہوئی ہے لاؤنج میں۔“ وہ ان دونوں کو الارٹ کرنے لگیں۔

”آئی! امی تو مجھ سے بات ہی نہیں کر رہی ہیں۔“ دوشہ کو یہ فکر الگ تھی۔

”سب کرے گی تم اتنا نہیں سوچو۔“ انہوں نے اس کے سر پر ہتھکی دی۔ نشاء نے اور عنایتہ نے سوٹ کیس اٹھا کر

بیڈ کے نیچے کھسکا دیا اور باہر آ گئی تھیں۔ سمیرا بیگم ٹی وی دیکھ رہی تھیں اپنی دونوں بیٹیوں کا استفہامیہ نگاہوں سے جائزہ لیا دونوں ہی جڑ بڑی بیٹھ گئی تھیں۔

”سمیرا! وہ عمران بھائی اور امی تو اپنے فلیٹ پر ہی رکیں گے۔“ شمینہ نے انہیں بتایا۔

”ہاں عمران بھائی کہہ رہے تھے۔“ وہ آج خلاف توقع نرم لہجے میں بولیں عنایتہ نے چونک کے نگاہ اٹھائی۔

”امی کو میں نے کہا ہے کہ یہاں شادی تک رُک جائیں۔“ دوشہ اور عنایتہ نے حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھا

جیسے یقین ہی نہیں آ رہا ہو کہ سمیرا بیگم بھی شادی کی بات کر سکتی ہیں۔

”ہاں امی ہو سکتا ہے رُک جائیں گی۔“ شمینہ نے بھی تائیدی کہا۔

”ان کے باپ نے پتہ نہیں کیا گھڑاک پھیلا لیے ہیں دوشہ کی کیا عمر لگی جا رہی تھی جو شادی کرنے کی پڑ گئی۔“ ان کی پھر وہیں تان آ کر ٹوٹی۔

”سمیرا! شکر ادا کرو کہ تم جلدی بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ گی۔“

”بس بس رہنے دو میں خوب جواد احمد کو جانتی ہوں سب مجھے نچا دکھانے کے پلان بنائے جا رہے ہیں۔“ دوشہ

اور عنایتہ لب بلیج کے رہ گئی تھیں کیونکہ اپنی ماں کی بدگمانی تو وہ دونوں دور کرنے میں ناکام ہو گئی تھیں۔

”سمیرا! کبھی تو عقل سے سوچ لیا کرو کیوں پلان بنائیں گے۔“

”تم نہیں جانتیں جواد احمد کے گھر والوں کو جانے اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں وہ جس سے دوشہ کی شادی طے کی تم

دیکھنا بعد میں اس کے رنگ ڈھنگ۔“ ناگوار اور نخوت زدہ انداز تھا۔ دوشہ سے برداشت کرنا مشکل ہوا تو وہ اٹھ کر چلی

گئی سمیرا بیگم اس کی تلملاہٹ دیکھ چکی تھیں۔

”کوئی نہیں ہے وہ ایسا لڑکا بہت عزت کرتا ہے بڑوں کی۔“ انہوں نے لٹی کی۔

”ارے تمہیں نہیں پتہ کتنا منہ پھٹ ہے وہ اور دوسرا وہ رافع اس کی زبان بھی ایسی چلتی ہے کہ سوچ سوچ کے

حیرانگی ہوتی ہے جواد کو تو بعد میں عقل آئے گی جب ان کے بھائی کے بچے ان کی بیٹیوں سے بدلے نکالیں گے۔“

”تم ہمیشہ غلط سوچتی ہو۔“ شمینہ کو ان کی ایک بھی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی دو دن سے وہ رہ رہی تھیں ان کی کتنی

ہی بحث و کھراڑ بھی ہو گئی۔

رداؤ انجسٹ 94 جولائی 2010ء

”تم اب غلط سوچنا چھوڑ بیٹیوں کی فکر کرو۔“

”ہاں تم بھی مجھے بولنا یہ سب تم جھیلتیں تو میں دیکھتی کہ تم کیا کرتیں۔“ وہ تنک گئیں۔

”جس کے جو نصیب میں ہوتا ہے میرا! اُسے وہی ملتا ہے تم نے ہمیشہ سے خوبصورتی مانگی ہے تمہیں ملا پھر

کیوں اتنی ناشکری والی باتیں کرتی ہو۔“ شمینہ ان کی کسی بات کا کبھی برا نہیں مناتی تھیں۔

”جواد بھائی میں کیا کمی ہے جو تم آج تک خوش نہیں ہو۔“

”اس آدمی میں عقل کی کمی ہے اپنے آگے کسی کو سمجھتا ہی نہیں ہے۔“ وہ دانت پیسنے لگیں۔ عنایتہ سے بھی اب اور

نہیں سنا گیا کیونکہ سمیرا بیگم جب بولنے پر آتی تھیں بالکل انداز ان کا جاہلوں والا ہو جاتا تھا اور یہ عنایتہ کو کسی طور گوارا

نہیں تھا کہ اس کی ماں ایسے لب و لہجے میں بات کرے۔

☆☆☆

خود اچھا بننے کے چکر میں انسان اپنا نقصان کر جاتا ہے یا شاید اس لیے کہ وہ اپنے لیے جیٹا چھوڑ چکی تھی اسے

اپنے اطراف میں رہے بے لوگوں کی زیادہ فکر تھی وہ سب کی پرواہ کرتی تھی اور وہ تو کوشش کرتی تھی کہ اپنی ذات سے

کسی کو تکلیف نہ پہنچے مگر اس کے دل کو تکلیف کتنی تھی اس کی ماں نے اپنا دل اتنا مضبوط بنا لیا تھا کہ اسے ذرا بھی اپنی

بیٹیوں کی فکر نہ تھی۔ وہ تو اپنی ماں تک کا احساس کر رہی تھی اور اس کی ماں اتنا مٹنی اور غلط کیوں سوچتی تھی۔ زندگی میں

سب کو خوش رکھ کر اور سب کو راضی رکھ کر بھی تو ہم خوش رہ سکتے ہیں مگر صرف وہی ایسا سوچتی ہے یا ہر کوئی اس کی طرح

سوچتا ہے۔ اس نے کبھی اپنی زندگی کو برا نہیں کہا تھا اور نہ کسی اور کو غلط بات بولنے دیتی تھی اپنے چھوٹے بہن بھائی کو

اس نے ایسا رکھا ہوا تھا کہ جیسے وہ خود بہت بڑی ہو اور وہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ہوں۔ تیاری میں اس نے کوئی

کسر نہیں چھوڑی تھی حتیٰ کہ اپنی ماں تک کے کپڑوں کی تیاری کر کے اس نے رکھی ہوئی تھی ہر چیز کے ساتھ جو جیسا وہ

پسند کرتی تھیں اس نے ان کی پسند کا مکمل خیال رکھا تھا۔

اپنے بارے میں تو سوچتا ہی نہیں چاہتی تھی اور اس نے کیا بھی یہی تھا دوشہ کی شادی پر پہننے کے لیے اپنی ابھی

تک تیاری نہیں کی تھی مگر کچھ لوگ جو اس کی طرح دوسروں کی پرواہ کرتے ہیں تائی امی نے اس کی تیاری کر کے سوٹ

کیس میں بھر کے سب سامان بھیج دیا تھا وہ حیران تھی کہ وہ تو خود کو بھلائے ہوئے تھی مگر کچھ لوگوں نے اسے بھلایا

نہیں تھا اگر بھلایا تھا تو محریب احمد نے جو اس سے بات کرنا تو درکنار دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا تھا۔

”آئی! کیا بات ہے آپ کب سے سوچوں میں بیٹھی ہیں۔“ دوشہ نے متوجہ ہو کے استفہار کیا۔

”آں..... ہاں کچھ نہیں۔“ وہ چونک گئی اور چیخ سے کھڑی ہو گئی۔

”آئی! بات کیا ہے؟“ وہ اپنی پھولوں سی نازک بہن اور پیاری سوچوں والی بہن کے لیے فکر مند بھی ہو جاتی تھی۔

”کچھ نہیں وہ کچھ ممکن ہی ہو رہی تھی۔“

”ابھی آپ بیماری سے پوری طرح اٹھی کب ہیں کام میں لگ گئی ہیں اور مجھے بھی کچھ نہیں کرنے دیتی ہیں۔“ وہ

خفگی سے گویا ہوئی۔

”میں اگر کام نہیں کروں گی تو بیمار پڑی رہوں گی اور تمہارے پیپر زہور ہے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ باقی کے

پیپر ز بھی خیریت سے گزر جائیں کام تو تم وہاں جا کر بھی کرتی رہو گی۔“ مسکرا کے اس نے دوشہ کا چہرہ ٹھیکہ کیا۔ دوشہ

کے دو ہی پیپر ز رہ گئے تھے اور اس کے پاس صرف ایک ہفتہ تھا اسٹ پیپر کے دوسرے دن اسے مایوں بیٹھ جاتا تھا۔

”بات تمہانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔“ وہ پیپر دے کر آئی تھی کچھ دیر آرام کرنے لیٹ گئی تو اس کی آنکھ لگ گئی مگر

رداؤ انجسٹ 95 جولائی 2010ء

جیسے ہی کھلی اس نے عتاب کو سوچوں میں غلطاں دیکھا تھا۔
”میں بات کو کب تمہاری ہوں تمہیں سمجھا رہی ہوں تم آرام کرو میں ذرا دیکھتی ہوں امی نہ آگئی ہوں۔“ وہ جانے لگی۔

”مجھے تو اس دن سب سے زیادہ خوشی ہوگی جب آپ کی شادی ہوگی۔“ دشنے نے اپنی بہن کے دونوں ہاتھ محبت و پیار سے دبائے۔

”آخر تم سب کو میری شادی کی اتنی فکر کیوں ہے؟“

”اس لیے محریب بھائی اور آپ خاندان کے دو فرد ایسے ہیں جنہیں اپنی مرضی سے جہاں چاہے موڑ دو، آف تک نہیں کریں گے کیونکہ آپ دونوں کو ہی میں نے باقاعدہ نوٹ کیا ہے، کبھی بھول کے بھی ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کرتے ہیں کجا اپنی شادی کے متعلق کسی سے کہہ سکتے ہیں۔“
”اچھا اچھا زیادہ فضول مت ہانکو۔“ وہ جھینپ گئی۔

”کاش..... کوئی ایسی انہونی ہو جائے کہ آپ کی شادی مجھ سے پہلے ہو جائے۔“ وہ دونوں ہاتھوں کو جکڑ کے آنکھیں بند کر کے دل سے دعا کرنے لگی۔

”جس کا جب وقت مقرر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جب ہی ان کے نصیب کے دروازے کھولتا ہے اور مجھے یقین ہے میرے ساتھ بہت اچھا ہوگا تم فکر نہیں کرو۔“ وہ افسردہ سی لگی۔

”آپ! پھر بھی مجھے آپ کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے باری آپ کی تمہی اور شادی میری ہو رہی ہے۔“ وہ مغموم اور رنجور سے لہجے میں گویا ہوئی۔

”میں نے ابھی کیا کہا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا وقت مقرر کیا ہوا ہے تم ایسا کیوں سوچتی ہو۔“

”پھر بھی آپ! آپ کو دیکھ کر مجھے اتنی فکر ہوتی ہے پتہ نہیں امی آپ کو بعد میں کتنا سناں گی۔“

”کوئی بات نہیں وہ امی ہیں ہماری اور ماں بھی اولاد کو دل سے نہیں کہیں کیا ہوا اگر سناں گی سن لوں گی۔ اس نے تسلی دی۔

”میرا دل کتنا دکھتا ہے وہ مجھ سے بات تک نہیں کرتی ہیں میرا بھی دل چاہتا ہے کہ امی میرے لاڈ اٹھائیں جیسے اور لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے ان کی امی اٹھاتی ہیں۔“ دشنے کے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے عتاب نے اسے اپنے حصار میں لے کر سمجھ لیا وہ خود بھی اپنی آنکھوں سے نکلتے ہوئے آنسوؤں کو لب بھیج کے رونے لگی۔

”آپ نے شروع سے بڑا بہن کے میرا اور معارج کا خیال کیا ہے امی نے تو آج تک ہمیں پیار سے اپنے پاس تک نہیں بٹھایا۔“ وہ روئے جا رہی تھی۔

”کیا ایسی ہوتی ہیں ماں ان کا دل خراب ہوتا ہے تو وہ کیا سب سے ناراض ہو جاتی ہیں انہیں اولاد کی محبت تک نظر نہیں آتی۔“

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہے تم اتنا غلط نہیں سوچو ہماری امی بھی ہم سب سے بہت پیار کرتی ہیں۔“ اس نے دشنے کے آنسو پونچھے۔

”آپ خود سوچیں مجھے یہاں سے ایک ہفتے بعد رخصت ہو جانا ہے امی کو ابھی بھی میرا ذرا خیال نہیں ہے انہیں تو دادی جان کے سب گھر والوں سے نفرت ہے تو اپنی بیٹیوں سے بھی کرنے لگی ہیں۔“

”کچھ وقت آزمائش کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے تم مبر شکر سے گزار دو دیکھنا انشاء اللہ

ہماری امی خود ہی قائل ہو جائیں گی۔“ مدبرانہ انداز میں سمجھاتی ہوئی عتاب نے عمر سے پہلے ہی اتنی سو برادر سمجھا رہی تھی کہ وہ اپنی بہن پر حیران ہوتی تھی ابھی وہ زیادہ عمر کی تو نہیں تھی مگر اس نے گھر کو بہن بھائی کو اب کو سب کو سنبھالا ہوا تھا۔

”پتہ نہیں امی کو کب خیال آئے گا ہم سب کا ابو سے ہر وقت لڑنے کے بہانے تلاش کرتی رہتی ہیں۔“
”تم ذہن پر اتنا بوجھ مت ڈالو تمہارے دو پیپر زہ گئے ہیں ان پر ذہن لگاؤ فضول سوچوں کو دور کرو میں چاہتی ہوں میری بہن اپنی شادی پر اتنی پیاری اور خوبصورت لگے کہ مائز بے ہوش ہو جائے۔“ عتاب نے موضوع بدل کر شوخ سی متنی خیر بات کی۔

”آپ کیا ہے؟“ وہ روتے روتے جھینپ سی گئی۔

”ارے میں تو دعا دے رہی ہوں کہ تم خوش رہو ہمیشہ مائز کے ساتھ۔“

”آپ دیکھیے گا ہماری اتنی لڑائیاں ہوں گی شادی کے بعد سب تنگ آ جائیں۔“ وہ روٹھ کے بولی۔
”دشنے پلیر! میری بہن تم بعد میں اس سے لڑائی دو بحث مت کرنا تم نے اچھی بیوی اور بہو بننا ہے سمجھیں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ماں باپ نے تربیت اچھی نہیں کی۔“

”آپ کو کیا میں ایسی لگتی ہوں۔“ وہ خفیف سی ہو کر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔
”مجھے پتہ ہے ایسی تم ہونہ لگتی ہو مگر میں تمہاری بڑی بہن ہوں سمجھنا میرا فرض ہے۔“ اس نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا۔

”آپ دیکھیے گا میں کبھی آپ کو اور ابو کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گی کیونکہ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ جیسی ماں دیسی بیٹی۔“ دشنے بھی ساری بات سمجھتی تھی اور ہر بات کو سیریس ہو کر سوچتی بھی تھی عتاب کی طرح ہی اس کا دل بھی حساس تھا۔

”شاباش میری بہن تو ساری بات سمجھ گئی۔“

”کیوں نہیں سمجھوں گی سمجھا رہی ہیں کی بہن ہوں۔“ وہ بھی مسکرا کے گویا ہوئی۔

”واقعی.....“ عتاب نے بھی تائیدی سر ہلایا۔

”اچھا بس بہت باتیں ہو گئی ہیں مجھے کچن میں دیکھا ہے پھر معارج کو فون کرتی ہوں یہ ہے کدھر۔“ وہ جلدی جلدی باہر آئی۔ معارج نے دی لگائے بیٹھا تھا اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب آیا ایک چابی گیٹ کی اس کے پاس بھی ہوتی تھی وہ خود بھی کھول کر آ جاتا تھا۔

”اھا..... میرا بھائی تو آج جلدی گھر آ گیا۔“

”آپ! جلدی سے چائے بنا دیں سر میں درد ہو رہا ہے۔“ صوفے پر نیم دراز تھا۔

”آج کو چنگ نہیں جانا؟“ اس نے لاؤنج میں آ کر پوچھا۔

”آج سر میں درد ہے نہیں جاؤں گا۔“

”میں تمہارے سر میں تیل کی مالش بھی کر دوں گی کیونکہ کافی دنوں سے تم نے تیل بھی نہیں لگوا یا ہے۔“ اس نے معارج کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ کچن میں چلی گئی رات کے کھانے کی بھی تیاری کرتی تھی۔ سمیرا بیگم کو لگتا تھا پارلر سے ابھی فراغت نہیں ملی تھی جو سات بجنے کے باوجود بھی ابھی تک نہیں آئی تھیں جواد احمد کا اکثر آفس کے بعد دادی جان کی طرف آنا جانا لگا ہوا تھا کبھی کبھی معارج بھی چلا جاتا تھا وہ ابھی تک نہیں گئی تھی پھر کچھ طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی ندرت اور یمنی تو اسے دیکھنے آ چکی تھیں بڑی امی تائی امی نے فون پر اس کی خیریت پوچھی تھی اور اگر نہیں پوچھی تو

محررب نے نہیں پوچھی، کتنا اس کا انتظار تھا، پھر اس دن کی باتیں بھی اسے نہیں بھول رہی تھیں جب گھر آیا تھا کتنا روکھا اور اکھڑ لگ رہا تھا جھڑک کر گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے آج آفس کی چھٹی کی تھی کیونکہ کچھ خریداری کرنی تھی جو اس کی اور حکمت کی رہ گئی تھی، تہذیب مبینہ کو لے کر بازار جا رہی تھی، منتہی، حکمت اور حزمہ گھر میں ہی تھے۔ دونوں لان میں آئی تھیں اس نے دیکھا فائق اور مائزہ روش پر کھڑے باتیں کر رہے تھے، فائق کی نگاہ بھٹک کے دھانی کھر کے کپڑوں میں ملبوس تہذیب پر پڑ گئی مگر مائزہ کی وجہ سے جھٹ لگا، دونوں کا زاویہ بدل گیا، مائزہ بھی نظر کا کافی تیز تھا وہ تو باقاعدہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ارے بھی کہاں کی تیاری ہے؟“ مائزہ نے مسکرا کے پوچھا۔ تہذیب جھینپ سی گئی، فائق پر اس نے پھر بھی نگاہ نہیں ڈالی جو بلیک پینٹ پر گرے شرٹ میں آستینوں کو فولڈ کیے آئی گلا سز میں ہمیشہ کی طرح ڈشنگ اور سو برگ رہا تھا۔

”وہ بازار سے کچھ لینا ہے ان لڑکیوں کو“ آج تہذیب نے چھٹی کی ہے نا۔“ مبینہ تو سادگی سے سب کچھ ہی بیان کر دیتی تھیں۔

”آئی! پھر کیسے جائیں گی؟“ مائزہ نے پوچھا اور اس وقت اس کی پوری کوشش تھی کہ فائق کو ان کے ساتھ پھنسا دے، پھر اسے پتہ نہیں کیوں فائق اور تہذیب میں ایسا کچھ لگ رہا تھا کہ جیسے دونوں ہی چھپا رہے ہوں، وہ دونوں کو رکتے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا۔

”رکتے سے جائیں گے۔“ تہذیب جھٹ بولی کیونکہ اگر بس کا نام لیتی تو ضرور زبردستی گاڑی میں چھوڑنے کا کہتا اور وہ اپنی وجہ سے مزید انہیں تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

”اتفاق سے ہم دونوں بھی جا رہے تھے آپ کو کون سے بازار جانا ہے؟“

”مائزہ! میں ابھی نہیں دیر سے جاؤں گا۔“ فائق نے تو جھٹ انکار کیا۔ تہذیب کو اس کا انکار ایسا لگا کہ جیسے وہ کوئی موڈی چیز ہو جس سے فائق بچ رہا ہو۔

”جانے یہ انسان اتنا مغرور اور بددماغ کیوں ہے۔“ وہ جل کے سوچنے لگی۔

”یار! ابھی تو کہہ رہے تھے اچھا ہم بھی ہو آتے ہیں جلدی آ جائیں گے۔“ مائزہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کے تہذیب اور مبینہ کو بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگا۔

”یار! میں ابھی یونیورسٹی سے آیا ہوں، نہایا بھی نہیں ہوں۔“ فائق کو مائزہ کے بولنے پر غصہ آنے لگا۔

”ارے بیٹا! رہنے دو ہم خود چلے جائیں گے۔“ مبینہ نے خود ہی منع کر دیا اور تہذیب کا بازو پکڑ کے مین گیٹ کی سمت بڑھ گئیں۔

”آئی! ارے تو میں لے چلا ہوں۔“ مائزہ کو شرمندگی بھی ہوئی۔ فائق بھی شرمندہ ہو گیا، گویا انہوں نے اس کی ناگواری محسوس کی تھی، وہ تو محض تہذیب کی وجہ سے منع کر رہا تھا کہ مائزہ کو باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا، مائزہ نے زبردستی دونوں کو گاڑی میں بٹھایا اور خود لے کر چلا گیا۔ فائق کے دل پر ایک بوجھ سا آ گیا کیونکہ مبینہ آئی پتہ نہیں کیا سوچ رہی ہوں گی اور تہذیب اس کے چہرے سے بھی لگ رہا تھا، لگا ہے اُسے۔ پورا دن وہ بے مزا سا پھر تارہا، وہ اتنا لال میسر ڈو تو کبھی نہ تھا، پھر کیوں وہ تہذیب کو سب کے سامنے دیکھ کر روڈ اور اکھڑ بن جاتا تھا جب بھی وہ تنہائی میں ملتی تھی اس نے معنی خیز اور شوخ گفتگو سے اسے تنگ کیا تھا، وہ آہستہ آہستہ اس کے دل میں جگہ بناتی جا رہی تھی پہلے وہ خود کو بے مصرف سمجھتا تھا مگر آج اس لڑکی سے ہمدردی کے ساتھ اپنائیت اور محبت کا جذبہ بھی پر دان چڑھ رہا تھا۔

کتنی ہی بار وہ خود کو ڈائٹ چکا تھا، محبت کی نفی کرنے والا آج محبت کی چاندنی میں خود کو بھینکتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اسے خبر تھی محبت کا موسم اس کے دل و دماغ پر کبھی چھا ہی نہیں سکتا، وہ کبھی بھی راتوں کو بے کل ہو ہی نہیں سکتا مگر آج دل کے جذبات اسے شکست دیتے ہوئے لگ رہے تھے، وہ اکثر اپنی اس بدلتی ہوئی کیفیت پر جھنجھلا یا بھی تھا کیونکہ مائزہ اس کا کتنا ریکارڈ لگائے گا اس نے کہا بھی تھا۔

”مجھے تو انتظار ہے تجھے بھی کسی سے محبت ہو جائے۔“

فائق اپنی سوچوں پر اپنے الفاظ پر شرمندہ بھی تھا کل تک دعوے کرتا تھا اور آج وہ ہار گیا، محبت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، وہ بھی اس سفر پر چل نکلا تھا مگر اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ اسے منزل ملے گی بھی یا نہیں اور وہ لڑکی جسے اس نے زنج ہی کیا تھا اپنے لیے اس کی آنکھوں میں بہت کچھ دیکھا تھا وہ تو اس کی اول روز سے آنکھیں پڑھ رہا تھا اور اسے ایک گونا سکون بھی حاصل تھا کہ وہ بھی اس کے لیے نرم جذبات رکھتی ہے مگر کبھی بھی اس کے انداز سے اظہار نہیں دیکھا اور اس نے بھی تو کبھی اظہار کی یا پسندیدگی کی ذرا بھی جھلک نہ دکھائی تھی، شام تک وہ اپنے کمرے میں بند رہا تھا۔ اس کا تعلیم کا آخری سال تھا، اس کے بعد تو اسے بھی بزنس اور آفس میں لگ جانا تھا۔ وہ شام چھ بجے سو کر اٹھا تو کمرے میں ایک شور سانسائی ہو یا، وہ کمرے سے باہر آیا، رینگ پر دونوں ہاتھ جمائے اور نیچے ہونے والے شور کو حیرانگی سے دیکھ رہا تھا، مبینہ رو رہی تھیں، گھر کے افراد بھی سارے جمع تھے، دھڑ دھڑتین چار سیڑھیاں پھلانگ کے نیچے آیا۔

”آئی! کیا ہوا؟“ وہ گھبرا بھی گیا جبکہ شام میں اس نے کوئی اچھا رویہ تو ان کے ساتھ نہیں رکھا تھا۔

”تہذیب پتا نہیں کہاں بازار میں رہ گئی، مبینہ ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئی تو گھر آ گئیں۔“ نزہت بیگم نے بتایا۔ فائق چونک گیا کیونکہ فاطمہ والا کیس ابھی کلیئر ہی کب ہو تھا، اس کا شوہر بھی تو دھمکیاں دیتا رہتا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔

”کون سے بازار گئی تھیں؟“ فکر مند اور بے چین ہو گیا۔

”حیدری گئی تھیں۔“ یمنی نے بتایا۔ مائزہ بھی ابھی تک گھر نہیں آیا تھا، ایک گاڑی تو مائزہ لے کر گیا ہوا تھا دوسری میں وہ نکلا کیونکہ دو گاڑیاں گھر میں رہتی تھیں، محرب کی الگ تھی، تاپا یا اور ابو آفس کی گاڑی میں آفس جاتے تھے۔ وہ پریشان سا ڈرائیو کر رہا تھا، کسی سے کچھ نہیں پوچھا تھا کہ کہاں سے کھوئی، کیا ہوا تھا، حیدری کے روڈ پر آیا اور پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر دی مگر ابھی وہ پارکنگ ایریا سے کیبن بنے حصے میں آیا ہی تھا کہ اس نے نگاہ اٹھائی، وہ ڈبل روڈ کر اس کر رہی تھی، وہ پیچھے سے ایسے دوڑا کہ جیسے وہ کم ہی نہ ہو جائے۔

”کہاں تھیں تم؟“ وہ اس تک پہنچ چکا تھا۔ تہذیب نے حیرت سے اسے دیکھا جو گرے قمیض شلوار میں ملبوس اپنی سوہرخصیت کے ساتھ اتنا فکر مند نظر آ رہا تھا جو آج سے پہلے شاید کبھی نظر نہیں آیا تھا۔

”آ..... آپ.....“

”کہاں چلی گئی تھیں تم؟ پتا ہے مبینہ آئی کتنی فکر مند ہیں۔“

”امی گھر پہنچ گئی ہیں؟“ سن کے سکون سادل کو آ یا مگر تائید کے لیے دوبارہ گویا ہوئی۔

”جی پہنچ گئی ہیں، چلو گھر سارے گھر والے پریشان بیٹھے ہیں۔“ وہ تیز تیز قدم بڑھا رہا تھا اور وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھے ہی فائق نے فرنٹ ڈور کھولا، وہ اندر بیٹھ گئی حیران سی۔

”آئی! کو چھوڑ کر کدھر چلی گئی تھیں؟“ درشت اور سخت لہجے میں وہ پوچھ رہا تھا۔

”میں نے ایک سوٹ خریدی تھا وہ ڈکان پر رہ گیا تھا، امی سے کہہ کر بھی گئی تھی کہ آپ جابے گانہیں میں سوٹ لے کر آئی تو امی کو میں نے جہاں کھڑا کیا تھا وہاں تھیں ہی نہیں۔“ وہ آہستہ آہستہ اسے بتا رہی تھی اور وہ سامنے دیکھ کر

تھا۔ کچھ جذبوں کا اظہار کرنے کے لیے وقت بھی درکار ہوتا ہے اور وہ اس وقت ہی ان جذبوں کو الفاظ میں ڈھالے گا جب وہ اس کے پاس ہوگی۔

☆☆☆

وہ ٹوشن پڑھانے جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی کیونکہ صبح ہی تو محمود نے اسے حکم دیا تھا کہ پانچ بجے وہ خود لینے آئے گا مگر جب سے تہذیب کی گمشدگی کا پتہ چلا تھا اس کا دل ہی نہیں کر رہا تھا پانچ بجے چکے تھے محمود کسی بھی وقت آنے والا تھا وہ ضمن میں ٹہل رہی تھی اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی وہ چونک گئی۔

”منتہی باجی! لگتا ہے محمود بھائی آگئے ہیں گاڑی کے ہارن کی آواز آئی ہے۔“ حکمت اندر کمرے سے نکل آئی اور گیٹ بھی کھول دیا۔ تہذیب اور مبینہ اندر چلی آئی تھیں دونوں کو ساتھ دیکھ کر منتہی کی جان میں جان آئی تھی۔

”کہاں رہ گئیں تھیں؟“ حکمت نے فوراً پوچھا۔

”ارے بس ذرا سامٹ کے دوسری دکان سے اپنا سوٹ لینے گئی تھی وہ وہیں چھوڑ آئی تھی امی آگے چل پڑیں۔“

تہذیب نے شارپز حکمت کو دیئے۔

”میری تو حالت ہی خراب ہو رہی تھی بھلا ہوا اس بچے کا فائق ہی لے کے آیا ہے اسے۔“ مبینہ نے چادر اتار کے منتہی کو دی جو تہہ کر کے اندر کمرے میں رکھ آئی تھی۔

”منتہی باجی! اب میں امی کو لے کر نہیں جاؤں گی آپ کو لے کر جاؤں گی امی تو خود بھی گھبراتی ہیں اور دوسروں کو بھی گھبرا دیتی ہیں۔“ تہذیب نے کہا۔ حکمت دونوں کے لیے پانی لے آئی تھی منتہی کافی پریشان سی ان دونوں کے سامنے تھی اسکاٹی بلیو پلین سوٹ پر ٹیس سی ریشم کی کڑھائی تھی جو محمود نے ہی دلایا تھا اسی کو زیب تن کیا تھا۔

”محمود آنا نہیں ابھی تک۔“ مبینہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

”کہہ تو رہے تھے پانچ سو پانچ تک آؤں گا ابھی تک تو نہیں آئے۔“ وہ گلزمندی سے بولی۔

”تم مجھے پریشان سی لگ رہی ہو۔“

”خالہ جان! مجھے جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے اگر ان کے بابا کو ذرا بھی شک ہو گیا تو وہ تو ان کی شامت لے آئیں گے۔“

”ارے یہ مسئلہ محمود کا ہے تم اتنا کاہے کو پریشانی لیتی ہو محمود سمجھدار ہے کچھ سوچ سمجھ کے ہی تمہیں لے جا رہا ہے وہ۔“

”کسی کو وہ سب تو نہیں پتہ ہے نا۔“ وہ منمنائی۔

”ایک دن پتہ تو چلنا ہی ہے اور یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“ وہ اسے سمجھاتی رہتی تھیں۔ تہذیب تو حکمت کو سوٹ دکھانے میں مگن تھی۔

”جہاں جاتی ہوں میں مسئلے ہی پیدا ہو جاتے ہیں میں ایسا تو نہیں چاہ رہی ہوں کیوں وہ اپنی زندگی کو مشکل بنا رہے ہیں۔“ اسے سب سے زیادہ یہی فکر تھی کہ اگر محمود سالار کے والد کو پتہ چل گیا کہ یہ ان کے بیٹے کی منکوحہ ہے وہ تو ہاتھ پکڑ کے باہر کارستہ دکھادیں گے۔

”زندگی اس کی بھی ہے اور وہ کچھ سوچ سمجھ کے ہی تمہیں گھر لے جا رہا ہے تم اور دالے پر شا کر رہو دیکھنا ایک دن تمہیں وہ تمہاری منزل دے گا۔“ انہوں نے منتہی کو اپنے شانے سے لگا لیا۔ ماں کو تو وہ چھوڑ آئی تھی انہی میں وہ اپنی ماں کا لمس محسوس کرتی تھی راتوں کو اٹھ کر بیٹھ جاتی تھی کیونکہ اپنی ماں جو یاد آتی تھی مڑ کے واپس بھی نہیں جاسکتی تھی۔ جانے کب تک وہ خاردار راستوں پر خود کو بچاتی چلتی رہے گی کب تک وہ اندھیروں میں رہے گی جانے کب

گاڑی بڑی مستعدی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

”میں سمجھا کہ آج خدا خواستہ فاطمہ کے مسیڈ نے تو کچھ.....“ بولتے بولتے وہ رُک گیا تہذیب نے چونک کر سر اٹھایا یعنی وہ ابھی کچھ بھی نہیں بھولا تھا کتنی دلچسپی لے رہا تھا یہ شخص اس کی ذات میں مگر چہرہ اتنا ساٹ اور طنزیہ کیوں لگتا تھا کبھی تو اس پر خوش گمانوں کے بادل چھانے لگتے اور وہ خود کو ایسی پھوار میں بھینگتا ہوا محسوس کرتی کہ جیسے وہ فائق احمد کے جذبوں کو جان گئی ہو مگر وہ ہل میں ایسے رنگ بدلتا تھا کہ وہ اپنا دل مسوس کر رہ جاتی تھی کیا وہ کسی کے لیے چاہے جانے کے قابل نہیں؟ کیا حسن ہی اس دنیا کے لوگوں کا معیار ہے؟ کیا اس کے اندر کے باطن کو کوئی نہیں جانتا کہ کتنا اجلا صاف اور سادہ ہے؟ کیا اسے خواہشات کرنے کا حق حاصل نہیں ہے؟ کیا امیروں کے نصیب میں ہی سب کچھ ہوا ہے؟ کیا غریبوں کے نصیب میں امیروں کے خواب دیکھنا ممنوع ہے؟

”تم یہ جاب چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو۔“ اس کی سوچوں کو گھیر آواز نے یکفہمت ہی بکھیرا اور وہ حواس میں آگئی۔

”جی۔“

”کہاں کھو گئی تھیں؟“ اس نے سگنل پر گاڑی روک کے اس کے پریشان کن چہرے کو دیکھا جو ہونٹوں کی طرح اسے وارفتگی سے دیکھ رہی تھی۔

”لگتا ہے آج تم کچھ حواسوں میں نہیں ہو کیا اپنے حواس بھی کسی شاپ پر بھول کے آگئی ہو۔“ معنی خیزی سے کہتے ہوئے فائق نے مسخراڑایا۔

”جی..... نن..... نہیں تو۔“ فوراً ہی نگاہ پھیر لی اور سامنے اسکرین سے روڈ پر جانے والی دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

”پھر میں نے جو کہا کچھ سنا تم نے۔“ سگنل کھلتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔

”سنا۔“ اتنا ہی بولی۔

”جاب چھوڑ دو۔“

”سوری میں جاب بالکل نہیں چھوڑوں گی کیونکہ جاب میری ضرورت ہے۔“ قطعی لہجے میں ہمیشہ کی طرح جواب دیا۔

”نقصان میں پڑو گی دیکھو تم کوئی اور جاب کر لو یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ فائق جب بھی ملتا بھی کہتا کیونکہ وہ اس کے لیے نرم جذبات رکھتا تھا۔

”زندگی میں جو لوگ شامل ہیں ان کی کچھ تو پرواہ کرو۔“

”میں اپنی زندگی میں شامل لوگوں کی پرواہ ہی کر رہی ہوں جاب میری ضرورت ہے اور مجھے اپنے لوگوں کی فکر بھی بہت ہے۔“ کھیلا انداز اور دکھا ہو گیا۔ فائق لب بھینچ کے رہ گیا وہ اسے کیسے کہے کہ مان جائے۔ اظہار کا وہ ابھی قائل نہیں تھا اور اس کا ایسا ارادہ بھی نہیں تھا جب تک اپنے پیروں پر مکمل طور پر کھڑا نہیں ہو جاتا اس وقت تک اپنی خواہش زبان پر لانا نہیں چاہتا تھا۔

”انتہا سے زیادہ بے وقوف اور سر پھری لڑکی ہو سیدھی طرح تمہیں کوئی بات سمجھ ہی نہیں آتی ہے۔“ وہ بھنا گیا۔

گھر قریب آنے والا تھا تہذیب نے فہمائشی اور تنقیدی نگاہوں سے اس کا انداز دیکھا۔

”زیادہ خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا میں صرف اس لیے خیال کر رہا ہوں کہ آج میں نے مبینہ آنٹی کو بہت فکر مند دیکھا ہے۔“ اس نے جھٹ کہا کیونکہ ابھی تو وہ اسے کسی بھی خوش کن خیال میں جلا نہیں ہونے دینا چاہتا

روشنی اس کا مقدر بنے گی کہ وہ بھی اس روشنی میں موجود لمحوں کو محسوس کرے جو آج اس کا سب کچھ بن گیا کب وہ اس کے پاس استحقاق سے جاسکے گی۔

حمود کی جذبہ لٹائی نگاہیں الفاظ انداز سب اس کے لیے ہوتا اور وہ اسے ابھی تک کچھ نہیں دے پائی تھی شروع سے اس کے لیے مسئلے ہی کھڑے کیے تھے جانے کب وہ ان مسئلوں سے نکلے گا کل تک اس پر غصہ کرنے والا اسے بے نقطہ سنانے والا آج شدت سے اس کا تمنائی تھا حتیٰ کہ اپنے گھر تک لے جانے کے لیے وہ جان پر کھیل رہا تھا وہ تنہا سب کر رہا تھا اور وہ کہیں بھی تو اس کے ساتھ نہیں تھی ذرا بھی تو اس کے جذبوں کی قدر نہیں کر رہی تھی اور نہ ہی اسے اس کی پروا تھی۔

کیا وہ اس کے لیے اتنی اہم ہو چکی تھی کہ اس نے اپنی روایات سے اپنے باپ سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ کیا ایسا چاہ سکتی تھی کہ ایک بیٹے کو اپنی خاطر اس کے گھر سے ماں باپ سے جدا کر دے اتنی تو سنگدل وہ کبھی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆.....

”میں آج پھر تم سے پوچھ رہی ہوں محریب تمہیں کوئی ٹینشن ہے؟“ وہ تو ماں تھیں اولاد کے چہرے سے اندازہ لگانے والی تھیں۔ محریب بیڈ پر نیم دراز دایاں بازو ماتھے پر رکھے ہوئے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا وہ تو اپنی کوئی بات بھی ان سے یا کسی سے بھی شیئر نہیں کرتا تھا کافی دنوں سے احد کی طرف بھی چکر نہیں لگایا تھا اور نہ ہی احد آیا تھا۔

”جی امی!“ وہ بازو ہٹا کے حیرانگی سے ان کے پُر فکر چہرے کو استغناء میں نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”میں دیکھ رہی ہوں تم اچھے اچھے سے نظر آتے ہو، نہ اب دوپہر میں گھر آتے ہو کھانے کے لیے۔“

”آپ کو پتہ ہے تاکتی بڑی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے اب آپ خود دیکھیں دس دن بھی نہیں رہے ہیں ماں کی شادی میں۔“ وہ بشارت ظاہر کر کے اٹھ کے بیٹھا۔

”یہ تو مجھے بھی خبر ہے مگر نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرا بیٹا ایسا کچھ سوچ رہا ہے جو مجھے بھی نہیں بتا رہا ہے۔“

”امی! آپ کیا سوچ پال کے بیٹھ گئی ہیں میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہا۔“ وہ مسکرایا۔

”میں نے کچھ سوچ کے ایک فیصلہ کیا ہے۔“ وہ قدرے توقف کر کے بولیں۔

”کیسا فیصلہ؟“ اس نے اچھبے سے استغناء میں انداز میں سوال کیا۔

”یہی کہ جس دن ماں کا ولیمہ ہوگا اس دن تمہارا اور عنائہ کا نکاح کر دیتے ہیں۔“

”جی نکاح.....“ وہ تو گھبرا کے اُچھل ہی گیا۔

”امی! ایسا کچھ آپ نہیں سوچے اور میں اس کے لیے تیار بھی نہیں ہوں۔“

”کیوں میرے بیٹے کی کوئی ایک تو خوشی میں دیکھ لوں میرا حق نہیں بنتا۔“ وہ رد ہانسی ہو گئیں۔

”آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں آپ انشاء اللہ تعالیٰ میری ساری خوشیاں دیکھیں گی اور میرے بچوں کی بھی دیکھیں گی۔“ اس نے اپنی ماں کو اپنے شانے سے لگا کے نرم سی آواز میں انہیں اطمینان دلایا۔

”مجھے حالات بگڑتے ہوئے لگ رہے ہیں۔“

”کوئی حالات نہیں بگڑے۔“ اس نے ان کے ہاتھ تھامے۔

”محریب! جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ تو اُکتانے لگا ہے کچھ بے زار رہنے لگا ہے۔“

”آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میری شادی نہیں ہو رہی ہے تو میں اس لیے اُکتایا ہوا اور بے زار رہنے لگا ہوں۔“ وہ

ان کے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبائے مسکرا کے بولا۔

”مجھے ایسا ہی لگتا ہے کیونکہ پہلے تو کتنا خوش رہتا تھا اپنی دادی جان کے پاس بھی گھنٹوں بیٹھتا تھا اور اب تو سلام

رداؤ انجسٹ 102 جولائی 2010ء

دعا اور خیریت سے زیادہ ان کے پاس بیٹھتا نہیں ہے۔“

”صرف اس لیے کہ وہ جب بھی مجھے دیکھتی ہیں رونے لگتی ہیں عنائہ کا بار بار ذکر کرتی ہیں اور مجھ سے ان کا رونا

نہیں دیکھا جاتا پھر امی! مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں کمزور پڑ رہا ہوں ان کے آنسو مجھے دکھ دیتے ہیں میرا چہرہ کی وجہ

سے وہ شروع سے روتی رہی ہیں اور اب عنائہ کی وجہ سے۔“ وہ بولتے بولتے اتنا سنجیدہ اور غمگین سا ہو گیا کہ نہ ہمت

لب کھیلنے لگی تھیں۔ ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا اپنے بیٹے کو ہر خوشی دے دیں مگر صرف حسرت بھری مغموم نگاہ ڈال کے

اس کے رخسار پر ہاتھ رکھا۔

”میں صرف اسی وجہ سے چاہ رہی ہوں کہ تمہارا نکاح ہی کر دیتے ہیں۔“

”میری ماں واقعی بہت ہی بھولی اور حساس دل کی ہے ارے امی! جب میں نہیں ایسا سوچ رہا تو آپ کیوں

سوچتی ہیں جس کام کو جس وقت ہونا ہے ہو کر رہے گا۔“ اس نے نگاہ چرائی۔

”جانے کیوں مجھے دوسو سے تنگ کر رہے ہیں۔“

”میری طرف سے کر رہے ہیں کہ میں کہیں انکار نہ کر دوں۔“ وہ جیسے ان کی سوچ جان گیا تھا۔

”مجھے تو رونا اس بات پر اور آتا ہے کہ میرا یہ نرم مزاج کا بیٹا اس کی زندگی میں ہی اتنی پریشانیاں کیوں آ رہی ہیں

مجھ سے کہاں غلطی ہوئی ہے جو میرے بچے کو اس کی سزا مل رہی ہے۔“ وہ رونے لگیں محریب سر پکڑ کر بیٹھ گیا کیونکہ

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا انہیں تسلی کے کون سے الفاظ بولے کہ وہ اطمینان سے ہو جائیں۔

”کوئی غلطی نہیں کی ہے آپ نے آزمائش ہے ہم سب کے لیے کیا پتہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مصلحت رکھی ہو میرا

چچی ہم سب سے صلح کر لیں۔“ محریب کے لہجے میں یقین بھی اور دعا بھی تھی۔

”ادھر وہ بچی پریشان ہے۔“

”کون بچی؟“ محریب انجان بنا۔

”میں عنائہ کی بات کر رہی ہوں۔“ وہ کھسیا کر جھنجھلا کر گویا ہوئیں۔

”امی! اب وہ اتنی بھی بچی نہیں ہے۔“ اس نے بات مذاق میں اڑا کے ماحول کی افسردگی کو دور کرنا چاہا۔

”میرے لیے تو بچی ہی ہے۔“

”خیر اب آپ یہ موضوع بند کر دیں بیچ امی! میں اُکتا گیا ہوں۔“ وہ کھسائی ہوئی صورت بنا کے منمنایا۔

”میں تو جب بھی عنائہ کو اور تمہیں دیکھتی ہوں میرا دل پریشان ہو جاتا ہے۔“

”آپ صرف دعا کرتی رہیں انشاء اللہ تعالیٰ وہی ہوگا جو ہم سب کے لیے بہتر ہوگا یہ آپ ہی کہتی ہیں اور پھر اللہ

تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ وہ انہیں سمجھانے کے ساتھ اطمینان دلانے لگا۔

”گنتی میری خواہش تھی کیا کیا سوچ کے رکھا تھا کہ تو امریکہ سے واپس آئے گا تو تیری شادی کروں گی۔“ آج کل

سے آنسو صاف کرنے لگیں۔

”ادھر والے پر یقین رکھیے آپ کی ساری خواہشات وہ پوری کرے گا۔“

”اُس کا ہی تو آسرا ہے دل کو پھر سکون آ جاتا ہے۔“ وہ کھڑی ہو گئیں۔

”آج آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ کبھی بھی میری وجہ سے اتنا افسردہ نہیں ہوں گی اور نہ یہ بولیں گی کہ محریب تیری

شادی ہوتی پہلے۔“

”دیے ہونا تو یہی تھا یہ ماں بیچ میں آ گیا۔“ وہ بولیں۔

رداؤ انجسٹ 103 جولائی 2010ء

رداڈ انجسٹ 104 جولائی 2010ء

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 15 -

سلسلے وار ناول

جماعت اول کی جماعت



Express
your thoughts
beautifully

Shaziyah

کافی دنوں سے اس کی منتہی سے بات ہی نہیں ہوئی تھی! ایسے وہ مصروف تھا فیکٹری کے کاموں میں کہ اسے خود کی بھی خبر نہ تھی! آج وہ جلدی فارغ ہو کے گھر آ گیا تھا کھانا بھی جلدی کھالیا تھا کیونکہ اس کا ارادہ منتہی سے بات کرنے کا تھا! گھر تو جانتا تھا اور نہ ہی وہ کہیں جا کر مل سکتا تھا سو چا کہ کچھ موبائل پر ہی بات کر لے گا مگر بابا نے آج فائلز کھول کے اسے گھیر ہی لیا تھا۔

”بابا! ہم کل آفس میں ڈسکس کر لیں گے مجھے کچھ تھکن ہو رہی ہے۔“ اس نے تھکی ہوئی صورت بنانے کا تاثر دیا۔ ہشام سالار نے استفہامیہ اور فہمائی انداز میں اس کا جائزہ لیا، حمود کچھ گڑبڑا سا گیا۔

”رات گئے تک ٹی وی دیکھتے رہتے ہو الٹی سیدھی چیزیں۔“
 ”بابا! خدا کو مایہیں مجھے کیا ضرورت پڑی ہے الٹی سیدھی چیزیں دیکھنے کی۔“ وہ جھٹ اپنے دفاع میں بولا۔
 ”اتنی رات تک تمہارے کمرے سے ٹی وی کی آواز آتی رہتی ہے۔“
 ”کتنی رات تک۔“ وہ تن کے بولا۔

”ہاتھ نیچے کرو میں تمہارا باپ ہوں تو نہیں ہے میرا۔“ ہشام سالار تو بھڑک ہی اٹھے۔ کلثوم بانو اشاروں میں حمود کو بجٹ کرنے سے روک رہی تھیں مگر وہ فان کلر کے ایزی سے میض شلوار میں لمبوس خاصا بے زار بھی لگا۔

”بابا! غلط بات نہیں کیا کریں۔“
 ”میں غلط بات کرتا ہوں۔“ وہ بھڑک اٹھے۔

”پلیز بابا! میں اس وقت کوئی فائلز پر ڈسکس نہیں کروں گا، میں دن بھر بھی آفس میں دماغ کھاتا ہوں گھر میں تو مجھے ریلیکس کر دیا کریں۔“ جھنجھلا کر بولا۔

”جاؤ آرام کرو جا کر۔“ حمود بھی جیسے انتظار میں تھا فوراً ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔ اتنا اچھا رو مینٹک خوشگوار موڈ بنا کے گھر آیا تھا مگر سارا موڈ بابا نے فائلز پر ڈسکس کر کے خراب کر دیا تھا، وہ اپنا موبائل لے کے اپنی مخصوص جگہ ٹیرس پر پڑے بیٹھ کے صوفے پر لیٹ گیا، سوا بارہ بج رہے تھے ایک کال وہ شام میں کر کے بول چکا تھا کہ رات کو کال کرے گا موبائل کو چارج کر کے رکھنا، فون بک سے برنگال کے ملا چکا تھا، دو تین نکل کے بعد ریسیو کر لیا تھا۔

”جی۔“ اوجھتی ہوئی آواز آئی۔
 ”تم سو رہی تھیں؟“ حمود کو کچھ غصہ آیا، یعنی وہ اتنا اس سے بات کرنے کے لیے دن بھر بے قرار رہا اور وہ سو رہی تھی۔

”وہ ابھی آنکھ لگی تھی میں انتظار تو کر رہی تھی آپ کی کال کا۔“ وہ کھسیا کے بولی۔ حمود سنبھل کے لیٹ چکا تھا وہ اپنے کمرے میں بات اس لیے بھی نہیں کر رہا تھا کہ امی آ سکتیں تھیں۔

”نیند بہت آتی ہے جہیں۔“
 ”صبح فجر میں اٹتی ہوں دن بھر پھر کام کی وجہ سے لیٹنا نہیں ہوتا ہے۔“ وہ بتانے لگی۔

”آپ کل لینے کیوں نہیں آئے میں تیار بیٹھی تھی۔“
 ”میرے لیے تیار بیٹھی تھیں سچ۔“ حمود اپنی پرانی ٹون میں لوٹ آیا۔

”میرا مطلب ہے کہ آپ مجھے رحمہ کو ٹیوٹن پڑھوانے کے لیے لینے آنے والے تھے اس کی بات کر رہی ہوں۔“
 جھٹ واضح کیا۔

ردا ڈائجسٹ اگست 2010ء

”مجھے خوش بھی نہیں ہونے دیتی ہو کیسی بیوی ہو۔“ وہ خفگی سے گویا ہوا۔

”آپ کو قدم قدم پر مایوسی ہوگی آپ رستہ بدل لیں۔“

”چلو پھر شروع ہوگئی یہ لڑکی۔“ وہ اکتا کے بولا۔

”حقیقت سے آگاہ کر رہی ہوں۔“ لہجہ میں افسردگی تھی۔

”حقیقت سے تم آنکھیں چرا آتی ہو ورنہ حقیقت میں وہ سب نہیں ہوتا جو تم سوچ رہی ہو وہ ہوگا جو میں سوچتا ہوں۔“

”لگتا ہے آپ نے زندگی کو چیلنج سمجھ لیا ہے یا مجھے سمجھ لیا ہے۔“ لہجہ اس کا افسردہ اور ٹوٹا ہوا تھا۔

”زندگی میرے لیے کبھی نہ چیلنج رہی ہے اور نہ بنانا ہوں ہاں یہ الگ بات ہے کہ زندگی میں جو چیلنج آتے ہیں میں انہیں فیس کرنے کی طاقت ضرور رکھتا ہوں۔“

”پھر میں آپ کے لیے چیلنج ہی ہوئی ناں۔“ وہ اسے ہر طرح سے زچ کرنا چاہ رہی تھی۔

”یعنی تم نے یہ سوچ لیا ہے کہ میری اور اپنی پوری رات خراب کر دوگی۔“ وہ تیز لہجہ میں گویا ہوا۔

”کیا پوری رات آپ بات ہی کرتے رہیں گے۔“ اتنی مصومیت سے چونک کے بولی تھی کہ حمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

”بات کرنے کے علاوہ بھی کچھ آگے کا ارادہ ہے جو موبائل پر تو ممکن نہیں ہے۔“ شوخی آواز میں معنی خیزی تھی۔

”جی میرا یہ بولنے کا مطلب نہیں تھا۔“ وہ جھینپ گئی۔

”جو بھی مطلب ہو میں آدمی ذرا دوسرے مزاج کا ہوں پھولوں کی رنگوں کی موسموں کی بہاروں کی باتیں پسند کرتا ہوں مگر میری قسمت بیوی مجھے اللہ نے فلاسفر دے دی ہے۔“ وہ شرارت سے باز نہ آیا۔ کچھ لمحوں کے لیے منتہی خاموش ہی ہوگئی یا پھر اس کے پاس لفظ نہیں تھے یا پھر وہ حمود کی شوخیوں سے کچھ نزوس ہوگئی تھی۔

”مسز حمود! کدھر گئیں کچھ تو بولیں۔“ لہجہ بخور اور ترنگ لیے ہوئے تھا۔

”آپ مجھے یہ بتادیں کہ مجھے کل لینے کیوں نہیں آئے رحمہ نے نہیں پوچھا۔“ اس نے بات ہی گھمادی۔

”بنی دلیر ہو مگر فوراً گھبرا بھی جاتی ہو۔“ وہ اتنے آرام سے لیٹا ہوا تھا کہ جیسے آج وہ منتہی سے بات کر کے سارے دنوں کی کسر نکالنا چاہتا ہو پھر وہ اس کے خیالوں سے غافل کب رہتا تھا، ذہن تو ہر وقت اسے گھمرا لے کے لیے پلان تیار کرتا رہتا تھا، امی کو منانا مشکل نہ تھا بابا کو بھی مشکلوں سے منایا لے گا مگر کبھی کبھی جنونی کیفیت سے ڈر لگتا۔

”رحمہ کو جی اے ساتھ کہیں لے گئی تھی اس لیے پھر تمہیں لینے ہی نہیں آیا، کال اس لیے نہیں کی کہ فرصت نہیں ملی بابا کے ساتھ لمبی بحث چل رہی تھی۔“ وہ تفصیل بتانے لگا۔

”آپ اپنے بابا سے اتنی بحث کیوں کرتے ہیں کچھ تو لحاظ کیا کریں۔“ وہ سمجھانے لگی۔

”لو جی محترمہ! ابھی سے سر جی کی حمایت کرنے لگیں۔“ حمود نے خوشدلا نہ طنز کیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے، ماں باپ کی عزت و احترام اولاد پر فرض ہے آپ کو اپنے بابا کا خیال کرنا چاہیے۔“

”کیا خیال کروں میری زبردستی شادی جمنی سے کروادیں گے میں چپ چاپ کیسے کر لوں۔“ وہ چڑ گیا۔

”لڑکی اچھی خوبصورت اور پڑھی لکھی ہے آپ کی فیملی کی پسند ہے آپ کے ساتھ اور گھر میں ایڈ جسٹ

ہو جائے گی۔“

”مجھے جس کے ساتھ ایڈجسٹ ہونا ہے اس سے میرا نکاح ہو چکا ہے اور میں اس سے بات بھی کر رہا ہوں۔“

حمود نے جیسے اس کی بات کو اہمیت ہی نہ دی ہو۔

”فضول کی بات نکال کے میرا موڈ خراب نہیں کرو پورا دن وہ لڑکی میرے سر پر سوار رہتی ہے۔“ منتہی پھر چپ ہو گئی وہ بھی کچھ لکھوں کے لیے خاموش ہوا مگر اسے منتہی کی سانسوں کی آواز آرہی تھی۔

”یہ بتاؤ ساری تیاری کر لی مائز کی شادی کی۔“ اس نے خود ہی خاموشی توڑی۔

”ہوں۔“ بس اتنا بولی۔

”کیا ہوں..... ٹھیک سے جواب دو مجھے۔“ وہ غصے سے گویا ہوا۔

”ہو گئی ہے ساری تیاری اور کچھ۔“

”ہاں اور کچھ چاہیے تو اگر تم دینا چاہو تو.....؟“ وہ پھر تپتی کود کر کے شوخ و شنگ لہجے میں بولا۔

”آپ کو صبح اٹھنا نہیں ہے مجھے بہت نیند آرہی ہے۔“ منتہی نے پھر اس کی بات کاٹی۔

”آج چاہے ساری رات گزر جائے تم سے ہی باتیں کرنی ہیں۔“

”بیلنس ختم ہو سکتا ہے۔“ اس نے یاد دلایا۔

”انتظام ہے تم فکر نہیں کرو۔“ آج وہ واقعی فرصت میں تھا۔

”مجھے صبح فجر میں اٹھنا ہوتا ہے۔“ وہ منمنائی۔

”او کے کوئی بات نہیں آج فجر میں بھی پڑھ لوں گا۔“ وہ بولا کیونکہ دن بھر وہ اتنا مصروف رہتا تھا کہ نماز اور قرآن کی طرف تو وہ توجہ ہی نہیں دیتا تھا امی اور بابا تو پڑھتے تھے مگر وہ جمعہ تک کی بھی نہیں پڑھتا تھا آج اس نے کیسے روانی میں کہہ دیا تھا۔

”میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟“ منتہی نے فوراً ہی سوال کر دیا۔

”ہوں پوچھو جان!“ وہ پھر بے باکی سے بولا۔

”آپ نماز روز پڑھتے ہیں؟“

”نہیں۔“ جھوٹ وہ بولتا نہیں تھا۔

”آج سے آپ وعدہ کریں روز نماز پڑھیں گے۔“ وہ سنجیدہ تھی۔

”وہ اصل میں یار! بات یوں ہے کہ فجر میں میں اٹھتا ہی نہیں ہوں ظہر کی جب ہوتی ہے میں اس ٹائم آؤٹ ڈور ہوتا ہوں عصر اور مغرب کی راستے میں ہی نکل جاتی ہے اور عشاء کی مجھے پڑھنے میں سستی آتی ہے۔“ وہ سادگی سے اپنی ساری خامی اسے بتاتا چلا گیا۔

”آج سے آپ وعدہ کریں کہ سب ٹائم کی نماز پڑھیں گے۔“

”محترمہ! یہ آپ مجھ پر شرط لگا رہی ہیں۔“ وہ بولا۔

”جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”میری بھی ایک بات مانو گی؟“ وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

”جی بولیں۔“

”پانچوں ٹائم تم مجھے کال کر کے یاد دلادو گی کہ نماز پڑھ لیں۔“

”میں یہ بات کیوں نہیں مانوں گی ضرور کروں گی کال آپ کو۔“ منتہی خوش ہو گئی۔

”چلو پھر اسی بات پر مجھے آئی لو یو بولو۔“ وہ پھر شرارت پر اتر آیا۔

”جی نہیں۔“

”کبھی تو بولو گی نا۔“

”جی نہیں۔“ وہ اتنا ہی بولی۔

”ٹھیکس گاڈ! یہ لڑکی کہیں تو چپ ہوئی ورنہ ایسا فلسفہ بولتی ہے کہ مجھے تو بدبھنی ہونے لگتی ہے۔“ مضحکہ خیز انداز میں بولا منتہی کی کھلتی ہوئی ہنسی موبائل سے سنائی دی حمود کچھ کھوسا گیارا کے اس پہ کتنی اچھی لگی تھی دل کے تاروں کو چھیڑتی ہوئی جذبے اُسے اکسانے لگے کہ جا کر اس کا وجود بانہوں میں لے کے گھما ڈالے۔

”اچھا اب پلیز کال بند کر دیں میں صحن میں بیٹھی ہوں ڈر بھی لگ رہا ہے۔“

”کس سے؟“ بے ساختہ بولا۔

”آپ سے۔“ جھٹ بولی۔

”صرف موبائل پر بات کر رہا ہوں اور ابھی تک کوئی حرکت میں نے ایسی نہیں کی کہ تم مجھ سے ڈرو۔“ وہ ہنسا۔

”پلیز کال بند کر دیں۔“ لہجہ بچی تھا۔

”او کے بند کرتا ہوں لیکن فجر میں کال کر کے جگانا ہے تمہیں۔“

”نیک کام میں اور اچھے کام میں مجھے خوشی ہوتی ہے اللہ حافظ۔“ اس نے خود ہی کال کٹ کر دی تھی حمود کے دانتوں پر مسکراہٹ تھی کہ اس نے منتہی کو جیسے فتح کر لیا ہو وہ اس لڑکی کی خاطر ہر وہ کام کرے گا جس سے وہ خوش ہو نماز وہ پڑھتا نہیں تھا اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگا مگر دل میں سکون بھی اتر گیا کہ کوئی تو ہے جو اسے چاہتا ہے اوپر والے کو اس کی کوئی خوبی ہی پسند آئی تھی کہ جو منتہی جیسی سادہ لوح لڑکی اس کی جیون ساتھی بنائی تھی اس کا بھی فرض بنتا تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا جس نے بن مانگے ہی انمول خزانہ دیا تھا۔

”ٹھیکس اللہ تعالیٰ! میں گناہگار بندہ آپ نے مجھے اتنا دیا میں نے ایک ٹائم کی نماز پڑھ کے بھی شکر ادا نہ کیا۔“ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا دل اس کا آج بہت مطمئن تھا منتہی نے جیسے اس کے اطراف میں روشنی بکھیر دی ہو۔

☆☆☆.....

جب سے آنی نے اسے سمجھایا تھا کہ اسے اپنا رویہ سب سے ہی اچھا رکھنا ہے اور خاص طور پر محریب کی کسی بات کو نہ سیریس لینا ہے اور نہ ہی بُرا ماننا ہے کیونکہ کہتے ہیں اگر ایک شخص خائف ہو اور ہو بھی وہ شخص جس سے زندگی کی ڈور بندھی ہو اس سے محبت بھی بے حساب کرتے ہوں تو ہر اچھی اور بُری بات کو ہنس کے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ روٹھا ہوا اور ناراض تھا تو اسے ایسا کوئی تاثر قائم نہیں رکھنا تھا ہمیشہ مثبت سوچو اور اللہ تعالیٰ مثبت اور اچھا ہی کرے گا۔ وہ اگر اس سے دور جائے گی تو دل کی بے چینی بڑھ جاتی جب وہ دل میں موجود ہے تو اس کا ہر غرہ بھی برداشت کرنا ہے اس وقت تک جب تک حالات اس کے موافق نہ ہو ہائیں۔ اسے ناراضی دکھا کے اس رشتے کو کمزور نہیں کرنا تھا بلکہ مضبوط سے مضبوط تر بنانا تھا تاکہ کہیں بھی توڑنے کی گنجائش نہ نکلے۔

وہ روٹھا تھا ناراض تھا یہ اس کا حق بھی تھا اس نے ابھی تک محریب کو ایسا کوئی جملہ بھی ادا نہیں کیا تھا کہ وہ

اس کے سہارے ہی امیدیں باندھے رکھے وہ شروع سے ہی ناپ تول کے گفتگو کرنے والا تھا، اسی طرح یہ بھی تھی دونوں کے مزاج ایک ہی تھے۔ دل اگر کچھ کرنے کو اُکساتا بھی تھا تو وہ رک جاتی تھی کیونکہ وہ ہوتا ہی اتنا لائق تھا۔

”وہ اس سے کیسے کہہ دے کہ میں تمہیں اتنا چاہتی ہوں اتنا پیار کرتی ہوں محریب احمد کہ تم تصور بھی نہیں کر پاؤ گے۔“ عنائے کے جذبے سوچیں صرف اس کے لیے تھیں۔ وہ سرد مہری بے نیازی دکھا رہا تھا تو کیا ہوا وہ اس سے ایسا کوئی رویہ نہیں رکھے گی اگر وہ آگ برسائے گا تو وہ بارش بن جائے گی ایسی بارش جو صرف دور رہ کر اسے بھگوئے گی اپنی ایسی باتوں سے جس کا محریب تصور بھی نہیں کرے گا وہ اس کے دل کا بھی خیال کرے گی تاکہ وہ بعد میں تو شکوہ نہیں کرے گا وہ بھی سرد مہری بن گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا خود کو نارمل انداز میں پیش کرنے کی نہ کسی سے اس کی سرد مہری کی شکایت کرے گی اور نہ ہی افسوس کرے گی کیونکہ محریب احمد اور عنائے جو اد کو ایک دن ایک ہوتا ہی ہے۔ یہ اس نے آج سے سوچنا شروع کر دیا تھا، محریب احمد کے سامنے وہ خود کو بدل کے لائے گی وہ رشتوں کا احترام بھی کرتی تھی اور اہمیت بھی دیتی تھی۔

آج اس نے آنکھیں بند کر کے صرف اللہ تعالیٰ سے خود میں اہم اور حوصلے کی بھیج مانگی تھی آنی کا ایک ایک لفظ اس کے دل و دماغ کو کھولتا جاتا وہ جو بھی تعلیم لیتیں اسے ضرور بتاتیں اور ہمیشہ اچھی بات پر عمل پیرا ہونے کا سبق دیتی تھیں۔ کتنی مختلف تھی اس کی ماں اپنی بہن سے وہ صرف اپنی دنیا میں مگن تھیں اور آنی اس دنیا میں مگن رہنے والوں کی بھی فکر کرتی تھیں ہر ایک کی دل جوئی کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

”کتنی اچھی ہیں آنی جو سب کی فکر کرتی ہیں۔“ کبھی کسی محفل میں ان کے سر سے آچل ڈھلکا ہوا نہ دیکھا تھا، اپنی سسرال میں مشہور تھیں، ملنسار ہمدرد اور حسن اخلاق کی وجہ سے۔ اور اس کی ماں پورے خاندان میں بد دماغ اور لڑاکا مشہور تھیں، کتنا اس کا دل روتا تھا اپنی ماں کی وجہ سے، کیوں وہ ایسی تھیں، کیوں اتنی بے حس تھیں۔

”عنائے بیٹے! کیا سوچ رہی ہو؟“ جواد احمد نے اسے ڈائمنڈ ٹیبل پر بیٹھے دیکھا جو شاید چاول چن رہی تھی آج سڑے تھا جواد احمد گھر پر ہی ہوتے تھے۔

”جی ابو! وہ کچھ نہیں۔“ وہ جھینپ سی گئی اور سر جھکا کے چاول چنے لگی۔
”بیٹا! کیا سوچ رہی تھیں؟“ وہ فکر مند سے چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گئے۔
”کچھ نہیں سوچ رہی تھی کہ بریانی بناؤں یا دال چاول۔“ مسکراتے ہوئے اس نے بات ہی گھمادی۔
”بریانی اور دال چاول کے لیے میرا بیٹا اتنا سوچ رہا تھا۔“

”ابو! آپ کو پتہ ہے نامہ سارج دال چاول پر منہ بناتا ہے اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ بریانی میں ٹائم لگے گا کیونکہ ایک بج رہا ہے ناشتے میں ہی اتنا ٹائم لگا ہے۔“ وہ کچھ منمنائی۔
”تم وہ بناؤ جو آسان لگے زیادہ سرعت چڑھایا کرو۔“

”ابو! آپ ایسے تو نہیں بولے میرا چھوٹا سا ایک ہی تو بھائی ہے۔“ عنائے نے خفگی سے کہا۔
”مگر اس کے آگے تم دونوں میرے لیے اہم ہو۔“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
”ہاں یاد آیا، کل آپ کے ماما اور نانی کی فلائٹ ہے، سمیرا تو کل ایئر پورٹ جائے گی، جانا تو مجھے بھی پڑے گا اس لیے میں آج ہی تمہاری دادی جان کی طرف چکر لگاؤں کیونکہ وشک کی مایوں میں صرف ایک ہفتہ ہے۔“ وہ بولے۔

”آپ ابھی جائیں گے؟“ اس نے پوچھا۔
”ہوں..... ابھی جا رہا ہوں تمہاری ماں کو تو اپنے دھندوں سے فرصت نہیں ہے اسے بول کے جاؤں تو کوئی فائدہ نہیں۔“

”ابو! ایک بات کہوں آپ بُرا تو نہیں مانیں گے؟“ اس نے کن آنکھوں سے انہیں دیکھا جو ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو رہے تھے۔
”ہوں کہو۔“ وہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

”ابو! آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ امی سے آپ فرینڈلی انداز میں بات کریں، کیا پتہ ان کی ساری بدگمانی اور غصہ قسم ہو جائے۔“ رک رک کے بول رہی تھی مگر نگاہ جھکی ہوئی تھی اپنے باپ کو اتنی بڑی بات جو کہہ دی تھی۔
”میں تو خود بیٹا ایسا ہی چاہتا ہوں مگر جیسے وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی ہے۔“ لہجے میں ان کے افسردگی اور حسرت پنہاں تھی۔

”میرا بھی دل چاہتا ہے وہ مجھ سے اچھے انداز میں کبھی تو بات کرے جانے اس نے دل میں کیا ٹھانی ہوئی ہے کچھ بھی اچھا سوچنا اور بات کرنا ہی نہیں چاہتی ہے۔“
”ابو! میں اس لیے کہہ رہی تھی کہ اگر ہم سب ہی اپنا رویہ بدلیں گے تو امی کا بھی بدلے گا اور پھر نفرت کو محبت سے کاٹا جائے تو اچھا ہے۔“

”میری بیٹی جیسی سمجھدار کاش ماں بھی ہوتی۔“ جواد احمد رشک سے بولے کیونکہ عنائے میں وقت سے پہلے ہی اتنی بھمداری آگئی تھی کہ وہ کبھی کبھی سوچتے تھے کہ ان کی یہ بیٹی ان حالات میں انور ہی نہ ہو جائے۔
”زندگی کے بل اگر ہم چاہیں تو اچھے بھی بنا سکتے ہیں اور بُرے بھی، مگر سمیرا زندگی کو سمجھ ہی نہیں رہی ہے، کتنا وقت اس نے ایسے ہی الگ سفر کرتے ہوئے گزار دیا ہے اور اس سفر میں وہ تنہا ہے کوئی بھی تو اس کے ساتھ نہیں ہے۔“ وہ آبدیدہ سے ہو گئے۔ عنائے دکھ و تاسف سے لب کھلنے لگی، ہمیشہ اس نے اپنے ابو اور امی کو الگ الگ ستوں میں جاتے دیکھا تھا کبھی بھی امی نے کمتیں ملانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔
”ابو! ہم ایک کوشش تو کر سکتے ہیں نا۔“

”ہوں..... کر سکتے ہیں لیکن مجھے پتہ ہے تمہاری ماں کا دماغ اُلٹا ہی چلا ہے پھر بولے گی کہ کوئی غرض ہوگی۔“ وہ گویا ہوئے۔ عنائے نے ان کے اندر کے دکھ کو سمجھا ہوا تھا اس کی یہی کوشش تھی کہ اس کی ماں کو خود ہی احساس ہو جائے کہ وہ تنہا ہیں انہیں اس طرح کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا تھا، سب کچھ ان کی مرضی کے خلاف ہی ہو رہا تھا، کیا تھا وہ راضی و رضا ہو کر ہر کام میں شامل ہوتیں تو کچھ بھرم رہ جاتا۔ وشہ کورہ رہ کے امی کی سرد مہری پر رونا آتا، عنائے کو اس کی بھی فکر تھی جانے بعد میں وہ وہاں کیسے سب سنبھال لے گی، غصہ کی کچھ تیز بھی تھی مگر وہ تو سمجھاتی رہتی تھی تو کچھ وشہ کے مزاج میں نرمی آگئی تھی۔

”کاش..... سب کچھ جلدی ٹھیک ہو جائے۔“ عنائے نے آنکھیں میچ کے دل سے ہی دعا کی کیونکہ لب تو ہر وقت دمائیں کرتے رہتے تھے کیا پتہ کون سا وقت قبولیت کا ہو اور دعا قبول ہو جائے جلدی۔

☆☆☆

جب جب دل کی بے کلی بڑھتی دل کے اندر کی خواہش سر اُبھارتی کہ کوئی فیصلہ تو کر لو اگر یہ سرد مہری نہ قرار رکھی تو شاید وہ اور دور بہت دور ہوتی جائے گی، جب ہر وقت سرد مہری ناراضی طاری رکھو تو انسان دور بھاگنے لگتے

ایسا اور پھر ایک ایسا انسان جو دل کا سرور ہے جسے سوچنے سے دل اور دماغ معطر سے محسوس ہوتے ہیں ایک دم زندگی اتنی اچھی لگتی ہے کہ دل چاہتا کہ وہ سامنے ہو اور زندگی کے خوبصورت لمحوں کو انجوائے کرے صرف اس کی بات میں مگر جب دل کا مکین اور وہ محبوب فاصلوں پر ہو تو یہ سب پھر ممکن نہیں ہوتا جب فیصلے کا اختیار اس پر تھا اس نے چپ نہ کیا مگر اب دل کی بے چینی اضطرابی ایسی بڑھتی جا رہی تھی کہ دماغ میں آگ بھرنے لگتی ایک دم دل کرتا سب کچھ ختم کر دے مگر صرف وہ خود کو روکتا کیونکہ یہ سب کرتا ہوا وہ کسی کو اچھا نہیں لگے گا۔ وہ جو دل کا ساز تھی۔ جینے کی امنگ تھی۔ وہ اتنے لوگوں میں اتنی منفرد اور سادہ تھی۔ وہ جو سب کی پرواہ کرتی فکر کرتی مگر جانے کیوں وہ اس کی جانب سے اتنی بے پرواہ تھی۔ اب خود کو بھی ویسا ہی بنانا چاہا اسے بھولنا چاہا اگنور کرنا چاہا اتنا ہی اس کی شخصیت میں بے زاری اور اکتاہٹ بڑھ رہی تھی۔

کبھی دل کرتا کہ اسے جھوڑ کے پوچھے اسے وہ کیوں نظر نہیں آتا اتنے سالوں سے وہ دل میں رکھ کے اسے چاہ رہا ہے کیوں اتنی بے حس ہے کیوں وہ اس کے ساتھ ایسا کر رہی ہے اس نے کب اس کے ساتھ بُرا کیا ہے۔ جب جب اسے سوچتا سوچوں میں خیالوں میں طغیانی آ جاتی خود پر ایسا لگتا کہ جذبات کا طوفان آ گیا ہوا اور اگر کبھی وہ اس طوفان میں تباہ ہو گیا تو کیا ہوگا اسی لیے تو سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا۔

”عنایبہ! تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا میں بس زندگی گزار رہا ہوں بے مقصدی۔“
آج دل بہت بے کل تھا سنڈے تھا مگر صبح سے نکلا ہوا تھا سوچا کہ احد سے مل لے اس دن کے بعد سے تو کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا تھا اور نہ ہی احد اس سے بات کر رہا تھا اکثر اگر آتا بھی تو ملے بغیر چلا جاتا محریب سے برداشت نہ ہوا تو چلا آیا۔

”یہ منہ پر بارہ کیوں بچ رہے ہیں۔“ احد کبھی دل میں ناراضی نہیں رکھتا تھا اور وہ صرف اگر اس سے بات نہیں کر رہا تھا تو اس لیے کہ اسے یقین تھا محریب ایک دن خود ہی آئے گا۔
”اتنے دن میری کوئی خبر خبری تو نے؟“ وہ الٹا اس سے شکوہ کرنے لگا۔

”کیا خبر لیتا میرے ساتھ تو سلوک کیا کرتا ہے یاد کر۔“ احد کو بھی آج سنانے کا موقع مل گیا۔ محریب جمل سا سنگل صوفے پر ٹیک لگائے اسے بغور دیکھنے لگا لیوں کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا شاید پچھلے دنوں کی نئی زائل کر رہا تھا۔

”ایسے اجنبیوں کی طرح میرے سامنے سے گزرتا ہے تو میری ہمت پڑتی میں نے بھی پھر چھوڑ دیا۔“
”یہ تو ہمیشہ جانتا ہے صلح کرنے میں پہل میں ہی کرتا ہوں۔“ اس نے احد کے بھڑکتے انداز پر گویا اپنے اس جملے سے پانی چھڑکا کہ وہ اپنا غصہ کم کر دے۔

”کیا بات ہو اگر آپ یہ پہل عنایبہ جو اد سے بھی کر لیں۔“
”پھر بے وقت کی راگنی شروع میں محض اسی وجہ سے تم سے بات نہیں کرتا۔“ ایک دم ہی اس کا موڈ خراب ہونے لگا کچھ لمحوں پہلے کتنا عنایبہ کے خیالات اور سوچوں سے الجھ رہا تھا صرف اسی وجہ سے یہاں کا رخ کیا تھا۔

”یہ بے وقت کی راگنی نہیں ہے تم نے عنایبہ کے ساتھ جو سلوک رکھا ہوا ہے سوچو اگر جواد ماموں کو پتہ چلے گا تو کتنا احساس کریں گے۔“
”یہ اچھا ہے سب اس کی پرواہ کریں میری کوئی نہیں کرتا میں کیا چاہتا ہوں کیا سوچتا ہوں۔“ وہ کھسیا کے چڑ

کے گویا ہوا۔

”فیصلہ تمہیں دیا تو تھا پھر کیوں تم نے منع کر دیا۔“

”فیصلہ مجھے دیا تھا یا احد! تم سوچو اگر وہ میری زندگی میں آ بھی جاتی تو کیا ایڈ جسٹ ہو جاتی ہر وقت اسے اپنی امی کا خیال رہتا۔“

”شروع کی بات ہوتی جب تمہارے بچے کی ماں بنتی تو سب بھول جاتی۔“ احد اسے ہر طرح سے سمجھا رہا تھا پھر اس سے اپنے مسئلے شیر کرتا تھا محریب کے مزاج کو بھی وہ خوب سمجھتا تھا۔
”جیسے بہت آسان ہوتا ہے یہ سب۔“ محریب نے مسخراڑایا۔

”کیوں کیا مشکل بات ہے صرف نکاح ہونے کی دیر ہوتی ہے ساری لڑکیاں نکھلنے لگتی ہیں۔“
”مجھے پکھلی ہوئی موم بتی اٹھانے کا کوئی ایسا تجربہ نہیں ہے کیونکہ اس موم بتی کو اگر میں نے ٹھیک بھی کرنا چاہا تو وہ بار بار پکھلتی ہی رہے گی کیونکہ نہ تو مجھے وہ طریقے آتے ہیں جو عام مردوں کو آتے ہیں کہ اسے سیدھا اور ٹھیک کیسے رکھا جاتا ہے۔“ محریب اتنی گہری اور ذومعنی بات کہہ رہا تھا کہ احد تو متحیر سا اسے دیکھ رہا تھا۔
”واہ جی واہ مسٹر محریب احمد کو تو فلسفہ بھی آتا ہے۔“

”یار! بکواس نہیں کیا کرو ہر وقت مذاق کے موڈ میں رہتے ہو۔“ وہ جھینپا۔
”سن میرے بھائی تیرے قدم اٹھانے کی دیر تھی تو نے کیوں اس کا خیال کیا جب جواد ماموں راضی تھے کہ تمہاری اور عنایبہ کی شادی ہو اور پھر عنایبہ نے بھی رضامندی دے دی تھی۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔
”ایسی رضامندی سے میں نے انکار ہی کیا۔“

”میری یہ سمجھ نہیں آتا کہ تم اب چاہتے کیا ہو؟“ احد کی سمجھ کچھ تھک سی گئی۔
”میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے سامنے نہیں آیا کرے کیونکہ جب میں اسے دیکھتا ہوں میرے اندر کی خردی بڑھنے لگتی ہے یار! میں ایسا تو نہیں تھا صرف اس لڑکی کی وجہ سے میں الجھ کے رہ گیا ہوں گھر میں امی الگ میری وجہ سے پریشان رہتی ہیں دادی جان کے پاس بھی کم بیٹھنے لگا ہوں کیونکہ انہیں اپنی پوتی یاد آتی ہے یار میں کس کس کا خیال رکھوں کیا کروں ایسا کہ میرے یہ اتنے چاہنے والے خوش رہیں۔“ بے زار سا لہجہ اس پر تھا۔
”تمہیں میں تمام کے بیٹھ گیا۔“

”جب تک تم خوش نہیں رہو گے دوسروں کو بھی خوش نہیں رکھ سکتے۔“
”یار! کبھی کبھی دل کرتا ہے سب چھوڑ چھاڑ کے واپس امریکا چلا جاؤں۔“ وہ لب کھلنے لگا۔
”بڑی مامی تمہیں جانے دیں گی۔“

”مسئلہ امی کا ہے ویسے اتنی فکر مند رہتی ہیں پھر تو انہیں یقین ہو جائے گا میں فرار حاصل کر رہا ہوں۔“
”تمہارے یہاں سے جانے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوں گے وہ جوں کے توں رہیں گے عظمندی کا تقاضا یہ ہے کہ تم یہاں سامنے رہ کر سب فیس کرو۔“

”مجھ میں ہمت ہی جیسے ختم ہو رہی ہے۔“ وہ افسردہ غمزہ رنجور منتشر ذہن کے ساتھ تھا۔
”عنایبہ کو دیکھ کر تمہیں کیا سب سے زیادہ محسوس ہوتا ہے؟“ احد آہستہ آہستہ اسے گھیرنے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ محریب کم ہی اس سے اپنی کوئی ایسی بات شیر کرتا تھا۔
”دیکھ کر مجھے غصہ آنے لگتا ہے۔“

”اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ بھی سامنے ہوگی اور میں نہیں چاہتا کہ مائز کی شادی میں کوئی ایسی تلخ بات تم دونوں کی وجہ سے ہو۔“ وہ مدبرانہ انداز میں سمجھانے لگا۔

”تم فکر نہیں کرو اس بات کا مجھے بھی خیال ہے۔“ وہ کھڑا ہوا۔

”ارے بیٹھو تو شامین سے کہتا ہوں کہ چائے کے ساتھ کچھ نمکین بھی لے آئے۔“ احداٹھا۔

”نہیں یار! چلوں گا کیونکہ مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔“ وہ عذر پیش کرنے لگا۔

”کس کے لیے؟“ معنی خیزی سے پوچھا۔

”جس کا تم پوچھنا چاہتے ہو میری ماں نے پہلے ہی سب کچھ تیار کر کے سوٹ کیس بھیج دیا ہے۔“ وہ مسکرا کے بتانے لگا۔

”ہاں شامین اور ندرت بتا رہی تھیں۔“ احدا کو یاد آیا، محریب پھر زکا نہیں۔

☆☆☆

زندگی نے اچانک ہی موڑ لیا تھا اور وہ حیران تھا پریشان متفکر یہ اس نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ وقت اس پر آئے گا اور جب وہ دل کے ایوانوں میں اندر آتی چلی گئی وہ جیسے خود پر پہرے نہیں بٹھایا، اکثر وہ اپنی اس کیفیت سے پریشانی اور فکر میں بھی مبتلا ہو جاتا۔ ابھی اسے اپنے سنے اور خواہش سنبھال کے رہنسی تھی۔ جب تک وہ اس قابل نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ زبان پر بھی نہیں لاسکتا تھا۔ اسے مائز پر رشک آنے لگا ابھی تو اس نے سوچنا شروع کیا تھا اور اسے تعبیر بھی مل رہی تھی۔ فائق کا دل عجیب بوجھل اور بے کل سا ہونے لگا اس کے کمپیوٹر انجینئرنگ کے بھی آخری سال کے چند ماہ ہی تھے، لمبا چوڑا اتانا فائق اس بُری طرح ایک لڑکی کے آگے بے سدھ ہوا تھا کہ وہ خود سے ہی جیسے نظریں پُجرا رہا تھا۔

”فائق! کیا کر رہے ہو؟“ ندرت دروازہ کھولتی ہوئی اندر آ گئی۔ اس نے کچھ گڑبڑا کر اور حیرانگی سے ان کی جانب نگاہ اٹھائی۔

”خیریت تو ہے۔۔۔۔۔“ اس نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔ ندرت بھی جب سے مائز کی شادی کا سلسلہ چل نکلا تھا آتی جاتی رہتی تھی کبھی رُک بھی جاتی۔

”ہاں خیریت ہی ہے، وہ فراج آیا بیٹھا ہے تم کچھ اس سے بات چیت کرو آ کر۔“ اس نے اس کا بازو پکڑا۔

”آئی! آپ نے تو مائز کی شادی کے بعد رکھا تھا یہ سلسلہ پھر دوبارہ یوں اچانک کیوں؟“ اسے اس کی جلد بازی اچھی نہیں لگی۔

”میری ساس کو جلدی ہے اور پھر میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ دیکھ بھال تو لو تم بڑے بھائی ہو آ کر بیٹھو، محریب بھی وہیں ہے۔“ اس نے سمجھایا۔

”مجھے آپ کی یہ جلد بازی اچھی نہیں لگ رہی ہے، بعد میں آرام سے سوچ سمجھ کے بات کر لیتے، کون سا فراج ابھی جا رہا ہے۔“ وہ برہم ہونے لگا۔

”ہم بھئی کونٹنائیں گے تو پھر تمہاری طرف آئیں گے۔“ وہ جھٹ بولیں۔

”کیا مطلب میری طرف آئیں گے؟“ وہ جیسے کچھ سمجھا نہیں۔

”ارے لڑکے تمہاری بھی کہیں تو بات چلائی ہی ہے نا۔“

”سوری میرا ابھی تین چار سال تک کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ اس نے آئینے میں دیکھ کر اپنے بال درست کیے، بلیو

”غصہ کے علاوہ۔“ وہ پھر گویا ہوا۔

”ترس بھی آتا ہے خیال اس کا ہر وقت میرے دل و دماغ پر رہتا ہے کہ میں نے اس سے اپنا سر اور ناراضی والا رویہ کیوں رکھا ہوا ہے۔“ وہ قدرے توقف کے بعد شرمندگی سے بولا۔

”یار محریب! تم اس کی بھی مجبوری سمجھو۔“

”میں سب سمجھتا ہوں، جانتا بھی ہوں مگر مجھے اس سے یہی شکایت ہے کہ میری اس کی نظر میں ذرا سی بھی اہمیت نہیں ہے، کچھ نہیں سوچتی ہے۔“ وہ ہانسا اور کھرا کھرا بولتا احدا کو بہت ہی قابلِ رحم لگا۔

”میرے پاس مسئلے کا حل ہے اگر تم مانو تو۔“

”رہنے دو وہ حل مجھے بھی پتہ ہے مگر میں یہ سب نہیں چاہتا۔“ وہ اس کی اگلی بات سمجھ کے گویا ہوا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔

”میری بات سن تولو۔“

”نکاح کرنے کو کہو گے، انی سے میں پہلے ہی منع کر چکا ہوں، مجھے قسطوں میں نہیں ایک دم ہی وہ لڑکی چاہیے۔“

”نگاہ خراکے وہ بول رہا تھا، احدا کی حیرانگی سے آنکھیں پھیل گئیں، لب بھی مسکرا اٹھے۔

”واہ کیا بات کہی ہے قسطوں میں نہیں ایک دم۔۔۔۔۔“

”کیوں کیا غلط بات کہی میں نے؟“ وہ اسے گھورنے لگا۔

”بالکل ٹھیک بات کہی ہے۔“

”مجھے وہ ابھی بکھری بھی نہیں چاہیے، میرے پاس آئے تو صرف میرے خیال اور تصور کے ساتھ آئے، اسے پچھلی کوئی ٹینشن نہ ہو صرف مجھے سوچ کے آئے۔“ احدا پر تو حیرانی کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، محریب نے آج پہلی بار اپنے دل کی بات اور سوچیں شیئر کی تھیں۔

”میں تو سمجھتا تھا تم بس ایسے ہی رہو گے مگر تم تو خاصے رومینک بندے لگے۔“ احدا معنی خیزی سے چھیڑنے لگا۔

”فضول بکواس کوئی نہیں سنوں گا۔“

”محریب احمد! آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے مجھے اس قابل جانا اور سب کچھ کہہ دیا۔“

”سنو! اگر میری یہ باتیں شامین بھابی سے کہیں تو سوچ لینا اسی دن سے بات کرنا تو دور کی بات تمہارا سامنا کرنا چھوڑ دوں گا۔“ محریب نے اسے وارننگ بھی دی کیونکہ شامین کی عنایت سے کافی دوستی تھی اور وہ یہی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کوئی بات عنایت کو پتہ چلے، اسی وجہ سے احدا سے کوئی بات کرنا نہیں تھا کیونکہ احدا کے مذاق اسے بہت غصہ دلاتے تھے۔

”او کے او کے ایسا کچھ نہیں کروں گا، تم بے فکر ہو میرے تم بھائی ہو اور میں راز ہی رکھوں گا۔“ اس نے محریب کو مسکرا کے یقین دلایا۔

”مائز کی شادی پر تو تم کچھ اپنے ایکسپریشن ٹھیک کر لینا۔“

”کوشش کروں گا۔“ محریب اسے بتانے کے بعد جیسے کچھ ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

”کوشش نہیں کرنا ہے اور کوئی نخرہ وغیرہ نہیں کرنا ہے سمجھے تم۔“

”یہ تو میرا دادا ابابا کیوں بن کے ہدایتیں دے رہا ہے۔“ اس نے اپنے پیچھے سے کشن نکال کے اس پر نشانہ

باندھ دیا۔

”میں کیا مری رہ رہی ہوں، فراج میں، میں نے ابھی تک کوئی برائی نہیں دیکھی ہے۔“ وہ تو اس سے بحث پر ہی آمادہ تھی۔

”جو بھی ہے میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ فراج میں کوئی برائی ہے مگر کچھ وقت تو درکار ہوتا ہے سوچنے سمجھنے کے لیے۔“ وہ کھسیا ہٹ کا شکار ہو گیا۔

”ندرت مان لو بیٹی اس کی بات یہ بھی غلط نہیں کہہ رہا ہے۔“ نزہت نے رسان سے کہہ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔ وہ آنکھوں میں نمی لے کر پیر پختی ہوئی اندر چلی گئی، فائق نے تاسف سے اسے جاتے دیکھا، وہ بھی مجبور تھا صرف اس لیے کہ یہ رشتے اتنی جلدی بلا سوچے سمجھے تو جوڑے نہیں جاتے، جب تک وہ فراغ کو پرکھ نہیں لے گا وہ کسی کو بھی کچھ کرنے نہیں دے گا، وہ اپنے بہن بھائیوں سے پیار بھی بہت کرتا تھا۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“ فائق نے اسے گھورا۔

”وہ بھائی میں سوچ رہا تھا کہ آپ کھڑے کھڑے سوتو نہیں رہے ہیں۔“ اس نے تسخراہ انداز میں کہا۔
 ”بکومت۔“ اسے ڈانٹ کے وہ باہر نکل گیا، رافع شانے اچکا کے رہ گیا، وہ خود فائق سے بہت ڈرتا تھا مگر کبھی کبھی اپنی جولی طبیعت کی وجہ سے اسے چہیمٹر بھی دیتا تھا۔

وہ جیسے ہی آ کے بیٹھانیا زعلیٰ مسز نیاز اور حمئی وہاں پہلے ہی موجود تھے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا، سٹڈے کو تو وہ زیادہ آرام کرتا یا پھر کہیں نکل جاتا، آج بھی سارا دن اوپر اپنے کمرے میں ہی رہا مگر پھر شام کے وقت طبیعت کچھ بے زار ہوئی تو نیچے چلا آیا۔

”اٹھ گئے تم“۔ محسنی تو اسے دیکھ کر ہمیشہ کھل پڑتی۔ محمود بلیک پینٹ پر ڈھیلی سی ٹی شرٹ میں ملبوس چہرے پر دنیا جہان کی بے زاری لیے بیٹھا تھا۔

”کیسے ہو بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“ مسز نیاز نے مسکرا کے اس کی خیریت دریافت کی۔ ناچاہتے ہوئے انتوں کی نمائش کرتے ہوئے آداب و اخلاق نبھائے، کلثوم بانو بیٹے کی بے زاری دیکھ رہی تھیں۔ ہشام سالار بھی تنقیدی نگاہوں سے اسے گھورنے لگے مگر انہیں دیکھ کر وہ مودب بن گیا۔

”بیٹا بہت کم نظر آتے ہو۔“ مسز نیاز نے شکوہ کیا۔ وہ بھی خمنی کی طرح ہی خاصی ایڈوانس تھیں، مطلب میک اپ فیشن میں بیٹی سے کم نہ تھیں مگر لباس وہ خمنی والے نہ پہنتی تھیں۔

”حمود بیٹے نے اپنی الگ فیکٹری بھی شروع کر دی ہے۔“ نیاز علی نے ستائشی انداز میں کہا۔ وہ پہلو بدل کر بیٹھ رہا تھا کیونکہ بیٹھنا اسے ناگوار بھی گزر رہا تھا۔

”گڈ!“ مسز نیاز نے تعریف کی۔

”مام! تمہود کے ساتھ میں لانگ ڈرائیو پر ہو کر آتی ہوں۔“

”وہ دراصل حمی! مجھے ابھی ایک کام سے نکلنا ہے، میری کہیں کمشنٹ ہے۔“ لحاظ کیے بغیر بالکل صاف انداز میں منع کر دیا۔

”آج سنڈے ہے تمہاری کہاں کمینٹ ہے؟“ ہشام سالار نے نکتہ اعتراض اٹھایا، حمود کچھ گڑبڑایا شپٹایا مگر پھر ذرا ہی خود کو سنبھال بھی لیا ورنہ بابا تو اسے گھیر بھی لیتے تھے۔

رداؤ انجسٹ [۱۱۱] اگست ۲۰۱۰ء

شرٹ کی فولڈ کی ہوئی آستینیں نیچے کیسے سُنڈے تھا سب ہی گھر میں موجود بھی تھے۔
”فضول کی بات نہیں کرو“۔ ندرت غصہ میں آ گئی۔

”یہ فضول کی بات نہیں ہے، آپ کو بتا رہا ہوں یہ میں ہوں مائز نہیں کہ مان جاؤں۔“ حالانکہ تھاندرت سے چھوٹا مگر رعب بڑے بھائیوں والا رکھا ہوا تھا۔

”ناز کی تو مجبوری میں کرنی پڑ رہی ہے۔“ وہ نرم لہجے میں بولی۔

”جو بھی ہوا اگر آپ نے کسی سے بھی میرے سلسلے میں کہیں بات کی تو اچھا نہیں ہوگا۔“ گویا وارننگ دی۔
 ”کوئی لڑکی پسند کر لی ہوگی تم نے اپنی یونیورسٹی میں۔“

”یہ فضول کی حرکتیں مجھے پسند نہیں ہیں کہ لڑکی پسند کرتا پھروں“۔ وہ غصے میں آ گیا۔

”اچھا اب تم آتو جاؤ ڈرائنگ روم میں ہیں سب“۔ وہ اسے کہہ کر لب بھینچتی ہوئی چلی گئی، فائق نے بھی تھلید کی ڈرائنگ روم میں گھر کے مرد سب ہی موجود تھے۔ لمبا چوڑا سرخ و سپید رنگت کا فراج خاصا سوہر بھی لگا، فائق نے اس سے ہاتھ ملایا۔ محریب بھی ساتھ ہی بڑے صوفے پر بیٹھا تھا، بڑا سا ڈرائنگ روم جہاں تین خوبصورت سے جدید اسٹائلش صوفے سیٹ سینٹرل میں دو خوبصورت سی کرشل ٹیبل اس پر چند ڈیکوریشن پیمز وال پر پردے دو بڑے بڑے فانوس روشنی بکھیر رہے تھے۔

فراج سے سب نے ہی بات کی تھی، معصوم طبیعت کا لگا تھا اس میں عام لڑکوں کی طرح کوئی شواف بھی نہیں تھی، سر جھکائے مودب انداز میں سب سے ہی گفتگو کر رہا تھا، وہاں بھائی کی توپوری کوشش تھی کہ ان کے بھائی سے ان کی سالی کا رشتہ طے ہو جائے۔ ندرت، فائق کو بھی نوٹ کر رہی تھی جو نارمل انداز میں ہی اس سے بات کر رہا تھا، ابو، تاتیا ابو سب ہی کچھ کچھ مطمئن بھی لگے۔ فائق اٹھ کر باہر چلا گیا ندرت کو فکر ہوئی وہ بھی فوراً ہی پیچھے آئی۔

”کیوں کیسا لگا فراج تمہیں؟“ ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”ٹھیک لگا ہے مگر ابھی کوئی بھی ایسی بات نہیں کریں گی آپ جو ارادہ ظاہر کرے، میں دو تین بار اور اس سے ملوں گا پھر ہی فیصلہ ہوگا۔“ وہ بالکل بڑے بھائیوں کی طرح بات کر رہا تھا، کبھی کبھی اندرت کو لگتا وہ اس سے بھی بڑا ہو۔“

”ابو اور تاپا ابو کو تو پسند ہے۔“

”لیکن ابھی کوئی ہاں نہیں کی جائے گی، ابو اور تایا ابو سے میں خود بات کروں گا، آپ کا تو بس نہیں چل رہا کہ یسینی کو ابھی رخصت کر دیں۔“ نزہت بچن سے نکل رہی تھیں انہوں نے فائق کی بات پر غور کیا، وہ کہہ تو ٹھیک ہی رہا تھا۔

”فائق ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ انہوں نے بھی تائید کی۔

”تائی امی! میری سانس تو پوچھیں گی مجھ سے۔“ کچھ روہا نسی ہو کر بولی، ایسے فائق کی ضد پر بھی غصہ آنے لگا۔

”اپنی ساس کو آپ خود ہینڈل کریں گی مگر فیصلہ اتنی جلد ہی نہیں ہوگا۔“ وہ قطعی انداز میں گویا ہوا۔

’اونہہ..... تم میں پتہ نہیں اتنی ضد کیوں ہے ہر بات سے انکار کرتے ہو‘۔ وہ خفگی اور ناراضی سے بولی۔

”آپی! آپ مجھ کو کیوں نہیں ہیں؟ زندگی بھر کے فیصلے اتنی جلدی نہیں کیے جاتے کہ بعد میں پچھتاہڑے۔“

’جب ابو اور تایا ابو کی مرضی ہوگی تو تمہاری بھی نہیں چلے گی۔‘

”مگر یہاں میری مرضی چلے گی، میں جو کہوں گا وہی ہوگا، رشتے جب قائم کیے جاتے ہیں تو سوچا سمجھا کے کیے جاتے ہیں۔“

رواڈ انجسٹ 110 اگست 2010ء

”محریب سے ملنا ہے بہت دن سے اس سے نہیں ملا ہوں اس نے اور میں نے آج ڈنر ساتھ کرنا ہے۔“ وہ عذر تراش کے بولا کیونکہ یہ سب کہانی اس نے ابھی تیار کی تھی۔

”بیٹا! کچھ دیر ہمارے ساتھ بھی وقت گزار لیا کرو آفس میں بھی تم اپنے کیمین میں ہی رہتے ہو۔“ نیاز علی کو تو اکثر اس سے یہی شکایت رہتی۔

”انکل! میری اس سے پرسوں ہی بات ہو گئی تھی ورنہ میں ضرور آپ کے ساتھ وقت گزارتا۔“ وہ فوراً ہی جان چھڑاتا ہوا کھڑا ہوا مگر بابا کی کھوجتی تنقیدی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں، کتنی الگ بد مزاجی بیٹھتی تھی کیونکہ وہ تو موقع تلاشی تھی حمود کے ساتھ وقت گزارنے کا مگر وہ ہاتھ بہت مشکل سے آتا تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں چڑھنے لگا رحمہ نے اسے روک لیا وہ اوپر سے سیڑھیاں اترتی آ رہی تھی۔

”آپ کا موبائل کب سے نکال رہا ہے کمرے سے آواز آ رہی ہے۔“

”اوہ.....“ وہ پھر تیزی سے آگے بڑھا۔ کمرے میں آیا تو موبائل بند ہو چکا تھا اس نے جانے کی جلدی جلدی تیاری کی تاکہ بابا اسے نہ روک لیں، جھوٹ تو بول دیا تھا مگر لمحوں میں اپنا پروگرام بھی سیٹ کر لیا کہ آج ڈنر وہ منجھلی کے ساتھ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کمرے گا، کم از کم کچھ پل اس کی سنگت میں گزارنے کو تو ملیں گے، گھر پر پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں ڈینٹ اور سو بڑ لگ رہا تھا، نفاس سے سنورے بال پر فیوم کی بھینی بھینی مسور کن خوشبوؤں میں بسا وہ بیٹھا تھا، منجھلی نے جب دیکھا کہ وہ ڈنر پر ساتھ لے جانے آیا ہے اس کا تو دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا اور مسلسل اپنا انکار کھلوائے جا رہی تھی، حمود کو حکمت کی پریڈ پر ترس آیا جو کبھی اس کا پیغام اندر لے جاتی اور کبھی منجھلی کا پیغام اسے دے کے جاتی۔

”بیٹا! آپ خود ہی اس سے بات کر لو مجھے پتہ ہے وہ شرم میں منع کرتی رہے گی۔“ مبینہ نے اس کی گویا مشکل آسان کی وہ اجازت ملے ہی کھڑا ہو گیا۔ تہذیب کچن میں رات کے لیے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ جھجکتا ہوا اندر آیا وہ جب بھی اندر آتا اسے جھک ہی محسوس ہوتی کیونکہ وہ سب کیا سوچتی ہوں گی کہ پتہ نہیں کب منجھلی کو اپنے گھر لے کے جائے گا۔

”مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟“ کچھ نرم اور دبی دبی آواز میں بولا تاکہ باہر آواز نہ جائے۔ منجھلی گڑبڑا کے چیخ سے کھڑی ہو گئی، پنک کاٹن کے لباس میں سر پر آچل ڈالے ہوئے تھی۔

”کتنی دیر میں تیار ہو گی؟“ وہ اس کا جائزہ لینے کے بعد سینے پر بازو لپیٹے پر شوق نگاہوں سے دیکھتا ہوا اس کے بالکل مقابل آ گیا وہ گھبراہٹ میں ہی اس کا اعتماد بھاگنے لگا۔

”مجھے ایسے اچھا نہیں لگتا چوری چھپے آپ کے ساتھ کہیں بھی آتے جاتے۔“

”یہاں سے تو ہم کسی سے بھی چھپا کے نہیں جا رہے، آنٹی کو بتا کر جائیں گے حتیٰ کہ محریب کو بھی پتہ ہے۔“

لبہ مخمور بنا لیا۔

”آپ کے گھر میں تو کسی کو نہیں پتہ ہے ابھی کچھ بھی ہو اور پھر میں خوش فہمیوں کے پل نہیں تعمیر کرنا چاہتی، میری جو حیثیت ہے میں جانتی ہوں زندگی میں بس آپ کے نام کا سہارا چاہیے تھا اس سے زیادہ کی مجھے کوئی تمنا نہیں ہے۔“ وہ ایک ایک لفظ جتا کر بولتی حمود کو افسردہ اور مایوس سی لگتی تھی وہ اس کے واہمات خدشات سب سمجھتا تھا مگر وہ اس کے ڈر کو نکال کے اسے اسی طرح پُر اعتماد دیکھنا چاہتا تھا جیسے پہلے دن ملی تھی اسے یہ بھی فکر نہیں تھی کہ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکے گی وہ اتنی پُر اعتماد تھی کہ سب فیس کر سکتی تھی۔

”انہیں اگر میں نے بتا دیا تو میرے بابا سب سے پہلے میرا اور منجھلی کا نکاح کل ہی کرادیں گے۔“ مسکرا کے شوخی سے کہا۔ منجھلی نے نگاہیں اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو وارفتگی سے اسے دیکھ رہا تھا، گرمی شوخی سے اس کے رخسار کچھ دھک سے گئے۔

”جانم! تمہیں یہ سب سوچنے کی ابھی ضرورت بالکل نہیں ہے۔“ پھر شرارت سے گویا ہوا۔

”سوری میں ایسے طرزِ مخاطب کی بالکل عادی نہیں ہوں۔“ حمود کے رومینک انداز سے پہلے ہی پسینے آ رہے تھے اس پر اس کے ایسے ڈائیلاگ۔

”کیوں میرا طرزِ مخاطب اتنا برا ہے میں اپنی بیوی سے کسی بھی انداز میں مخاطب ہو سکتا ہوں۔“ وہ مسکرانے لگا۔

”چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ کیونکہ مجھے آج اپنی زندگی کے لمحوں کو اتنا یادگار بنانا ہے کہ ہم دونوں بعد میں یہ دن یاد کریں مگر مل کر ایک ساتھ جب تم میرے گھر میں آ جاؤ گی انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن قریب ہے۔“ حمود نے اپنی باتوں میں جذبے اور یقین سمو کے اسے سمجھایا۔

”جس کی زندگی خود اتنی پھٹکی اور بے رنگ ہو وہ کیا آپ کی زندگی کے لمحوں کو یادگار بنائے گی، سوائے اس زندگی میں غم فکر اور ٹھکرائے جانے کے۔“

”ہو گئی تمہاری یہ گفتگو یار! کبھی تو میرے حال پر رحم کر دیا کرو فون پر بات کرو جب وہی اور سامنے ہو تو جب وہی حال ہے تمہارا۔“ وہ کھسیا ہٹ کا شکار ہو گیا۔

”جب ہی تو کہتی ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں ورنہ آپ کی زندگی کے رنگ بھی پھیکے پڑ جائیں گے۔“ نگاہ اس کی جھکی ہوئی تھی۔

”لگتا ہے مجھے اب تمہارے ساتھ سارے لحاظ اور مروت بالائے طاق رکھ کے تم سے حکم کے انداز میں بات کرنی پڑے گی۔“ وہ تھوڑا غصہ میں آ گیا۔

”پانچ منٹ کے اندر تیار ہو کے باہر آؤ ورنہ میں تمہیں ایسے ہی لے جاؤں گا اور مزید میرے دماغ کے کیڑے کلبلائے تو یہاں چھوڑ کے بھی نہیں جاؤں گا۔“ وارننگ دینے کے ساتھ لہجہ بھی معنی خیز ہو گیا، منجھلی نے اسے گھورا جو واپس پلٹ چکا تھا اسے زبردستی تیار ہونا پڑا، تہذیب نے تو خوب ہی چھیڑا، گرین کپڑوں میں ملبوس بڑی سی چادر لپیٹ کے اس کے سامنے تھی، حمود نے اچھٹی نگاہ ڈالی۔

”آئی اجازت۔“ وہ ان سے رخصت لے کر نکل گیا۔ منجھلی بھی اس کے پیچھے چل رہی تھی، تہذیب اور حکمت گیٹ تک اسے چھوڑنے آئی تھیں، حمود کے چہرے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی فرنٹ سیٹ پر وہ بیٹھی تھی حمود کے لب کچھ گنگنا رہے تھے اسے جانے کیوں اس طرح حمود کے ساتھ جانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا، وہ کچھ نہیں بول رہی تھی، حمود اس کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا، اس کی نگاہ سامنے وڈ اسکرین سے باہر لا تعلق سی تھی۔

☆☆☆

ریسٹورنٹ کا دھیمادھیماماحول مدھم مدھم پیلی پیلی فانوس کی روشنی میں اس کا چہرہ ایسا چمک رہا تھا کہ حمود ٹیبل پر انہوں ہاتھ کی کہنیاں ٹکائے اس کے چہرے کو اپنی بھوری آنکھوں میں سمور رہا تھا۔

”آنکھوں کے جمرو کے سے چپکے سے اجازت بنا لیے دل چاہا دھوکے سے چپکے سے اور ساتھی میرے

میرے سپنوں میں تیرے خواب آتے ہیں.....“
ایک دم ہی ماحول میں عدنان سمج کی آواز میں مدھم مدھم سونگ نے ماحول کو اور سحر انگیز بنا دیا، منتہی کے غازوں پر سرخی بڑھنے لگی تھی وہ حمود کو اپنی جانب وارفتگی اور کھوئے ہوئے انداز میں دیکھتے ہوئے وہ گھبرانے لگی اس پر اس سونگ نے اور ہنسنے کا سامان کر دیا تھا۔

”آپ کھا نہیں رہے؟“ اس کی توجہ ٹیبل پر دھری انواع اقسام کی جانب کروائی جو حمود نے اتنا کچھ منگوا لیا تھا۔
”تم کھاؤ۔“ وہ آنکھوں میں خمار لیے آہستگی سے گویا ہوا۔ منتہی نے اطراف میں نگاہ دوڑائی، ٹیبل پر موجود لوگ اپنی جگہ کھانے میں مصروف تھے۔

”اتنا کچھ میں اکیلی کھاؤں گی۔“ اس نے جھینپ کے کہا۔
”آج میں تمہیں کھانا کھاتے ہوئے دیکھوں گا۔“
”ٹھیک ہے پھر مجھے کھانا ہی نہیں ہے، کھڑے ہو جائیں مجھے گھر چھوڑ کے آئیے۔“ وہ مشتعل ہو گئی۔
”ارے ارے بیٹھو میں مذاق کر رہا تھا۔“ اس نے ہنسایا۔

”اتنے دنوں بعد تم سے مل رہا ہوں، دیکھ رہا ہوں، اتنا بھی حق نہیں میرا۔“ اس نے منتہی کی پلیٹ میں چکن تکہ نکالا۔

”باقی چیزیں خود نکالو اور میری پلیٹ میں بھی نکالو۔“ فوراً خیال آیا تو اپنے دونوں ہاتھ سمیٹ کے جیسر سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔ منتہی نے اسے گھورا، شرم و جھجک میں اس کی پلیٹ میں بھی اپنی پسند سے ڈال دیا۔
”کھائیے۔“ شہادت کی انگلی سے پلیٹ کی جانب توجہ دلائی۔
”دل کر رہا ہے آج تمہیں کھالوں۔“ وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔
”ہاں کھالیں کیونکہ زندگی نے ہی مجھے اتنا کھا لیا ہے اب کچھ طلب بھی نہیں۔“ اس کے لہجے اور بات میں ویرانی تھی۔

”اف مائی گاڈ!“ حمود نے اپنا سر ہی تھام لیا۔
”میرے سارے رومینک موڈ کو ایسے بے دردی سے ٹھوکر مارتی ہو کہ مجھے غصہ آنے لگتا ہے۔“ منتہی کو ہنسی آ گئی وہ لب بھینچ کے مسکراہٹ روکنے لگی اور پھر چکن تکہ کو توڑ کے منہ میں لقمہ لے جانے ہی لگی تھی کہ حمود اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کے اس کا ہاتھ پکڑ کے لقمہ اپنے منہ میں لے گیا اور اس کی انگلیوں کو بھی چاٹ لیا۔

”کیا کر رہے ہیں۔“ وہ گڑبڑا کے گھبرا گئی اطراف میں کن آنکھوں سے دیکھا کہ کتنے لوگوں نے دیکھا۔
”کوئی نہیں دیکھ رہا ہے سب اپنے آپ میں مگن ہیں۔“ حمود اس کی نگاہوں کا مضمون سمجھ گیا۔
”آپ کو شرم نہیں آتی ہے۔“ پہلی بار اس نے کچھ کہا۔

”بالکل نہیں۔“ وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتا کھانے میں بھی مصروف تھا۔
”آپ نے اتنا کچھ منگوا لیا ہے مجھے تو دیکھ کر ہی ایسا لگ رہا ہے کہ میرا پیٹ بھر گیا ہے۔“ بریانی، چکن تکہ، چکن قورمہ، سلاڈ، میٹھے میں کسر ڈ تھا۔

”مجھے اتنی کمزور اپنی بیوی نہیں چاہیے۔“ وہ پھر بولا۔
”پلیز! کچھ تو خیال کریں آپ۔“ اس نے دبی ہوئی آواز میں ٹوکا۔
”تم میرا خیال کرو کتنا مجھے تڑپاتی ہو اس پر سے اتنی نقل گفتگو۔“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ اسی اثناء میں حمود کا

ٹیبل پر رکھا موبائل ہیپ دینے لگا، دونوں خاموش ہو گئے، حمود نے دیکھا جتنی کی کال تھی۔

”ارے ریسو کیجیے ناں۔“ منتہی نے اشارہ کیا۔ وہ برے برے منہ بنانے لگا، اس بلا سے بچ کے تو یہاں آیا تھا، کچھ لمحوں میں اسے بھول بھی گیا تھا مگر پھر اسے ڈسٹر ب کر دیا۔
”اٹھائیے تو دیکھیے کیا جا رہے ہیں۔“ وہ پھر ٹوکے لگی۔

”میرا بالکل دل نہیں کر رہا ہے اس سے بات کرنے کو، خواہ گئے پڑ رہی ہے۔“ موبائل اب بند ہو چکا تھا، کال اس نے ریسو ہی نہیں کی، تشکر بھر اسانس بھرا۔
”آپ کو بات تو کر لینی چاہیے تھی۔“

”کیا بات کرتا، وہی شکوہ کرتی کہ ذرا سا تھ نہیں کیا یہ وہ پتہ نہیں کیا پھر بولتی۔“ اس نے کھانا شروع کر دیا۔
دونوں نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا، پھر لاگ ڈرائیو پر لے گیا، منتہی کو غنبد کے جھونکے آنے لگے، بارہ بجنے والے تھے۔

”مجھے نیند آرہی ہے گھر چلیں اب۔“ وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولی۔
”اوکے۔“ حمود کو بھی جیسے ترس آیا۔ کچھ ہی دیر میں گاڑی باہر تھی وہ اترنے لگی۔

”سنو! زکو پہلے میری بات سنو۔“ اس نے پکارا۔ منتہی رُک کر اس کی جانب دیکھنے لگی، حمود کی نگاہوں میں خمار معنی خیز شرارت اور پھر خود پر اختیار نہ رکھ سکا، اس کی پیشانی پر لب رکھ دیئے، اس کے مضبوط ہاتھ نے شانوں کو تھاما، لگتا تھا لمحے رُک گئے ہوں، اس نے جیسے لمحہ کو قید کرنا چاہا۔ حمود کے ہاتھوں کے لمس نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

”آئی لوو۔“ حمود اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرا دیا۔
”جی۔“ اسے جیسے یقین نہ آیا ہوا ان چمکتی نظروں میں خاص بات تھی۔
”یہ سچ ہے۔“ منتہی کے اس طرح دیکھنے پر جانے کیوں مسکرا دیا۔

”دل نہیں کر رہا تمہیں رخصت کرنے کو مگر مجبوری ہے۔“ منتہی اس سے پہلے کہ وہ مزید بہکے جھٹ فرنٹ ڈور کھول کے اتر گئی، دل کی دھڑکنوں نے بے ہنگم انداز میں شور مچانا شروع کر دیا تھا، وہ مڑی نہیں نہ دیکھا تیزی سے کھلتا آہنی گیٹ عبور کر گئی۔

”مجھے پتہ ہے تم اسی طرح بے یقین رہو گی، جب تک میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاؤں، وہ مقام نہ دلاؤں۔“ وہ گاڑی اشارت کر کے آگے بڑھ گیا۔

آج اس نے جتنے بھی لمحے اس کی سنگت میں گزارے وہ امر ہو گئے تھے، وہ تنہائی میں نہ بہکا تھا نہ ہی اس نے کوئی ایسی بے باکانہ حرکت کی تھی کہ وہ شرمندہ ہوتا وہ اس کی بیوی اور منکوحہ تھی، ہر چیز اپنے وقت پر حاصل ہو تو زیادہ خوشی ہوتی ہے اور اس سے دل پر بوجھ بھی نہیں رہتا، پھر اسے خود پر زیادہ نہیں تو کچھ تو کنٹرول حاصل تھا۔

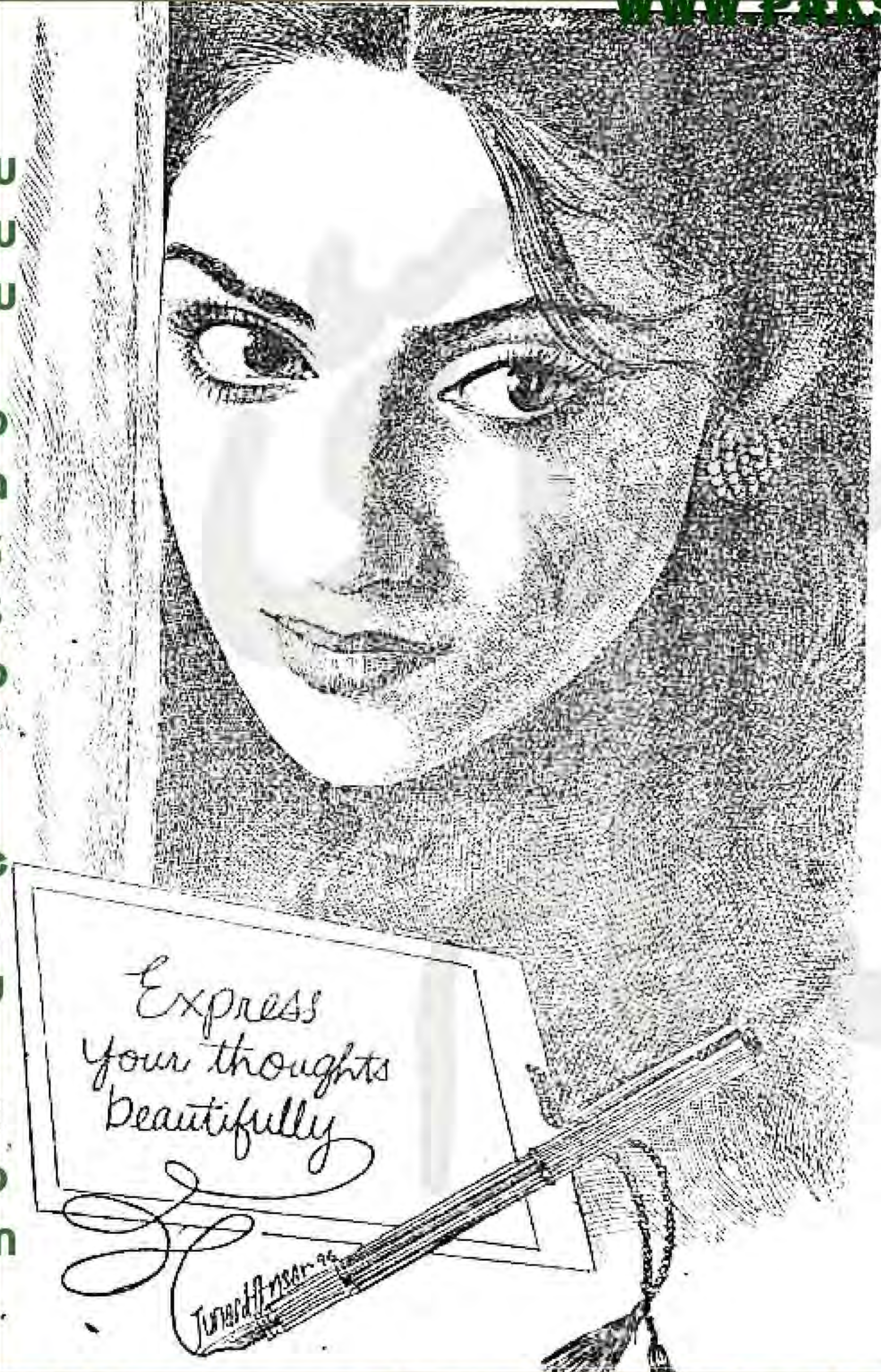
(جاری ہے)

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 17 -

سلسلے وار ناول

جہانِ دل کی کہانی



ہر بار ان کی بچی کی زندگی کا مسئلہ ہی بتا رہا اور آج پوری محفل میں وہ تماشہ بن گئی تھی، آخر اس کی زندگی میں کیا ہونے والا تھا وہ بالکل گم صدم سے کھڑے تھے فائق اسی وقت پہنچا تھا بڑی مشکل سے مناکے لایا تھا تہذیب کو مگر یہاں کی تو کایا ہی پلٹی ہوئی تھی مائز کی بہادری پر وہ آنکشت بدنداں رہ گیا ایک گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا، ادھر محریب نہیں مان رہا تھا ادھر عنایتہ کا رور کے بُرا حال تھا۔

”بھائی جان! آخری بار کہہ رہا ہوں آپ ابھی بھابھو سے نکاح کے لیے تیار ہیں تو میں شادی کروں گا ورنہ میں جا رہا ہوں میری بھی شادی نہیں ہوگی۔“ وہ جھٹکے سے چہرے پر قنطیعت لیے کھڑا ہوا۔

”محریب! میرے بیٹے مان جاؤ، مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے اتنے دکھ سہنے کی۔“ جو ادا احمد نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے محریب نے شرمندہ ہو کر ان کے ہاتھ تھام لیے، مائز کو خود الگ ان سب کا خیال آ رہا تھا، کیسے پُر رونق تقریب کو اس نے اپنی ضد سے بے رونق کر دیا تھا۔ صرف اس نے یہ اس لیے کیا تھا کہ بعد میں اس کے بھائی کو بھابھو سے کوئی الگ نہیں کر سکتا، وہ اتنا تو کر سکتا تھا کہ ان دونوں کو ملوا دے۔

”چاچو! مجھے شرمندہ نہیں کریں۔“

”پھر مان جاؤ، میری عزت کا خیال کرو۔“ وہ اتنے دکھی اور مغموم سے تھے کہ آنکھوں میں ان کے نمی بھی موجود تھی۔

”جیسے سب کی مرضی۔“ اس نے مجبور ہو کے گھٹنے ٹیک دیئے، اسے مائز پر بھی غصہ آ رہا تھا، پتہ نہیں اسے مائز پر پہلے سے ہی شک تھا کہ وہ مہندی والے دن کا بدلہ ضرور لے گا کیونکہ وہ خاموش جوتھا۔

اسے کچھ خبر نہ تھی اس نے کب ایجاب و قبول کیا، سکتے تو جب ٹوٹا جب آئی نے اس کا ماتھا چوم لیا اور پھر وہ آنسوؤں پر بند نہ باندھ سکی، سارا میک اپ اس کا دھل گیا، وشہ کا نکاح، دو مبارک سلامت کا شور اٹھا، میرا بیگم کی تو شئی ہی گم تھی یہاں پہلے ہی مرحلے میں مائز نے انہیں مات دے دی تھی آج ان کے ہاتھ سے سب پھسل گیا تھا۔

”تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں۔“ فائق نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ مائز چہرے پر فحش منہ مسکراہٹ لیے اسٹیج پر بیٹھا تھا، سب مبارکباد دینے آ رہے تھے، محریب تو غائب ہی ہو گیا تھا۔

”دل تو یہ کر رہا تھا کہ تمہارا بھی نکاح تہذیب سے کرنا دوں۔“

”فضول مت ہانکا کرو۔“ اس نے ناگواری کا اظہار کیا۔

”اتنی دیر سے تھے کہاں؟“

”بھاڑ میں۔“ وہ سلگ کے اسٹیج سے نیچے اتر گیا، مائز نے مسکرا کے دیکھا، نگاہ محریب کو ڈھونڈ رہی تھی مگر وہ تو نکاح کے بعد سے کہیں غائب ہی ہو گیا تھا، ڈرتنگ تھی وہ نظر نہیں آ یا، مڑ یا سی وشہ کو اس کے پہلو میں بٹھا دیا گیا تھا، سب ہی ان دونوں کو دعا میں دے رہے تھے۔

وادی جان تو عنایتہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، عنایتہ ایک بار بھی مائز کے پاس نہیں آئی تھی بلکہ اس کا دل تو اور بھی خراب ہو گیا تھا، غصہ الگ آ رہا تھا ایسی شرط رکھ کے اس نے سب کے سامنے عزت دو کوڑی جو کر دی تھی۔ عنایتہ کے دل کی دنیا ہی بدل گئی تھی اتنی اچانک یوں اس کی بناوی گئی تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا، دل دھک دھک کر رہا تھا، مائز اب نئی ضد نہ کر بیٹھے کہ رخصتی بھی ہوگی۔

”نہیں ایسا تو بالکل نہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔ مگر شکری ہو ا ایسا کچھ نہیں کہا گیا، مووی تصویروں تک میں وہ نہ بیٹھی تھی، منعینی نے اسے دل کھول کے مبارکباد دی۔

”ارے شکر کرواں۔“

”تمہیں نہیں پتہ مجھے کتنی سب کے سامنے شرمندگی ہو رہی ہے۔“ وہ سر جھکا کے بولی۔

”ارے عنایتہ! قسمت میں تمہاری ایسے ہی ہونا تھا۔“ عنایتہ کچھ نہیں بولی وشہ کو دور سے ہی دیکھ رہی تھی آئی اور مای اس کے پاس اسٹیج پر تھیں، ساری محفل کا مزہ اس دن سیرانے خراب کیا اور مائز کی اس ضد سے اور ہو گیا تھا، عنایتہ کو محریب ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا، لگتا تھا وہ گھر چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

”مجھے تو مائز کی ہمت اور بہادری پر حیرانگی ہے، یار! تو مت کیوں لڑکائے ہوئے ہے۔“ ادا اسے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ وشہ رخصت ہو کر آ چکی تھی، ساری خواتین مائز کے بیڈروم میں تھیں اور مائز، محریب کے بیڈروم کے باہر کھڑا ہوا تھا، اسے پتہ تھا اس کا بھائی اس سے سخت ناراض ہے۔

”یہ بہادری اور ہمت ہے، ارے پوری محفل میں سراٹھانے کا نہیں رکھا اس لڑکے نے مجھے۔“ وہ اتنا غصے میں تھا کہ ادا بھی سمجھاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔

”اب تو ہو گیا اپنا موڈ درست کر اور یہ تو نے اچھا نہیں کیا شادی چھوڑ کے وہاں سے آ گیا، کیوں؟“

”کس منہ سے بیٹھتا۔“ وہ چیخا۔

”ارے سب بہت خوش ہیں۔“

”یہ خوش ہونے والی بات ہے کہ مائز نے کتنی گھٹیا حرکت کی کہ اپنے نکاح سے پہلے کیا شرط رکھی۔“ مائز نے ڈرتے ڈرتے قدم اندر رکھا، محریب کی اسی وقت نگاہ اٹھی مگر غصے میں پھیر لی۔

”ادا! اس سے کہو یہ یہاں سے چلا جائے۔“

”یار بھائی جان! اتنی ناراضی وہ بھی غصہ کے ساتھ آپ پر تو بالکل سوٹ نہیں کرتی۔“ مائز اپنی پُر مزاح طبیعت کے ساتھ اس کے سامنے آیا۔ محریب کی عیسیٰ نگاہ نے اسے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

”سوری بھائی جان! اب تو ہو گیا نکاح۔“

”تم میرے کمرے سے نکل جاؤ، مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔“ اس نے باہر کی جانب اشارہ کیا۔ ادا صاف بھرے انداز میں دونوں بھائیوں کو دیکھنے لگا، کیونکہ محریب اتنا بھرا ہوا تھا کہ وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”بے شک بات نہ کریں میری سن تو لیں۔“

”بہت بڑے ہو گئے ہونا کہ دوسروں کی زندگی کے فیصلے کرتے پھر تم۔“ محریب مٹھیاں بھینچ کے اندر کے انتشار کو روکنے لگا۔

”دوسرے میرے اپنے ہیں اور پھر میں نے ایسا کچھ غلط تو نہیں کیا۔“ مائز بہت افسردگی سے گویا ہوا۔

”مجھے تم سے نہ کچھ سننا ہے اور نہ کہنا ہے۔“ وہ پشت پھیرے اسی طرح تیز لہجے میں بول رہا تھا۔ ادا نے اشارے سے مائز کو جانے کا اشارہ کیا مگر وہ لگتا تھا یہاں سے جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے آپ اسی طرح مجھ سے ناراض رہیں گے، میں بھی اپنے بیڈروم میں نہیں جاؤں گا۔“ مائز نے اسے نرم کرنے کا تیار بیٹہ ترا بدلا۔

”کیا.....؟“ وہ اسی وقت ایزبیل کے بل مگوا۔

”جی اگر میں غلط ہوں اور میں نے آپ کے ساتھ غلط کیا ہے تو کیا فائدہ پھر مجھے بھی اس شادی کے بندھن کو نبھانے کا۔“ وہ جانے لگا۔

”ماز۔۔۔!“ مہربان نے گرچہ دار آواز میں اسے پکارا اُحد تو سر پکڑ کے ماز کی دیدہ دلیری پر حیرت و انبساط میں مبتلا ہو گیا کیونکہ ماز کو اس نے ہمیشہ شوخ کھنڈ راہی سمجھا تھا مگر یہاں تو وہ سب سے بڑی لے گیا۔ ماز کے قدم رک گئے چہرے پر اس کے سنجیدگی تھی اور وہ نگاہ تک نہیں ملا رہا تھا مہربان اس تک آیا اور ایک زوردار جھانپڑا اس کے منہ پر لگا دیا۔

”رہی کسی جو قصوری عزت ہے وہ بھی ختم کر دینا ہم سب گھر والوں کی کبھی عقل کا استعمال نہیں کرتا۔“ ماز متوحش سا اپنا کال سبلار ہاتھ اُحد تو اٹھل ہی گیا اس کی کچھ بکھ نہیں آ رہا تھا کہ دونوں کو کیسے سنبھالے۔

”تم ہو ہی نہیں اس قابل کہ تمہاری شادی ہوتی ہے تم نے مجھے ہلا کے رکھ دیا ہے۔“ اس نے ماز کو شانوں سے پکڑ کر جھوڑ دیا ماز لب بھینپنے اپنے بھائی کو دیکھتا رہا اسے یہ ذرا نہ انہیں لگا کہ اسے جھانپڑا مار دیا بلکہ وہ کسی بھی طرح اپنے بھائی کے اندر کا اشتکار نکالنا چاہتا تھا اسے پتہ تھا وہ بعد میں نارمل ہو جائے گا۔

”سوری بھائی جان!“

”سوری کہتا کتنا آسان ہے سب ٹھیک ہو سکتا ہے جو تم نے پوری محفل میں بنگامہ کیا اپنی فضول شرط رکھی سب بھول گئے۔“ وہ ادھر سے ادھر ٹپٹے لگا۔

”یار مہربان! بس کڑے چارہ دیکھ کتنا شرمندہ ہے۔“

”ارے یہ شرمندہ ہو گا امی نے ٹھیک کہا تھا یہ ابھی بچہ ہے میں ہی بے وقوف تھا جو اس کی شادی خوشی خوشی وش سے کروادی۔“

”آئی ایم سوری بھائی جان!“ ماز نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

”میری نظروں کے سامنے سے چلے جاؤ مجھے تمہاری کوئی سوری نہیں چاہیے اگر خیریت چاہتے ہو تو سیدھے اپنے بیڈروم میں چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“ مہربان کا غصے سے شخص تیز تیز چل رہا تھا کسی کی بھی ہمت نہیں پڑی تھی کہ اس کے کمرے میں آتا وہ تو اُحد نے ہی ہمت کی اور اسے سمجھانے کا سوچ کے اندر آیا۔

”آپ مجھے معاف کریں گے جب ہی بیڈروم میں جاؤں گا۔“ وہ بھی اڑیل مندی بن گیا۔ مہربان نے اس کا ہاتھ جھٹکے سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اس کے کمرے میں لے جانے لگا سب جہرائی سے دیکھ رہے تھے سارے ہی وہاں موجود تھے۔ فائق پکڑے پیٹنج کرنے لگا تھا اندرت اور نہ ہمت وشہ کے پاس بیڈروم میں تھیں۔ نہ ہمت بیگم نے چونک کے دونوں کو دیکھا مہربان چوکتھ میں ہی رک کے کھڑا ہو گیا اور ماز کو اندر دھکا دیا۔

”سنبھالیے اسے اگر اس نے مزید کسی بھی فضول حرکت کے بارے میں سوچا تو اس کے لیے اچھا نہیں ہو گا۔“ وہ سخت لہجے میں وارننگ دیتا لہجے لے ڈگ بھرتا کوریلور عبور کر گیا۔

”تم دونوں میں جھگڑا ہوا ہے؟“ نہ ہمت بیگم گھبرا گئیں۔ وشہ و بہن بنی بیڈ پر اس کے انتظار میں ہی تھی اندرت اسے جوس پلا رہی تھی وہ بھی چونک کے ماز کے چہرے کو دیکھنے لگی ابھی تک اس نے وشہ پر نگاہ تک نہیں ڈالی تھی۔

”جھگڑا تو نہیں ہوا البتہ بہت غصے میں ہیں۔“ وہ بتانے لگا فکر بھی ہونے لگی کہ مہربان پتہ نہیں کب تک غصے میں رہے۔

”میں اسے دیکھتی ہوں۔“ نہ ہمت بیگم ماں تھیں وہ اس کی حالت سمجھ رہی تھیں اندرت بھی کمرے سے نکل گئی۔

ماز نے مسکرا کے پورے کمرے کا جائزہ لیا جو مہربان نے ہی سارا ڈیکوریت کر دیا تھا اس کے بھائی نے اس کی شادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی وشہ کا دل دھک دھک کرنے لگا وہ ابھی تک کھڑا ہوا تھا۔

.....

اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ یوں اچانک سے ایک دوسرے کے بنادینے جائیں گے اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوش ہو یا سوگ منائے یا اپنی قسمت پر رشک کرے اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیونکہ جس شخص کی سر مہری اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی وہ تمام تر حقوق لے کر اس کا مالک بن چکا تھا۔ وہ نہ خوشی منا پائی اور نہ ہی سوگ کیونکہ اس کی ماں کب خوش تھی اور سوگ مناتی تو وہ شخص تو پہلے ہی خوش نہیں تھا اور اب جانے کیا تاثرات ہوں گے۔

حیدر آبادی ڈریس میں وہ مقلید شہزادی لگ رہی تھی لمبا کلیوں کا ٹیٹ کا مڑتا اس پر کالہ انی اور کنٹراسٹ میں پنک اور گرین تھا میچنگ جیولری دراز بالوں کی چوٹی میں پرانہ ڈالا ہوا تھا آئی بار بار اسے ہدایت دے رہی تھیں کہ اہتمام سے تیار ہو کیونکہ اس گھر کی بڑی بہن ہوساری تیاری کپیٹ تھی سب ہی ولیہ پر جانے کے لیے تیار تھے سمیرا بیگم کا بنوز چہرہ تپا ہوا تھا وہ تو صرف اپنی بھابی کی وجہ سے زبان کو قابو میں رکھا ہوا تھا کیونکہ ان کی ماں نے اچھی خاصی جوسنا کی تھیں۔

ولیہ کی تقریب خاصی بڑی تھی وشہ گرین اور لائٹ پنک کنٹراسٹ لپٹکے میں بہت پیاری لگ رہی تھی آج تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی عنایتہ کے دل کو گونہ گون سکون ہوا تھا۔ ماز بھی سب سے سلام دعا کرتا پھر رہا تھا پورے ہوٹل کا گارڈن لائٹوں سے جگمگا رہا تھا نشاء اور رو با تو وشہ کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور وہ دادی جان کے پاس آ گئی آج تو اسے اتنا عجیب سا لگ رہا تھا کہ کسی سے بھی نگاہ نہیں ملا رہی تھی۔

”آج کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔“ دادی جان نے اسے اپنے گلے لگا کر پیار کیا۔ تانی امی اور چھوٹی جانی نے بھی بہت دعائیں دی تھیں۔

”ارے ادھر تو آؤ۔“ اندرت اس کا ہاتھ تھام کے لے گئی عنایتہ کو سب کے سامنے شرم آ رہی تھی مہربان اسے ابھی تک نظر نہیں آیا تھا دل افسردہ بھی ہوا مگر خود کو پھر نارمل کیا۔ پوری محفل میں سب اسے ہی مہنی خیزی سے دیکھ رہے تھے اور چیخیں بھی رہے تھے بڑی امی نے کئی بار اسے اپنے ساتھ لگا کے پیار کیا تھا وہ جھپٹی ہوئی تھی ماز اسے کب سے دیکھ رہا تھا جو اس سے بات نہیں کر رہی تھی۔

”آج تو لوگ پہچانے ہی نہیں جا رہے۔“ ماز نیوی بلیو تھری جیس سوٹ میں ڈشنگ لگ رہا تھا۔ عنایتہ نے غلطی بھری نگاہوں سے اسے دیکھا کیونکہ کل جو کچھ بھی ہوا سب اس کی وجہ سے بنگامہ ہوا تھا وہ آگے بڑھ گئی۔

”بھابھو! ادھر آپ ناراض ہیں ادھر بھائی جان پلیز اب تو معاف کر دیں۔“ وہ مسکسی ہی معصوم صورت بنا کے بولا۔

”مجھے تم سے اتنی بڑی بے وقوفی کی توقع نہیں تھی۔“

”یار! کیا ہے غفلندی کا مظاہرہ کیا کوئی سراہی نہیں رہا ہے سوائے وشہ کے وہ تو بہت خوش ہے۔“ وہ افسردگی سے بولا۔ عنایتہ نے ہنستی مسکراتی اس کی پریشانی وشہ پر نگاہ ڈالی نشاء اور رو با سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں بولی اور آگے جانے لگی اسی وقت اس کی نگاہ مہربان پر پڑی اس کا بلیو کمینشلوار میں ملیوں وہ بھی اپنے سپاٹ تاثرات کے ساتھ تھا۔ دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا راست ایسا تھا کہ دونوں ہی آسنے سامنے تھے عنایتہ کی شرم سے ہکا ہیں زمین پر گر گئیں جبکہ وہ نارمل سے انداز میں اس کے برابر سے نکل گیا۔ اُحد کی نگاہوں نے تعاقب کیا جو کسی بھی قسم کا تاثر دینے بغیر جو نکل گیا تھا۔

”خیریت سے تو ہو؟“ اُحد نے اسے جالیا۔ مہربان نے ناگواری سے اسے دیکھا تو وہ جزبہ سا ہو گیا۔

”یار! تم کل سے اتنے سپاٹ سے انداز میں ہو غصہ کی وجہ سے تم کسی سے بات نہیں کر رہے یار عنایتہ سے تو کرلو۔“

”تمہیں تو بہت شوخیاں اور معنی خیزیاں سوچتی ہیں۔“ وہ اُحد کو کھور کے بولا۔

”یار! تمہاری آدمی شادی ہوئی ہے۔“

”تمہیں یاد ہے میں نے تم سے کیا کہا تھا مجھے قسطوں میں یہ لڑکی نہیں چاہیے۔“

”مجھے یاد ہے اچھی طرح۔“ احمد نے اپنی مسکراہٹ روکی۔

”پھر کیا خیال ہے مائز سے کہوں رخصتی کا ہنگامہ شروع کر دے۔“

”شٹ اپ! فضول کی مت ہانکا کر ڈ۔“ حریب نے اسے درشت لہجے میں ڈانٹ دیا۔

”سوری یار! میں مذاق کر رہا تھا۔“ حریب آج تو کسی سے بھی بات نہیں کر رہا تھا، مزہ بہت بٹنے کی ناراضی سمجھ رہی تھیں۔ عنایت شاہین کے ساتھ اسٹیج پر چڑھی تھی وہ دور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی کل تو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا اور آج وہ یوں اس کے سامنے بھی بندھن میں بندھنے کے بعد کل تک وہ دور تھی اور آج تو اسے پاس تھی کہ کوئی پابندی نہیں تھی کل تک وہ اس کے لیے ہر اب لگ رہی تھی اور آج تو حقیقت میں اس کے نام کے ساتھ جڑ گئی تھی کل تک وہ لا حاصل تھی اور آج حاصل ہو گئی تھی، مگر دل وہ اطمینان اور خوشی اپنے اندر محسوس ہی نہیں کر رہا تھا۔ دل کی دھڑکنوں نے شور مچایا تھا آج وہ اس کی مکمل بن چکی تھی تو دل میں بے چینی کیوں؟ جھنجھٹا ہٹ کیوں ہو رہی تھی؟ کیوں اتنا بے زار سا ہو رہا ہے؟ ”وہ اپنی رضا مندی سے تو اس کے ساتھ بندھن میں نہیں بندھی تھی وہ زبردستی کا تو قائل ہی نہیں تھا پھر اس کے ساتھ زبردستی ہی ہوئی، مائز نے اس کے چھوٹے بھائی نے اسے اتنا مجبور کر دیا تھا کہ اسے مانتے بنی اور عنایت اس نے بھی تو خوب داویلا مچایا تھا اسے یہی دکھ تھا کہ اسے صرف اپنی ماں کی پرواہ ہے کیا اسے خوشی ہے یا نہیں؟ دل کو یہی بے چینی تھی خود کو بالکل ہی سپاٹ بنا لیا تھا اپنے جذبات کی لگام اس نے سختی سے پکڑی ہوئی تھی اس کی طبیعت میں شروع سے ٹھہراؤ تھا اور وہ بھی رکھنا چاہتا تھا۔

..... ☆ ☆ ☆

مود کی طبیعت خراب ہوئی تو وہ مائز کے لیے پر بھی نہیں جاسکا، اتنا نزلہ اور فلو ہو گیا کہ اس سے دو دن تک بستر سے اٹھای نہیں گیا، رحمہ کو مائز کے لیے پر نہ جانے پر بہت دکھ تھا کیونکہ ایسے فنکشن اٹینڈ کرنے میں اسے بہت مزا آتا تھا۔ مود کا چہرہ اتنا اتر گیا تھا کہ کلثوم بانو نے اس کی نظر بھی اتاری۔

”ان کو کون نظر لگا سکتا ہے۔“ رحمہ اس کا تسخیر اڑانے لگی۔

”چپ کرو بدتمیز! ہر وقت بھائی کو چڑاتی رہتی ہے۔“ کلثوم بانو نے اسے سرزنش کی۔ مود نے نشو کا گولا بنا کے اس کے منہ پر اچھالا۔

”کیا ہے بھائی! گند نے مجھے لگا نہیں کے نزل۔“ اس نے گھن کھا کے نشو کو دور پھینکا۔

”کھول کے تو دیکھو نزلہ لگا ہوا تو نہیں ہے۔“ مود اپنے شاہانہ سے وسیع وعریض بند پر ڈبل ٹکیوں کے سہارے دراز تھا، گلاس وال کے سارے پردے ہٹائے ہوئے تھے، لی دی بھی چل رہا تھا۔

”بہت ہی گند ہے ہاں۔“ وہ چڑ کے چلی گئی۔ کلثوم بانو اس کی نظر اتارنے کے بعد مرچیں لے کے کمرے سے چلی گئیں۔ مود آنکھیں بند کر کے منتی کو سوچنے لگا، جب سے مائز کی شادی سے واپس آیا تو دوسرے دن ہی نزلہ اور بخار ہو گیا تھا۔ حریب سے فون پر معذرت کر لی تھی کہ وہ مائز کے لیے پر نہیں آ سکے گا۔ اس نے منتی کو بھی کہہ دیا تھا کہ وہ بیمار ہے وہ پھر اس دن سے کئی بار کال کر کے مود کی طبیعت پوچھتی رہی، مود سرشار ہو گیا کہ وہ کچھ تو نرم جذبہ رکھتی ہے جب ہی وہ اس کی فکر میں مبتلا بھی لگی۔ وہ کئی پہروں اسے سوچتا چاہتا تھا جو اس کے دل میں اپنا قبضہ جما چکی تھی جس کی مدد نہ تھی اور سادہ باتیں کتنی دل کو چھوئی تھیں چہرے پر اتنی ملاحظہ ہوتی کہ وہ اکثر مبہوت زدہ رہ جاتا۔

اس نے نگاہ اپنی دائیں جانب ڈالی، سائینڈ دراز پر اس کا موبائل پڑا تھا دل کہہ رہا تھا کہ اس کی پھر اچانک سے کال آ جائے مگر ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اس نے کیا تھا اور وہ اسے کال بند کرنے ہی نہیں دے رہا تھا۔

”ہائے! مود! اتم دو دن سے بیمار ہو مجھے تم نے بتایا بھی نہیں۔“ حنی کی شوخ اور تیز آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

وہ اچھل ہی گیا بڑا سا بکے اس کے پاس ہی بیڈ پر رکھا۔ چہرے پر اپنے ایسی فکر مندی طاری کی ہوئی تھی کہ جیسے مود کا بہت ہی خیال کرنے والی ہو۔

”کیوں اپنی بیماری کا سارے شہر میں اعلان کروا تا۔“ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ حنی بلیک ٹراؤزر پر چمک شرٹ لمبی سی جس پر لمبا سی اسکارف جانے کیسے ڈریس پہنتی تھی، مود کو سخت گراں گزرتے اور وہ جو اس کی سب کچھ بھی شرم و حیا کے پیکر میں لپٹی کوئی مادرانی مخلوق لگتی، چہرے پر ذرا بھی سیک اپ نام کی چیز نہ ہوتی، ہاتھوں تک میں اس کے کوئی بھی رنگ پا جوڑی تک نظر نہیں آتی تھی اور یہ حنی نیاز علی اس کے لیے ناخن دیکھ کر مود کو ابکا لی سی محسوس ہوئی۔

”پھر بھی مجھے بتاتے تو تم موبائل بھی ریسیو نہیں کرتے ہو مود! کم از کم میرے ساتھ ایسا سلوک تو نہیں کیا کرو۔“

وہ بڑے لاڈ سے منہ بسور کے شکوہ کرنے لگی، مود پیچھے کھسک کے لیٹا کیونکہ وہ اپنے دونوں گھٹنے موڑ کے اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھنے لگی۔

”میں تمہاری ہی نہیں کسی کی بھی کال ریسیو نہیں کر رہا ہوں۔“

”ابھی کچھ دیر پہلے میں نے جب کال کی تو تمہارا نمبر بڑی جارہا تھا۔“ وہ جیسے مانے کو تیار ہی نہیں تھی۔

”سیل کی چار جنگ ختم ہوئی۔“ مود کو اس کی جرح پر غصہ آنے لگا۔ کیوں وہ اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے، کچھ دیر پہلے وہ منتی سے بات کر رہا تھا اس لیے بڑی جارہا تھا اس لیے بڑی جارہا تھا اس لڑکی سے جھوٹ جب بھی بولتا بڑے اعتماد سے بولتا تھا۔

”چلو چھوڑو یہ بتاؤ میڈیسن لے رہے ہو؟“

”ہوں لے رہا ہوں۔“ اس پر بے زاری اور چڑچڑاہٹ سوار ہونے لگی۔

”پلیز مود! اتنے ذل مت بنو۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں، تمہیں اتنی کیوں فکر رہتی ہے میری۔“

”اس لیے کہ تم اور میں فیوچر میں سسینڈ اوروائف ہوں گے۔“ حنی نے گویا اسے یاد دلایا۔

”حنی! سوری مجھے نماز پڑھنی ہے۔“ وہ بیڈ سے اُترا، ان میں شام کی سرسکی پھیل چکی تھی، ناریل کے درخت ہوا سے جھوم رہے تھے نماز تو منتی کی وجہ سے وہ پابندی سے پڑھنی شروع ہو گیا تھا۔

”کیا تم نماز..... حنی کو جیسے حیرانگی کا جھٹکا لگا۔“

”کیوں میں مسلمان نہیں جو تم اتنی حیران ہو رہی ہو۔“ مود نے اپنے کمرے کی آستین فولڈ کی، طبیعت خراب تھی وہ گھر میں ہی نماز پڑھ رہا تھا۔

”میرا مطلب ہے کہ تمہیں میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے۔“ وہ جھل سی ہو گئی۔

”پلیز تم نیچے جا کے بیٹھو میں نماز پڑھ لوں پھر تم سے بات کروں گا۔“ وہ واش روم میں وضو کرنے کے لیے چلا گیا، حنی کے چہرے کا رنگ پیکا سا پڑ گیا، جیسے مود نے اس کی بے عزتی ہی کی ہو، آنکھوں میں آنسو بھی آئے مگر وہ چپ چاپ چلی گئی، مغرب کی اذانیں شروع ہو گئیں، حنی اس نے نماز پڑھی اور بڑے خشوع و خضوع سے دعا مانگنے لگا۔ جب بھی وہ نماز پڑھتا اس کے دل کو اتنی طراست ملتی کہ ہر چیز اتنی صاف اور اجلی لگتی کہ وہ آنکھیں بند کر کے اپنے رب سے اپنے گناہوں کی غفلت کی معافی مانگتا اور یہ دعا ضرور مانگتا، منتی اور اسے ہمیشہ ساتھ رکھتا، نماز پڑھ کے

جائے نماز تہجد کے وارڈ روپ میں رکھی اور دوبارہ بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ نزل اور بخار کی وجہ سے اسے پکڑ بہت آ رہا ہے تھے۔ ہشام سالار نے ڈاکٹر کو گھر بلا کر اس کا چیک اپ وغیرہ کروایا تھا، وہ بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی بیماری سے خاصے فکر مند ہو گئے تھے۔

.....

شادی کے بعد سب ایسے ممکن اتار رہے تھے کہ جیسے سب دوسرے ملک گئے ہوئے تھے ایک ہفتے تک تو ندرت نے برداشت کیا اس کے بعد تو وہ باقاعدہ لڑنے ہی آگئی کیونکہ یمنی اور فراج کے رشتے پر کوئی بات ہی نہیں کر رہا تھا۔ "ابو! سب نے اچھی طرح فراج کو پرکھ تو لیا ہے اب بھی کوئی شک ہے کیا؟" ندرت نے فائق پر طنز کیا وہ بھی فحاشی کے ساتھ۔ وہ یونیورسٹی سے کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا، فریش ہو کے وہ نیچے ہال کمرے میں آ گیا، نافذ اس کے لیے چائے وغیرہ کے ساتھ کافی کچھ لوازمات بھی لائی تھیں، وہ کاؤچ پر بیٹھا تھا اور نگاہ اس نے ندرت پر ڈالی۔ "ہاں ہم کچھ دن میں جواب دے دیں گے تم اتنی فکر نہیں کرو"۔ رضوان احمد نے استسلی دی۔ "ابو! پھر بھی آپ کچھ تو عندیہ دے دیں میری ساس مسلسل مجھے کہے جا رہی ہیں کہ تم نے جواب نہیں لیا ابھی تک۔"

"آپ اپنی ساس سے بولیں کہ اگر انہیں اتنی جلدی ہے تو دوسری جگہ لڑکی دیکھ لیں"۔ فائق گھر سے قمیض شلوار میں ملبوس چہرے پر سنجیدگی اور غصے لیے ہوئے تھا۔ ندرت نے اسے فوراً تھا اس سے چھوٹا تھا مگر جانے کیوں یمنی کے معاملے میں وہ اتنا بڑا اس سے بھی بڑا بنا ہوا تھا۔

"پتہ ہے؟ کیوں کے لیے؟ آج کل رشتہ ملنا کتنا مشکل ہے"۔ وہ غصہ سے بولی اور مروپ کو واپس اپنی کود میں بٹھا لیا جو فائق کے ہانے پر اس کے پاس جا رہی تھی۔ فائق نے جڑ بڑ ہو کر پہلو بدلایا رضوان احمد نے بھی ندرت کی یہ حرکت نوٹ کی، نافذ تو ان باپ بیٹے کے درمیان کچھ بھول ہی نہیں سکتی تھیں، فائق اپنی عمر سے زیادہ بڑا دکھائی دیتا تھا اس کے ہر انداز میں گفتگو اور سوچ میں سمجھ داری تھی۔

"ندرت! ہم رشتے سے منع تو نہیں کر رہے ہیں کچھ سوچ سمجھ کے بہتر فیصلہ کریں گے"۔ رضوان احمد کو ندرت کا ناراض ہونا بھی بجا لگ رہا تھا۔

"اپنی شادی پر تم اپنی مرضی چاہنا یمنی کا فیصلہ کرنے کے لیے ابو اور امی موجود ہیں"۔ وہ فائق سے دوبارہ ہو گئی فائق قہر سا ہو گیا۔

"آپ! کبھی مجھ سے بھی کام کیا کریں آپ"۔ "ساری سمجھ نہیں ہے کیونکہ سب دوسری رشتہ ساری رشتہ بھی تبار سے پاس ہے"۔ وہ مروپ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی یہ بھی غصہ کا اظہار تھا۔ "نیکو کہاں جا رہی ہو؟" نافذ غور غندی سے بولیں۔

"امی! میں اب اس گھر میں نہیں آؤں گی یہ جانتا ہی نہیں ہے کہ میں آؤں"۔ وہ باقاعدہ رونے لگی نذر بہت ہیگم کوریڈر سے گزر رہی تھیں انہوں نے رُک کے ہال گمرے میں جھانکا تو وہ بھی چلی آئیں۔

"نہیں ابو! میں یہاں نہیں آؤں گی دیکھ لی میں نے اپنی اہمیت کتنی ہے یہ مجھ سے بڑا بنا ہوا ہے ہر بات میں بولتا ہے۔"

"اوسے ندرت جینا! تم ایسا غلط نہیں سوچو میرے بچے"۔ ریحان احمد نے اٹھ کر شانے سے لگا کے پیار سے

سمجھایا۔ فائق خفیف سا ہورہا تھا، بعض اوقات اسے اپنی اس بہن کی عقل پر حیرانی ہوتی تھی کہ بات کو جانے کیوں سمجھتی نہیں وہ کھسیا کے اٹھ گیا۔

"کیا ہو گیا ندرت؟" نذر بہت ہیگم نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بھابی! وہی یمنی اور فراج کی بات کرنے آئی ہے"۔ ریحان احمد نے بتایا۔

"اس میں اتنا رو نے کی کیا بات ہے۔"

"تائی امی! رو نے کی تو بات ہے میرے بھائی کو جانے کہا خدا سوار ہے"۔ اس نے فائق پر پھر طنز کیا۔

"آپ! آپ لفظ بات نہیں کریں آپ کی سمجھ کیا اتنی چھوٹی ہے"۔ وہ بھی کچھ تیز لہجے میں بولا۔

"نہیں تمہیں تو بہت عقل ہے، وہ بھول کی نہیں شادی کے بعد کیا کرتے ہو اپنی چلاتے ہو یا اپنی بیوی کے کہنے پر چلتے ہو"۔ ندرت کا بس نہیں چل رہا تھا اس نے بات کہیں سے کہیں گھما دی۔ نافذ تاہف سے سر ہلانے لگیں فائق لب بچھنے کے رہ گیا ریحان احمد اسے چپ کر دیا ہے تھے۔

"یہاں بات یمنی کے رشتہ کی ہو رہی ہے میری نہیں"۔ فائق کو غصہ آ گیا۔

"تم کیوں اتنے بڑے بن رہے ہو جب ابو امی تیا ابو تائی امی موجود ہیں تو تمہیں کس نے کہا ہے کہ اس کی زندگی کا فیصلہ تم کرو"۔ اسے تو غصہ کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں کیوں اتنا بڑا بن رہا ہوں تو یہ بات آپ یاد رکھیے گا بھابی اگر بہن سے چھوٹا بھی ہو تو اس کا مان بڑا ہوتا ہے میں آپ سے بڑا ہوں چھوٹا نہیں اور وہی ہو گا جو میں بہتر سمجھتا ہوں آپ کی سمجھ آپ کی اور اگر پھر بھی نہیں تو میں نہیں اپنے گھر آرام سے جا کر جو بھی ہمارا فیصلہ ہو گا ہم بتا دیں گے"۔ فائق اس حد تک روکھا نہ گیا تھا کہ سب ہی متوحش زدو سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

"فائق! کیسے بات کر رہے ہو تم بہن سے"۔ نذر بہت ہیگم نے اسے سرزنش کی۔ ندرت کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا اسے فائق سے ایسے لہجے کی تو قطعاً توقع نہیں تھی۔

"تائی امی! احد ہوئی ہے ہر بات کی جب میں کہہ رہا ہوں کہ کچھ دن رُک جائیں میں نے کسی وجہ سے ہی کہا ہے اور وہ وجہ ابو انہی طرح جانتے ہیں محریب بھابی کو پتہ ہے اب کیا ضروری ہے کہ میں ہر بات کھل کے بولوں"۔ وہ بھی تیز لہجے میں برہم ہونے لگا۔

"ابو نے تو ایسی کوئی وجہ بیان نہیں کی ہے"۔ ندرت نے انہاں سے آڑے ہاتھوں لینا چاہا۔

"آپ یہ تو سوچیں کہ فراج دوسرا سال سے انگلینڈ میں ہے اچھی طرح ہم اس کی وہاں کی بھی معلومات کر رہے ہیں ہو سکتا ہے انہیں کام کے بعد میں خود وہاں چلا جاؤں"۔

"کیا تم اب اتنا بڑا بڑا کاؤ گے انگلینڈ جاؤ گے"۔ ندرت کو سن کے ہی ایال اٹھ گیا۔

"اگر کام یہاں سے نہیں ہوا تو پھر چلا جائے گا"۔ ہو سکتا ہے محریب بھابی چلے جائیں"۔ وہ اسے نرم پڑتے دیکھ کے سمجھانے لگا۔

"ابھی تو تمہارا سائیزام میں بھی تاہم ہے اور فراج اگلے مہینے چلا بھی جائے گا"۔ انہیں یہی فکر تو ستا رہی تھی۔

"اگر فراج سے یمنی کی شادی ہوئی لکھی ہے تو ہو کر رہے گی آپ اطمینان رکھیے"۔

"فائق جینا! تو بہت لمبا نام ہو رہا ہے"۔ نافذ کسی طور پر یہ رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھیں کیونکہ انہیں تو فراج میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی سب کچھ سمجھا لگا تھا مگر گھر کے مردوں کے آگے وہ کچھ نہیں بولتی تھیں۔

”اگر ابھی ساری معلومات ہو گئی تو فکر نہیں کریں اسی مہینے میں ہی کر دیں گے ہم دونوں کا رشتہ بکا۔“ ریحان احمد نے بھی اسے سمجھایا۔ ندرت خاموش ہو گئی تھی مگر دل میں یہ ڈر بیٹھا تھا کہ یہ رشتہ ہاتھ سے نہیں نکل جائے۔ فرج اس کے ساتھ تو کتنا اچھا تھا باقاعدگی سے پیسے وغیرہ بھی بھیجتا تھا۔ فون کرتا رہتا تھا۔ ایک سال کا عرصہ بھی اس کے ساتھ گزارا تھا۔ ندرت کا احترام بھی بہت کرتا تھا وہاں اور اس میں بنی ہوئی بھی بہت تھی۔ ندرت کو ہر طرح سے اطمینان تھا وہ چاہتی تھی یہی تھی کہ اس کی بہن بھی دیکھے بھالے لوگوں میں جائے تو اچھا ہے۔ ندرت کی خود ساس سہیلی ہوئی خاتون تھیں دوسری ساسوں والے ان کے ذرا بھی انداز نہیں تھے۔ ندرت کو انہوں نے بنی بنا کر رکھا ہوا تھا پھر اس کے میکے بھی کم ہی آنے دیتی تھیں کیونکہ ان کا اپنی بہو اور پوتی کے بغیر دل جو نہیں لگتا تھا۔

جب کوئی اچانک ہی اپنا بنا دیا جاتا ہے تو جانے کیوں دل کو بار بار یہ ملال اور دھڑکا کیوں لگا رہتا ہے جیسے کچھ بھی صحیح نہیں ہوا ہے۔ سب کی رضامندی نہ ہوتے ہوئے بھی دونوں کو ایک بندھن میں باندھ دیا گیا تھا مگر اس دل کو وہ خوشی کیوں حاصل نہیں ہوئی جب وہ دور تھی اور اب جبکہ وہ اس کے لیے حاصل کرنا مشکل نہیں رہی تھی مگر آنا آگے تھی کیونکہ اس طرح تو اس نے چاہا ہی نہیں تھا اور اس وقت اچانک ہی ایسا فیصلہ اس کے دل و دماغ کو ہلا گیا۔ نہ پیچھے جا سکتا تھا اور نہ ہی آگے جا سکتا تھا۔ صرف وہ اس وقت چھائے ہوئے ماحول کی وجہ سے مجبور ہوا اور اپنی آنا کے خلاف فیصلہ قبول کیا جس وقت دستخط کیے اس وقت لگا کہ اس کے سارے جذبات سرد پڑ گئے ہوں۔ اندر ڈر رہا تھا چاہت کی رتی نہ ہو جو چاہت تھی اور اس کے دل کی چاہت تھی یہاں اچانک اس کی بھولی میں گری تھی مگر اس نے ابھی تک اسے جھک کر نہیں دیکھا۔ نہ ہی بندھن میں بندھنے کے بعد اس کے چہرے کے رنگ دیکھے کیونکہ دل اس بار ایسا بدگمان ہوا تھا کہ یہ خوشی بھی اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

گازی کا لاک لگا کے پوری کی میز چیاں بچلائے گا۔ بواؤ اور مگاس کھول کے اندر داخل ہوا۔ بال کمرے سے سب کے بیٹے مسکرانے کی آوازیں آرہی تھیں اب تو یہ سب کچھ بھی اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ ان سب کے درمیان تک بیٹھنا اس نے ترک کر دیا تھا۔ کور پڈور سے وہ سپاٹ انداز کے ساتھ گزر رہا تھا۔

”بھابھو! آگے بھائی جان۔“ مانز کی چپکتی شوخی آواز نے محریب کا تعاقب کیا۔ وہ چونکا ضرور مگر زک نہیں قدم بھی تیز بڑھانے لگا۔

”بھائی جان! رکے تو۔“ مانز ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا ہوا مقابل آکر اس کا راستہ روک کے کھڑا ہو گیا۔ محریب نے اسے کھوڑا چہرہ اب بھی سپاٹ ہی تھا وہ اس سے ابھی تک بات کب کر رہا تھا۔ شادی کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔

”ہر وقت فضول کی بکواس میں نہیں لگے رہا کرو۔“ اسے جھڑک کے آگے بڑھ گیا۔ مانز جزبہ سا اپنا چہرہ لے کر رہ گیا۔ محریب سے جتنا وہ بات کرتا تھا خوشگوار ماحول میں وہ اگنور کر دیتا تھا۔ یہ منظر بال کمرے میں موجود سب نے دیکھا جہاں صرف نوجوان پارٹی تھی۔

آج عنایت کے ماموں مائی اور نانی کو ڈنر پر بلایا گیا تھا۔ سب ہی آئے تھے سمیرا پھر بھی نہیں آئی تھیں۔ عنایت لب بھینچ کے رہ گئی۔ کاسنی انیمز ری کے کپڑوں میں ملبوس وہ اتنی سادہ سراپے کے ساتھ آئی تھی کہ داوی جان اور بڑی امی نے ٹوکا تھا۔ نکاح کے بعد تو دراج سنور کے رہو۔

”لگتا ہے بھابھو! بھائی جان آج کافی مصروف رہے ہیں آفس میں۔“ مانز نے مسکرا کے وہاں کی خاموشی کو توڑا۔ فائق کی نگاہوں نے اس کا افسردہ چہرہ دیکھ لیا تھا۔ بڑی بڑی کی مسکراہٹ سب کے وہاں بیٹھا تھا۔

”آپ بھی تو فوراً ان کے پیچھے چلے گئے آفس سے آئے تھے فریش تو ہونے دیجئے۔“ وش نے بھی ا۔ ٹوکا۔

”ہاں شاید میں ہی غلط ہو گیا۔“ وہ مسکرایا۔

”میں کچن میں جاتی ہوں۔“ عنایت اٹھنے لگی۔

”ارے پیچھے آپ۔“ مانز نے زبردستی واپس اسے سٹکل موٹے پر بٹھا دیا۔

”ارے مانز! کب سے بڑی امی اور نانی ای لگی ہوئی ہیں۔“

”وہ ہماری بہن سے ناہنہ ویب وہ بھی وہاں موجود ہے۔“ مانز نے جھٹ کہا۔

”ندرت آپ کی کیوں نہیں آئیں؟“ عنایت کو ندرت کی کمی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

”فائق اور ندرت آپ کی تھوڑی سی لڑائی ہو گئی تھی وہ ناراضی کی وجہ سے نہیں آئی ہیں۔“ مانز نے بتایا۔ فائق نے پہلو ہٹا کر کیونکہ ندرت اس دن کے بعد سے پلٹ کے نہیں آئی تھی۔

”فائق کی اور ندرت آپ کی ناراضی؟“ عنایت کو یقین نہیں آیا اس نے حیرانگی سے فائق کو بھی دیکھا جو خود کو مجیب سا محسوس کر رہا تھا۔

”عنایت! باقی ایسی کوئی ناراضی نہیں ہے۔“ فائق نے فوراً بات کو برابر کرنا چاہا۔

”رافع ہے یہاں؟“ تہذیب بلیو کاشن کے کپڑوں میں ملبوس پریشان سی آئی فائق کی نگاہ سب سے پہلے ہی اس پر اٹھی۔

”رافع ادھر تو کافی دیر سے نہیں ہے۔“ وش بولی۔

”عجیب لڑکا ہے وہی منگوا یا تھا ندرت آئی ہے۔“

”لگتا ہے وہاں جمانے بیٹھ گیا ہوگا۔“ مانز نے مسکرا کے برجستہ کہا۔

”کب سے گیا ہوا ہے۔“ فائق کھڑا ہو گیا کیونکہ تہذیب اسے کچھ حواس باختہ سی لگ رہی تھی۔

”ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا ہے۔“ اس کی جانب دیکھنے سے اجنباب بھی کیا کیونکہ اس کی جانب دیکھ کر تہذیب کو لگتا کہ گز بڑا ہی جائے گی۔

”بریانی کی تہہ لگانی ہے۔“ وہ بتانے لگی۔

”تہذیب! تم تو فائق کو ایسے بتا رہی ہو جیسے فائق اور تم مل کر بریانی بنا رہے ہو۔“ مانز نے لقمہ دیا۔

”تم فضول کی بکواس مت کرتے رہا کرو۔“ فائق اسے کھورتا ہوا نکل گیا۔ تہذیب جھینپ سی گئی وہ بھی کچن کی سمت بڑھنے لگی۔

”جھپیں بھی بہت شوق ہے اس کے سامنے آکر نشانہ بنوانے کا۔“ وہ اس پر برہم ہونے لگا۔

”جی۔۔۔۔۔۔“ تہذیب کے اٹھتے قدم حیرانی سے رکے۔

”تم اتنی معصوم بنتی ہو یا پھر ہو۔“ وہ جانے طنز کر رہا تھا یا یہ اس کی خامی گنوار تھا۔

”آپ ہر وقت مجھ سے لڑنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ رافع ہے یہاں۔“ وہ بھی تنگ گئی۔

”جھپیں میں خوب سمجھ رہا ہوں آہستہ آہستہ اس گھر میں گھسنے کے طریقے نکال رہی ہو پھر ایک دن ہمیشہ کے لیے۔۔۔۔۔۔“ فائق اسے سلگانے لگا۔ تہذیب نے قبر برساتی خوشخوار نگاہوں سے فائق کی وجہ پر سٹیلٹی کو دیکھا مگر رے فیشن شلوار میں اونچا لمبا اس کے مقابل کھڑا تھا۔

”شکل دیکھی ہے اپنی۔“

”روز دیکھتا ہوں کیوں کیا ہوا؟“ وہ مسکراہٹ روکنے لگا۔

”کبھی غور سے دیکھیے گا بہت نم سے جس آپ اتنے کہیں.....“ دانت پیس کے بولنے لگی اور وہ ہانسی ہوتی ہوئی وہاں سے چلی گئی فاقی کے ہونٹوں پر مہم ہی مسکراہٹ رینگ گئی اسے تہذیب کو چڑانا بہت اچھا لگتا تھا۔

.....

حمود کی بیماری کچھ لمبی ہو گئی تھی دس دن ہو گئے تھے مزاج میں بھی چڑچڑاہٹ آ گئی تھی ڈاکٹر نے ٹائیفائیڈ بتایا تھا پر ہیجڑی کھا کھا کے وہ جھنجھلا گیا تھا پھر جھنجھلاہٹ کی وجہ منتہی سے ابھی تک ملا نہیں تھا وہ باقاعدہ سے رحمہ کو پڑھانے آ رہی تھی مگر حمود اس کے دیدار سے محروم ہی تھا۔

اس کی نگاہ کلاک پر مچی سات بجے تھے اور وہ یہاں سے فوراً ہی بھاگ جاتی تھی وہ ہمت کر کے نیچے آ گیا نریک ٹراؤزر پر میرون کمر کی ٹی شرٹ میں بڑی ہوئی شیوہ چہرہ بھی اس کا کمزور سا ہو گیا تھا بھوری آنکھوں میں بھی سستی تھی وہ بیک میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی حمود جو کھٹ پر کھڑا اس کی حرکت و سکناٹ پر نگاہ رکھے ہوئے تھا بلیو کائن کا پرمڈ سوٹ اس کی شبابی رنگت پر بہت کھل رہا تھا حمود وارنٹی سے مہبوت زدہ تھا۔ منتہی کو اپنی مطلوب چیز موبائل مل گیا تھا جلدی جلدی وہ نمبر پریس کرنے لگی اسی وقت حمود کے ٹراؤزر کی پاکٹ میں رکھا موبائل پاپ دینے لگا وہ چونکا منتہی نے بھی چونک کے اطراف میں نگاہ دوڑائی پھر وہ حیران رہ گئی حمود سامنے ہی کھڑا تھا الجھا ہوا سا علیہ کتنا بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ حمود نے موبائل نکال کے دیکھا اسی کی کال تھی مسکرا کے بن دیا وہ گھبرانے لگی گرمی شوق سے رخسار دیکھنے لگے لب بھینچ لیے پھر اسے یہ بھی ڈر ہوا کہ اگر کوئی گھر کا فرد ادھر آئے گا حمود ہی آگئی تو کڑوا کے موبائل بیک میں رکھا حمود نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر دیا۔ منتہی کی تو سانس رکنے لگی وہ قدم بڑھاتا ہوا اندر آ گیا تھا اور وہ ڈر نے ستنے لگی نگاہ ادھر ادھر گھمائی مگر حمود پر جیسے ایک سرور سا طاری تھا کہ اس کی چال میں بھی تبدیلی تھی۔

”آ..... آپ..... وہ مجھے تو جانا ہے۔“ گھبراہٹ میں اسے سیدھے بے ربط سے الفاظ نکل گئے۔

”مجھے بھی پتہ ہے تمہیں جانا ہے کچھ دیر بیٹھ کے بات نہیں کر سکتے ہم۔“ اسے منتہی کا گھبرانا حواس باختہ انداز

مزادینے لگا۔

”آپ دروازہ تو کھولیں کیوں میری مشکل کروائیں گے اپنے ساتھ۔“ دو ٹوکاری اور غصہ کے ساتھ گویا ہوئی۔

”مثلاً کیسی مشکل.....؟“ بیماری میں بھی اس پر شوخیوں سوار نہیں جبکہ چہرہ اس کا کمزور ہو رہا تھا اتنا بیمار اس نے

پہلی بار دیکھا تھا۔

”آپ کے بابا ہوں گے امی ہوں گی۔“

”بابا تو خیر آفس میں ہیں ہاں البتہ امی ہوں گی انہیں میں نے دیکھا نہیں کہ خیر ہیں کیونکہ میں اوپر اپنے روم سے

آ رہا ہوں۔“ اس نے منتہی کو بغور دیکھا جو اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

”رحمہ ٹھیک طرح پڑھائی تو کر رہی ہے۔“ اس نے پھر پوچھا۔

”اب تو خیر دلچسپی سے پڑھ رہی ہے۔“ نگاہ جھکا کے بتانے لگی۔

”اور تم کتنا دلچسپی لے رہی ہو اس گھر کے افراد میں۔“

”آپ کی طبیعت کیسی ہے میں اسی لیے کال کر رہی تھی۔“ جھٹ بات ہی گھمادی۔ حمود مسکرا دیا وہ بڑے صوفے

پر بیٹھ گیا تھا جبکہ وہ بھی اسی پر بیٹھی تھی مگر پیچھے ہٹ کر۔

”ہوں ٹھیک ہو گئی تمہیں دیکھ کر۔“

”پلیز آپ سے جو میں پوچھ رہی ہوں وہ بتائیے۔“ وہ زنج ہو گئی۔

”یتا تو رہا ہوں پہلے ٹھیک نہیں تھی اب زیادہ اچھا محسوس کر رہا ہوں۔“ وہ اس کے چڑنے پر منظور ہونے لگا۔

”ہر بات پر آپ کو مذاق سو جھٹا ہے کبھی تو سیدھی طرح مجھ سے بات کر لیا کریں۔“

”ہاں تمہارے فلسفوں کا جواب میں مسکرا مسکرا کے دیتا ہوں عجیب بیوی ہو شو ہر دس دن سے پیار ہے کچھ فکری نہیں۔“ وہ بھی خفگی دکھانے لگا۔

”روز ہی آپ کی طبیعت موبائل پر پوچھ رہی ہوں۔“ گویا اس نے یاد دلایا۔

”آپ کا احسان ہے ورنہ بندے کو تو آپ منہ لگانا تک پسند نہیں کریں۔“ وہ طنز کرنے لگا۔

”اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ کھڑی ہو گئی کیونکہ اگر اس نے دروازہ نہیں کھولا تو اس کے لیے ٹھیک نہیں ہوگا دروازہ کھول کے وہ باہر نکل گئی دیکھا کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا رحمہ بھی جانے کہاں چلی گئی تھی۔ حمود الجھا کھرا سا باہر آیا وہ جانے کے انتظار میں کوریڈور میں رک کر کھڑی ہو گئی کٹھنم بانو اسے کہہ کر گئی تھیں کہ ڈرائیور سے کہتی ہوں چھوڑ آئے گا ان کا بھی کچھ پتہ نہیں تھا۔

”پلیز آپ ہی مجھے ڈرائیور سے کہہ کر ڈراپ کروادیں۔“ وہ بہت پریشان تھی کیونکہ حمود کی موجودگی میں وہ کوئی بھی ایسا افسانہ نہیں بنوانا چاہتی تھی۔

”میں ہوں تمہارا ڈرائیور کبھی بھی تمہیں راستے میں ڈراپ نہیں کروں گا جہاں آپ پریشان ہوں۔“ اس نے بھی مسکرا کے منتہی کے ہی انداز میں کہا۔

”پتہ نہیں آپ کب سیریس ہوں گے۔“ بڑبڑا کے گویا ہوئی۔

”سیریس ہوں اور روم میں چلو۔“ ترنگ میں آ کر معنی خیزی سے اسے دیکھا۔ منتہی اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر تاسف سے سرخ ہو گئی گھور کر اسے دیکھا۔

”لگتا ہے بخار کی گرمی آپ کے دماغ پر چڑھ گئی ہے۔“

”نہیں مجھے تمہارے پیار کی گرمی چڑھی ہے اس لیے بتاؤ ٹھنڈک کا کب انتظام کر رہی ہو۔“ وہ مسلسل بے باکی سے بول کے اسے چڑانے لگا۔

”ارے منتہی بیٹا! آپ بیٹھو تو میں چائے وغیرہ بنا کے لا رہی ہوں۔“ انہیں اس کا خیال آیا تو وہ عقب سے ہی ٹکلیں دواؤں ہی کڑ بڑا گئے حمود ایسے تاثر دینے لگا جیسے باہر جا رہا ہوں۔

”تم کب اٹھ کر آئے؟“ اسے حیرانگی سے دیکھا۔

”وہ بالکل ابھی یہ آپ ہی کا پوچھ رہی تھیں مجھ سے۔“ حمود کو پسینہ آ گیا آنکھوں کو پھیلا کے نگاہ دوسری سمت کر کیا منتہی کو خود شرم آنے لگی پتہ نہیں وہ کیا سوچیں گی کہ ان کے بیٹے سے باتیں کر رہی تھی۔

”آئی! مجھے ابھی جانے دیں کیونکہ وہ مخرب بھائی کی طرف ہم سب کی دعوت ہے۔“ اس نے عذر پیش کیا۔

”ارے چلی جانا چلو اندر بیٹھو۔“ اس کی نہ سنی اور ڈرائنگ روم میں بٹھا کے جانے لگیں۔ حمود باہر ہی تھا ٹراؤزر کی پاکٹ میں دونوں ہاتھ ڈالنے لگا اس وال سے لان کا نظارہ کر رہا تھا ہلکی ہلکی سرمی پھیل گئی تھی کچھ ہی دیر میں مغرب کی اذان بھی ہونے والی تھی۔

”کھڑی کیوں ہو بیٹھ تو جاؤ۔“ وہ اندر آ گیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سلیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف
- ✧ سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران میریز از مظہر کلیم اور
- ✧ ابن صفی کی مکمل ریٹ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”کہہ رہی تھی بہت خوش ہے۔“ جھٹ بتایا کیونکہ وہ اپنے باپ کو کسی بھی ایسی فکر میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔
”بیٹا! مجھے پتہ ہے وہ وہاں خوش بھی ہوگی سب اس کا خیال رکھتے ہیں مجھے سب خبر ہے مگر یہاں آ کر تو اسے کوئی خوشی نہیں ہوگی کیونکہ میرا کی عادت کو جانتی ہو تم دونوں نہیں۔“

”آپ ایسا کچھ بھی نہیں سوچیں دیکھ سب جانتی ہے اور یہ سب نیا تو نہیں ہے۔“ عنایت نے انہیں اطمینان دلایا۔
وہ تو سب کی ہی فکر میں مبتلا رہتی تھی اور کوشش میں بھی تھی کہ اس کی ماں کسی طرح تو مفتی سوچوں کو چھوڑ کے صلح کے لیے تیار ہو جائے۔

”مجھے اس بات کی بہت مینشن ہو رہی ہے کہ مائز ابھی تک یہاں نہیں آیا ہے اور جس دن بھی وہ یہاں آیا تمہاری ماں کے انداز دیکھنے والے ہوں گے مائز اور خیر اب اس گھر کے داماد ہیں اور میں دامادوں کے سامنے کوئی بھی ایسی بات نہیں چاہتا جس سے ہماری ہی عزت میں کمی آئے گی۔“

”ابو! مائز سب سمجھتا ہے اور پھر آپ کے دامادوں کو سب پتہ بھی ہے۔“ دو نگاہوں کا جھپٹی ہوئی بولی۔
”بیٹا! زندگی میں ایسے پل جب آتے ہیں کہ ہم کسی کو سمجھانا چاہتے ہیں وہ نہیں سمجھتا ہے تو بہت بے بسی اور دکھ ہوتا ہے۔“ ان کی آواز بھی بہت نرم تھی چہرے پر اضمحلال اور بے زاری سی تھی۔

”جب کوئی ہماری بات نہیں سمجھتا ہے تو وقت سب کچھ سمجھا دیتا ہے امی کو آہستہ آہستہ سب سمجھ آ جائے گا وہ مائز کو بھی بُرا سمجھتی ہیں۔“

”بیٹا! آہستہ بولو اگر سن لیا تو فضول میں دوبارہ ہنگامہ کر دے گی۔“ وہ دیکھتی ہی اندر اتنی بحث کر کے آئے تھے کہ انہیں کوفت ہونے لگی تھی۔

”بعض اوقات دل کرتا ہے کہ میرا کو یہاں سے روانہ کر دوں۔“

”ابو!.....!“ عنایت نے چونک کر حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

”مگر میں ایسا کروں گا نہیں کیونکہ عقل مجھ میں ہے کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے اگر میں ایسا کروں گا بھی تو.....“
”پلیز آپ ایسی کوئی بات نہیں سوچیں کیونکہ ہم بہن بھائی ایسا بالکل نہیں چاہیں گے۔“ وہ افسردہ اور غمگین سی ہو گئی۔
”میرا نے شروع سے ہی اپنی اور میری زندگی میں مسئلہ بنا پیدا کیے ہیں تمہاری بڑی امی اور تائی امی کو شروع سے ملنا سمجھا جبکہ وہ بے چاریاں ہمیشہ اس کا ساتھ ہی دیتی تھیں میری ماں کو بھی اس نے بھی اہمیت نہیں دی میری ماں کو اپنا دشمن ہی سمجھا۔“ وہ قدرے توقف کے لیے رُکے۔

”آپ نے بھی امی کو سمجھا کہ وہ کیوں ایسا کرتی ہیں؟“ وہ بولی۔

”میں نے اسے شروع سے یہی سمجھا ہے اور نہ کہ سمجھا ہے اپنے آگے اسے کسی کو اہمیت دیا جاتا ہر داشت نہیں ہوتا ہے۔“ وہ لی وی آف کر کے کھڑے ہو گئے اتنے تھکے ہوئے اور رنجور سے زور ہے تھے کہ عنایت کا دل بھی بے چین ہو گیا، بچپن سے اس نے یہی دیکھا اور آج بھی وہی سب تھا اس کی ماں اور باپ میں کبھی جی ہی نہیں تھی۔

”ابو! آپ فکر نہیں کریں امی کا رویہ ایک دن ہم سب سے ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور خود سے ہی ہمہ کام ہوئی وہ اپنی ماں کو محبت سے اور پیار سے منانے کی کوشش کرے گی اس کی وہاں ہیں جی کی بات بھی نہیں مائیں گی یہ اس کی خود ساختہ سوچی سمجھی جبکہ اس کی ماں نے تو صرف اپنا ہی سوچا کب اولاد کا سوچا۔
(جاری ہے)



شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 18 -

سلسلے وار ناول

جہالت و دل کی جہالت



زندگی میں کبھی کسی نے اتنی تضحیک نہیں کی تھی اور نہ کبھی کسی نے اتنا گرا ہوا سلوک کیا تھا نہ ہی وہ کسی کو اپنی جانب سے کوئی تکلیف دینے کا سوچ سکتی تھی وہ لوگوں کی خدمت کر رہی تھی زخمی دلوں پر ہمدردی کا مرہم رکھتی تھی وہ تو کبھی ایسا کسی کے ساتھ کر ہی نہیں سکتی تھی پھر فائق احمد کا ایسا اہانت سے بھرپور انداز آنکھوں میں ہر وقت تمسخر کیوں نظر آتا ہے۔ انجانے میں وہ دل کے ایوانوں میں اسے جگہ دے گئی تھی وہ تو چاہ کے بھی نہیں نکال پار ہی تھی نہ ہی اس سے نگاہ چراستہ کی ہو سکتی ہے مگر کبھی جان بوجھ کے وہ نظر انداز کر کے نکلتی بھی ہے تو وہ راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔

فائق احمد! آخر تم چاہتے کیا ہو کیوں تم ساری دنیا کو چھوڑ کے میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ وہ اپنی چیز سے کھڑی ہوئی آفس پارک بجے بند ہو جاتا تھا مگر آج سب درکرزی میننگ تھی تو کچھ دیر تک آفس میں بھی رُکنا پڑا تھا۔ میڈم فرحت کے نکلتے ہی وہ بھی باہر نکل گئی تھی آج گاڑی بھی نہیں تھی جو اسے ڈراپ کرتی ساری ورکرز خود ہی اپنی کنوئیں سے گئی تھیں۔

اسٹاپ پروہ کھڑی تھی سات بج گئے تھے اذان ہونے والی تھی اس نے دوپٹہ اچھی طرح اپنے سر پر جھا کر اوڑھا ہوا تھا کافی دنوں بعد وہ آج بس سے جا رہی تھی فاطمہ کے کیس کے بعد سے تو وہ کچھ محتاط بھی ہو گئی تھی۔ اسٹاپ پر لوگ جمع تھے مگر اس کی مطلوبہ بس آنے میں بھی ٹائم لگ رہا تھا اسے کوفت بھی ہو رہی تھی ذہن پھر فائق کی طرف الجھ گیا اکثر ہی وہ راستے میں بھی مل جاتا تھا اس کے آفس کے سامنے روڈ سے ہی بس ملتی تھی وہ ابھی تک کھڑی تھی۔

کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے اب جانے دل کو راہ تھی یا یہ محض اتفاق تھا ابھی سوچا اور وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہارن بجار ہاتھ بڑی طرح اچھل ہی گئی۔

”فورا بیٹھو گھر میں سب کو پھر تم نے پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔“ طنزیہ تیز لہجہ میں گویا ہوا اور فرنٹ سیٹ کا ڈور کھول دیا۔ تہذیب حیرانگی سے گنگ اسے دیکھے گئی کہ ابھی اس نے صرف سوچا ہی تھا کہ وہ حاضر۔

”آپ.....“ غصہ میں آواز گھٹی گھٹی نکلی۔

”ہاں میں فوراً بیٹھ جاؤ سوال جواب گاڑی میں بیٹھ کر کرنا۔“ وہ اس کی ناگواری اپنے آئی گلاسز سے دیکھ چکا تھا وہ زیادہ بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھی جلدی سے مرنے کی بات کرتی کے مصداق فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اور دھڑ سے ڈور بند کیا۔

”آہستہ بند کرو یہ تمہارے میاں کی گاڑی نہیں ہے جو غصہ دکھا رہی ہو۔“ وہ طنز میں کہتے ہوئے اسے سلگانے لگا تہذیب نے خونخوار نظریں دانت پیستے ہوئے اس کی جانب کیس وہ اطمینان سے گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

”آپ انتہا سے زیادہ فضول انسان ہیں اور فضول کی بات کرتے ہیں۔“ گرم گرم گھونٹ اندر اتارے۔ جانے کس نے اسے کہہ دیا جو اس پر اور اس کی پشتوں پر احسان کرتے ہوئے اسے لینے پہنچ گیا تھا۔

”اطلاع پرانی ہے۔“ نگاہ اس نے سامنے اٹھائی ہوئی تھی فائق تو اسے تنگ کرتے ہوئے خاصا مظلوم بھی ہوتا تھا جب اس نے اپنے دل میں بسالیا تو اتنا تو حق رکھتا ہے کہ اسے تنگ بھی کرے وہ سمجھتا تھا تہذیب اس سے خائف بھی ہے مگر اکثر اس کی چوری بھی پکڑ لیتا تھا جب وہ اسے کبھی کن اکھیوں سے دیکھتی تھی مگر تاثر ایسے دیتی تھی کہ وہ ذرا اسے پسند نہیں کرتی ہے۔

”ہوں وہ فاطمہ کے کیس کا کیا ہوا؟“ بات بدلنے کو پوچھا۔

”میں آپ کو ضروری نہیں سمجھتی کہ بتاؤں کیا ہوا اور یہ ایک فاطمہ کا ہی مسئلہ نہیں ہے بہت لڑکیوں کے ہم کیس ہینڈل کرتے ہیں۔“ اس نے تیکھا سا ہی جواب دیا۔

”خاصی بد مزاج ہو گئی ہو۔“ اس پر جیسے کوئی اثر نہ ہوا تو پھر گویا ہوا۔

”آپ کا مزاج کیا بہت اچھا ہے؟“ ترکی بہ ترکی بولی۔

”ہوں..... خاصا خوش مزاج ہوں تم ابھی تک واقف نہیں ہوئی ہو۔“

”مجھے واقف ہونے کی ایسی خاص ضرورت بھی نہیں ہے۔“ فیروزی دوپٹے کے بالے میں اس کی شہابی رنگت غصے کی وجہ سے تھم رہی تھی فائق کے ہونٹوں پر شوخ سی مسکراہٹ تھی۔

”فرض کرو کبھی واقف ہونا پڑ گیا تو.....؟“ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے موز کا ٹٹے لگا۔

”اللہ نہ کرے کہ مجھ پر ایسا برا وقت آئے کہ آپ کے مزاج سے مجھے واقف ہونا پڑے اور میں آپ کے مزاج سے کافی حد تک واقف بھی ہوں۔“ طنزیہ انداز تھا۔

”اچھا کیسے؟“ وہ مسکرانے لگا۔ ٹریفک رواں دواں تھا گاڑی کے شیشے بند تھے فل اے سی چل رہا تھا باہر کا شور اندر ذرا بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

”آپ انتہا سے زیادہ مغرور اور خود پسند انسان ہیں۔“

”اوہ..... یہ نئی اطلاع ہے میرے لیے۔“ زوردار قہقہہ لگایا۔

”مجھے آپ یہ بتادیں کہ آپ کیوں لینے آئے کیوں احسان کرنے چلے آتے ہیں مجھ پر۔“ وہ کھسیا کر رہ گئی۔

”آپ کی والدہ صاحبہ پریشان سی ہماری طرف آئی تھیں محریب بھائی گھر پر تھے نہیں مجھ سے رہا نہیں گیا تو پوچھ لیا بس پھر میں نے کہا کہ میں لے آتا ہوں۔“ وہ نرم سے لہجہ میں بتانے لگا۔

”مجھے راستہ بھی پتہ ہے اور روز آتی جاتی ہوں آج نئی نہیں آ رہی تھی جو آپ لینے چلے آئے۔“ برہم سی ہوتی ہوئی بولی۔

”وہ کیا ہے احسان کرنے کی عادت ہے چلو تم وقت پڑنے پر اتار دینا احسان مگر اچھے انداز میں۔“ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ تہذیب نے گھبرا کے نگاہ چرا لی جانے کیوں فائق کے لہجہ میں باتوں میں کبھی کبھی اتنی معنی خیزی ہوتی کہ وہ خوش فہمی میں پڑنے لگتی مگر وہ ایسا چاہتی بھی نہیں تھی۔

”ہم غریب لوگ آپ لوگوں کا احسان اتار بھی نہیں سکتے ہیں۔“ تہذیب دکھ اور افسردگی سے گویا ہوئی۔

فائق نے چونک کر اسے دیکھا جو ونڈو سے باہر دیکھ رہی تھی نگاہ وہ ملاتی نہیں تھی فائق کو اس کی یہ ادا بھی اچھی لگتی تھی۔

”احسان اتارنے کے لیے امیر ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے البتہ یہ انسان پر خود ڈیپنڈ کرتا ہے کہ وہ کیسے اتارے۔“ اسے تہذیب کا ایسا انداز کچھ پریشان کر گیا۔

”جب ہم آپ کے برابر نہیں ہوں گے تو احسان کیسے اتار سکتے ہیں؟“

”احسان مختلف طریقوں سے اتارے جاسکتے ہیں مثلاً تم روز ہمارے گھر آ کر امی اور تائی امی کا کچن میں ہاتھ بٹاؤ اور میرے ہفتے بھر کے کپڑے پر لیس کر کے جاؤ۔“

”جی.....“ وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔ کیونکہ کچن میں امی اور تائی امی کے ہاتھ بٹانے پر اسے حیرانگی نہیں بلکہ فائق نے جو آخری بات کی اس پر حیرانگی ہوئی۔

”میں آپ کی نوکری نہیں ہوں۔“ جھٹ صاف انکار کیا۔
 ”کتنی بڑی بات ہے، تائی! امی تمہارا کتنا خیال کرتی ہیں تم ان کی بھی مدد کرنے نہیں آؤ گی۔“ فائق نے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔
 ”میں آنٹی کا ہاتھ بٹانے کے لیے ہمیشہ تیار ہوں مگر آپ کے کپڑے تو کیا میں آپ کا ایک کام بھی نہیں کروں گی۔“ صاف انکار کیا۔
 ”کیوں تمہیں پرہیز کرنے نہیں آتے ہیں۔“

”جی بالکل ٹھیک سمجھے مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے مردوں کے کام کا کیونکہ میرا بھائی خود چھوٹا ہے وہ اپنے سارے کام خود کرتا ہے اور جب ابوزندہ تھے ان کے سارے کام امی کرتی تھیں۔“
 ”کتنی نکلی ہوئی تم نے نہ اپنے ابو کا اور نہ ہی بھائی کا خیال رکھا۔“ فائق اسے شرم دلانے لگا۔ گاڑی جھٹکے سے گیٹ کے آگے رُک گئی تھی، تہذیب نے دیکھا کہ گھر آ گیا ہے تو فرنٹ ڈور کھول کے اترنے لگی، گیٹ تک کھلنے کا انتظار نہیں کیا اور چھوٹے گیٹ سے اندر چلی گئی۔ فائق کے ہونٹوں پر بڑی سرسری مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی، چونکدار نے گیٹ کھول دیا تھا اور وہ گاڑی اندر لے کر آ گیا، دیکھا تہذیب لان میں ہی رُک کے کھڑی ہو گئی جہاں حمزہ اس سے کچھ بات کر رہا تھا۔
 ”تہذیب! مجھے تمہارا یہ ٹیکھا انداز بہت اچھا لگتا ہے، دل کرتا ہے تمہیں چھیڑتا ہی رہوں۔“ وہ مسکراتے لبوں سے آنکھوں میں محبت لیے اسے وارنٹی سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆.....

محریب کا میننگ کے دوران سخت موڈ خراب تھا کیونکہ چند ایملپائز نے چھٹی کر لی تھی اور ساری شب منٹ کی تفصیل ان کے پاس تھی، میننگ روم سے باہر آیا تو اس کا سیل بیپ دینے لگا، کافی دیر تک وہ بج بج کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتا تھا، محریب کے مزاج میں اور زیادہ سنجیدگی آ گئی تھی اور غصہ بھی فوراً آنے لگا تھا۔ سیل دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا، جواد احمد کی کال تھی اس نے فوراً پھر ریسیو کی اور مودب بن کر سلام دعا کرنے لگا، ان سے جب بھی بات کرتا تھا مودب انداز میں کرتا۔

”بیٹا! کل تو آپ فارغ ہو گئے کیونکہ سنڈے ہے؟“
 ”جی چاچو! خیریت۔“ وہ چونکا بھی کہ وہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔
 ”بیٹا! میں ابھی دوپہر میں اماں جی کی طرف گیا تھا سب کی کل رات کے کھانے پر دعوت ہے، سوچا کہ تم بڑے داماد ہو تمہیں خاص طور پر کال کر کے کہوں۔“

”ارے چاچو! آپ ایسی بات کیوں کر رہے ہیں۔“ فوراً ہی بولا خالانکہ کچھ لمحوں پہلے اس کا موڈ کتنا خراب تھا۔
 ”پھر بھی بیٹا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں تم سے کیسے مخاطب ہوں۔“
 ”چاچو! میں آپ کا بھتیجا ہوں اور بھتیجا بیٹے کی طرح ہوتا ہے اس لیے آپ کو مجھ سے مخاطب ہونے کے لیے اتنا سوچنا نہیں چاہیے۔“ وہ مودب انداز میں بڑے فریش موڈ میں ان سے بول رہا تھا، وہ ان پر ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ اسے کچھ برا لگا ہے یا وہ عنانہ سے نکاح ہونے پر خوش نہیں ہے، عجیب پریشانی میں بھی مبتلا تھا اسے صرف شکایت اور غصہ عنانہ سے تھا۔

”ہوں.....“ بس اتنا ہی بولے۔

”پھر بیٹا کل آ رہے ہونا تم؟“

”جی چاہو! ضرور آؤں گا۔“ آواز کو خوشگوار بنایا۔ وہ موبائل آف کر چکا تھا اور جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا، گاڑی کبھی بھی اتنا ریش ڈرا نہیں کرتا تھا مگر آج ہوا میں اڑانے کو دل کر رہا تھا، ذہن بھی منتشر تھا، دوڑتی بھاگتی گاڑیوں پر آج تو وہ توجہ بھی نہیں دے رہا تھا کیونکہ جب دل و دماغ میں بہت زیادہ غبار ہو تو اطراف کی کسی بھی چیز کی آواز نہیں آتی۔ گھر پہنچا تو دادی جان کی طبیعت خراب ہو رہی تھی، سب ان کے پاس ہی جمع تھے وہ بھی گھبرا کے ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”ڈاکٹر سے چیک اپ بھی کروانا تھا آپ کا دو دن بعد آج ہی چلیں۔“ وہ ان کے نحیف سے ہاتھ تھام کے پوچھ رہا تھا۔

”ٹھیک ہوں میں کیوں تم سب ایک دم اتنا پریشان ہوتے ہو، کچھ گھبراہٹ ہو رہی تھی۔“ وہ کمزور اور نقاہت زدہ سی آواز میں بولیں۔

”بڑی دلہن نے گلو کو ز دیا ہے اب بہتر ہے جاؤ، بھی تم لوگ اپنا کام کرو، کیوں اتنا پریشان ہوتے ہو۔“ انہیں سب کے فکر مند چہروں پر ترس بھی آنے لگا جو ان کی دلجوئی کے لیے فوراً ہی ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔
 ”محریب کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھا ان کا دل بہلاتا رہا جبکہ خود بھی وہ کافی ٹینشن میں آیا تھا، آفس میننگز پھر جواد چاچو کی کال، پورا راستہ سوچتے ہوئے گزرا تھا۔ وہ کوریڈور سے گزر کے کچن میں جا رہا تھا کہ مائز اور وشہ کی تیز تیز آوازیں آرہی تھیں، دونوں کچن میں ہی موجود تھے وہ آواز سن کے باہر ہی رُک گیا۔
 ”تمہارے ساتھ پرانم کیا ہے جو فضول کی بات نکال کے لڑائی کر رہی ہو۔“
 ”پرانم آپ جانتے ہیں پھر پوچھ رہے ہیں۔“ وہ بھنہائی گئی۔

”بہت ہی بے وقوف ہو تم۔“ مائز چیخا۔
 ”مجھے جب نہیں پسند تو آپ یہ جوائن نہیں کریں گے۔“ وہ بھی رعب و دھونس سے بول رہی تھی۔
 ”میری سلیکشن ہو چکی ہے، تمہاری میں ایک نہیں سنوں گا۔“ وہ بھی اپنے نام کا ایک ضدی ہی تھا۔
 ”میں بڑے ابو سے کہوں گی۔“ وہ روہانسی ہو گئی۔
 ”جاؤ جا کر کہہ دو مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے، یہ میرا شوق ہے کوئی پروفیشن نہیں ہوگا۔“ وہ چیخا۔
 ”محریب کے خاک بھی ملے نہیں پڑ رہا تھا کہ دونوں آخر بحث کر کے لڑکس بات پر رہے ہیں۔“
 ”مجھے پتہ ہے سب لڑکیوں کے چکر میں کر رہے ہیں۔“

”پھر فضول بکواس۔“ وہ گلاس ٹیخ کے بولا۔ محریب وہاں سے ہٹ گیا مگر اسے تجسس تو ہو رہا تھا کہ آخرا یہی کون سی بات ہے جو مائز اور وشہ میں جھگڑا ہو رہا ہے، ابھی شادی کو صرف پندرہ دن ہوئے ہیں، چہنچ کر کے وہ وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس نیچے ہی آ گیا۔ وشہ فون پر بات کر رہی تھی، مائز کہیں نظر نہیں آ رہا تھا پھر اس نے مائز سے بات چیت بھی بند کی ہوئی تھی۔

”آخر پوچھوں تو کس سے امی سے پوچھوں، نہیں ان سے بھی نہیں۔“ کیونکہ اگر ان سے پوچھتا تو وہ سمجھتیں کہ مائز کی فکر ہے بات نہ کر کے صرف ڈرایا ہوا ہے۔

”محریب بھائی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ وشہ نے اسے پکارا، اس کے باہر جاتے قدم رُک گئے آج پہلی بار اس نے مخاطب کیا تھا۔

”وہ مائز FM ریڈیو جوائن کر رہے ہیں۔“ سر جھکائے وہ گلابی کپڑوں میں پہلے سے سوہری لگ رہی تھی۔

”پھر.....“ اتنا ہی بولا۔

”آپ انہیں منع کریں۔“ اسے محریب سے بات کرتے ہوئے جھجک سی ہو رہی تھی۔

”اس کا شوق ہے تو کرنے دو۔“ سرد مہری اور زکھائی سے جواب دیا، وشہ نے لب بچھنے کے جزبہ ہو کر اسے دیکھا۔
کتنا لا تعلق سارے لگا تھا ان لوگوں کے ساتھ بھی بیٹھتا تھا۔

”مگر مجھے نہیں پسند۔“

”جو تمہارے شوہر کو پسند ہے کرنے دو میں کیا بول سکتا ہوں۔“ وہ جانے لگا۔

”محریب بھائی! آپ کی ناراضی مجھ سے بھی ہے میرا تو کوئی قصور نہیں ہے مجھ سے کیوں آپ نگاہ چرا کے چلے جاتے ہیں۔“ وہ افسردگی سے شکوہ کرنے لگی۔

”میری ناراضی تم سے نہیں ہے۔“ اس نے جھٹ کہا اور باہر نکل گیا، وشہ کو اس کا یہ انداز اچھا نہیں لگا تھا۔

☆☆☆

وشہ رات میں ہی گھر چلی گئی تھی شادی کے بعد پہلی بار وہ رکنے گئی تھی پھر اس کے ماموں اور مامی بھی واپس جا رہے تھے ان سے بھی نہیں ملی تھی مائز کو کچھ عجیب سا لگ رہا تھا، کمرے سے باہر آیا تو فائق کے کمرے میں نظر ڈالی دونوں کے ایگزیم بھی چند دنوں میں ہونے والے تھے اس کے بعد تو دونوں ہی فارغ ہوں گے۔

”کیا سوچا ہے تم نے پھر؟“ مائز نے اسے مخاطب کیا۔ فائق کے ہاتھ میں بک تھی وہ کچھ پڑھ رہا تھا پیرز اور بین بھی ساتھ ہی پڑے تھے۔

”کس بارے میں؟“ فائق نے اپنے گلاسز کو شہادت کی انگلی سے سیدھا کیا۔

”ارے ریڈیو جوائن کرنے کے بارے میں میرا تو سلیکشن ہو گیا ہے پر وشہ گڑبڑ کر رہی ہے۔“ مائز اس کے ساتھ بیڈ پر کہنی ٹکا کر نیم دراز ہو گیا۔

”تو پھر مت کرو۔“

”کیوں نہیں کروں میرا شوق ہے میں اس کی خاطر اپنا شوق چھوڑ دوں۔“ مائز چمک کے بولا۔

”پھر وشہ سے جھگڑے ہوتے رہیں گے۔“ فائق نے بک بند کی اور سائیڈ پر رکھ لی۔

”بیوی ہے پینڈل کر لوں گا۔“ وہ مسکرایا۔ فائق نے چتون اٹھا کے اس کا بغور جائزہ لیا جو شادی کے بعد سدھرتا ہوا نہیں لگا تھا، جو ٹھان لی کر کے چھوڑتا تھا۔

”تم نے کیا سوچا ہے تم جوائن نہیں کرو گے؟“

”ہوں کروں گا ابو سے تو کہہ دیا ہے وہ بھی اعتراض نہیں کر رہے۔“ فائق کو بھی ریڈیو پر VJ بننے کا شوق ہو گیا تھا۔

”تمہاری والی کو تو اعتراض نہیں ہے۔“ مائز نے قدرے زک زک کے معنی خیز اور شرارتی لہجے میں پوچھا۔ فائق نے چتون فوراً ہی تکیے کیے اور اسے گھورنے لگا مگر تاثر ایسے دیا جیسے وہ کچھ سمجھا ہی نہیں ہو۔

”کیا فضول ہاں کتے ہو۔“

”کیوں تہذیب کا میں نے نام لیا۔“ مائز پر جیسے اس کے گھورنے کا بھی کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

”مائز! میں ایسی فضول قسم کی کوئی بھی بات اپنے سے متعلق پسند نہیں کرتا ہوں، تم مسلسل ہاں کتے رہتے ہو۔“ وہ

رداؤ انجسٹ [118] نومبر 2010ء

ناگواری لیے برہم ہو رہا تھا۔

”تم سے متعلق تو میں نے کچھ بھی نہیں کہا ہے، تہذیب کے بارے میں کہا ہے اسے تو اعتراض نہیں ہے۔“ وہ لب بچھنے کر مسکراہٹ روکتے ہوئے مسلسل اسے زچ کر رہا تھا۔

”میرے ریڈیو جوائن کرنے سے تہذیب کو کیا اعتراض ہو گا؟“ وہ کڑے تیوروں کے ساتھ اس سے مخاطب ہوا۔

”یار! میری زوجہ کو تو اس لیے اعتراض ہے کہ میں کسی لڑکی کے چکر میں نہ پڑ جاؤں۔“ وہ سادگی سے بتانے لگا۔
یہ مائز میں اچھی بات تھی ہمیشہ صاف گوئی سے ہر بات کہہ دیتا تھا اور نہ جھوٹ بولتا تھا اور نہ ہی کسی کا جھوٹ برداشت کرتا تھا بقول وشہ کے۔

”آپ تو جھوٹ پکڑنے کی مشین ہیں۔“ مائز کو غصہ بھی ہمیشہ اسی بات پر آتا اگر کوئی جھوٹ بولتا تھا۔

”اگر پڑ گئے؟“ فائق نے سوالیہ نگاہ ڈالی۔

”اتنے سال کالج اور یونیورسٹی کی لائف گزاری، جب نہیں پڑا تو اب کیسے پڑ سکتا ہوں جبکہ جس لڑکی پر نگاہ تھی اب وہ میری بیوی ہے۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”تو بول تہذیب کا کیا ہو گا؟“

”مائز! جتنا میں تمہاری ایسی باتوں سے بچتا ہوں تم اتنا ہی بکو اس کرتے ہو۔“ وہ بھنا گیا۔

”مجھے تو بے وقوف سمجھتا ہے دوڑ دوڑ کے اسے لینے جاتا ہے، کبھی شاپنگ سینٹر سے ڈھونڈ کے لاتا ہے تو کبھی اس کے آفس لینے پہنچ جاتا ہے، میں نے خود تجھے اس سے بات کرتے بھی دیکھا ہے، مجھ سے جھوٹ کیوں بولتا ہے۔“ مائز بھی تیز لہجے میں بولتے ہوئے اسے گھیرنے لگا، فائق گڑبڑا ہی گیا کیونکہ اس نے لا جواب جو کر دیا تھا۔

”وہ تو مبینہ آئی پریشان تھیں، امی اور تائی امی نے مجھ سے کہا، اس وقت اتفاق سے کوئی بھی گھر پر نہیں تھا۔“ وہ صفائی دینے لگا۔

”فائق! تو جتنا بھی خود کو بچالے مگر یاد رکھنا میں تیرا یہ جھوٹ پکڑ کے رہوں گا اور تو یہ میری بات لکھ کے رکھ لے تو شادی بھی اسی سے کرے گا۔“ مائز کا لہجہ پریقین اور وثوق لیے ہوئے تھا۔ فائق کچھ گھبرا گیا کیونکہ اتنی صاف اور کھلی گفتگو وہ بھی اس کے سامنے ڈٹ کے صرف مائز ہی کر سکتا تھا اور نہ تو اس نے اپنے بہن بھائی پر رعب رکھا ہوا تھا جب کرامی تک کبھی بھی اس سے ڈرتی تھیں مگر مائز ایک ایسی شخصیت تھا نہ کبھی اس کی کسی بات کا بُرا ماننا اور نہ کبھی ناراض ہوتا، ہمیشہ اسے آڑے ہاتھوں ہی لیتا تھا۔

”میرا شادی کا کچھ عرصے تک ارادہ نہیں ہے کیونکہ میں انٹرن شپ کروں گا۔“ وہ بک کھول کے اس کے صفحے آگے پیچھے کرنے لگا۔

”ہماری یونیورسٹی ختم ہونے میں ایک ماہ ہے اس کے بعد رزلٹ پھر تمہاری یہ فضول سی بات، اس کے بعد تو چچا جان اور چچی جان بھی چاہیں گے کہ تمہاری شادی ہو جائے۔“

”تمہیں میری شادی سے اتنی دلچسپی کیوں؟“ فائق تنک گیا۔

”اس لیے کہ تو اکیلا پھرتا ہے تو مجھے جلن ہوتی ہے۔“

”پھر کیوں شادی نہیں کرتے۔“ وہ جھٹ بولا۔

”نا تم تھا ہو گئی ویسے راز کی بات بتاؤں اپنی پند کی لڑکی سے شادی کرو تو لائف زیادہ اچھی لگتی ہے۔“ معنی خیزی

رداؤ انجسٹ [119] نومبر 2010ء

سے بول کے مسکرانے لگا۔
”اب تمہاری فضول کی راگنی شروع ہو گئی ہے، نکلو یہاں سے اور پڑھائی کر لو، نیکسٹ ویک سے پیپرز ہیں۔“ وہ اس کی انگٹوں سے بچنے لگا۔

”میری تیاری کمپلیٹ ہے۔“

”یار! مجھے تو پڑھنے دو۔“ وہ کھسایا۔

”نیچے تہذیب آئی ہوئی ہے۔“ مائز نے نئی اطلاع دی۔ فائق بنوز نازل انداز میں بیڈ کی بیک کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھا رہا، ایسے بن گیا جیسے سنا ہی نہیں ہو۔

”امی نے اسے بلایا ہے کل جانے کے لیے کہہ رہی ہیں جو اد چاچو کی دعوت میں جانے کے لیے، میں کافی دیر تک تو سنتا رہا وہ انگار کیے جا رہی تھی پھر میں اوپر اپنے کمرے میں آ گیا، وشہ کے بغیر دل نہیں لگا تو تمہیں جھا نک کے دیکھا۔“

”مائز! آخر تم اتنی تفصیل سے کیوں بولتے ہو؟“ وہ عاجز آ گیا۔

”اس لیے کہ میری عادت ہے۔“ مسکرایا۔

”لگتا ہے مجھے ہی اٹھنا پڑے گا۔“

”ہاں ہاں جاؤ تہذیب ہے ابھی نیچے دیدار کر لینا۔“ مائز مسلسل اسے تنگ کیے جا رہا تھا، فائق واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

”بہت خبیث آدمی ہو تم۔“

”یار! تو کبھی مجھ سے ناراضی انداز میں بھی بات کر لیا کرو، ہر وقت ناراض غصہ میں رہ کر بولتا ہے۔“ مائز کو اس کے مزاج پر غصہ بھی آتا تھا۔

”اس لیے کہ تم کبھی نازل انداز میں بات ہی نہیں کرتے ہو۔“ فائق نے سنجیدگی سے کہا۔ مائز کا موبائل بیپ دینے لگا، وہ چونک گیا، پینٹ کی پاکٹ سے نکالا وشہ کی کال تھی۔

”وشہ ہے۔“ فوراً موبائل کان سے لگایا، فائق پہلو بدل کے اپنی بکس میں مصروف ہو گیا۔

”ہائے میری جانو کیسی ہو؟“ فائق نے اسے گھورا جو جگہ تک بھول گیا تھا کہاں بیٹھا ہے اور کس سے بات کر رہا ہے۔

”مائز یار! ادھر سے نکل کے بات کرو تم۔“ فائق کو عجیب سا لگ رہا تھا جبکہ مائز جان بوجھ کر اسے سنانے کو وشہ سے ایسے انداز میں مخاطب ہو رہا تھا۔

”یار وشہ! یہ فائق روکھا پھیکا آدمی ہے اس کے روم میں ہوں، اچھا اپنے روم میں جا کر کال کروں گا۔“ کہہ کر موبائل آف کر دیا۔

”اپنی بیوی سے بات کر رہا تھا کسی گرل فرینڈ سے نہیں۔“ مائز بیڈ سے اٹھا۔

”انداز تمہارے تو ایسے ہی تھے۔“ فائق نے طنز کیا۔

”تیری ہوگی شادی تو دیکھوں گا کیسے مخاطب ہوگا اور مجھے پتہ ہے تہذیب سے رومینک موڈ میں ہی بولے گا۔“

”مائز!.....!“ فائق دانت پیس کے چیخا۔

”جار رہا ہوں مگر یہ بات ذہن میں رکھنا تو شادی تہذیب سے ہی کرے گا یہ مجھے پتہ ہے۔“ مائز تو اس کے

بیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا، فائق اس کی درگت بنانے کے لیے اٹھنے لگا تھا وہ تیزی سے بھاگ لیا، فائق کو مائز کی ایسی بے باک باتوں سے پسینے سے آنے لگے تھے۔

☆☆☆

جب وہ اسے سوچنا نہیں چاہتی اس کی قسمت میں وہ ہے ہی نہیں تو کیوں قسمت پھر بار بار اسے سامنے کرتی رہتی ہے، ہر بار خود کو روکتی کہ اس شخص کو نہیں سوچنا ہے مگر ہر بار نئے انداز اور نئی باتوں کے ساتھ سامنا کرنا جتنا وہ بچتی وہ اتنا اس پر مسلط ہوتا جا رہا تھا۔

”اللہ کرے فائق احمد تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے دیکھنا کیسے میں تمہیں تنگ کروں گی۔“ بے ساختہ ہی دل سے دعا کی مگر دل ایک دم دھڑک اٹھا، آنکھیں جھٹ سے کھول لیں، ابھی صرف محبت ہو جائے کہا تھا دل کی دھڑکنوں میں بے ہنگم ارتعاش پیدا ہو گیا تھا، عجیب بے کلی بے چینی سوار ہو گئی، سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔

”آج میں یہ کیا سوچنے لگی، لعنت ہے تہذیب تجھ پر خود کو تو دیکھ وہ کہاں اور تو اس کی ملازماؤں کی طرح۔“ خود ہی خود کو لعنت ملامت کی تھی۔

”کیا ہم غریب لڑکیوں کا اچھے اور اونچے خواب دیکھنے کا حق نہیں، یہ خواب ہی تو ہوتے ہیں جو ہم لحوں میں بننے لگتی ہیں، چاہے وہ خواب پورا ہو یا نہ ہو بس دیکھے جاتی ہیں۔“ دل افسردہ اور اداس ہوا ایک دم ہی اٹھ کر بیٹھ گئی، آج وہ لیٹ بھی جلدی گئی تھی، منتہی عشاء کی نماز لاؤنج میں پڑھ رہی تھی، وہ بھی ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی، حکمت تو بے خبر زمین پر بچھے گدے پر سو رہی تھی، امی اور حمزہ ایک ہی روم میں سوتے تھے جبکہ وہ تینوں مشترکہ ہی کمرے میں سوتی تھیں، وہ بے زاری روم سے باہر نکلی، منتہی کی شاید آنکھ لگ گئی تھی وہ صوفے پر ہی لیٹی ہوئی تھی۔

”منتہی باجی!“ تہذیب نے آہستگی سے اسے جگایا تا کہ وہ گھبرا کے کھڑی نہیں ہو جائے۔

”ہوں.....!“ اس نے آنکھ کھول کے صرف یہی کہا۔

”میں سمجھی کہ آپ ابھی تک نماز پڑھ رہی ہیں۔“

”ہاں وہ صبح پڑھتے پڑھتے آنکھ لگی ہے۔“ وہ نیند سے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھول رہی تھی۔

”آج ابھی تک حمود بھائی کی کال نہیں آئی، ایک بج رہا ہے۔“ تہذیب کو تشویش ہوئی تھی۔

”آئی تھی میں نے بات ہی نہیں کی۔“ وہ بالوں کو سینٹے لگی۔ تہذیب نے لاؤنج کی لائٹ آف کی دونوں ہی روم میں آ گئیں، وہ اور منتہی بیڈ پر سوتی تھیں جبکہ حکمت زمین پر گدا بچھا کر سوتی تھی۔

”ارے کیوں نہیں کی بات آپ نے؟“ تہذیب نے چونک کر حیرانگی سے استفہامیہ اور تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔

”انہوں نے آج عشاء کی نماز نہیں پڑھی میں نے غصہ میں کال کاٹنے کے بعد موبائل آف کر دیا۔“ وہ لیٹ گئی کیونکہ نیند ہی بہت آ رہی تھی۔

”منتہی باجی! آپ حمود بھائی کے ساتھ بہت زیادتی کرتی ہیں، وہ بے جا رہے آپ کا ہر طرح سے خیال کرتے ہیں، کتنی محبت کرتے ہیں کہ روز کال کرتے ہیں رات میں دن کا مجھے پتہ نہیں، کتنی بار کرتے ہوں گے۔“ تہذیب بھی لیٹ گئی لائٹ آف کر کے زیر و کابلب آن کیا تھا، ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی۔

”انہوں نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی آپ نے کال کاٹ دی۔“

قضا نماز ادا کی اور بیڈ پر آ گیا، نمبر دوبارہ پریس کیا موبائل پھر آف تھا، حمود نے مایوسی سے موبائل بیڈ پر ڈالا اور دراز ہو گیا۔

”یعنی محترمہ مجھ سے بات تک کرنا نہیں چاہتیں، اوکے“۔ آنکھیں بند کرنے لگا، فوراً خیال آیا فجر کے وقت کا الارم لگایا تاکہ پھر فجر کی نماز نہیں نکل جائے۔

”اللہ میاں ٹھیک اذانوں کے وقت آنکھ کھل جائے اور منتہی موبائل آن کر لے“۔ وہ باقاعدہ دعا کرنے لگا۔ آفس میں اسے دیر ہو گئی، ٹریفک اتنا تھا کہ نماز بھی نکل گئی، سوچا تھا گھر جا کر قضا نماز پڑھے گا مگر اس سے یہ غلطی ہو گئی کہ منتہی کو کال پہلے کر لی، اس نے سنا تو موبائل آف کر دیا۔

نئی فیکٹری تھی اور پھر آفس بھی اسے دیکھنا پڑ رہا تھا، رات کو اکثر دس گیارہ بج جاتے تھے، آج کل تو جمنی تک کو نو لفٹ کیا ہوا تھا، اگر مصروفیت میں بھی یاد رکھتا تو منتہی کو دن میں بھی کئی بار کال کر لیتا تھا، پوری رات نیند خاک آتی، جاگتا رہا، دل نے کہا کہ تہجد بھی پڑھ لو جب یہ موقع اللہ تعالیٰ نے نصیب کیا ہے تو مانگ لے اس ذات سے اور اسے جس نے اسے اتنا سنوار بھی دیا تھا، تہجد پڑھ کے وہ فجر کی اذانوں کا انتظار کرتا رہا، کبھی گلاس ونڈو سے پردے ہٹا کے باہر لان میں نظارہ کرتا تو کبھی اپنا سیل فون اٹھا کے منتہی کو ٹرائی کرتا، اتنے میں دور سے اذانوں کی آواز آئی فوراً وضو کرنے واش روم میں چلا گیا، وضو سے فارغ ہو کے دراز سے ٹوپی نکالی، سلیر پاؤں میں پھنسائے اور اپنے روم سے نکل گیا، آج اس کا ارادہ فجر کی نماز مسجد میں پڑھنے کا تھا ورنہ تو عموماً وہ گھر میں ہی پڑھتا تھا، نیچے آیا فانوس کی پیلی پیلی روشنی ہال کمرے میں پھیلی ہوئی تھی، امی کے کمرے کی جانب دیکھا وہ بھی نماز کے لیے اٹھتی تھیں مگر اس ٹائم پہلی بار حمود فجر میں نیچے آیا تھا کوریڈور سے نکل کے باہر آیا، پورچ اور لان میں بھی سناٹا پھینلا تھا، واج مین کی تلاش میں اس کے کوارٹر کی طرف آیا وہ باہر ہی چارپائی پر چادر تان کے بے خبر سو رہا تھا۔

”یار! گیٹ کھولو“۔ اس نے آہستگی سے شہزاد کو اٹھایا۔

”کون ہے کون ہے؟“ وہ ہڑبڑا کے اٹھ گیا۔

”یار! آہستہ تو بولو میں ہوں“۔ حمود تیز لہجے میں بولا۔

”اوہ..... حمود صاحب! آپ اس وقت“۔ وہ اچنبھے اور حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا کہ وہ اس ٹائم یہاں کیا کر رہا ہے۔

”میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں گیٹ بند کر لو وہاں سے پھر جاگنگ پر بھی جاؤں گا، امی پوچھیں تو بتا دینا“۔ وہ ہدایت دے کر فوراً ہی گیٹ سے باہر نکل گیا، ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔

مسجد میں قدم رکھتے ہی حمود سنجیدہ ہو گیا، جب بھی وہ مسجد میں نماز یا جماعت ادا کرتا اسے بہت سکون ملتا، پھر جب سے اس نے نماز کی پابندی کی تھی کتنا بلکا بچکا سارے لگا تھا، بڑی خشوع و خضوع سے اس نے دعائیں بھی مانگی تھیں، نماز سے فارغ ہو کر وہ جاگنگ پر نکل گیا تقریباً سات بجے وہ گھر آیا تھا، امی رحمہ کو اسکول بھیج رہی تھیں اس کی وین سوا سات پر آتی تھی۔

”امی! ناشتہ ملے گا بہت بھوک لگ رہی ہے“۔ وہ اخبار لے کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا۔ کلثوم بانو صبح ناستہ ملازمہ سے اپنی نگرانی میں ہی بنواتی تھیں۔

”بھائی! آپ فجر سے باہر تھے“۔ رحمہ کو حیرانگی ہو رہی تھی۔

”ٹھیک کیا میں نے“ آج سبق تول گیا ہوگا آئندہ چھوڑیں گے تو نہیں“۔ وہ روز ہی حمود سے نماز اور قرآن پاک کا ضرور پوچھتی تھی، صبح فجر میں پڑھا تھا یا سو گئے تھے۔

”کتنی ظالم ہیں ان کی بات تو سن لیتیں، کیا پتہ کوئی وجہ ہو گئی ہو“۔ تہذیب کو حمود پر ترس آنے لگا۔ ”مجھے پتہ ہے ادھر ادھر کی باتوں میں گھمبیر دیتے ہیں اصل بات کو میں نے موقع ہی نہیں دیا“۔ وہ کروٹ لیے ہوئے تھی جبکہ اس وقت سے پریشان اور فکر مند بھی حمود کے ساتھ اس نے اچھا نہیں کیا، وہ بے چارہ اس کی ہر بات مان رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ کتنا بدسلوک کرتی ہے۔

”آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ اتنی محبت کرنے والا شخص ملا ہے مجھے آپ پر رشک آتا ہے“۔ ”رشک آتا ہے دماغ تو درست ہے تمہارا“۔ منتہی کو جیسے اس کی یہ بات پسند نہیں آئی ہو۔

”بہت مشکل ہے آج کے دور میں سچی محبت ملنا اور حمود سالار تو اتنی سچی محبت کرتا ہے آپ سے کہ ہر ایک سے نکرانے کو تیار ہے“۔ تہذیب منتہی کو شرمندہ کرنے کو بولی۔

”مجھے تو نہیں لگتا یہ سچی محبت کرنے والا شخص ساری زندگی مجھ سے رشتہ بھائے، تہذیب! وہ اپنے بابا کے حکم کے آگے تو کچھ نہیں کر سکتے ہیں“۔

”میں پہلے حمود بھائی کو لا ابالی اور لا پرواہ سمجھتی تھی مگر میں نے ان میں ذمہ داری دیکھی ہے آپ سے وہ غافل نہیں ہیں، آپ کی ضرورت کا خیال رکھا ہوا ہے اور تو اور گھر میں بھی آپ چلی گئی ہیں چاہے رحمہ کو پڑھانے مگر وہ بے تو گئے ہیں نا، اس لیے کہ وہ آپ کو وہاں ہی رکھنا چاہتے ہیں“۔

”تہذیب! سو جاؤ پھر مجھ سے فجر میں اٹھنا نہیں جائے گا“۔ وہ حمود کے موضوع سے ہٹنا چاہ رہی تھی کیونکہ تہذیب جتنا اس کا دل کر رہی تھی اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔

”جانے کیا کر رہے ہوں گے غصہ تو نہیں آ گیا ہوگا“۔ وہ سوچنے لگی۔

”آپ ہمیشہ بات کاٹ دیتی ہیں“۔ وہ غلطی اور ناراضی سے گویا ہوئی۔ منتہی نے کوئی جواب نہیں دیا، تہذیب بھی کروٹ بدل کے لیٹ گئی، وہ خود کب سے فائق کی طلسماتی شخصیت میں الجھی ہوئی تھی اور خود کو خوابوں و خیالوں میں فائق کے ساتھ دیکھ بھی چکی تھی۔

”اگر تمہاری زندگی میں فائق احمد کوئی دوسری لڑکی آگئی تو میں کیسے برداشت کروں گی کیونکہ مجھے پتہ ہے تم میرے نصیب میں نہیں ہو مگر مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہوگا کہ تم کسی دوسری لڑکی کی سنگت میں زندگی گزارو“۔ محبت پر کب کسی کا اختیار ہوا ہے وہ اندر ہی اندر اسے چاہے جا رہی تھی، اس کی شخصیت کے سحر سے ایسا لگتا تھا بچنا اب ممکن ہی نہیں ہے۔

”فائق احمد! کاش تم میں مروت ہوتی، احساس ہوتا، تم کچھ تو میز خیال کرتے“۔ دل سے یہ خواہش ہو رہی تھی کہ فائق احمد صرف اسے چاہے اسے اہمیت دے۔ زندگی ضروری تو نہیں جو چاہا جائے وہ مل بھی جائے، اگر مل گیا تو وہ چاہے گا جسے ہم چاہ رہے ہیں اس لیے ایسی چاہت کو آرزو نہ بناؤ ورنہ سوائے ٹوٹ پھوٹ کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

”کاش اللہ میاں مجھے تو نے غریب نہیں بنایا ہوتا تو آج میں شاید فائق کے لیے کچھ تو اہمیت رکھتی“۔ اس کا ذہن آج پتہ نہیں کیا کیا سوچ رہا تھا جس سے حاصل اسے کچھ ہونے والا نہیں تھا۔

”میرا بیٹا بہت اچھا ہو گیا ہے نماز باقاعدگی سے ادا کرنے لگا ہے۔“ کلثوم بانو حمود کی اس عادت سے بہت خوش ہوئی تھیں کہ وہ نماز پڑھنے لگا ہے۔

”وہ پتہ نہیں امی رات کو نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔“ اخبار دوسری چیئر پر رکھا اور سلاکس اٹھا کر دانتوں سے کاٹنے لگا۔ رحمہ کی دین آگنی تو وہ اپنا بیگ اٹھا کر تیزی سے بھاگی تھی۔

”آج رات کو سر میں تیل کی مالش کروالینا تھکن ہو جاتی ہے تو نیند نہیں آتی ہے۔“ وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھیں۔

”بیٹا! مجھے تم سے کچھ بات بھی کرنی تھی۔“ کلثوم بانو قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔ حمود نے نگاہ اٹھا کر پُرسوج چہرہ ان کا دیکھا وہ جانتا تھا وہ کچھ بات کیا ہو سکتی ہے اس کا حلق تک کڑوا ہونے لگا۔

”آپ یقیناً پھر میری شادی کا ٹاپک نکالیں گی۔“ وہ بد مزہ سا ہوا۔

”ظاہر ہے مجھے یہی بات کرنی ہے بیٹا! مجھے بھی اپنی بہو کی ضرورت ہے کم از کم میرے ساتھ گھر میں تو ہوگی۔“ سارا دن میں اکیلی ہوتی ہوں۔“ انہوں نے نئے طریقے سے اسے الجھانا چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح تو مان جائے کیونکہ نیاز علی کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا اور ہشام سالار نے الگ انہیں حکم دیا ہوا تھا کہ حمود کو کسی طرح بھی قابو کر کے شادی کے لیے کہیں۔

”آپ کیا سمجھتی ہیں جس لڑکی کو آپ بہو بنانا چاہتی ہیں وہ گھر میں آپ کے ساتھ رہ لے گی۔“ اس نے چائے کے سب لیے۔

”میں اسے پیار ہی اتنا دوں گی۔“

”امی! وہ لڑکی پیار سے ماننے والی نہیں ہے اور پھر مجھے نہیں لگتا وہ میرے ساتھ یا اس گھر میں ایڈجسٹ ہو۔“ حمود کو تو حمی کی بے باکیاں بہت ہی بری لگتی تھیں۔

”پھر مجھے بتاؤ تو کہ اپنی پسند سے جو کرے گا وہ یہاں تو نہیں رہ سکے گی اپنے بابا کی باتیں بھول گیا ہے۔“ کلثوم بانو کو اس کی ضد سے کبھی بھی بہت ڈر لگتا تھا۔

”مجھے سب یاد ہے آپ اطمینان رکھیں بہو آپ کی پسند کی آئے گی اس گھر میں مگر حمی نیاز علی نہیں۔“

”آپ سستہ بول اگر تیرے بابا نے سن لیا تا تیرے ساتھ مجھے بھی نکال باہر کریں گے۔“ وہ ہشام سالار کے غصے سے ڈرتی تھیں۔

”نو پرابلم دونوں ماں بیٹا الگ رہیں گے اس کا بندوبست ہے میرے پاس۔“ بات تو شوخی سے وہ لمحوں میں اڑاتا تھا۔

”فضول مت ہانکو۔“ انہوں نے سرزنش کی۔

”پھر کب تک ایسے چلے گا نیاز بھائی کو جلدی ہے کہ ان کی بیٹی کی متکئی وغیرہ تو ہو جائے۔“

”نیاز انکل کو بھی میں اپنے طریقے سے سمجھا لوں گا مگر میری بھولی ماں آپ اتنی فکر نہیں کریں میں شادی کر چکا ہوں۔“

”کیا کر چکا ہوں۔“ وہ تو حیرانگی سے چیختی تھیں۔

”میرا مطلب ہے کہ شادی کر چکا اگر مجھے میری پسند مل جاتی۔“ روانی میں سچ بول گیا تھا وہ بوکھلایا بھی مگر فوراً خود کو قابو کیا۔

”جلدی معاملہ سنبھال لو کیونکہ حمی روز میرا دماغ کھانے آ جاتی ہے۔“ وہ حمی سے بھی پریشان تھیں جو روز ہی کسی بھی نام آ جاتی تھی۔

حمود جلدی سے ناشتے سے فارغ ہوا اور اٹھ گیا، مبادا امی دوبارہ یہی ٹاپک لے کے نہیں بیٹھی رہیں اور پھر بابا آ گئے تو نئی بحث شروع ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

سب ہی کچھ عنایت نے اور شامین نے مل کر تیار کر لیا تھا اب شامین نے ہی عنایت کو بھی تیار ہونے کا کہا تھا وشہ تو دوپہر بھر سوئی پھر شام میں اٹھ کر نہائی اب کافی دیر سے نظر بھی نہیں آ رہی تھی۔

”عنایت! یہ وشہ کدھر ہے؟“ شامین نے اس کی باپت پوچھا وہ بھی ریان کا میسر وغیرہ چینیج کر کے تیار کرنے لگی۔ عنایت پینک جارجٹ کے پرنٹڈ دوپٹے شلوار پر پلین قمیض پر ہلکی سی ایمر ایڈری میں لائٹ سامیک اپ کرنے میں لگی ہوئی تھی آج اس کا بھی دل چاہنے لگا کہ وہ بھی اہتمام سے تیار ہو۔

”پتہ نہیں جس وقت میں نہانے جا رہی تھی وہ چوڑیاں پہن رہی تھی ادھر ہی ہو سکتا ہے مائز کی کال آ گئی ہو ڈرائنگ روم میں بیٹھی بات کر رہی ہوگی۔“ اس نے اپنے بالوں میں برش چلانا شروع کیا۔

”ارے اب یہ کون سا نام ہے بات کرنے کا آنے ہی والا ہوگا مائز بھی۔“ شامین نے ہنستے مسکراتے ریان کو تیار کر کے بیڈ پر لٹایا۔

”ہوں۔۔۔۔۔“ وہ اتنا بولی۔

”مائز! اور وشہ کی لگتا ہے کافی بن گئی ہے۔“

”ارے کیوں نہیں بنے گی شادی ہوئی سب جھجک ختم۔“ شامین معنی خیزی سے کہہ کر مسکرائی۔

”بھائی! آپ تو تشریح کرنے لگتی ہیں۔“ عنایت جھینپ گئی۔

”سچ ہے یہ بات دیکھنا تمہاری بھی سب ختم ہو جائے گی۔“

”آپ سے تو بات کرنا دو بھر ہے۔“ وہ تو گھبرا گئی۔ آنچل شانوں پر برابر کیا وارڈروب بند کی۔

”آج تو آپ رکیں گی ناں؟“

”زکنا تو پڑے گا کیونکہ اتنا کچھ سمیٹنا بھی تو ہوگا تم کہاں اکیلی کر سکو گی پھر شمیمہ آئی بھی نہیں آ سکی ہیں۔“

”آنی کو کسی شادی پر جانا تھا اس لیے منع کر دیا تھا۔“ اس نے بتایا۔

”آپ تیار ہو جائیں میں وشہ کو دیکھتی ہوں۔“ وہ کمرے سے نکل کر اس کی تلاش میں باہر آئی لاؤنج سے لے کر ڈرائنگ روم تک میں دیکھ لیا کہیں نہیں تھی۔

”یہ وشہ گئی کدھر۔“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

آٹھ بجنے والے تھے وہ سب کسی وقت بھی آنے والے تھے سمیرا حسب معمول اپنے پارلر میں ہی تھیں اسی وقت ڈور کھول کے وشہ ڈارک بلیوسوٹ میں جھلملاتے آنچل کے ساتھ تک سک سے کیے میک اپ میں چلی آئی آج تو وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی میک اپ میں شادی کے بعد اس نے پہلی بار دیکھا تھا عنایت کی ستائشی نگاہیں اس پر تھیں۔

”کیسی لگ رہی ہوں آئی؟“ اس نے تعریفی کلمات سننے کے لیے اسے مخاطب کیا۔

”ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ اس نے دل سے اپنی بہن کی تعریف کی تھی۔

”آج میں امی کے پارلر میں گھس گئی میک اپ میں نے وہیں کر دیا ہے ورکر سے۔“ وہ بولی۔

”امی نے منع نہیں کیا۔“ وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔
 ”کہہ تو رہی تھیں کیا ضرورت ہے اتنا کچھ کرنے کی میں نے کہا اب تو شادی ہو گئی ہے امی کچھ برائی بھی نہیں ہے۔“ وہ اپنا آنچل سمیٹ کے شانوں پر درست کرنے لگی۔
 ”میں نے مائز سے کہا ہے واپسی پر گھرے ضرور لے آئے گا۔“
 ”کیا مائز سے کہا؟“ عنائہ اس کی بے تکلفی اور شوخی پر متحیر ہو رہی تھی۔
 ”آپنی! کیا ہو گیا وہ میرے ہسینڈ ہیں میں ان سے کہہ سکتی ہوں۔“ اس نے مسکرا کے کہا۔
 جواد احمد معارج بھی آگئے شامین تیار ہو کر آگئی تھی ریان کو معارج نے گود میں اٹھالیا تھا، نو بجے سب لوگ آئے تھے عمران احمد اور صفیہ بھی سب ہی اسی وقت آئے تھے گھر میں ایک رونق سی لگ گئی تھی اگر ابھی تک نہیں آیا تھا تو محریب ہی تھا عنائہ کا دل اداس ہو گیا تھا کیونکہ وہ ابھی تک اپنی مصروفیت میں لگا ہوا تھا۔
 ”آپ فکر نہیں کریں بھائی جان بھی آرہے ہیں۔“ مائز نے شوخی سے اس کے کان میں سرگوشی کی وہ جواب میں اسے گھورنے لگی۔ وشہ موتیوں کے گھرے دونوں کلائیوں میں پہنتے ہوئے وہیں چلی آئی۔
 ”کیسے لگ رہے ہیں؟“ اس نے مائز سے پوچھا۔
 ”چڑیل کو بھوتنی بنے پہلی بار دیکھا ہے اچھی لگ رہی ہو چڑیل۔“ اس نے حسب معمول وشہ کو چڑایا۔
 ”کیا میں چڑیل ہوں؟“ وہ چیختی۔

”وشہ! آہستہ تو بولو۔“ عنائہ نے اسے سرزنش کی وہ ڈانٹنگ ٹیل پر برتنوں کی سیننگ کرنے آئی تھی مائز بھی پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔
 ”یہ روز مجھے چڑیل کہتے ہیں۔“ وہ ہر امان کے مائز کی شکایت کرنے لگی۔
 ”جھوٹ تو مت بولو تعریف بھی کرتا ہوں۔“ عنائہ کے جاتے ہی وہ اس سے معنی خیز لہجے میں بولا، وشہ نے جھینپ کے دیکھا اور وہاں سے چلی آئی سب ہی ایلاؤنچ میں بیٹھے تھے دادی جان نے تو عنائہ کو اپنے پاس ہی بٹھایا ہوا تھا آج تو حیرانگی کی بات تھی سمیرا بھی وہاں موجود تھیں صرف اپنے بھائی بھادج کی وجہ سے ورنہ بھائی تو پوچھ پوچھ کے انہیں زچ کرتی رہتی۔
 ”محریب بھائی کو کال کر کے پوچھا کب تک پہنچیں گے۔“ شامین نے احد سے پوچھا۔ وہ اور عنائہ پھر کچن میں چلی آئیں تو احد بھی وہیں چلا آیا تھا عنائہ کو سب کے سامنے آج بہت شرم بھی آرہی تھی۔
 ”کہہ تو رہا تھا پچھنے والا ہوں۔“ عنائہ کا دل دھڑک رہا تھا مگر محریب کی لافلتی پر بھی دل ایک دم اداس ہو جاتا تھا۔

”ایسا کرو عنائہ! تم کال کر کے پوچھو شاید زیادہ اثر ہو انہیں جلدی آجائیں وہ۔“ شامین نے شرارت سے کہا۔
 ”جی م..... میں کیا ہو گیا ہے۔“ وہ گھبرا گئی۔
 ”میں پوچھتا ہوں پھر۔“ احد موبائل پر اس کا نمبر پر لیس کرتا ہوا کچن سے نکل گیا تھا۔
 سب ہی محریب کا انتظار کر رہے تھے گھر سے سب ہی آئے تھے سوائے فائق کے ندرت کو بھی بلایا تھا مگر اس کے بچوں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ نہیں آئی تھی بہت انتظار کرنے کے بعد نہ ہمت بیگم کے کہنے پر ہی کھانا لگوایا گیا کیونکہ گیارہ بجنے والے تھے دیر بھی کافی ہوئی تھی انہیں محریب کی لاپرواہی پر غصہ بھی آرہا تھا اور شرمندگی بھی ہو رہی تھی جواد احمد الگ فکر مند سے تھے ان کا وہ اب داماد بن گیا تھا وہ جتنا اس کا خیال کر رہے

تھے وہ اتنا ہی لافلت تھا۔ سب ہی اپنی خوش گپیوں میں لگے تھے عنائہ کو ایسا لگ رہا تھا کچھ بھی اچھا نہیں ہوا ابو کا پریشان اور فکر مند چہرہ اسے اور بے چین کر رہا تھا۔
 وہ کبھی امی کی وجہ سے پریشان تو اب اس کی وجہ سے جب تک رخصتی نہیں ہو جاتی انہیں چین تو نہیں آئے گا۔
 سب لوگ ہی چلے گئے تھے عنائہ بھی فارغ ہو کر کمرے میں آگئی شامین کو اس نے روک لیا تھا وشہ بھی چلی گئی تھی اس کے جانے کے بعد سے تو وہ اور بھی تنہائی محسوس کرتی تھی ابو آفس میں اور معارج کالج میں ہوتا دوپہر کے بعد ہی گھر آتا تھا تھوڑی دیر آرام کرتا پھر سات بجے کو چنگ چلا جاتا تھا امی اپنی دنیا میں مگن تھیں وہ اکیلی بولائی بولائی پھرتی تھی۔

”عنائہ! کیا سوچ رہی ہو؟“ شامین واش روم سے نکلی اسے سوچوں میں گم دیکھا جو بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔
 ”جی کچھ نہیں۔“ وہ سنبھل گئی۔

”مجھے پتہ ہے تمہیں محریب بھائی کی آج کی حرکت بُری لگی ہے۔“
 ”بھابی! ابواتنے پریشان تھے میں ان کا چہرہ تو نہیں بھول سکتی۔“ وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔
 ”احد ان کی کلاس لیں گے آخر آئے کیوں نہیں وہ جبکہ مجھے ان سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔“
 وہ ریان کو ٹھیک سے لٹانے لگی جو کروٹیں بدل رہا تھا۔
 ”اب تو سارے اختیار رکھتے ہیں کچھ بھی کریں انہیں کوئی ٹوکے گا تھوڑی مگر مجھے یہ انسلٹ ہی لگی ہے ابو سارا وقت ان کا انتظار ہی کرتے رہے ہیں اور انہیں ذرا احساس نہیں۔“ آنکھوں میں نمی آگئی محریب پر آج سے پہلے کبھی اتنا غصہ نہیں آیا تھا مگر اس نے سوچ لیا تھا اس انسلٹ پر اسے سنائے گی ضرور آخر وہ اتنا اکڑ کیوں رہا ہے۔

☆☆☆

”پیرز کے بعد جوائن کرو گے؟“ زینحان احمد نے پوچھا۔
 ”جی ابو! سلیکشن تو ہو گیا ہے ایگزام سے فارغ ہونوں۔“ مائز نے انہیں بتایا۔ وشہ پہلو بدل کر رہ گئی اس نے مائز کو گھورا بھی جو نارمل انداز میں بیٹھا تھا وہ جیسے وشہ کی ناراضی کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہا ہو۔
 ”پریزننگ کو پروفیشن مت بنانا تمہیں آفس جوائن کرنا ہے۔“
 ”جی ابو! میں صرف شوق کی وجہ سے کروں گا۔“

”بڑے ابو! یہ شعبہ اچھا تو نہیں ہے۔“ وشہ سے رہا نہیں گیا تو وہ مداخلت کر ہی بیٹھی۔ فائق کے چتون اٹھے وہ بھی وہیں بیٹھانی وی کے چینلز سرچ کر رہا تھا رافع موبائل پر گیم کھیل رہا تھا گھر کی خواتین کوئی نہیں تھیں۔
 ”بیٹا کرنے دو شوق ہے اس کا یہ پروفیشن نہیں بنائے گا۔“ انہوں نے وشہ کو سلی دی۔
 ”تم خواخواہ اتنی فکر نہیں کرو۔“ مائز نے بھی اطمینان سے کہا وشہ نے اندر گرم گرم گھونٹ اتارا وہ بڑے ابو کے سامنے مائز سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”مائز! پڑھائی پر بھی توجہ دو۔“
 ”تایا ابو! وشہ باجی کو ان کے میکے روانہ کر دیں۔“ رافع نے بے نیکی ہانکی۔
 ”کیا.....؟“ مائز نے حیرانگی سے کہا وشہ نے بھی چونک کر رافع پر نگاہ ڈالی فائق نے اپنا موبائل اس سے

لے لیا تھا۔

”وہ اس لیے کہ خواہ وہ دونوں لڑتے رہیں گے پڑھائی خاک ہوگی۔“
”رافع! تم فضول کی بکواس نہیں کیا کرو ہر وقت۔“ فائق نے خشمگین انداز میں اسے سرزنش کی وہ لب بھیج کے رہ گیا یہ تو بھول ہی گیا تھا وہ بھی یہاں موجود ہے۔

”تمہارا مطلب ہے میں لڑا کا ہوں۔“ وشہ الٹا ہی برامان گئی۔
”وہ وہ وشہ باجی میں تو مذاق کر رہا تھا۔“ ریحان احمد مسکرانے لگے کیونکہ شرارتی حاضر جواب رافع بھی گڑ بڑا گیا وشہ تو باقاعدہ اسے آڑے ہاتھوں لے چکی تھی فائق کو ایسی باتوں سے بے زلمی ہوتی تھی وہ اٹھ کر چلا گیا۔

”دیکھ رہے ہیں بڑے ابو اسے۔“ وہ روہانسی ہو کر شکایت کرنے لگی۔
”تو یہ ہے مائز بھائی! آپ کی بیوی تو لڑا کا طیارہ ہے جہاں کچھ کہا میزائل گرانا شروع۔“ وشہ اس کی خبر لینے آئی تھی کہ وہ بھاگ لیا وہ دونوں ہنسنے لگے وشہ کا منہ پھول گیا تھا مگر مائز اسے منٹوں میں منا بھی لیتا تھا۔

”کہو میری جان کیسے مانوگی پیار کروں یا گانا گاؤں۔“ وہ شرارتی اور معنی خیز انداز میں بولتا ہوا اس کے قریب ہونے لگا ریحان احمد کے جاتے ہی اس کی شوخی و ظرافت عود کر آئی تھی وشہ نے کشن اٹھا کر اسے مارا۔

”یہ انداز مجھے آپ کا بہت بُرا لگتا ہے۔“ وہ کچھ حیا سے سمٹ گئی۔

”چلو پھر دوسرا انداز دیکھنا ہے تو بیڈروم میں چلو۔“

”کیا.....“ وہ چیخی۔

”دن ہے۔“ وہ برجستہ بولا۔

”اگر میں نے کسی دن بھی آپ کو موبائل پر کسی لڑکی سے بات کر۔“ تے دیکھا تو.....“

”لڑکی سے رشتہ پکا کر دوگی۔“ اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ درمیان میں بول پڑا۔

”آپ کو گنجا کر دوں گی۔“ اس کے بازو پر زور دار چنگلی لی۔

”یعنی تم ایک نائی کی بیٹی ہو ارے کیا بات کر دی تمہاری امی سمجھونائی ہیں بال بھی تو کاٹتی ہیں۔“ مائز کا دماغ اتنا زرخیز تھا وشہ کو اس کی بے ساختگی پر حیرانگی ہوتی۔

”خبردار میری امی کے بارے میں کچھ بولا تو۔“ فوراً ہی اس کے تیور بدل گئے۔

”میں تو بولوں گا۔“ وہ بھی اکڑ گیا۔

”پھر ٹھیک ہے۔“ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے وارننگ دینے لگی۔

”کیا پھر ٹھیک ہے بولو دیکھو جان! صاف بات کیا کرو کیا ٹھیک ہے میں یا وہ۔“

”شٹ اپ۔“ وہ تو لا جواب سی ہو کر پسینے میں سرخ ہوتی ہوئی اٹھ گئی کیونکہ مائز کی گفتگو بے لگام ہوتی جا رہی تھی۔

(جاری ہے)

.....☆☆☆.....

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 19 -

سلسلے وار ناول

جہاد و لکڑی جہاد



تین دن ہو گئے تھے جو وہ کی کوئی کال نہیں آئی تھی وہ رحمہ کو پڑھانے بھی مسلسل جاری تھی اس وقت بھی وہ گھر میں نظر نہیں آتا تھا، منتہی کو فکر بھی ہوئی کہ اس دن کی حرکت پر وہ ناراض تو نہیں ہو گیا ہے رحمہ کو پڑھا تو رہی تھی مگر اس کا ذہن اور دل نہیں لگ رہا تھا بار بار بھٹک کے حمود کی طرف ہی جا رہا تھا۔ آج سے پہلے اتنی فکر مند ہوئی بھی نہیں تھی ایک دن بھی وہ بات کے بغیر رہتا تھا مگر اب تو تین دن ہو گئے تھے۔

”کہیں ایسا نہ ہو منتہی تم اس سے لاتعلقی دکھاتی رہو اور وہ بدل گیا تو تم تو کہیں کی نہیں رہو گی اور پھر تم بھی تو اسے چاہنے لگی ہو مان کیوں نہیں لیتی ہو؟“ اندر سے یہ آوازیں اسے تنگ کرتی رہتی تھیں۔

”کیا قسمت پائی تھی کچھ بھی تو اپنا نہیں تھا یہ زندگی بھی اور جو اپنا ہوتے ہوئے بھی اپنا نہیں تھا اس پر کسی اور کا حق تھا جو حق نہیں رکھتی وہ حق رکھتی ہے وہ اپنے حق سے ابھی تک محروم تھی۔

”جمنی! مجھ سے تو اچھی تم ہو جو اس گھر میں روز آ سکتی ہو اور حمود کے پاس بیٹھ بھی سکتی ہو میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔“

”مس! آج آپ متھنس سمجھائیں گی۔“ رحمہ کی آواز نے اسے سوچوں سے باہر نکالا جو اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ ایسا لگ رہا تھا وہ یہاں موجود ہی نہیں ہو رہی تھی کہ رحمہ سے ہی حمود کے بارے میں پوچھ لے۔

”ہاں آج نہیں کل کا رکھ لو کل سمجھاؤں گی۔“ آہستگی سے گویا ہوئی لائٹ پر پل پر بند لان کے کپڑوں میں ملبوس سر پر اچھی طرح دوپٹہ اوڑھے ہوئے بیٹھی تھی۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ بدستور اپنے کام میں لگی رہی۔

”رحمہ! مجھے عصر کی نماز پڑھنی ہے میں جب تک گھر پہنچوں گی مغرب کی ہونے لگے گی پھر عصر کی نکل جائے گی۔“ وہ بولی۔

عموماً وہ عصر کی پڑھ کے نکلتی تھی مگر جب سے ٹائم بدلنا شروع ہوا تھا اذان دیر سے ہوتی تھی کبھی جلدی بھی آ جاتی تھی مگر آج رحمہ کا کام زیادہ تھا وہ یاد کر رہی تھی جو منتہی کو سن کے چیک کرنا تھا۔ کٹھن بانو نے اسے رحمہ کے ساتھ اس کے کمرے میں ہی بھیج دیا تھا بڑا سا کشادہ کمرہ درمیانے سائز کا بیڈ کھڑکی دروازوں پر لائٹ فلرز کے پردے بیک شیلڈ وارڈروب کمپیوٹر سب ہی بہت قیمتی تھا، منتہی کو رحمہ پر رشک آیا۔

”جائے نماز میں آپ کو بھائی کے کمرے سے لا کر دیتی ہوں۔“

”کیوں تم نہیں پڑھتی ہو نماز؟“ منتہی وضو کر کے دوپٹہ باندھ رہی تھی۔

”جی وہ نہیں مگر اب میں بھی پڑھا کروں گی۔“ وہ جائے نماز لینے چلی گئی۔ دل سے خواہش ہوئی کہ حمود کا بیڈ روم بھی دیکھے کیسا ہے کیونکہ اوپر آتے ہوئے سب سے پہلا بیڈ روم اسی کا تھا۔ جائے نماز رحمہ نے بچھا دی تھی وہ پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی رحمہ پھر وہیں بیٹھ کے پڑھنے لگی۔

”رحمہ رحمہ۔“ حمود کی بھاری گھمبیر آواز نے چونکایا اس کی نیت بندھی ہوئی تھی حمود نے اندر قدم رکھا وہ اس حسن کے شاہکار کو نماز پڑھتے دیکھ کر رک گیا حوروں جیسی پاکیزگی بھی کتنی پیاری لگ رہی تھی۔

”کیا ہوا ہے؟“ رحمہ کھڑی ہو گئی۔

”آں..... ہاں وہ امی نیچے نہیں ہیں۔“ وہ پوچھنے لگا۔

”ہاں وہ شہزاد کی بیوی کو دیکھنے گئی ہیں بھائی بڑا پیارا بیٹا ہے اتنا موٹا ہے۔“ وہ اشتیاق سے بتانے لگی۔

”میں نے صرف امی کا پوچھا ہے تم بلا کر لاؤ مجھے ان سے کام ہے۔“ وہ حکم دینے لگا رحمہ فوراً ہی اٹھ گئی۔ حمود

ابھی بھی چوکھٹ پر ہی کھڑا تھا اور ٹکنکی باندھے اسے دیکھے جا رہا تھا بلکہ ڈریس پینٹ پر لائٹ آف وائٹ شرٹ میں ڈشنگ لگ رہا تھا۔ منتہی نے سلام پھیرا اسے دیکھ کر وہ خفیف سی ہونگی دعا بھی مانگی نہیں جا رہی تھی کیونکہ حمود اتنے اعتماد سے کھڑا تھا۔ جلدی جلدی دعا مانگ کے جائے نماز تہہ کی بیڈ کے سرے پر کھڑی دوپٹہ کھول کے نارمل انداز میں اوڑھا۔ وہ جلد از جلد اس کے سامنے سے جانا چاہ رہی تھی مگر وہ راہ میں کھڑا تھا۔

”پلیز راستہ تو چھوڑیے۔“ پہلی بار غصے سے کہا۔

”اس دل میں تو سارے راستے تم تک جاتے ہیں۔“ وہ مسکرا کے بولا۔

”مگر کچھ راستوں کا تعین سوچ سمجھ کے کرنا پڑتا ہے کہ یہ ہمارے لیے مناسب ہیں یا نہیں یا جس راستے پر ہم اگر چل پڑے تو وہاں سے گرنے کا ڈر نہ ہو۔“ وہ پھر اپنا فلسفہ جھاڑنے لگی۔

”تم چاہے مجھ سے تین دن بات نہ کرو میں نے دیکھ لیا ہے سڑیل ہی انداز میں بولنا سڑیل لڑکی کبھی تو پیار پر فلسفہ بول دیا کرو۔“ وہ سینے پر بازو پلیٹ کے اس کے قریب ہوا، منتہی کی نگاہ جھکی ہوئی تھی اسے دیکھ کر کوئی بے چینی ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ تین دن سے کتنی اس کے لیے پریشان ہے رات دن صرف اسے ہی سوچ رہی ہے۔

”اگر سڑیل ہوں تو جان کیوں نہیں چھڑا لیتے کیونکہ میں پیار پر کچھ نہیں بول سکتی کیونکہ پیار جہاں ہوتا ہے وہاں دشواریاں بھی بہت ہوتی ہیں۔“

”اپنی ایک بات میں دوسری بات کا جواب فوراً حاضر رکھتی ہو۔“

”ان دشواریوں کو ختم کرنے والا تمہارے سامنے موجود ہے اس پر اعتبار نہیں ہے۔“ اس نے منتہی کا جھکا سر اپنی شہادت کی انگلی سے اٹھایا۔

”مجھے اپنی قسمت پر اعتبار نہیں ہے۔“

”در اصل تمہیں ہر بات نیکیتو کرنے کی عادت ہے، عجوبہ لڑکی ہو نماز کی ترغیب دیتی ہو اور خود بھی پڑھتی ہو مگر باتیں مایوسی والی کرتی ہو کفر کرتی ہو تم پتہ ہے یہ سب ناشکری ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر شکر کیوں ادا نہیں کرتی ہو۔“ حمود کو اس پر غصہ آ رہا تھا۔

”میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ تو نہیں کر رہی ہوں ہاں مگر کسی کا حق بھی نہیں مار سکتی۔“ وہ پھر نکلنے لگی، حمود پھر راہ میں آ گیا۔

”کیا کر رہے ہیں رحمہ آ جائے گی آپ کی امی بھی آ سکتی ہیں۔“ وہ کھسیا گئی۔

”رحمہ اتنی جلدی واپس آئے گی نہیں کیونکہ اسے چھوٹے بچے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔“ وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

”پھر مجھے گھر جانے دیں۔“

”آج اتنی خفا کیوں لگ رہی ہو۔“ وہ سمجھ گیا تھا تین دن سے کال نہیں کی ہے اسی لیے ناراض ہو رہی ہے۔

”میں آپ سے راضی ہی کب ہوں جو خفا لگ رہی ہوں۔“ لہجہ میں بے رخی اور بے گانگی ہنوز رکھی۔

”نہیں بات تو یہی ہے جو میں بول رہا ہوں کیونکہ آج وہ انداز نہیں ہے۔“ وہ جا بختی نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا، منتہی کو اس کے دیکھنے سے بہت گھبراہٹ ہوئی تھی وہ جتنا اس کے آگے سے نکلتا چاہ رہی تھی وہ اسی طرف جا کر اس کے جانے کا راستہ روک رہا تھا ہونٹوں پر تبسم بھی تھا۔

”پلیز جانے دیں آپ کی امی آ گئی ہوں گی۔“

”مجھے پتہ ہے رحمہ نے ابھی تک امی سے کہا ہی نہیں ہوگا جس دن سے ہمارے چوکیدار کا بیٹا ہوا ہے امی کو میری شادی کا بہت شوق ہو رہا ہے اور صبح ناشتہ پر یہی ٹاپک ہوتا ہے۔“ وہ اسے تنگ کرنے لگا، منتہی کے رخسار گرمی شوق سے سرخ ہونے لگے۔

”تو کر لیں منع کون کر رہا ہے۔“

”کر تو لی ہے تم سے۔“ وہ پھر مسکرایا۔

”میں آپ کی باتوں کا کبھی کبھی مطلب نہیں سمجھ پاتی ہوں۔“

”ارے یہ تو مجھے کہنا چاہیے خیر میں سب سمجھ لیتا ہوں اور اس وقت بھی تمہیں سمجھ رہا ہوں تمہاری آنکھیں تمہارے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔“ وہ پوری چوکت گھیر کے کھڑا تھا۔ وہ اب تیزی سے اس کے رائٹ سائیڈ سے نکلنے لگی، حمود اس سے ٹکرا گیا اور پھر کمر میں بازو بھی جمائل کر لیا، وہ دوسرے پیر تک لرزے لگی، حمود نے آج دوسری بار ایسے چھو ا تھا۔

”اب تم آئی گئی ہو تو اپنا بیڈروم دیکھ کر نہیں جاؤ گی۔“ اس نے منتہی کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

”لگتا ہے آپ کو یہ آسائش بری لگ رہی ہیں یا دل بھر گیا ہے جو مجھے بیڈروم دکھانے لے جا رہے ہیں اگر بابا آگئے تو سوچ لیں در بدر ہو سکتے ہیں۔“

”ارے میری بھولی بیوی اتنی فکر کا ہے کی ہے۔“

”کیا فضول گفتگو کر رہے ہیں۔“ اس کی طبیعت پر گراں گزر رہی تھی، حمود نے اس کی ایک نہیں سنی بازو پکڑا اور اپنے بیڈروم میں لے آیا، منتہی حواس باختہ حیران پریشان غی افتاد پر بوکھلا گئی۔ ساری لائٹس حمود نے آن کر دی تھیں، روم جگمگانے لگا تھا، وسیع و عریض بیڈ بڑی سی گلاس ونڈو جس پر اسٹائلش فان کلر کے پردے بڑی اسکرین کے ساتھ ہی ٹی وی بھی رکھا تھا، ایک سائیڈ پر صوفہ کم بیک کرسٹل کی گول ٹیبل ونڈو کے ساتھ ہی وارڈروپ درمیان میں لٹکا گولڈن فانوس غرض ہر چیز سے ہی امارت چمک رہی تھی، وہ خواب کی سی دنیا میں موجود سب دیکھ رہی تھی۔

”باقی کی سینک تم آکر کرنا، کچھ چیخ کر وانا ہو فرنیچر وغیرہ۔“ حمود نے اس کی تجویز توڑی۔

”سوری جب یہ سب میرے ہی نہیں تو کیوں مجھے یہاں لے کر آئے ہیں خود کو بھی دھوکا دے رہے ہیں اور مجھے بھی۔“ وہ فوراً ہی سستھل گئی تھی، وہ کوئی بھی سپنا نہیں سمجھنا چاہ رہی تھی۔

”میں نہ خود دھوکے میں ہوں نہ تمہیں رکھ رہا ہوں یہ میرا تم سے وعدہ ہے تم ایک دن اس گھر میں میرے بیڈروم میں میرے ساتھ ہو گی۔“ اس کے لہجے میں وثوق اور یقین ہمہ وقت رہتا تھا۔

”زندگی کو چیلنج نہیں بنائیے۔“

”میں صرف تمہیں جیتنا چاہتا ہوں، محبت سے پیار سے اور کچھ نہیں چاہیے۔“ اس نے منتہی کو پیار بھری نگاہوں کے حصار میں لیا وہ سٹ کر رہ گئی مگر اپنے کسی بھی انداز سے حمود کو خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”ارے بیٹھو تو ادھر۔“ یکدم اسے یاد آیا۔

”جی نہیں اب مجھے چلنا ہے کیونکہ رحمہ کا لگتا ہے موڈ نہیں ہے وہ ابھی تک آئی بھی نہیں ہے۔“ اسے وقت گزرنے کا احساس ہو رہا تھا مغرب بھی ہونے والی تھی۔

”مجھے بھی یہی لگتا ہے چلو میں چھوڑ آتا ہوں۔“ وہ بھی ساتھ نکلا۔

”آپ رہنے دیں آپ کو شاید جانا ہے۔“ اسے یاد آیا۔

رداؤ انجسٹ 108 دسمبر 2010ء

”ہاں جانا تو ہے نئی فیکٹری اسٹارٹ کی ہے اسٹاف کے لوگوں کے لیے میں نے آج نوٹل میں ڈنر رکھا ہے۔“ وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے بتا رہا تھا۔ منتہی اپنی سابقہ جگہ پر آکر بیٹھ گئی، حمود نے فریڈ (ملازمہ) کو کہا کہ وہ امی کو بلا کے لائے۔

”مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی دیتا رہے۔“

”ہوں یہ دی نادعائتم نے، گنڈ میرا دل خوش کر دیا۔“ اس نے پر جوش طریقے سے منتہی کو سرسراہٹ دی، چہنپ گئی۔

”آج تو بڑی ہوں گا فون نہیں کر سکوں گا مگر کل رات تک بنے میری تمہارے ساتھ۔“

”جی۔“ وہ اس کے کہنے پر اچھل گئی۔

”وہ میرا مطلب ہے کل رات کال کروں گا ابھی میری قسمت کہاں کہ رات تک کروں تمہیں۔“ اس نے سرگوشی میں کہا، منتہی نے گھورا تو شانے اچکا کر مسکراتے لگا۔

کلتھوم بانو اور رحمہ آگئی تھیں، حمود تیار ہونے چلا گیا تھا اس نے جان بوجھ کر خود کو وہاں سے ہٹا لیا تھا۔

☆☆☆

عمران ماما، ماما اور نانی بھی ایک ہفتے بعد روانہ ہو گئے تھے، عنامہ نے اتنے دن صبر سے کاٹے تھے کیونکہ اس نے سوچ تو لیا تھا کہ محریب سے بات تو کرنی ضروری ہے، آخر وہ آیا کیوں نہیں اور اوپر سے معذرت کا بھی کوئی فون نہیں آیا، اس نے کئی بار باتوں باتوں میں ابو سے پوچھا بھی تھا، وہ بھی معصوم اور اداس سے ہو گئے تھے، دشت بھی اسے فون پر بتاتی رہتی تھی، محریب نکاح کے بعد مائز سے تو بات ہی نہیں کرتا تھا اور اس سے کرتا تو تھا مگر مائز کو دیکھ کر نظر انداز کر کے چل دیتا تھا۔

”ناراضگی اگر آپ کی مجھ سے ہے، غصہ ہے مجھ پر تو مجھ پر ہی کیجیے، سب کو کیوں مزادیتے ہیں۔“ وہ بہت پریشان تھی۔ دل کی دنیا تو بے کل تھی ہی مگر اس کی دنیا میں رہنے والے لوگ بھی سب ہی فکر مند اور مضطرب تھے۔

وہ محریب سے ملنا چاہتی تھی مگر کیسے وہاں جائے، خود سے بولے گی تو اچھا نہیں لگے گا اور کہیں وہ مل ہی نہیں سکتا۔ اس نے پھر مکمل فیصلہ کر لیا، دادی جان کی طرف چکر لگانے کا، اسی بہانے ہی وہ محریب سے بات بھی کر سکے گی۔

”آئی آپ کا فون ہے۔“ معارج اس کے کمرے میں جھانک کے پانک لگا کے بولا۔

”آئی ہوں۔“ وہ انھی فون پر شامین تھی جو اس کی خیر خیریت پوچھ رہی تھی۔

”عنامہ! یہاں محریب بھائی آئے تھے، احد نے تو انہیں خوب ہی سنایا۔“ اس نے فون شاید یہی بتانے کے لیے کیا تھا۔

”بھابی! سنانے سے کیا فائدہ انہیں اپنی غلطی کا احساس کب ہوا ہوگا۔“ وہ محریب کی جانب سے کافی بد دل سی ہو گئی تھی۔

”وہ کہہ رہے تھے کہیں ضروری کام میں پھنس گئے تھے۔“

”بھابی! کال کر کے بتایا بھی جاسکتا تھا کہ وہ کام میں بڑی ہیں، معذرت بھی بہت کچھ ہوتی ہے۔“ اس کے لہجے میں تنگی اور ناگواری تھی۔

”کہہ رہے تھے وہ خود کسی دن بھی جا کر جوا چھاپو سے سوری کریں گے۔“

”بھابی! ایک بات کہوں۔“ اسے شامین کا محریب کی طرف داری میں بولنا کافی گراں گزر رہا تھا۔

”ہوں۔“

رداؤ انجسٹ 109 دسمبر 2010ء

”آپ مسلسل ان کی طرف داری میں بول کے صفائیاں دے رہی ہیں۔“ اسے غصہ آ گیا۔
 ”عنائہ! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے میں تو تمہیں بتا رہی تھی۔“
 ”لیکن بھائی! آپ کیوں بتا رہی ہیں انہیں خود بتانا چاہیے ان کی غلطی ہے وہ مانیں۔“ وہ گویا ہوئی۔
 ”ہوں لیکن تم بے فکر رہو میں نے بھی خوب خبر لی ہے آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔“ وہ اسے خوش کرنے کو بولی۔
 ”انچھا چھوڑیے یہ باتیں گھر میں سب خیریت تو ہے حسنہ پھپھو اور بھیا جی؟“ اس نے خود ہی بات کو بدل دیا۔
 ”اللہ کا شکر ہے بس آج کل میری کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“
 ”کیا ہوا خیریت تو ہے؟“ وہ فکر مندی سے پوچھنے لگی۔
 ”ریان رات میں اتنا تنگ کرتا ہے نیند پوری نہیں ہوتی ہے اوپر سے احد کی ناراضی بھی سہنی پڑ رہی ہے۔“ وہ بتانے لگی۔

”احد بھائی مجھے ایسے لگتے تو نہیں ہیں کہ آپ سے ناراض ہوں۔“ عنائہ کو حیرانگی بھی ہوئی۔
 ”میرے ساتھ کیسے ہیں یہ میں ہی جانتی ہوں۔“ عنائہ کافی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی پھر ریان کی رونے کی آواز پر شامین نے خود ہی فون رکھ دیا تھا۔
 عنائہ کا پھر بھی غصہ کم نہیں ہو رہا تھا جب تک وہ خود محریب سے بات نہیں کرے گی اسے سکون نہیں ملے گا۔
 اسے ابو کا اداس چہرہ زیادہ پریشان کر رہا تھا محریب پہلے بھی کون سا اتنا یہاں آتا تھا مگر ابو سے تو اس کی کافی بات چیت تھی مگر جب سے رشتہ بنا تھا اسے زیادہ محسوس ہو رہا تھا کہ محریب کی ایک حرکت وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

اسے ابو نے اچھا خاصا ڈانٹا تھا وہ سر جھکائے ان کے سامنے کھڑا تھا امی الگ اس سے ناراض تھیں جس نے ان کی بات کو بھی اہمیت نہیں دی تھی اور وہ جو اد احمد کے اتنے اصرار اور محبت سے بلائے پر بھی نہیں گیا تھا۔ وہ خاموش تھا ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا کیونکہ وہ اگر دعوت پر نہیں گیا تھا تو اس کی وجہ بھی وہ لڑکی تھی جسے سب اب بھی ہمدردی کے قابل سمجھ رہے تھے اسے تو بلیک میل کیا تھا اور کیا بھی کس نے اس کے بھائی نے کسی نے بھی اسے نہیں ڈانٹا تھا نہ ہی مائز کو یہ کہا تھا یہ کیا کر رہے ہو سب ہی شامل ہو گئے تھے اسے ہی سب بار بار یہ کہہ رہے تھے۔
 ”محریب! مان جاؤ کچھ تو خیال کرو محفل کا۔“ اور وہ سب کی صورتیں ہونٹوں کی طرح دیکھ رہا تھا اس کے دل سے کوئی واقف نہیں تھا۔ وہ عنائہ کو جتنی بار بھی دیکھتا اس کے اندر کی محرومی اور بے بسی اسے منہ چڑانے کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس نے تو احد سے پہلے ہی کہا تھا وہ قسطوں میں نہیں چاہیے مکمل چاہیے اور اب اس کا بڑا بول ہی اس کے آگے آیا تھا۔ پتہ نہیں کب تک اس کی اور عنائہ کی زندگی دو کناروں پر ایک دوسرے کو دیکھتے گزرے گی اس نے ایسی لامتناہی سوچوں سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا تھا حتیٰ کہ احد کو بھی نہیں کیا تھا آج بھی وہ جتنے پھپھو کی طرف چلا گیا تھا احد اور شامین نے بھی خوب خبر لی تھی پورا وقت شامین تو عنائہ کی حمایت میں ہی بولتی رہی تھی۔ محریب غصہ میں بھرا ہوا تھا مگر احد نے بھی الگ اتنا سنایا تھا کہ وہاں سے بھی بد مزاج ہو کر گھرا یا تو ابو اور امی کی عدالت میں اس کی پیشی ہوگئی وہ ابھی بھی کچھ نہیں بولا۔

”تمہاری سوچ کیا ہے محریب! آخر کیوں تم ایسے ہو گئے ہو؟“ ابو نے دگر فٹ ہو کر اس کی حالت کو دیکھا۔

”میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہا میں سچ کہہ رہا ہوں بڑی تھا۔“ کب سے سب کو ہی صفائیاں دے رہا تھا۔

”تم بڑی تھے یہ ہم سب مانتے ہیں مگر بیٹا اس دن تم کچھ دیر کے لیے ٹائم نکال تو سکتے تھے مگر تم نے اہمیت دی ہو تو سوچتے۔“

”ایسا کون سا اب میں اتنا اہم ہو گیا ہوں کہ آپ سب کو ہی میرے نہ آنے پر اتنا اعتراض ہو رہا ہے سب خفا بھی ہو رہے ہیں۔“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ امی کا تو دل دکھتا تھا وہ سب سے ہی اتنا دور ہوتا جا رہا تھا نہ شکایت میں کچھ بولتا اور نہ ناراضی دکھاتا مگر مائز سے وہ بالکل بات نہیں کر رہا تھا۔
 ”تم اب جو اد کے داماد ہو ظاہری بات ہے سب کو ہی تمہارا انتظار تھا۔“

”سوری آئندہ شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔“ وہ شرمندگی سے سر جھکائے بولا اور پھر کمرے سے نکل گیا دل بہت ملول تھا سب کو آج بھی اسی لڑکی کی فکر تھی کسی کو بھی اس کی فکر نہیں تھی۔

”بھائی جان!“ مائز نے اسے پکار لیا۔ محریب کے اوپر اٹھتے قدم زکے مگر اس نے مڑ کے نہیں دیکھا تھا وہ چلتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔

”بھائی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“

”میں تھکا ہوا ہوں۔“ وہ رینگ پر ہاتھ رکھ کر سیرھیاں پھلانگنے لگا۔ مائز نے بھی اس کی تقلید کی وہ ہنوز ناراضی رکھے ہوئے تھا ہینڈل گھما کے کمرے کے اندر قدم رکھا مائز بھی اندر آ گیا۔

”آپ چیخ کریں میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔“ اس کے بیڈ پر آرام سے لیٹ گیا مائز نے نگاہ اٹھا کر اسے تنقیدی انداز میں گھورا جو اطمینان سے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے نیم دراز تھا۔

”مائز پلیز! میں تھکا ہوا ہوں مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔“ وہ تیز لہجے میں بولا۔ مائز نے استفہامیہ انداز میں اپنے ناراض سے بھائی کو بغور دیکھا جو روز بروز سنجیدہ سے سنجیدہ تر ہوتا جا رہا تھا۔

”مگر میں تو کر کے ہی جاؤں گا۔“ وہ بدستور اپنے پُرشوق سے لہجے میں بول رہا تھا۔

”ہر وقت بچے مت بنا کر ڈجب میں کہہ رہا ہوں کہ میں تھکا ہوا ہوں تو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔“ وہ ڈانٹ کے گویا ہوا۔

”آپ کو پتہ ہے میں آپ سے چھوٹا ہوں میں بڑا کیسے ہو سکتا ہوں۔“

”فضول مت ہانکا کرو۔“ اس نے وارڈروب کھولی اپنا ٹائٹ سوٹ نکالنے لگا مائز جزبہ سا ہو کر بیڈ سے اٹھا۔ محریب اور اتنے غصہ میں اسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کیونکہ محریب تو کبھی غصہ کرتا ہی نہیں تھا۔

”جاؤ یہاں سے مجھے سونا ہے۔“ بے زحیٰ اور سرد مہری وہ جتنی دکھا رہا تھا مائز کو اور افسوس میں جتلا کر رہا تھا۔

”بھائی! آپ کی یہ ناراضی کب تک چلے گی؟“

”ایک تو کام غلط کرتے ہو اور الٹا مجھ سے پوچھ رہے ہو دل کر رہا ہے رکھ کے جھانپڑ لگاؤں۔“ وارڈروب بند کر کے وہ اس کی سمت مڑا تھا وہ چہرے پر سنجیدگی طاری کیے کھڑا تھا۔

”جتنے جھانپڑ لگانے ہیں لگائیں مگر پلیز آپ مجھ سے ناراضگی تو ختم کریں۔“ وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

”تم نے پتہ ہے کیا کیا ہے بہت بڑا میرا نقصان کیا ہے۔“

”سوری بھائی! اپنے اس چھوٹے بھائی کو معاف نہیں کریں گے۔“ وہ معصوم سی صورت بنا کے شرمندگی سے بول رہا تھا۔

”مائز! اس وقت میرا داغ کھول رہا ہے مہربانی کر کے یہاں سے چلے جاؤ۔“ وہ جتنی اجنبیت اور زکھائی دکھا

کا انتخاب راحمہ نے کیا تھا اور نہ عمو یا وہ ہال کمرے میں پڑھتی تھی، ہشام سالار لاؤنج میں بیٹھے تھے آج تو منتہی کا بھی سامنا ہو گیا تھا وہ بہت گھبرائی بھی تھی مگر وہ اس کے سلام کا جواب دے کے لاؤنج میں چلے گئے تھے منتہی کو ایسا لگا جیسے سانس رک رہی ہو وہ خاصے بارعب اور لمبے چوڑے تھے۔

”اب کہاں جا رہے ہو؟“ ہشام سالار کی تیز آواز پر وہ کوریڈور پھلانگتا ہوا تیزی سے جا رہا تھا کہ رک گیا۔ منتہی کو بھی آواز سنائی دی تھی وہ چونک گئی ڈانٹنگ روم سامنے تھا اور لاؤنج بھی سامنے تھا درمیان میں ہال کمرہ تھا ڈانٹنگ روم سے لاؤنج کا نظارہ بھی ہو رہا تھا مگر تھا کافی فاصلے پر اس لیے سامنا نہیں ہو رہا تھا۔

”بتایا تو تھا مینگ ہے۔“ حمود نے خود کو مضبوط بنا کے جواب دیا۔

”تمہارے آفس کی روز ہی مینگ کیوں ہوتی ہے؟“ انہوں نے نکتہ اعتراض اٹھایا، حمود بلیک ڈریس چینٹ پر لائٹ پر پل شرٹ میں بلبوس نکھر نکھر ان کے سامنے کھڑا تھا۔

”بابا! کیا ہو گیا ہے اب تو پورے بیس دن بعد رکھی ہے میں نے۔“

”جو بھی ہے مجھے تم سے بات کرنی ہے بیٹھو ادھر۔“ انہوں نے حکم دیا۔

”مجھے پتہ ہے آپ کا ٹاپک وہی ہو گا منگنی شادی۔“ وہ چڑ گیا۔ منتہی کے کان کھڑے ہو گئے کہ دونوں میں بحث ہونے والی تھی دل بھی تیز دھڑکنے لگا تھا حمود کی منگنی شادی کا سن کر۔

”میں نے نیاز کو نیکسٹ ویک کا کہہ دیا ہے منگنی کا، تمہنی انگلینڈ سے واپس بھی آ جائے گی جب تک۔“

”اس سے بولیں وہیں منگنی کر لے کسی سے۔“ حمود کا حلق تک کڑوا ہو گیا اس نے نگاہ ترچھی کر کے ڈانٹنگ ہال کی سمت دیکھا منتہی متوجہ تو نہیں ہے۔

”گدھے ہی رہنا کبھی ڈھنگ کی بات نہیں کرنا۔“

”ڈھنگ کی بات پہلے ہی کر چکا ہوں ایک شادی میں اپنی پسند کی کروں گا۔“ وہ آج بھی اپنی ضد پر قائم تھا۔

”پھر کب کر رہے ہو شادی۔“ انہوں نے ناگواری سے پوچھا۔

”جب وہ مان جائے گی۔“ منتہی تو پہلو بدل کے رہ گئی اتنا دلیر تھا حمود کہ اپنے بابا سے بحث کر رہا تھا۔

”پھر اسے ادھر کا رخ بھول کے بھی نہیں کرانا۔“

”کیوں نہیں کراؤں یہ میرے باپ کا گھر ہے آئے گی دس بار وہ۔“ اس نے قطعیت بھرے لہجے میں رعب و دھونس سے کہا۔

”مت بھولو باپ میں ہوں۔“ وہ گویا ہوئے۔

”یار بابا! فضول کی بحث شروع ہو جائے گی۔“

”اس لیے کہہ رہا ہوں انسانوں کی طرح تیار ہو کے آ جانا، نیکسٹ سنڈے کو نیاز علی نے اور میں نے تم دونوں کی منگنی رکھی ہے۔“ انہوں نے اسے بتایا منتہی کو تو پسینے آنے لگے راحمہ نے کام کرتے کرتے سراٹھایا۔

”سنیں آپ نے بابا اور بھائی کی باتیں۔“

”تم کام کر رہی ہو یا باتیں سن رہی ہو۔“ اس نے راحمہ کو سرزنش کی۔

”مشکل ہے کام ابھی میں نہیں کر رہی۔“ انگڑائی لی۔ منتہی نے بغور اس کی یہ حرکت فہمائش انداز میں دیکھی وہ جیز کھسکا کے اٹھ چکی تھی۔

”اپنے باپ سے بحث کرو گے۔“ ہشام سالار کی گرجدار اور دھاڑتی آواز پر دونوں ہی سہم کر ادرود یکھنے لگیں۔

رہا تھا ماز کو پتہ تھا اس کا بھائی اس سے تو کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔

”مجھے پتہ ہے آپ کی یہ ساری ناراضی اور غصہ سب بناوٹی ہے۔“ محریب کپڑے لے کے داش روم میں جا رہا تھا ماز کی بات پر ایک لمحے کو زکا مگر ایسا بن گیا جیسے سنا نہیں۔ ماز کا ارادہ پھر بھی جانے کا نہیں تھا وہ اس کا انتظار کرنے لگا، محریب چیخ کر کے نکلا اسے موجود دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”ماز! کیوں مجھے اتنا مجبور کر رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ سخت رویہ رکھوں۔“

”میں برا پھر بھی نہیں مانوں گا مگر پلینز بھائی، بھابھو سے کیوں ناراض ہیں اب تو وہ آپ کی.....“

”شٹ اپ! ہر وقت بکواس کرتے رہا کرو چلے جاؤ یہاں سے۔“ اس نے باہر کی سمت اشارہ کیا۔ ماز کی بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی کیونکہ محریب کا انداز اتنا غضبناک بھی نہیں دیکھا تھا اس کے چہرے کے رنگ پھیکے پڑ گئے، ساری شوخی ختم ہو گئی۔

”بھائی! میں نے اتنی بڑی غلطی بھی نہیں کی ہے کہ آپ مجھے معاف بھی نہیں کر سکتے۔“ لہجہ اس کا دھواں دھواں تھا۔

”میں تو آپ کو خوشی دینے چاہتا تھا مگر مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ آپ اتنا سخت ناراض ہوں گے۔“

”تم نے بھری محفل میں مجھے تماشا بنایا ہے۔“ یہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا اس وقت کتنا وہ مجبور ہو گیا تھا۔

”یہاں سے چلے جاؤ میرا سر درد کرنے لگا ہے۔“ اس نے مٹھیاں بھیجنے کے اپنے اندر کے غصہ کو کنٹرول کیا۔

”آپ یہ نہیں سمجھتے گا کہ میں آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دوں گا جب یہ نکاح ہوا ہے تو رخصتی بھی ضرور ہوگی یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔“ وہ اسے دونوں انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔ محریب نے دانت پیسے کیونکہ رخصتی تو بالکل نہیں ہونے دے گا چاہے عنائہ ساری زندگی وہاں بیٹھی رہے۔

”بہت محبت ہے تمہیں اپنی ماں سے کرتی رہو محبت مگر اس بار میں تمہاری خوشی اور مرضی پر بالکل نہیں چلوں گا۔“ اسے بھی ضد ہو گئی تھی۔

دھڑ سے بیڈ پر لیٹا وہ عنائہ کو سوچتا نہیں چاہتا تھا مگر اب تو وہ ہر لمحہ اس کی سوچوں میں ہی رہنے لگی تھی جذباتی رو بہکنے کو تیار تھی مگر وہ اتنا کمزور نہ پہلے تھا اور نہ اب پڑے گا۔

وہ زندگی میں ہمیشہ دوسروں کی خوشی میں خوش رہا، سب کا خیال کیا، مگر جس سے زندگی وابستہ تھی وہ کیوں اسے اہمیت نہیں دیتی تھی وہ کل بھی انجان تھی اور آج بھی اتنی ہی انجان تھی۔

”عنائہ! مجھے تمہارا ساتھ بغیر جذباتوں کے نہیں چاہیے بلکہ مجھے تمہاری محبت بھی چاہیے اس دل کو تمہاری تمنا ضرور ہے مگر تمہارے دل میں بھی میرے لیے محبت ہو۔“ وہ اتنا خود غرض ہو کے سوچ رہا تھا، عنائہ کے رویہ نے اسے خود غرض بنا دیا تھا۔

”محریب احمد نے عنائہ سے محبت کی ہے شدتوں سے اس لیے جواب میں مجھے بھی وہ شدتیں چاہئیں۔“ وہ آنکھیں موندے اسے ہی سوچے جا رہا تھا دل کی حالت یہ تھی کہ بے زخنی رکھ کے بھی وہ بے کل تھا اور اسے سوچوں میں شامل کرنے بھی بے کل تھا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کیوں ایسا ہو رہا ہے۔

☆☆☆

اس دن وہ شام میں پھر گھر آ گیا دیکھا تو بابا بھی تھے وہ حیران ہوا جبکہ وہ اپنی فیکٹری سے شام میں گھر کا چکر ضرور لگاتا تھا چاہے اسے منتہی کی جھلک ہی دیکھنے کو ملے۔ منتہی راحمہ کو ڈانٹنگ روم میں بیٹھی پڑھا رہی تھی آج جگہ

بابا! آپ بات کو اور مسئلے کو الجھا رہے ہیں آپ میری بات سمجھیں تو۔۔۔ حمود نے نرم سے لہجے میں نہایت آہستگی سے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”کیا سمجھوں کتنے مہینے ہو گئے ہیں تم نال رہے ہو۔“

”جب تک میری پسند کی وہ لڑکی مان نہیں جائے گی میں جمنی سے منگنی بھی نہیں کروں گا یہ آپ سن لیں۔“

”کیا اپنے باپ کو کہہ رہا ہے سن لیں۔“ ہشام سالار تو آگ بگولہ ہی ہو گئے۔

”میری بھی بات دماغ میں گھسا لو نیکسٹ سنڈے کو تمہاری منگنی ہے۔“

”سوچ لیں بابا! گھر سے بھاگ بھی سکتا ہوں اگر زبردستی کی تو۔“ اس نے دھمکی دی۔

”دیکھتا ہوں کیسے بھاگتے ہو میں بھی باپ ہوں تمہارا۔“

منتہی حیرانگی سے دونوں کا جھگڑا دیکھ بھی رہی تھی اور سن بھی رہی تھی اسے حمود پر افسوس ہو رہا تھا جو اپنے بابا سے

اتنی بحث کر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے آپ منگنی رکھیں اس دن میں گھر سے بھاگ لوں گا۔“ وہ ہال کمرے سے نکلا۔

”حمود! سوچ لو میں عاق کر سکتا ہوں اس گھر سے اور تمام جائیداد سے۔“ انہوں نے وارننگ دی۔ حمود کے قدم

رک گئے اسی وقت وہ مڑا اور ان کے غضبناک چہرے کو دیکھا جو واقعی سنجیدہ لگ رہے تھے منتہی ہکا بکا سی سنتی رہ گئی وہ

کیا کہہ رہے تھے۔

”ارے مس! یہ روز کی لڑائی ہے آپ دیکھتی جائیے اور سنتی جائیے بھائی بابا کو کیسے شیشے میں اتارتے ہیں جیت

بھائی کی ہی ہوتی ہے۔“

”مگر راحمہ! یہ اچھی بات تو نہیں ہے آپ کے بھائی آپ کے بابا سے اتنا جھگڑا کر رہے ہیں۔“ اس نے دکھ اور

تاسف سے کہا۔

”بھائی اور بابا میں ہمیشہ جنگ ایسی ہی ہوتی ہے آپ اتنی فکر مند کیوں ہو رہی ہیں دونوں دوست بھی ہیں۔“ وہ

مسکرا کے اس کے حیران پریشان نازک سے مکھڑے کو دیکھنے لگی۔

”واٹ..... آپ مجھے عاق کریں گے یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کم از کم مجھے اس جمنی سے منگنی تو نہیں کرنا

پڑے گی کم آن بابا! جلدی عاق کریں سچ میں تھک گیا ہوں یہ روز روز کے ٹاپک سے۔“ وہ چہرے پر ناگواری

طاری کر کے گویا ہوا۔

”گلدھے گھاسڑ آدمی میں عاق کرنے کی بات کر رہا ہوں اور تو منگنی کو لے کر بیٹھا ہے۔“

”پلیز عاق کر دیں مجھے۔“ وہ التجا کرنے لگا۔ منتہی کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں حمود کو ذرا فکر نہیں تھی بابا نے

کیا کہا ہے اور وہ ان سے التماس کر رہا تھا۔

”کبھی مر کے بھی نہیں کروں گا تجھے عاق منگنی شادی سب تمہاری جمنی سے ہوگی۔“ وہ واپس اپنی بات پر آ گئے۔

”اُف..... بابا! کتنی میں نے آپ کو سلگانے میں محنت کی کہ آپ عاق کر دیں اور میں یہاں سے نکلوں کم از کم

جمنی سے جان تو چھوٹے گی۔“ وہ تھک کے دھڑ سے صوفے پر گر گئے کے سے انداز میں بیٹھا کلثوم بانو ان دونوں کی

آوازوں پر دوڑی آئی تھیں۔

”آجائے دیکھئے اپنے لاڈلے کو۔“

”آپ بھی وقت دیکھتے ہیں نہ موقع شروع ہو جاتے ہیں۔“ ان کا اشارہ منتہی کی سمت تھا جو ڈانٹنگ روم سے آ

رداؤ انجسٹ 114 دسمبر 2010ء

گئی تھی۔ اسے یہاں رہ کے گھبراہٹ ہونے لگی تھی چہرے کے رنگ بھی اڑے ہوئے تھے حمود نے اچھتی نگاہ ڈالی ہشام سالار جزبہ سے ہو گئے۔

”آئی! مجھے گھر جانا ہے۔“ وہ جھٹ بولی کیونکہ مزید رک کر وہ حمود کو بابا سے جھگڑتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ہشام

سالار کی گہری اور پُر سوچ نگاہوں نے گھبرائی ہوئی منتہی کا جائزہ لیا دھانی ٹکڑے کے پرچہ کاٹن کے کپڑوں میں ملبوس

دو پٹہ سر سے اوڑھ کے اچھی طرح خود کو ڈھانپا ہوا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے حمود! دیکھ تو جا کر شہزادہ ہے یا نہیں۔“ انہوں نے جان بوجھ کے حمود کو وہاں سے ہٹانا چاہا تاکہ

معاملہ کچھ تو ٹھنڈا ہو۔

”شہزادہ ہے۔“ وہ خود ہی بولا۔

”کہہ کر آؤ منتہی کو چھوڑ آئے گا۔“ وہ بھی چاہ رہی تھیں منتہی چلی جائے کیونکہ کافی دیر سے دونوں باپ بیٹے

جھگڑنے میں مصروف تھے وہ منتہی کی موجودگی بھی یکسر بھلا چکے تھے۔

”شہزادہ بلارہا ہے انہیں۔“ حمود نے نگاہ دوسری جانب کر کے کہا۔

”اور ہاں امی! میں بھی میٹنگ میں جا رہا ہوں۔“

”میری بات پوری نہیں ہوئی ہے۔“ ہشام سالار تیز لہجے میں بولے منتہی اپنا پرس اٹھا کے تیزی سے وہاں سے

نکل گئی وہ تو بہت ہی ڈر رہی تھی ہشام سالار کے غصے سے مگر حمود اتنا ہی اطمینان سے تھا۔

”او کے باقی بات کل کر لیجیے گا۔“ وہ انہیں اطمینان سے کہہ کر نکل گیا منتہی مین گیٹ تک آ گئی تھی گاڑی تھی ہی

نہیں بس ایک گاڑی بلکہ کلر کی باہر کھڑی تھی جو حمود کی تھی۔

”جلدی آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔“ عقب سے آ کر اس کے کان میں کہا وہ اچھل گئی حمود نے بازو پکڑا

اس کا اور فرنٹ ڈور کھول کے اسے بٹھادیا کیونکہ گھر کے کسی ملازم نے اسے دیکھ لیا تو ٹھیک نہیں تھا وہ تو شکر تھا راحمہ

بھی آج پورچ تک نہیں آئی تھی وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا گاڑی اشارت کر چکا تھا۔

☆☆☆

اس کی مشکل خود ہی آسان ہو گئی تھی دادی جان نے اسے بلایا تھا اور فائق اسے لینے آیا تھا اس نے شکر ادا کیا

کیونکہ محریب سے وہ کسی طرح تو باز پرس کر سکے گی جب سے آئی تھی دادی جان کے ہی دروم میں تھی مگر اسے اس وقت

باہر آنا پڑا جب ندرت کی ساس بمعہ مٹھائی کے چلی آئی تھیں سب ہی گھر والے حیران تھے کیونکہ ابھی تک بھی ان

لوگوں نے جواب نہیں دیا تھا فائق جانے کیا سوچے بیٹھا تھا۔ یعنی کوندرت کی ساس نے مٹھائی کھلا کے منہ بیٹھا کرا

دیا سب کچھ بول ہی نہیں پائے تھے۔

”میں ندرت سے کب سے کہہ رہی ہوں ہم خود ہی جا کر منہ بیٹھا کرا آئیں گے۔“ وہ بڑی خوش تھیں کیونکہ کسی

نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ فائق تو خود ہی کچھ دن میں امی کو کہنے والا تھا کہ وہ فراموشی کا رشتہ قبول کر لیں مگر وہ خود ہی

چلی آئی تھیں۔

”میں فائق کی وجہ سے نہیں آرہی تھی کیونکہ اعتراض اسے تھا۔“ ندرت نے سامنے بیٹھے فائق پر طنز کیا۔

”آئی! ایسے بھی میں امی سے کہنے والا تھا ہاں جواب دے دیں وہ تو آپ خود آ گئیں ورنہ ایک دو دن میں فون

میں خود ہی گرتا۔“ وہ بھی شرمندہ بالکل نہیں ہوا تھا۔

”تم نے روکا کیوں تھا؟“ ندرت کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں آرہی تھی۔

رداؤ انجسٹ 115 دسمبر 2010ء

”اس لئے فرار سے ذاتی طور پر میں کئی بار باہر مل چکا ہوں میں نے اسے ہر لحاظ سے پرکھا ہے اچھا اور سچا ہوا لڑکا ہے۔“ فائق نے بھی آج پہلی بار ستائش بھرے انداز میں کہا۔

”فرار نے تو ہمیں کبھی نہیں بتایا۔“ ندرت حیران بھی ہوئی۔

”وہ بھی سمجھدار شخص ہے جیسی میری سوچ تھی وہ بھی ویسا ہی نکلا اس لیے خاصی اچھی طرح اس کی اور ہماری مختلف اوقات میں بات چیت ہوئی ہے یہ اس کی عقلمندی ہے کہ اس نے سب کو نہیں بتایا۔“ فائق نے عروب کو اپنی گود میں اٹھایا جسے گود میں لینے تک تو کیا بات کرنے تک پر بھی پابندی لگائی ہوئی تھی۔ ندرت نے اسے گھورا جو عروب سے کھیل میں لگ گیا تھا فائق کے انداز میں اتنا ٹھہراؤ تھا کہ وہ حیران ہوتی تھی غصہ کرتا تھا مگر جس کام کے پیچھے پڑ جائے وہ کر کے چھوڑتا تھا مگر اسے اپنے ایکسپریشن چھپانے میں بھی کمال حاصل تھا اسی لیے اس کی اکثر تحریک سے بھی سنجیدہ گفتگو نہ ہوتی تھی مائز اور وہ ہم عمر ہی تھے مائز بہت زیادہ شوخ تھا مگر فائق کی اور اس کی دوستی پھر بھی بہت تھی۔

”عنائہ! تم نے تو دیکھا ہے فرار کو کیسا لگا؟“

”ارے ندرت آپ! آپ بھابھو سے کیوں پوچھ رہی ہیں ان کو جو اچھا لگتا تھا اس سے ان کا نکاح ہو گیا ہے۔“ مائز نے بھی ان کی محفل جوائن کی وہ سب لاؤنج میں جمع تھے اور بزرگ حضرات کی محفل دادی جان کے کمرے میں تھی۔ عنائہ نے مائز کے بازو پر چٹکی لی اسے سب کے سامنے بولنے پر شرم بھی آئی۔

”آج بھائی بھی گھر میں ہیں اگر ڈیٹ مارنے کا ارادہ ہو تو سیٹ کر دوں کہیں ملنے کی جگہ۔“ مائز نے شوخی سے اس کے کان میں کہا۔

”مائز سدھر جاؤ۔“ اس نے آنکھیں نکال کے وارننگ دی۔

”مشکل ہے۔“ اس نے منہ بنا کے کہا۔

”مجھے تو یہ خیرت ہوتی ہے محریب پر کبھی ہم لوگوں کے درمیان آ کے کیوں نہیں بیٹھتا ہے جہاں سب بڑے ہوتے ہیں وہاں یہ بیٹھا ہوتا ہے۔“ ندرت کو بھی اکثر اعتراض ہوتا تھا۔ عنائہ نے لب بھیج کر تائیدی انداز میں ندرت کو دیکھا کیونکہ یہ جھوٹ بھی نہیں تھا محریب کم ہی ان سب کے درمیان بیٹھتا تھا۔

”مجھے تو لگتا ہے محریب بھائی میں کسی بزرگ کی روح گھس گئی ہے۔“ رافع نے بھی اپنی مداخلت ضروری سمجھی۔

”تم سب ہی فضول سوچتے ہو ظاہری بات ہے محریب بھائی اس گھر کے بڑے بیٹے ہیں وہ سنجیدہ مزاج کے ہیں اسی لیے وہاں زیادہ ضروری سمجھتے ہیں خود کو۔“ فائق گویا ہوا۔

”پھر ایسا کرو تم بھی وہاں بیٹھا کرو کیونکہ تم میں خود سو سالہ بوڑھے کی روح ہے۔“ مائز تو موقع چاہتا تھا اسے ہر بات میں لپیٹنے کا۔

”ہر بات مجھ پر لے آیا کرو۔“ فائق نے ترش روی سے کہا اور اٹھ کر جانے لگا مگر مائز نے بازو پکڑ کر واپس کاؤچ پر بٹھا دیا۔

”ہر وقت غصہ سے مت جواب دیا کرو جسٹ مذاق کیا ہے میں نے۔“ مائز کو اس کی یہی عادت بری لگتی تھی۔

”تم ہر وقت فضول کی بات کرتے رہو میں تمہاری سنٹار ہوں اور مسکراتا رہوں۔“

”ارے بھئی کیا ہو گیا ہے فائق! حد ہوتی ہے کسی بات کی کبھی تو اپنا مود سیدھا کر لیا کرو۔“ ندرت نے بھی اسے ٹوکا۔

”آپ سب بے ہنگم گفتگو کریں میں آپ سب کی طرح مسکراتا رہوں۔“ وہ بھی تنک کے گویا ہوا۔

رداؤ انجسٹ 116 دسمبر 2010ء

”تم اپنے آپ کو کیا کسی ملک کا شہزادہ سمجھتے ہو جو نمایاں بننے کے چکر میں پڑے رہتے ہو سیدھے سیدھے رہا کرو کیا اپنا رعب سب پر ڈالا ہوا ہے۔“ ندرت کو بہانہ چاہیے تھا اسے گھیرنے کا کیونکہ اس پر بھی تو اپنا رعب رکھا ہوا تھا وہ ڈرتی بھی تھی مگر آج پُر اعتماد بن کر اسے آڑے ماتھوں ہی لیا۔

”ندرت باجی! ارے آپ تو سیریس ہونے لگیں۔“ وشہ کب سے ان سب کی باتیں سن رہی تھی جب ماحول کو سنجیدہ ہوتے دیکھا تو بول ہی پڑی۔ فائق کا چہرہ غصہ کی وجہ سے تھمٹانے لگا وہ کچھ بولا نہیں تیزی سے تھمٹاتا ہوا وہاں سے اٹھا تھا سب ہی خفیف سے اور جزبہ سے ہو گئے تھے کیونکہ سب کو پتہ تھا ندرت کو جب کسی کی کوئی بات بری لگتی وہ اپنا بیگ سنبھالتی اور گھر جانے کو تیار ہو جاتی۔

”آپ! آپ کو کیا ضرورت تھی ان۔“ الجھنے کی موڈ خراب ہو گیا۔ رافع کو بھی ناگوار گزرا تو بولے بنانہ رہا۔

”چپ کرو تم بھی بہت اس کی سائیڈ لیتے ہو۔“ وہ بھی کٹری ہو گئی عنائہ نے ہی اسے پھر سنبھالا کیونکہ وہ جانے کے لیے تیار ہونے لگی تھی اچھا خاصا گھر کا ماحول اتنا شوخ ہو رہا تھا زرا سی بحث و تکرار کی وجہ سے وہاں پر افسردگی چھا گئی تھی۔ مائز ایک گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا وہ جانتا تھا اگر اس وقت جا کر اس نے فائق کو کچھ بھی سمجھانے کی کوشش کی تو وہ بھی اسے اتنی سنائے گا کہ چپ کرنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ وجہ وہی تھی اس چھیڑ چھاڑ اور مضحکہ خیز انداز کی وجہ سے بات اتنی آگے بڑھ گئی تھی پھر سب اپنے اپنے کمرے میں لگ گئے۔ عنائہ الگ الجھن کا شکار ہو گئی کیونکہ محریب سے اس کا ابھی تک بھی سامنا نہیں ہوا تھا اب تو شام کے سات بجنے والے تھے اور اسے رات میں چلے جانا تھا کسی طرح تو محریب سے بات کرنا چاہتی تھی۔

☆

”تہذیب! اپنے بابا سے بحث ہی کیے جا رہے تھے۔“

”تہذیب! تہذیب! بحث کے پیچھے لگی ہوئی ہیں آپ! میں کر ذرا بھی فکر نہیں ہو رہی ہے اور نہ ہی غصہ آ رہا ہے وہ جتنی نیاز سے شادی ہے۔“ تہذیب کو اس پر حیران کیا جو یہ بات جیسے سوچ ہی نہیں رہی تھی اسے منتہی پر ترس بھی آ رہا تھا۔

”تہذیب! گھبراہٹ کی کوئی فکر نہیں ہے وہ اس سے کبھی نہیں کر لیں۔“ وہ یہ کس دل سے کہہ رہی تھی وہی جانتی تھی۔

تہذیب نے چونکہ جانتی اور تفتیشی نگاہیں اس کے چہرے پر جمائیں جو سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

”منتہی باجی! اتنی مضبوط نہیں بنیں آپ مجھے یہ بالکل آتا نہیں ہے کہ آپ اپنا حق کسی دوسری لڑکی کی جھولی میں ڈالنے کو کہتی رہیں آپ ان کی بیوی ہیں آپ کو ذرا دکھ نہیں ہوگا کہ مود سالار اس سے منگنی کر لے۔“ تہذیب کو اس پر غصہ ہی آنے لگا۔

”میرے لیے کیا ہے اور کیا نہیں میں نے اپنی حد کا تعین پہلے ہی کر لیا ہے میں نے کبھی اپنی آنکھوں میں سپنے سجائے ہی نہیں ہیں کیونکہ جب میری کوئی منزل ہی نہیں ہے تو سپنے کیوں سجاؤں۔“ وہ افسردگی اور مایوسی میں گھری ہوئی بول رہی تھی۔

”پتہ ہے تہذیب! اگر پہلے سے ہی اپنے دل و دماغ کو تیار کر لو تو پھر بعد میں اتنی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔“

تہذیب بھی سوچ میں پڑ گئی کیونکہ جو بات بھی اس نے کہی تھی اسے بھی آگہی دے رہی تھی وہ بھی تو اسی جگہ پر کھڑی تھی جہاں منتہی تھی فرق صرف اتنا تھا منتہی کا نکاح اس شخص سے ہو چکا تھا جس کو اس نے چاہا نہیں تھا نہ سوچا تھا نہ ہی اس کے سپنے سجائے تھے مگر جس شخص سے نکاح ہوا تھا اس کی چاہت اب منتہی بن گئی تھی اور وہ جس کے سپنے بھی دیکھتے

ہوئے ڈرتی تھی کیونکہ اس شخص کی وہ چاہت ہی نہیں تھی مگر اس کے دل کی چاہت فائق احمد بن گیا تھا۔
”اگر آپ حمود سالار کا ساتھ دیں تو یقیناً منی نیاز کی جگہ آپ وہاں ان کے گھر میں ہوں گی۔“
”جب مجھے سب حالات واضح اور صاف نظر آ رہے ہیں میں بھول کے بھی نہیں سوچنا چاہتی کیونکہ مجھے پتہ ہے ان کے بابا مجھے کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔“

”فرض کریں اگر آپ کے چھوٹا سا پیار سا بے بی ہو جائے پھر تو ضرور قبول کر لیں گے۔“ وہ بے ساختہ ہی بولی، منتہی نے جھینپ کے لب پہنچ لیے، پھر اسے حمود کی اس دن کی باتیں ذہن میں آ گئیں جب وہ شہزاد کے بچے کا ذکر کر رہا تھا۔

”فضول نہیں بولا کرو۔“ وہ اٹھنے لگی کیونکہ اسے رات کے لیے روٹیاں بنانی تھیں۔
”گھر جاتی ہیں تو حمود بھائی گھر میں تو ضرور ہوتے ہوں گے۔“ دونوں ہی چکن میں آ گئیں۔
”ہوتے ہیں بھی اور کبھی خاص طور پر اس ناٹم آ جاتے ہیں۔“ اس نے چولہے پر توار کھاتھا۔
دروازے پر ایک دم ہی متواتر دستک ہوئی دونوں ہی چونک گئیں، مبینہ تو اندر سلامتی کر رہی تھیں حکمت اور حمزہ حریب کی طرف گئے ہوئے تھے کیونکہ وہاں عنائبہ آئی ہوئی تھی اور یمنی کا رشتہ بھی سمجھو آج ہی لپکا ہوگا ایک رونق ہی لگی تھی مائز نے ان دونوں کو بلوایا تھا، تہذیب نے دروازہ کھولا حمزہ کھڑا تھا۔

”کیا ہو گیا تمہیں؟“ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔
”وہاں حمود بھائی آئے ہیں آنٹی نے منتہی باجی کو بلایا ہے۔“ اس نے اطلاع بھی دی اور پیغام بھی پہنچایا۔ منتہی چونک گئی، حمود کے نام پر دل دھڑک گیا روٹی وہ تیل رہی تھی۔

”جلنے آپ کا بلاوا آ گیا ہے۔“ تہذیب نے مسکرا کے معنی خیزی سے کہا۔
”یہ کوئی ناٹم ہے بلانے کا۔“ منتہی کو ناگواری ہونے لگی۔
”آپ ان کی بیوی ہیں جب دل چاہے بلا سکتے ہیں۔“

”لو جی آپ کا سیل بھی بیپ دے رہا ہے۔“ تہذیب اندر کی جانب بڑھی سیل لے کے آئی حمود کی کال تھی۔
”لیجئے کال بھی آ گئی۔“ وہ مسکرائی۔ منتہی نے سیل لیا اور چکن سے باہر آ گئی، تہذیب بقیہ روٹیاں بنانے لگی تھی۔
”جس حلیے میں بھی ہو فوراً تیار ہو کر آ جاؤ میں حریب کے گھر بیٹھا ہوں۔“ حمود نے خاصی غلٹ میں کہہ کر اس کا آگے سے جواب سنے بغیر ہی سیل آف کر دیا۔

☆☆☆

”ہوں تو آرہی ہیں بھابی؟“ حریب نے اس سے پوچھا تھا۔
”یار! کہہ تو دیا ہے اب آنے میں دیکھو کتنا ناٹم لیتی ہے۔“ حمود خاصا بے چین اور فکر مند سا بیٹھا تھا۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں تھے گھر میں بھی آج یمنی کا رشتہ ملے ہوئے پر ایک رونق سی لگی ہوئی تھی۔
”عنائبہ بھابی بھی آئی ہوں گی ان کی آوازیں آرہی ہیں۔“ حمود نے مسکرا کے معنی خیز انداز میں اسے چھیڑا، حریب لب پہنچ کر اسے دیکھنا لگا، تائید میں سر ہلایا کیونکہ ابھی تک اس نے عنائبہ کا سامنا نہیں کیا تھا، وادی جان کے روم میں بیٹھا تھا کہ رافع نے اطلاع دی حمود آیا ہے۔

”آئی ہوئی تو ہے مگر ابھی تک سامنا نہیں ہوا ہے۔“ وہ صوفے پر ٹیک لگائے اطمینان سے بیٹھا تھا۔
”نکاح کے بعد سے اب تک تم دونوں میں بات چیت بھی نہیں ہوئی۔“ حمود کو حیرانگی کا جھٹکا لگا۔

”ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔“ سپاٹ سے لہجے میں بولتا ہوا حمود کو بہت برا لگ رہا تھا۔
”یہاں میں اپنی والی سے ملنے کے لیے ہر وقت بے قرار رہتا ہوں اور رات میں دو گھنٹے بات ہوتی ہے پھر بھی دل نہیں بھرتا ہے۔“ وہ اسے اپنے بارے میں بتانے لگا۔

”تم میں اور مجھ میں بہت فرق ہے اور پھر تمہاری والی اور میری والی میں بھی بہت فرق ہے، وہ کم از کم تمہارا خیال تو کرتی ہے اور میری والی سب کا کرتی ہے میرا نہیں۔“ حریب نے حسرت بھری آواز میں کہا۔
”مجھے نہیں لگتا کہ وہ تیرا نہیں کرتی ہو۔“ حمود نے اس کی بات کی نفی کی۔

”میں جو کہہ رہا ہوں سچ ہے۔“ اس نے زور دے کر کہا۔

”پھر تو رخصتی کا بول جلدی کرو۔“

”رخصتی اس وقت ہی ممکن ہو سکتی ہے جب محترمہ اپنی والدہ کا دامن چھوڑیں۔“

”ہوں تیرا تو یہ بھی مسئلہ ہے۔“ حمود نے سر ہلایا۔

”اچھا یہ بتاؤ تمہارا آج کہاں کا پروگرام ہے۔“ حریب نے موضوع بدلا۔

”آج کچھ آؤنگ پھر ڈنر کا پروگرام ہے مگر یار! محترمہ کا موڈ بھی دیکھنا ہے، کل اس نے میری اور بابا کی بحث بھی سن اور دیکھ لی ہے، کل سے مجھ سے بات بھی نہیں کی ہے اسی لیے میں تمہاری طرف آیا کہ ساتھ لے جاؤں گا تو دماغ کو ٹھنڈا کر سکوں گا۔“ وہ پریشان بھی ہو رہا تھا۔

”وہی حتمی نیاز علی سے شادی پر بحث ہوئی ہوگی۔“

”ہاں یار! نیکسٹ سنڈے بابا نے منگنی سیٹ کر دی ہے وہی جھگڑا منتہی نے سنا ہے۔“

”تمہارا بھی مسئلہ خاصا گھمبیر ہے۔“ حریب نے کہا۔ منتہی آ گئی تھی وہ اندر آتے ہوئے جھک رہی تھی ساتھ عنائبہ بھی تھی، نزہت بیگم بھی تھیں۔ عنائبہ کو دیکھ کر حمود نے جھٹ سلام کیا، وہ بھی حریب کو دیکھ کر زروس سی ہونے لگی، دونوں کی نگاہوں کا تصادم بھی ہوا۔

”اچھا ہے تم دونوں نے ہی جانے کا پروگرام بنالیا، وہ تو مجھ سے مائز نے کہا کہ بھائی بھی بھابو کو لے کر جائیں گے۔“ نزہت بیگم بہت خوش ہو رہی تھیں، حریب نے کچھ تو اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ جبکہ حریب مائز کی اس حرکت پر اندر ہی اندر بیچ و تاب کھانے لگا، اسے غصہ بھی آنے لگا مگر امی اور منتہی کی وجہ سے وہ اپنے تاثرات سے کچھ بھی واضح کرنا نہیں چاہتا تھا۔

عنائبہ نگاہ جھکائے زروس سی ہو رہی تھی، اسے بھی عنائبہ کے انداز سے لگ رہا تھا وہ جب سے نکاح ہوا ہے کچھ اس کے لیے سوچنے لگی ہے ورنہ تو بالکل ہی جذبات سے عاری لڑکی لگنے لگی تھی۔

”یار حریب! تم نے خود ہی پروگرام سیٹ کر لیا مجھے بھی نہیں بتایا۔“ حمود نے بھی سن کے اسے شوخ سے لہجے میں کہہ کر چھیڑا۔

”آں..... ہاں۔“ حریب سے جواب نہیں بن پڑا تھا۔ نزہت بیگم نے جانتی اور پرتشیش استفہامیہ نگاہوں سے اس کے تاثرات پر غور کر رہی تھیں۔

”عنائبہ بیٹا! ذرا تم میرے ساتھ تو چلو اتنے میں حریب اچھی طرح سوچ لے جانا کہاں ہے۔“ وہ گہرا طنز کرتی ہوئیں عنائبہ کا ہاتھ پکڑ کے ڈرائنگ روم سے لے جانے لگیں۔

”امی! میں نے سوچا ہوا ہے آپ عنائبہ کو یہیں چھوڑ دیں۔“ وہ سمجھ گیا امی ناراض ہونے لگی ہیں تو وہ فوراً

ہی سنبھل بھی گیا۔
 ”حمود! تم تو جاؤ کیونکہ تمہیں بھی میری وجہ سے دیر ہوگی! ابھی مجھے کچھ کام بھی کرنا ہے۔“ اس نے حمود کا حیرت سے کھلا منہ دیکھ کر اسے اشارے سے جانے کا کہا۔ منتہی فان کلر کی ریشم کی کڑھائی کی چادر میں خود کو چھپائے کھڑی تھی۔
 ”اچھا ہاں۔“ وہ جھل سا ہوا پھر وہ اجازت لے کر سلام کرتا ہوا منتہی کو لے کر نکل گیا۔
 ”تمہارا پروگرام ہے جانے کا یا نہیں؟“ نزہت بیگم نے تیز لہجے میں اس سے پوچھا جو ابھی تک خاموش کھڑا تھا۔
 عنائبہ جزبزی ان کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

”جی۔“ بس اتنا کہا تھا۔
 ”پھر جاؤ دیر کس بات کی؟ میں نے جواد کو فون کروا دیا ہے عنائبہ آج ادھر ہی رک جائے گی۔“ وہ بولیں۔ محریب کو اس لمحے اپنے مزاج کے خلاف ان کی اس بات کو ماننا ہی پڑا کیونکہ آج کل جتنی وہ اس کے لیے پریشان رہتی تھیں یہ وہی جانتا تھا، ماز سے بھی اس نے بات چیت بند کی ہوئی تھی۔
 ”میں کمرے سے والٹ وغیرہ لے کر آتا ہوں۔“ وہ عنائبہ پر نگاہ ڈالے بغیر نکل گیا۔
 ”تم محریب کے رویہ کی وجہ سے اپنا دل چھوٹا نہیں کرنا“ کچھ مزاج کا الگ ہے تمہیں اسے کسی طرح تو منانا ہی ہے۔“ وہ اسے سمجھانے لگیں۔

”بڑی امی! میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی ہوں آپ کیوں ایسی باتیں کر رہی ہیں۔“ اس نے شرمندہ ہو کر انہیں تسلی دی۔ اس نے بھی اب عقلمندی سے ہر کام اور بات سوچ سمجھ کر کرنی تھی کیونکہ جتنی ان دونوں کی وجہ سے خاندان میں ٹینشن ہوئی تھی اب مزید وہ خاص طور پر اپنی وجہ سے ایسی بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر یہ سب اسی وقت ممکن تھا جب محریب سے وہ روبرو ہو کر بات کرے گی۔

☆ ☆ ☆

گرے قمیض شلوار میں ملبوس پشاور سیٹل اس پر ہلکی ہلکی بڑھی شیو چہرے پر سنجیدگی اسے اور بھی ڈیسٹ اور سوہر بناتی تھی خاموشی سے وہ ڈرائیو کر رہا تھا عنائبہ کا سنی جا رہے کے کپڑوں میں ملبوس شرمائی گھبراہٹ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی گاڑی میں مکمل خاموشی تھی اس نے بھول کے بھی عنائبہ پر اچھتی نگاہ تک نہیں ڈالی تھی۔ پتہ نہیں وہ جا کہاں رہا تھا جو کب سے گاڑی چلا رہا تھا عنائبہ تذبذب کا شکار تھی کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

”آپ اس رات کھانے پر کیوں نہیں آئے؟“ عنائبہ نے ہمت کر ہی لی بغیر تمہید باندھے اسے مخاطب کر ہی لیا۔ محریب کے چتون سکڑے تھے گاڑی کو ٹرن لیا دیکھا تو سامنے ایک ریسٹورنٹ تھا۔

”میں نے جواد چاچو کو فون پر بتا دیا تھا میں آفس میں بڑی تھا۔“ نارن لہجے میں کہا۔

”لیکن اب تو رات تک آپ کی راہ دیکھتے رہے تھے۔“

”کاش عنائبہ! تم کہتیں کہ میں راہ دیکھتی رہی تو شاید میں خوش بھی ہو جاتا مگر نہیں تمہیں صرف اپنے گھر والوں کی

فکر ہے۔“ نگاہوں نے اسکرین سے باہر بھی عنائبہ پر وہ نگاہ تک ڈالنا نہیں چاہ رہا تھا۔

”کچھ مصروفیت آگئی تھی۔“ لہجہ سخت بنا لیا۔

”میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“

”کتنی بار کہنا چاہو گی شروع سے تمہاری ہی سن رہا ہوں۔“ انداز نروٹھا اور سرد مہر سا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف ماہانہ ڈائجسٹ
- ☆ سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریمڈ کوالٹی
- ☆ عمران میریز از منظر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”ہم دونوں سب کے سامنے کیا نارمل انداز میں نہیں رہ سکتے“۔ وہ جھٹ بولی۔ حریب کی فہمائش نگاہ اس پر اٹھ ہی گئی جو اس کی جانب ہی مخاطب تھی دونوں کی نگاہیں مل رہی تھیں۔

”نارمل انداز میں مطلب میں سمجھا نہیں آپ سمجھنا پسند کریں گی“۔ وہ طنزیہ اور ترش روی سے بولا۔

”ہمارے گھر والوں میں ہماری وجہ سے ایک ٹینشن سی آگئی ہے کیا ہم دونوں سب کے سامنے ایک دوسرے سے نارمل ہو کر بات نہیں کر سکتے“۔ عنائہ کا دل دھک دھک بھی کر رہا تھا جانے جواب میں وہ اسے کیا کہے گا کیونکہ مزاج کا تیکھا بھی وہ بہت ہو گیا تھا۔

”تم آخر خود کو کچھ سمجھتی کیا ہو پورے خاندان کو تو اپنے کہنے پر چلا رہی ہو مجھ سے بھی ایسا ہی چاہتی ہو“۔ وہ منہ گھما کر ناگواری سے گویا ہوا عنائہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا جب بھی کوئی جملہ ادا کرتا اتنا کھٹکھٹا ہوتا دل کے آر پار ہو جاتا۔

”آپ مجھے غلط کیوں سمجھتے ہیں“۔ وہ روہاکی ہو گئی بے بسی سے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

”میں تمہیں غلط کب کہہ رہا ہوں بلکہ خود کو غلط کہہ رہا ہوں“۔ وہ استہزاء سے انداز میں طنز کر گیا۔

”سوری“۔ وہ آنکھوں میں نمی لیے بولی۔

”کس لیے؟“ حریب نے اپنے آپ کو مکمل سپاٹ کر لیا تھا۔

”میں شاید آپ کا دل دکھا جاتی ہوں مگر پلیز آپ اتنا تو کر سکتے ہیں کہ سب کے سامنے مجھ سے اتنے ناگوار انداز میں تو پیش نہیں آیا کریں“۔

”یعنی سوری کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ میں تمہارا کچھ خیال کروں“۔ وہ طنزیہ ہو گیا۔

”میں اگر کہوں تم بھی میری بات مانو تو مانو گی؟“ حریب بھی ایک دم ہی بولا۔

”جی بولیں“۔ وہ اتنی رنجور اور افسردہ ہو گئی تھی اس کے جواب پر۔

”اپنی امی کو چھوڑ کے میرے پاس آ جاؤ“۔ اب عنائہ کو تنگ کرنے کی باری اس کی تھی شروع سے اس نے کیا تھا اب وہ اسے زچ کرنا اور اس کی برداشت دیکھنا چاہتا تھا۔

”جی“۔ متوحش زدہ سی بے یقینی سے بول اٹھی۔

”رخصتی وغیرہ کی فارمیٹیں چھوڑو آج ہی سمجھ لو کہ تم رخصت ہو کر آ گئی ہو“۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔ عنائہ گھبرا سی گئی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا جواب دے اس نے تو توقع بھی نہیں کی تھی کہ حریب اسے ایسے گھیرے گا۔

”بولو راضی ہو؟“ وہ پھر بولا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اتنے سمجھدار ہیں آپ اور ایسی بات کہہ رہے ہیں“۔ عنائہ کی تو سماعت یقین نہیں کر پار ہی تھی۔

”جب ہی تو کہہ رہا ہوں اب تو کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے نکاح ہمارا ہو چکا ہے“۔

”مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی کہ آپ مجھے یہ بھی بول سکتے ہیں“۔ وہ اسے سی کی کولنگ میں بھی پسینے پسینے ہو گئی کیونکہ اس سے جواب نہیں بن رہا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر تم راضی نہیں ہو تو جو تم چاہتی ہو وہ بھی ممکن نہیں ہے“۔ اس نے گاڑی اشارت کر دی اور ڈنر کا ارادہ بھی ترک کر دیا آج اس نے سوچ لیا تھا عنائہ کو زچ کرتا ہی رہے گا۔

”پلیز آپ ایسے تو نہیں کریں“۔ وہ روہاکی ہو گئی۔

(جاری ہے)



شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 20 -

سلسلے وار ناول

جہالت و دل کی جہالت



”تم ایسے ویسے سب کرتی رہو میری بے رخی پر اتنی تکلیف ہو رہی ہے تمہیں۔“ مہربان نے اس کی گھنیری پلکوں کا لرزہ دیکھا جو کبھی لب پہنچ لیتی تو کبھی نکلتی۔

”عناجب! آج تک میں تمہیں جتنا سمجھا ہوں ٹھیک سمجھا ہوں، مگر تم شاید مجھے نہیں سمجھ پائی ہو ابھی تک بھی۔“ اس نے وہ انداز میں سے باہر نکلتا ہوا دیکھا کہ وہ بڑی آہستگی سے ذرا نیچے کر رہا تھا۔

”تم اپنی بات پر جمی رہو گی اور... چاہتی ہو میں تمہارے کہنے پر چلتا رہوں۔“

”محترمہ! تم مجھے سمجھتی کیا ہو جو ایسی بات کہہ رہی ہو۔“ قدرے توقف کے بعد پھر گویا ہوا۔

”میں نے ایسی غلط بات تو نہیں کہہ دی ہے جو آپ مسلسل مجھ پر طنز ہی کیے جا رہے ہیں۔“ اسے دکھ اور افسوس ہونے لگا، مہربان کا اصرار اور سرد سا جوہر ہوتا تھا۔

”اچھا طنز بھی سمجھتی ہو میں سمجھا میں ہی سمجھتا ہوں۔“ اس نے پھر تمسخر اڑایا مگر طنز کی آمیزش شامل کر کے۔

”میں پوچھوں کہ آپ جو ایسی باتیں کر رہے ہیں اس کا مقصد کیا ہے؟“ وہ کھسیا ہی گئی۔

”مقصد میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں اگر راضی ہو تو میں سب سے اچھے طریقے سے بات کروں گا۔“

مہربان اتنا ضدی تو کبھی نہیں تھا جو آج وہ اتنا اڑا ہوا تھا، عناجب کو یقین نہیں آ رہا تھا وہ ایسا بھی کر سکتا ہے۔

”اگر آپ کو مجھ سے شکایت ہے تو مجھ سے بولیں باقی لوگوں کو ناراضی کیوں دکھا رہے ہیں۔“ لہجہ مہربان میں بیگناہ ہوا تھا، وہ مہربان کو کب انکسور کرنا چاہتی تھی ہر وقت اور ہر لمحہ اس کی یاد میں رہتی تھی نکاح کے بعد سے تو اس میں کافی تبدیلی بھی آئی تھی پہلے صرف اپنی امی کو سوچتی تھی گھر والوں کا خیال رہتا تھا اب مہربان اکثر اس کے دل و دماغ میں رہتا تھا۔

”تم سے کس نے کہا تمہاری وجہ سے ناراضی دکھا رہا ہوں سب سے۔“ وہ جھٹ بولا۔

”ہم کیا لڑائی ختم کر کے صلح نہیں کر سکتے؟“ اس نے خود کو جھکالیا۔ مہربان کو وہ یہاں بھی خود غرض صرف اپنے گھر والوں کا خیال کرتی ہوئی لگی اس کا تو پھر بھی کوئی احساس ہی نہیں تھا وہ جو راتوں کو بے چین ہوتا تھا اس کی بے رخی بے حسی کتنا اسے غصہ دلاتی تھی وہی جانتا تھا ہر وقت جھنجھالیا ہوا کھسیا ہوا بے زار سار ہوتا تھا۔

”اگر تمہیں میری بات منظور ہے تو میں بھی تمہاری مان لوں گا۔“ وہ سپاٹ سے انداز میں کہہ کر جتنی بے رخی دکھا سکتا تھا دکھا رہا تھا آج ہی تو اسے موقع ملا تھا عناجب کو اپنا غصہ اور سرد مہربان کا رویہ دکھانے کا۔

”آپ زندگی کو کیوں اتنا بے رنگ بنا رہے ہیں۔“ افسردگی سے گویا ہوئی۔

”اچھا میں زندگی کو بے رنگ بنا رہا ہوں۔“ طنز سے گویا ہوا۔

”زندگی کو تم نے بے رنگ بنایا ہے شروع سے تنگ کیا ہوا ہے تم نے تم سے میری زندگی جس دن سے منسوب ہوئی ہے میں سکون سے نہیں ہوں اور سارے الزام مجھے دیتی ہو۔“ وہ پوٹ پڑا گاڑی گھر کے آہنی گیٹ کے سامنے روک دی تھی، عناجب کا بکا سی اسے دیکھتی رہ گئی یہ کیا کہہ رہا تھا۔

”تم سے جس دن سے میری زندگی منسوب ہوئی ہے سکون سے نہیں ہوں۔“

”کان کھول کے سن لو جو تم چاہتی ہو وہ میں نہیں کروں گا تم ہر ایک کو بے وقوف بنا سکتی ہو مجھے نہیں تمہارے کہنے پر میں کسی سے بھی اپنا رویہ ٹھیک نہیں کروں گا اب فوراً گاڑی سے اتر جاؤ مجھے کہیں اور جانا ہے۔“ جتنا کھیلا اور کڑوا اس کا لہجہ تھا عناجب کے دل کے آ رہا ہو گیا وہ اتنا بے مروت کیوں ہو گیا تھا۔

”تم پچھلے ایک ہفتے سے... کیا سلوک کر رہی ہو۔“ وہ اسے ڈنکرانے ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا جہاں وہ پہلے بھی لے کر آیا تھا منتہی فنگل سچائے ابھی تک ایسے ہی بیٹھی تھی۔

”منتہی! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔“ اس نے ٹیبل کے نیچے سے اس کے پاؤں پر اپنا وزنی جو تار مارا۔

اس نے ناگوار فہمائش نکالی ہوں سے اسے گھورا کیونکہ اس وقت اس کے آنے کا بالکل موڈ نہیں تھا اور اس نے حکم یہ انداز میں پہلے کال کی اور پھر حذر سے بلوانے پہنچ دیا تھا۔

”تم آج راحمہ کو پڑھانے کیوں نہیں آئیں؟“

”آپ کی جوکل کی میں نے حرکت دیکھی ہے تو مجھے پڑھانے آنا چاہیے تھا؟“ وہ تیز لہجے میں برہم ہونے لگی۔

”جو کچھ تم نے دیکھا ہے تم سب جانتی ہو پھر انجان کیوں بن رہی ہو۔“

”میں انجان نہیں بن رہی ہوں آپ بن رہے ہیں کیوں بابا سے اتنی بحث کی ان سے آپ نے بدتمیزی بھی کی ہے۔“

”میں نے کوئی بحث نہیں کی ہے اور نہ ہی بدتمیزی کی ہے میں اور بابا ہمیشہ ایسے ہی گفتگو کرتے ہیں۔“ وہ اس نامم اپنی کوئی بھی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھا۔

”آپ کے بابا جو کہتے ہیں اس پر عمل کریں، تمہنی اچھی لڑکی ہے جو لڑکی آپ کو اتنا چاہ سکتی ہے وہ خوش بھی رکھے گی۔“ اس نے افسردہ سے لہجے میں نگاہ پھیر کے کہا۔

”مجھے جو لڑکی خوش رکھے گی میں اس کے سامنے بیٹھا ہوں۔“ وہ بھی ایک اذیل گھوڑا تھا اس نے بھی نجان لی تھی منتہی کا دل جیت کے رہے گا اسے تمام تر جذباتوں اور محبتوں سے حاصل کرے گا۔

”پھر فضول کی بات کر رہے ہیں۔“

”میں کوئی فضول نہیں بول رہا ہوں جلدی جلدی کھانا شروع کر، عشاء کی نماز نکالے گی تم پھر مجھ پر خفا ہو گی اور میں اس بار تمہاری خفگی نہیں سہہ سکتا ہوں۔“ اس نے لقمہ منہ میں رکھا۔

”نماز کیا آپ صرف میرے کہنے پر پڑھتے ہیں اور میری خفگی کی آپ کو فکر رہتی ہے اللہ کی نہیں کہ وہ ناراض ہوتا ہے نماز ادا نہ کرنے پر۔“ وہ اسے لاجواب کرنے لگی۔

”اللہ تعالیٰ مجھ سے دیکھو راضی ہی تو ہے جب ہی تو اس نے مجھے تم جیسی کوئل نرم و نازک سی لڑکی بیوی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے
- ☆ کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف
- ☆ سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، ہائر کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور
- ☆ ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے
- ☆ کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کے طور پر دی ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں مخمور انداز سے دیکھتے ہوئے بولنے لگا۔ منتہی نے جھینپ کے نگاہ اپنی پلیٹ پر جمادی جہاں وہ چادلوں کو چنچ سے آگے پیچھے کر رہی تھی۔

”اس مالک کا احسان ہے کہ مجھے سب کچھ دیا ہے بس کچھ پر اہلزی ہیں چند دن کی دیکھنا تم اور میں کتنے خوش رہیں گے۔“ اس نے پُرسوج انداز میں مسکرا کے کہا۔

”سنو... سنی مون کہاں کارکھنا ہے فرانس امریکا لندن جو تم کو؟“

”پلیز آپ کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کریں میں بات آپ سے کیا کرتی ہوں اور آپ شروع کہیں اور کی کر دیتے ہیں۔“ وہ غصیا کے چہرے کے منہ بنانے لگی۔

”کیا کروں جانم جب تک میں تمہیں اپنی تمام فیلنگ کے ساتھ چھو نہیں لوں گا میں ایسی ہی ادھر ادھر کی کرتا رہوں گا۔“

”مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی ہے کھر چلیں۔“ وہ زچ ہو گئی۔

”مجھے تو تم سے بار بار بات کرنی ہے مائی لو۔“ حمود خاں صارومینک ہو رہا تھا۔ منتہی کو اس کے ایسے انداز سے شرم و گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

”کیوں آپ خوابوں کی دنیا سجائے بیٹھے ہیں دیکھئے آپ کے پاس کچھ نہیں ہے سوائے سراب کے کیوں خود کو خواہ کر رہے ہیں جو منزل ہے اسے حاصل کریں میں صرف پینا ہوں جو نوٹ کر بکھرے گا۔“

”اف مائی گاڈ..... تم کیسی بیوی ہو اپنے شوہر کو کسی غیر لڑکی کے حوالے کر رہی ہو۔“ حمود کو اس پر تیرا لگی ہوئی تھی۔

”اس لئے کہ میں اپنی حیثیت کا تعین کر چکی ہوں۔“ وہ لب بھینچ کر بولی۔

”جب تم میری گاڑی میں ٹکس کے بیٹھی تھیں جب تعین کر کے نہیں بیٹھی تھیں۔“ اس نے لا جواب کیا۔

”جب مجھے صرف اپنی عزت کا تحفظ چاہیے تھا۔“

”زندگی بھر کا تحفظ دینے کا وعدہ کیا ہے محبت و پیار بھی اتنا ہی دوں گا کہ تم گھبرا جاؤ گی۔“

”کل کی باتیں بھول گئے بابا کی آپ کی نیکسٹ سنڈے کو منگنی ہے۔“

”ہاں پتہ ہے آ جانا تم بھی۔“ وہ جیسے سیریس لینا ہی نہیں چاہ رہا تھا یا پھر اہمیت دینا نہیں چاہتا تھا۔

”مجھے کوئی ضرورت نہیں پڑی ہے آپ کی منگنی میں آنے کی۔“

”صاف کہو جملیں ہو رہی ہے شوہر کی دوسری لڑکی سے منگنی کرنے پر۔“ حمود اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا کہ وہ کہہ دے۔

”حمود سالار میرا دل اتنا بڑا نہیں ہے۔“

”کتنی عجیب منی کی جی ہو تمہیں کوئی فکری نہیں ہے کہ میری منگنی میرے بابا کو وار ہے ہیں۔“ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لئے۔

”نہیں کھانا مجھے اور چلو میرا دماغ مت پکاؤ۔“ وہ سننے اور ماننے کے موڈ میں تھا ہی نہیں، منتہی نے بھی کچھ نہیں کہا، افسردہ سی اس کے پیچھے چلنے لگی، حمود اس سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا، گاڑی جتنے سپاٹ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا، منتہی کا دل اور بے چین ہو گیا تھا، یہ اگر روٹھ گیا تو زندگی بھی روٹھ جائے گی۔

”آپ..... ناراض بالکل اچھے نہیں لگتے ہیں۔“ اس نے آج پہلی بار خود ساختہ حرکت کی تھی حمود کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔ حمود کو حیرانگی کا جھٹکا لگا تھا مگر وہ پھر بھی ہنوز سامنے دیکھ کر گاڑی چلا رہا تھا۔

”یعنی ایسی ڈوز دے کر مقررہ قدموں میں آ سکتی ہیں۔“ دل خوش ہونے لگا۔ وہ باتیں کرتی رہی مگر حمود نے ایک بات کا جواب نہیں دیا۔ اسے اتار کر ایک دم ہی گاڑی ڈرائیو کر کے لے گیا، منتہی افسردہ اور مغموم سی ہو گئی۔

.....

”میں کیوں خالی اس سرورمہری اور بے زنی کی آگ میں جلوں، تم بھی برابر کی جلوگی کیونکہ میں نے تمہارا بہت خیال کیا ہے اب تک۔“ وہ اس کا راستہ روک کے پھر اس سے دوبارہ تھا، عنایتہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے نرم اور پیار سے انسان کا ایسا کھر درالب و لہجہ دیکھ رہی تھی جو ایسا سناک بن گیا تھا۔

”شروع سے تم اپنی چلاتی آتی ہو اب میری چلے گی، میں جو چاہوں گا وہ ہوگا کیونکہ جتنی میں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی تم سب کو اپنے کہنے پر چلاتی جا رہی تھیں۔“ اس کے چہرے پر غصہ اور ناگواریت چھٹک رہی تھی۔ عنایتہ سر اٹھائے گنگ سی دیکھتی رہ گئی، وہ کہیں سے بھی پہلے والا پیار بھری نگاہوں سے دیکھنے والا غلطی نہیں لگ رہا تھا۔

”تم کیوں ہر بار مجھ سے ایسا چاہتی ہو کہ میں تمہارا تمہارے گھر والوں کا خیال رکھتا رہوں، تم اگر ایک اشارہ کرو تو میں سر جھکا دوں، تم اگر انکار کرو تو رشتہ توڑ دوں، تم اگر چاہو تو دونوں خاندانوں کو اپنے کہنے پر چلاتی رہو، نہیں اب ایسا میں بالکل نہیں ہونے دوں گا کیونکہ تم نے میری ماں کو میری دادی کو صرف اپنی مظلومیت اور مصوم اداؤں کے جال میں الجھا کے رکھا ہوا ہے تاکہ وہ تمہارے سحر سے نکل ہی نہیں پائیں لیکن اب ایسا بالکل نہیں ہوگا کیونکہ اب کچھ بھی تمہارے کہنے پر نہیں میرے کہنے پر ہوگا کبھی تم۔“ وہ ایک ہی سانس میں ایسے جملے اور الفاظ بولتا گیا تھا جو عنایتہ کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ گئے تھے، دل کی دنیا میں ایک بالکل ایک طوفان آ گیا تھا، محریب کے ایسے کئیے انداز آج سے پہلے کبھی بھی اس نے نہیں دیکھے تھے۔

”اب اگر تم نے کوئی بھی فضول کی شرط رکھی یا یہ نکاح کو توڑنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا عنایتہ محریب احمد! میں یہ بھول جاؤں گا کہ تم میرے لئے پہلے کیا تھیں اور کیا ہو۔“ وہ منھیاں بھیچے ہوئے اسے ایک ایک لفظ جتا رہا تھا۔

”میری زندگی کو تم نے تماشہ بنایا ہے، میری خاموشی کا تم نے فائدہ اٹھایا، یہ ہاں ناں کا چکر چلا کر تم نے

”اسی لئے تو کہہ رہی ہوں جو بابا کی مرضی ہے اس پر سر جھکا کر راضی ہو جائیں۔“ منتہی کو اندازہ تھا کہ اس کا غم وہ اندر ہی اندر تھلا رہا ہوگا، اس نے اپنی نگاہ چڑھالی تھی۔

”ادھر میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تم بھی یہی چاہتی ہو کہ میں جمنی سے منگنی کر لوں۔“

”یہ فضول کی باتیں مت لے کر بیٹھا کریں جو حقیقت ہے کیوں آپ ان سب سے انجان بن کے بیٹھے ہوئے ہیں، پتہ ہے اگر آپ نے منگنی نہیں کی تو آپ کے بابا ایک قیامت مچا دیں گے، میں نے سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔“ اس نے حمود کو تیز لہجے میں کہتے ہوئے گھورا۔

”میری مرضی میں منگنی کروں یا نہ کروں، تم کیوں مجھے اتنا فورس کر رہی ہو۔“ وہ بھی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”آپ بات کو سمجھتے تو ماں باپ کی خوشی میں ہی بھلائی ہے، کیوں آپ سمجھ نہیں رہے ہیں۔“ وہ رو ہاکی ہونے لگی کیونکہ وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

”چپ کر جاؤ میرا دماغ درد کرنے لگا ہے تمہاری ان فضول کی باتوں سے اٹھو چلو تمہیں ڈراپ کر دوں۔“ اسے شاید زیادہ ہی غصہ آ گیا تھا جو ایک دم ہی کھڑا بھی ہو گیا تھا۔

”ہمیشہ کیلئے ڈراپ کر دیں مجھے۔“

”شٹ اپ..... میرا دماغ مت گھماؤ سمجھیں۔“ چیئر کھسکائی، دیگر کو اشارے سے بلایا اور بل پے کیا، کچھ بھی تو دونوں نے ابھی تک کھایا نہیں تھا۔

”ابھی ہم نے کھانا کب کھایا ہے سب اسی طرح رکھا ہوا ہے۔“ اسے پیسے فضول دینے پر اعتراض ہوا، کیونکہ جتنا بھی کھانا منگوایا تھا وہ جوں کا توں پڑا تھا البتہ حمود نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالے تھے مگر بحث میں ایک لقمہ بھی منہ میں نہیں رکھا تھا۔

”تمہارا شو ہر بہت پیسے والا ہے تم اسی طرح میری کمائی تباہ کر داتی رہنا، بعد میں بچوں کے پیپر ز میں تباہ کرنا۔“ غصہ میں بھی وہ شوخی سے باز نہیں آتا تھا، منتہی نے جھینپ کر لب بھیج لئے۔

”بیٹھے کھانا کھائے بغیر نہیں جائیں گے ہم۔“

”تمہاری ایسی باتوں سے میرا کھانا بضم ہو گیا کیونکہ تم میری بات کو سمجھ ہی نہیں رہی ہو، ٹھیک ہے جمنی سے منگنی تو کیا شادی بھی کر لوں گا، اب مجھ سے کسی اچھے کی امید نہیں رکھنا۔“ اتنا درشت اور روٹھا ہوا انداز آج سے پہلے حمود کا کبھی نہیں دیکھا تھا، ناراض تو وہ ہوتا ہی نہیں تھا مگر اس وقت وہ بہت سنجیدہ تھا۔

”پلیز..... بیٹھے ناں۔“ اسے حمود کی سنجیدگی سے ڈر بھی لگا، اگر یہ بالکل ہی لائق ہو گیا تو وہ کیا کرے گی، اس نے جینے کی راہ دکھائی تھی، یہ شخص پھولوں اور رنگوں کی کتنی باتیں کرتا تھا اور وہ سپنوں میں بہت دور تک اس کا ہاتھ تھام کر چلتی چلی جاتی تھی مگر جب چپے مڑ کر اپنی زندگی میں موجود لوگوں کا خیال آتا تو دل اضطراب کا شکار ہو جاتا تھا، اماں کا خیال راتوں کو بے چین کرتا تھا، چاہا نے پتہ نہیں ای کو کیسے رکھا ہوا ہوگا۔

میرا دماغ ساگا دیا ہے کیونکہ کبھی تم شادی کیلئے ہاں کرتی ہو زبردستی لوگوں کے دباؤ میں آ کر تو کبھی تم انکار کرتی ہو سمجھا کیا ہے تم نے مجھے میں کچھ نہیں بولوں گا برداشت کرتا رہوں گا۔ جتنا وہ لاوا آج اکٹھا چاہتا تھا وہ اگل رہا تھا کیونکہ گاڑی میں بیٹھ کر راستے میں تو وہ اپنے دل کی ہنسا اس نکال ہی نہیں پایا تھا۔

رات کو جب وہ جانے کو کہنے لگی تو ابو نے ہی کہا کہ وہ اسے ڈراپ کر آئے وہ تو ویسے بھی اس نام سے آگ بنا ہوا تھا اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیوں اسے اتنا غصہ آ گیا کیسے اپنا ٹیپر لوڑ کر دیا وہ تو اسے دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر آج سارے بند کیوں توڑ دیئے یا پھر جسے ہم زیادہ چاہتے ہیں جب وہ حد سے زیادہ انکسور کرنے لگے تو وہ برداشت نہیں ہوتا ہے اور پھر نتیجہ اس صورت میں ہی نکلتا ہے۔

”ہمارا نکاح ہوا ہے شادی ہوئی ہے سمجھیں یہ دماغ میں بٹھا کر رکھنا اور جس انداز میں بھی ہوئی ہے مجھے پتہ ہے تم تو زبردستی ہی راضی ہوئی ہوگی کیونکہ تمہیں تو دونوں خاندانوں کو ملانا ہے اپنی امی کو راضی کرنا ہے پھر ہی تم اپنی زندگی کی شروعات بھی کرو گی ہے ناں۔“ وہ طنز یہ اور کڑوا ہو گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ اس نے لاک لگا کے رکھا ہوا تھا کیونکہ کوئی بھی آ سکتا تھا اس نے یہ موقع گنوا نہیں تھا۔

”مگر اب چاہیے میرا چچی راضی ہو بھی جائیں تو میں نہیں راضی ہوں گا۔“ محریب نے آج سنگدلی کی اور سنا کی کی حد کر دی تھی۔

”یاد رکھنا ہر بار تمہاری نہیں چلے گی۔“ عنایت کی حالت ایسی ہو گئی کہ اب کمری تو تب گری مگر خود کو سنبھالے ہوئے کھڑی تھی۔

”ایک بات بھی تم نے شامین بھابی کو بتائی یا بعد روی حاصل کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے اچھے کی امید نہیں رکھنا۔“ شہادت کی انگلی اٹھا کر وارنٹک دی۔ ڈرائنگ روم کی چیزیں عنایت کو گھومتی ہوئی لگ رہی تھیں کوئی چیز بھی اس پاس سہارے کیلئے نہیں تھی کہ وہ تھا ہی لیتی۔

”اب مجھے تمہاری پروا نہیں تم مجھ سے کیسا بی بیو کرتی ہو اڑتی ہو یا غصہ دکھاتی ہو۔“

”آپ مجھے ایسا کیوں بول رہے ہیں۔“ حسرت بھری آواز بھگی بھگی نکلی۔

”میں نے صرف آپ سے یہی کہا تھا کہ سب کے سامنے میرے ساتھ اپنا بی بیو ٹھیک رکھیں آپ اتنا مجھے سنانے لگے ہیں۔“

”میں سناؤں گا بار بار سناؤں گا تم بیوی ہو میری اور سخی ہو گی ہر بات۔“ وہ پشت پھیر کے کھڑا ہو گیا کیونکہ اس نام عنایت کی صورت دیکھ کر اس کا دل بے ایمان ہو رہا تھا وہ پتہ شانوں سے ڈھلکا ہوا تھا دروازے کی بالوں کی پوئی آگے پڑی تھی پھر وہ رونے سے سرخ ہو گیا تھا۔

”شروع سے تم نے مجھے انکسور کیا ہے۔“

”یہ غلط ہے۔“ وہ جھٹ بولی۔

”میں پاگل ہوں یا میری آنکھیں نہیں ہیں۔“ اس نے بازو پکڑ کے کھینچا وہ ذال کی طرح اس کی بانہوں کے حصار میں آ گئی محریب کے سینے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی اسے محریب کا یہ رویہ ذرا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ محریب بوکھلا گیا وہ ہنکیوں سے اس کا گریبان پکڑے ہوئے رو رہی تھی وہ کب ایسی پتویشن پر تیار تھا۔

”عنایت! کیا پاگل پن ہے کیوں اتنا رو رہی ہو۔“ اسے شرمندگی بھی ہونے لگی کہ اس نے اتنا کچھ سنایا ہے جو اب اس کا رد عمل تو یہ ہونا ہی تھا۔

”جب اتنی مضبوط نہیں ہو تو کیوں مضبوط بننے کے ڈرامے کرتی ہو۔“ محریب کو اس کے آنسو کوفت اور غصہ میں جٹلا کرنے لگے۔ وہ روئے جا رہی تھی ابھی تک اس کے شانے سے لگی ہوئی تھی آج تو وہ جیسے سب کچھ بھلا کے اس کے پہلو میں تھی اور محریب کو اس لئے عنایت کا نرم و نازک سا وجود مضبوط حصار میں متاع جاں کی طرح لگ رہا تھا۔

”عنایت! اسٹاپ اٹ۔“ اسے چپ کرانے کا ایسا کوئی تجربہ بھی نہیں تھا۔ عنایت کو احساس ہو گیا کہ کیسی پتویشن میں اس کے اتنے قریب تھی نورانی اس کے شانے سے لگ ہوئی شاید رشتہ بند جس کے بعد وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔

”اب کیا مسئلہ ہو گیا ہے۔“ وہ کہہ گیا۔

”سب سے بڑا مسئلہ آپ خود ہیں جب آپ کا دل ہی راضی نہیں ہے تو ایسے رشتے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“ دکھ و غم سے وہ بول رہی تھی۔

”محترمہ! بڑی جلدی آپ کو خیال آ گیا۔“ ٹشو اس کے سامنے بڑھاتے ہوئے طنز سے کہا۔ بھگتی ہوئی آنکھوں سے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تھا ٹشو دیکھ کر ایک دم حیران ہوئی پھر ایک دم سے غصہ سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ محریب نے قطعاً امانے بغیر دوبارہ ہاتھ آگے کر دیا اس نے برہمی سے دوبارہ جھٹک دیا۔

”مجھے نہیں چاہیے آپ کی یہ مہربانی رکھیں اپنے پاس۔“ آنجل سے آنسو پونچھ لئے اور جانے لگی دونوں اس نام ڈرائنگ روم میں تھے کیونکہ وہ اسے گھر ڈراپ کرنے جا رہا تھا کوریڈور سے نکلتے ہوئے مین گیٹ کے ساتھ ڈرائنگ روم تھا محریب کو پہلے ہی غصہ تھا وہ اسے زبردستی یہاں لے آیا تھا۔

”اس کا یہ کیسا پیار تھا

کیسی وہ محبت کرتا تھا

جو خیال کر رہا تھا

مگر چہ کے بھی لگا رہا تھا

وہ دل میں اس کیلئے تڑپ رہی تھی

”عنایبہ! تم کبھی بھی میری بات نہیں سمجھتی ہو! میں کیا چاہتا ہوں کیا میری سوچیں ہیں۔“ وہ اتنا جھنجھلا یا ہوا تھا اسے عنایبہ کا یہ انداز بالکل بچکانہ لگ رہا تھا۔
”تم میری بات کبھی بھی نہیں سمجھو گی! تمہیں میں پہلے تمہارے لیے چھوڑ دوں کیونکہ جس طرح تم روری ہو مجھے قصداً مار ہے گا۔“ وہ دروازہ کھولنے لگا۔

”ساری سچھ آپ میں ہے نا! میں پھر کیسے سمجھ سکتی ہوں۔“ آنسو آنچل سے پونچھ لئے۔
محریب نے باہر دیکھا شکر ہے کوئی نہیں تھا نورانی وہ پورج میں نکل گیا وہ بھی اس کی تقلید میں نکل گئی تھی سارے راستے پھر دونوں میں بات نہیں ہوئی۔ عنایبہ کو حیرانگی کا جھٹکا لگا وہ اندر تک چھوڑنے آیا تھا عنایبہ نے تشکرانہ نگاہ اس پر ضرور ڈالی تھی جو ادا احمد سے بھی وہ مودب انداز میں بات کر رہا تھا معارج سے بھی کچھ ہلکی پھلکی گفتگو کی تھی۔

☆☆☆☆☆

وہ دونوں اپنی پڑھائی میں کافی مصروف تھے مائز اور وشہ کا اکثر جھگڑا بھی ہو جاتا تھا جھگڑا اکثر اس بات پر ہوتا کہ وہ لائنٹ آف کرواتی اور وہ آن کر کے پڑھتا تھا کتنا ہی کبھی اسٹڈی روم جا کے پڑھ کر وہ بھی نہیں سنتا۔ مگر اس دن وشہ سے اچھی خاصی جھڑپ ہو گئی تو وہ بد مزہ سا ہو کر اسٹڈی روم میں آ گیا جہاں محریب بھی آفس کی فائلز پھیلائے بیٹھا تھا۔ مائز کی استغہامیہ نگاہیں انھیں جبکہ محریب کی بھی پڑ سوچ اور تشویش بھری نگاہ اس پر انٹھی کاک پر نگاہ ڈالی وہ بے رحم تھے۔

”آپ! آفس کا کام کر رہے ہیں۔“ مائز نے مخاطب کیا۔
”ہوں کچھ ایسا ہی ہے۔“ وہ بدستور خود کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے بس اتنا ہی بولا۔

”وہ بھائی! وشہ نے آج پھر.....“

”تم چپ کر کے اپنی پڑھائی کرو مجھے بھی کام کرنے دو۔“ اس کا جملہ پورا ہی نہیں ہونے دیا درمیان میں ہی نوک دیا۔

”کچھ تو بولنے دیا کریں۔“ وہ ہڈمان کے بولا۔

”ٹھیک ہے تم بولتے رہو میں جا رہا ہوں۔“ اپنی فائلیں سمیٹ کر اپنے کپڑے جھاڑے چہرے پر سختی لئے جانے لگا۔

”پلیز بھائی! اب بس کر دیں ناراضگی لمبی ہو گئی ہے۔“ محریب اس کی بات سے بغیر ہی نکل گیا مائز نے لب بچھنے لئے پڑھائی میں اس کا دل خاک لگتا وہ اٹھا اور محریب کے پیچھے ہی آ گیا وہ اپنے کمرے میں جا رہا تھا۔

”بھائی پلیز! کبھی تو بات کر لیا کریں۔“ اس نے وہائی دی۔

”تمہارا دماغ تو درست ہے اس نائم کیا بات کرنی ہے پڑھائی کرو چپ کر کے پتہ ہے لاسٹ ایئر ہے

رداؤ انجسٹ 36 جنوری 2011ء

یہ تمہارا۔“ اس نے ساتھ ہی سرزنش کی کیونکہ چاہے وہ اس سے ناراض تھا مگر اس کی فکر بھی تھی۔
”مجھے پتہ ہے اگر میں اور آپ چند باتیں کر لیں تو مری بات تو نہیں ہے۔“

”فضول کی شوخیاں مت دکھایا کرو پڑھائی کرو جا کر۔“ وہ کمرے میں چلا گیا۔ مائز اپنے بھائی کی ناراضگی سے اکتا گیا تھا۔

”آپ مجھے پوری رات ایک ٹانگ پر کھڑا ہونے کو کہہ دیں مگر پلیز ناراضگی کو ختم کر دیں۔“ وہ مسکسی صورت بنا کر اس کے سامنے آ گیا۔

”مائز! ہر بات کی حد ہوتی ہے کیوں تم ہر وقت غیر سنجیدہ رہتے ہو۔“ وہ جھنجھلا کے بے زاری سے بولا۔

”آپ مجھ سے کب تک ایسے ہی روڈر ہیں گے؟“

”تم اپنی حرکت جانتے ہو؟“ محریب نے چٹون ٹیکے کئے مائز نے اسے بغور دیکھا جو سنجیدہ بھی تھا۔

”اب تو ہو گئی ہے ختم کریں سب ناراضگی! آپ دیکھئے بھابھو کتنی خوش ہیں وہ تو ذرا بھی مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔“

”تمہاری بھابھو صرف مجھ سے ناراض رہتی ہے۔“ محریب نے تیزی سے کہا کیونکہ عنایبہ کا ذکر اسے کچھ کراں مڑا۔

”خیر آپ سے ناراض ہو کر وہ کہاں جائیں گی! بے چاری آپ کا نام سن کر کانپنے لگتی ہیں۔“ مائز نے مستحکم خیر انداز میں کہا تا کہ محریب کا سوڈ کسی طرح تو ٹھیک ہو جائے۔

”تمہاری بھابھو کو ڈرامے بہت آتے ہیں۔“ وہ اپنا ٹائٹ ڈریس اٹھا کر واش روم میں جانے لگا۔

”خیر آپ کے سامنے تو ان کے ڈرامے سارے نکل جائیں گے اگر رخصتی کیلئے کچھ پلان کروں۔“ مائز نے کن آنکھوں سے دیکھتے ہوئے قدرے توقف کے بعد رک کر اسے دیکھا۔

”اگر کوئی بھی فضول حرکت کے بارے میں تم نے سوچا تو یاد رکھنا مائز! میں واپس امریکا روانہ ہو جاؤں گا پھر ڈھونڈتے رہنا تم سب مجھے مڑ کے نہیں دیکھوں گا۔“ وہ اتنا غصہ میں آ گیا تھا مائز ہکا بکا سارہ گیا۔

”بھائی! آپ اتنا غصہ کبھی کرتے تو نہیں تھے اب آپ کو اتنا کیوں آنے لگا ہے۔“ مائز کی آواز میں حسرت اور افسردگی تھی۔

”اتنا کبھی مجھے کسی نے غصہ دلایا نہیں ہے میری مرضی کے خلاف مجھے بلیک میل کیا تم نے“ بھری محفل میں میرا تماشا بنایا تم نے اور مزید تم بنانا چاہتے ہو۔“ اس نے کپڑے بیڈ پر ڈالے اور چہرے پر درشتی لئے اس پر برہم ہو رہا تھا۔

”آپ دادی جان کی خوشی کا احترام نہیں کرتے یا پھر آپ کو بھابھو سے محبت نہیں ہے۔“ اس نے بہت پوچھا۔

”دادی جان کیلئے میری جان بھی حاضر ہے مگر تمہاری بھابھو نے جو سلوک میرے ساتھ شروع سے رکھا ہوا

رداؤ انجسٹ 37 جنوری 2011ء

ہے تم بھول گئے ہو۔

”میں نے صرف اسے ہی دیکھتے ہوئے اتنا بڑا اسٹیپ لیا تھا کیونکہ آپ بھی جانتے ہیں میرا چچی سے کچھ بھی بعید نہیں ہے، وہ بتا رہی تھی وہ تو مجھ سے خار کھاتی ہیں، جانے کیا سمجھتی ہیں وہ مجھے۔“ اس نے محریب کو نرم پڑتے دیکھ کر بات کو آگے جاری رکھا تاکہ آج دونوں بھائیوں میں صلح کی فضا تو قائم ہو جائے۔

”وہ جو سمجھتی ہیں میں سب جانتا ہوں مگر مجھے تو افسوس تمہاری بھابی پر ہے اس نے مجھے کیا سمجھا ہوا ہے اپنے فیصلوں پر چاہتی ہے میں سر جھکاتا جاؤں اور کچھ نہیں بولوں۔“ اسے عنایت پر جتنا غصہ آ رہا تھا مانز بھی جانتا تھا۔ اس نے صرف یہی سب سوچ کے دونوں کو نکاح جیسے منصوبہ بند صحن میں باندھا تاکہ کوئی بھی انہیں الگ نہیں کر سکے حتیٰ کہ یہ دونوں خود بھی۔

”ارے اب تو بولنے کے دن آئے ہیں آپ کے بولے ڈنکے کی چوٹ پر بولے بلکہ ایسا کریں کسی دن بغیر رخصتی کے ہی بھاؤ کو گھر لے آئیے۔“ مانز کی شوخی عود کر آئی۔

”فضول مت بکا کرو۔“ اس نے گھوراؤ دے جھینپ بھی گیا۔ مانز خفیف سا ہو گیا مگر پھر خود کو سنبھال بھی لیا کیونکہ محریب کا موڈ شکر ہے کچھ تو ٹھیک ہوا تھا۔

”اب نکلو یہاں سے اور پڑھائی کرو جا کر مجھے نیند آرہی ہے۔“ بند سے پھر اپنا ٹائٹ ڈریس اٹھایا داش روم میں چلا گیا۔ مانز کے لب مسکرانے لگے اس کے بھائی نے کچھ تو اس سے اپنے دل کی بات شیئر کی تھی۔

”کئے نہیں تم۔۔۔۔۔“ ڈریسنگ براپنا موبائل رکھنے لگا۔

”او کے چلتا ہوں اب تو ناراضگی غصہ ختم ناں۔“ اس نے محریب پر لاڈ سے پیچھے سے بازو ڈالا اور تائید بھی چاہی۔

”بس بس نکلو یہاں سے۔“ اس نے ہاتھ پکڑا اور باہر نکال دیا۔

.....

اس دن کے بعد سے وہ اور ہی بے چین اور بے سکون ہو گئی تھی کسی بھی کام میں دل نہیں لگتا تھا ہر وقت محریب حواسوں پر سوار رہتا تھا وہ اس سے کتنا بدظن ہو گیا تھا محریب کی ایک ایک بات اور درشت انداز سب کتنا اگڑا رہا تھا۔ کب سے کروٹیں بدل رہی تھی پہلے صرف ایک فکر تھی امی ناراض ہیں اور اب اس کا مجازی خدا اس کی ناراضگی اور غصہ زیادہ دکھ دے رہا تھا۔

”میں کیسے آپ کو سمجھوں میری خود سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں اور سوچتے ہیں مگر آپ میرے متعلق بہت غلط سوچ رکھتے ہیں۔“ وہ خود سے دل ہی دل میں ہنسنے لگی۔

محریب کے ایک ایک جملے میں اتنی آگ اور ناگواری تھی عنایت کو لگ رہا تھا کسی دن بھی وہ کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھائے۔

”کیا کروں اگر کچھ ایسا ویسا کر دیا۔“ گھبرا کے اٹھ کر ہی بیٹھ گئی دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہو رہی تھی۔ کل تک صرف وہ سوچوں میں شامل تھا آج وہ اس پاس بھی دو دو محسوس ہوتا تھا جیسے کان میں پھر دھماکا کے چیخ کے بول رہا ہے اور وہ گھبرا کے اٹھ جاتی تھی۔

”میں کیا کروں؟“ سردونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

کروٹیں بدلے جاری تھی ویسے بھی جب سے وشہ کی شادی ہوئی تھی اپنے کمرے میں دل ہی نہیں لگتا تھا، وشہ اکثر رات دیر تک اس سے باتیں بھی کرتی رہتی تھی اور پھر اسے ہی ڈانٹ کے چپ کرنا پڑتا تھا۔ اطراف میں کبھی کبھی اسنے سناٹے بولتے کہ وہ گھبراہٹ کا شکار ہوتی۔ سمیرا بیگم اپنے پارلر میں ہی بیٹھ کر گزرتی تھیں، جواد احمد آفس میں اور معارج کو اپنی پڑھائی کی وجہ سے کم ہی بات کرنے کی فرصت ملتی۔ یونیورسٹی پھر کو چنگ رات کو بھی جلدی سوچتا تھا واحد شخص کے دن وہ پھر تھوڑی بہت دیر اپنے پارلر میں پھر دادی جان کی طرف چلا جاتا تھا۔

زندگی ایسے لگتا ہے کہ جیسے بے مصرف گزر رہی ہے وہی گردش و ایام ہیں یہاں انہیں وہ زندگی لگتی تو دادی جان کے گھر کی لگتی تھی وہاں جب بھی جاتی وہ سب بھول جاتی تھی اور سب وہ زندگی دل کی ویرانی ہوتی تھی سمیرا بیگم کے مزاج میں ابھی تک بھی تبدیلی نہیں آئی تھی، عنایت پرالہ پھر خود کو سنبھال بھی لیا بھی تو ڈانٹ دیتی تھی۔ جواد احمد الگ مٹا۔ فنانس سانس بھر کے رہ جاتے تھے اپنی شادی کے بعد انہوں نے پرسکون گزاری ہی کب تھی روز آئے دن کے جھگڑے ہی چلتے تھے اور وہ ڈریس بھی اپنے آپ کو لڑتا دیکھتی رہتی تھی وہ جب ہی سے تو اور کم گوی ہو گئی تھی اس کی بچپن کی تمام یادیں وہیں دادی جان کے میں تھیں یہاں بس تھا تو دکھ اور ویرانی اور نفرت ہی تھی، کبھی وہ سب مل کر بنے بولے ہی نہیں تھے۔ بلکہ اسے وشہ کی بھی شادی ہو گئی تھی تو بالکل ہی سمیرا بیگم نے گھر میں توجہ دینا چھوڑ دی تھی عنایت پر ہی پورے گھر کی ذمہ داری تھی، کبھی کبھی وہ سوچتی تو اور زیادہ فکر ہوئی اگر اس کی بھی اچانک کسی دن بھی رخصتی ہو گئی تو اس گھر کو کون سنبھالے گا اسے اپنی ماں کی عادت کا پتہ تھا وہ تو اپنے پروفیشن کو کبھی چھوڑیں گی ہی نہیں جواد احمد کہہ کر کھٹک گئے تھے کہ اپنا پارلر بند کر دو۔

”مجھے تم پر اتنا بار نہیں ہے جواد احمد اگر کبھی مجھے تم نے محتاج کر دیا تو میں کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گی۔“

”سمیرا! تم کبھی تو اچھی بات سوچ لیا کرو بیٹیاں جوان ہو گئی ہیں کچھ گھر پر توجہ دے اپنا یہ شوق بس ختم کرو میرا بزنس ہے کوئی تلاش آدنی نہیں ہوں کہ تمہیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے دوں۔“ وہ تو غصہ میں آ گئے تھے۔

عنایت بھی یہی چاہتی تھی سمیرا بیگم یہ کام بند کر دیں وہ بھی گھر کی ذمہ داریوں کو سمجھیں مگر انہیں تو ضد ہی سوار ہو گئی تھی کہ جواد احمد سے ایک پیسہ نہیں لینا ہے جو کچھ بھی کماتی تھیں خود پر ہی خرچ کرتی تھیں۔ گھر پر سب موجود تھا مگر سمیرا بیگم ان چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتی تھیں، عنایت پر افسردہ اور مایوس ہی انہیں دیکھتی

رہتی تھی جو غصہ کی آگ اور نفرت میں کچھ اچھا سوچتی ہی نہیں تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

”وہ کافی دیر سے کروٹیں بدل رہا تھا جب پریشان ہو گیا تو اٹھ کر باہر آ گیا آفس سے آج وہ سات بجے آ گیا تھا طبیعت میں بے زاری اور پوچھنے پر محسوس ہو رہا تھا۔

”دادی جان سو رہی ہیں۔“ اس نے پکارا۔

”نہیں میرے بچے آ جا۔“ وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ محریب سعادت مندی سے مسکراتا ہوا ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا آج اسے کافی دنوں بعد دادی جان کے پاس فرصت سے بیٹھنے کا موقع ملا تھا اور نہ تو اس نے ان کے پاس بھی بیٹھنا کم کر دیا تھا کیونکہ نکاح کے بعد سے اس کے مزاج میں چڑچڑاہٹ جو آگئی تھی۔

”میں تو تیری صورت کو ترس گئی ہوں میرا بھی خیال کرنا چھوڑ دیا ہے۔“ انہوں نے اپنے لیے چوڑے پوتے پر پیار بھری نگاہ ڈالی جو ان کے ہاتھ تھام کے بیٹھا تھا۔

”مجھے سب سے زیادہ آپ ہی کا تو خیال ہے دادی جان آپ اب ایسے تو نہیں بولتے۔“ وہ کچھ شرمندہ بھی ہو گیا۔

”پھر شکل تک سے تو کیوں ترس رہا ہے۔“

”چلے آج میں آپ کے پاس ہی ہوں بولنے آپ۔“ وہ دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھا۔

”یہ بتائیے اب تو آپ خوش ہیں ناں آپ کی لاڈلی پوتی اس گھر میں رخصت ہو کے آ جائے گی۔“ محریب نے اپنا لہجہ کچھ شوخ بنا کے کہا۔

”ہاں اب تو مجھے کچھ فکر بھی کم ہوئی ہے کم از کم میرا اب تو اپنی نہیں چلائے گی۔“

”کہتے تو ابھی رخصت کرا کے لے آؤں۔“

”اب میں ایسا بھی نہیں چاہتی ہوں باقی کام راضی خوشی ہوں تو زیادہ اچھا ہے۔“ دادی جان نے جھٹ کہا۔

”بات بھی کرتا ہے تو عنانہ سے یا نہیں؟“

”دادی جان! پوری رات کرتے ہیں۔“ مائز نے لقمہ دیا جو اس نے بھی اندر آتے ہوئے سن لیا تھا۔ محریب نے خوشگلیں نگاہوں سے اسے گھورا کیونکہ مائز کی زبان کو لگام دینا اب مشکل ہی تھا۔

”ارے بچے تو رات کیوں خراب کرتا ہے اپنی بھی اور اس کی بھی۔“ وہ توجہ ہی سمجھ گئی تھیں۔ مائز کو ہنسی آ گئی جبکہ محریب جھینپ گیا مائز کو کڑے تیوروں سے دیکھا۔

”ابھی کہاں رات خراب ہو رہی ہے دادی جان بعد میں کریں گے۔“ وہ بے باکی سے معنی خیز بات بولا۔ محریب دانت پیستے ہوئے غرایا۔

”مائز! فضول کی بکواس بند کرؤ۔“ وہ تو شکر تھا شاید دادی جان نے سنا نہیں تھا کیونکہ اسی وقت رافع

کارڈ لیس لیے اندر آیا تھا۔

”دادی جان! آپ کی لاڈلی پوتی کا فون ہے ہم تو بے کار ہیں سارے۔“ اس نے کارڈ لیس انہیں دیا۔ محریب سمجھ گیا عنانہ کا فون ہو گا دادی جان نے کان سے لگا لیا تھا وہ باتوں میں لگ گئیں۔

”مائز! حد ہوتی ہے بے ہودگی کی۔“

”آپ شرماتے کیوں ہیں اتنا؟“ وہ جیسے شرمندہ ہونا چاہتا ہی نہیں تھا۔ رافع آنکھوں کے ذریعے گھما گھما کے دونوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ مائز کو ڈانٹ پڑے اور وہ خوش نہ ہوا ایسا کب ہوا ہے۔

”تمہاری طرح فضول کی حرکتیں کرتا رہوں۔“

”کیوں میری حرکتوں میں کیا خرابی ہے جلدی بتائیے۔“ مائز نے امان کے بولا۔ دونوں دبی دبی آواز میں بات کر رہے تھے مائز نے ایک زوردار مکار رافع کی پشت پر جڑ دیا۔

”اُف..... امی..... مر گیا۔“ وہ تڑپ گیا۔

”تم کیا یہاں کھڑے تماشا دیکھ رہے ہو۔“ مائز کو اس وقت رافع پر بس چلا تو اس پر چلا یا۔

”سچ مائز بھائی! بہت بھاری ہاتھ ہے آپ کا۔“ وہ پشت پر بمشکل اپنا ہاتھ کسے سہلانے لگا۔

”مائز! انسانوں کی طرح بات کیا کرؤ۔“ محریب نے بھی سرزنش کی۔

دادی جان نے بات کر کے کارڈ لیس رافع کو یاد دہنے سے نہ منہ ہٹا رہا تھا۔

”عنانہ میری طبیعت پوچھ رہی تھی۔“ وہ خوش ہو کے بتانے لگیں۔

”دادی جان! انہوں نے بھائی جان کو پوچھا؟“ مائز اپنی عادت سے باز نہیں آ رہا تھا۔

”سب کی خیریت پوچھ رہی تھی اب کیا وہ نام لے کے پوچھتی۔“ وہ ہنسی تھیں۔ محریب کے گھوڑے کا ذرا بھی مائز پر اثر نہیں ہو رہا تھا وہ کمرے سے نکل گیا۔ عنانہ کا ذکر دل کے اندر اور بے چینی بڑھا دیتا تھا اس نے اپنے آپ کو روک کے رکھا ہوا تھا۔ جانے اس کی سرشت میں اتنا غصہ کیوں ہو گیا تھا مزاج میں چڑچڑاہٹ بھی بہت آگئی تھی۔

”عنانہ! ایک دن آنا تو تمہیں میرے پاس ہی ہے دیکھنا کیسے میں تم سے بدلے لوں گا تم نے مجھے بہت ستایا ہے۔“ کھڑکی میں آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جب وہ آسانی سے مل رہی تھی وہ راضی نہیں تھا اور اب مکمل طور پر اس کی بن گئی تھی تو خود راضی نہیں ہے وہ اسے تمام تر جذبات سمیت حاصل کرنا چاہتا تھا اسے ہنسی ہوئی عنانہ نہیں چاہیے تھی۔

وہ جب اس کے پاس ہو تو صرف اس کی فکر کرے اسے چاہیے وہ محبت کے معاملے میں کچھ خود غرض ہو گیا تھا۔ سارے جہان کا وہ درد لے کر گھومتی ہے مگر اسے اگنور کیا ہوا ہے اور اب وہ اسے اگنور کر رہا تھا۔

سارے حساب چکانا چاہتا تھا جتنا اسے تڑپایا ہے وہ بھی وہی کرنا چاہتا تھا تا کہ اسے احساس ہو محبت جب درد دیتی ہے تو دل کتنا دکھتا ہے۔

وہ جب اس کے پاس ہو تو صرف اس کی فکر کرے اسے چاہیے وہ محبت کے معاملے میں کچھ خود غرض ہو گیا تھا۔ سارے جہان کا وہ درد لے کر گھومتی ہے مگر اسے اگنور کیا ہوا ہے اور اب وہ اسے اگنور کر رہا تھا۔

سارے حساب چکانا چاہتا تھا جتنا اسے تڑپایا ہے وہ بھی وہی کرنا چاہتا تھا تا کہ اسے احساس ہو محبت جب درد دیتی ہے تو دل کتنا دکھتا ہے۔

وہ جب اس کے پاس ہو تو صرف اس کی فکر کرے اسے چاہیے وہ محبت کے معاملے میں کچھ خود غرض ہو گیا تھا۔ سارے جہان کا وہ درد لے کر گھومتی ہے مگر اسے اگنور کیا ہوا ہے اور اب وہ اسے اگنور کر رہا تھا۔

روزنامہ نوائے **42** جنوری 2011ء

روزنامہ تجلی 43 مورچہ 2011ء

”میں جتنا حالات سدھارنے کی کوشش کر رہا ہوں منتہی اتنا بگاڑ رہی ہے میری بات کو سمجھ ہی نہیں رہی ہے۔“

”اس نے زندگی میں دھوکے کھائے ہیں، ظاہر ہے ڈر رہی ہے پھر اسے یہ بھی ڈر ہوگا کہ تم کہیں اچانک سے اسے چھوڑ نہ دو۔“

”میں ساری زندگی اس کے ساتھ گزاروں گا، یار میں کتنی بار بلکہ بار بار اپنی محبت کا یقین دلاتا ہوں اور وہ جواب میں اتنا لبا لبا کیچرہ بھی فلسفہ بولتی ہے کہ میرا دماغ گرم ہونے لگتا ہے۔“ حمود کو لند ڈرنک کے سبب لینے لگا۔

”اچھا اچھا اب خود کو ریلیکس کرو میں تمہاری فیلنگ سمجھ رہا ہوں، کوشش کرتا ہوں کہ وہ تمہاری منتہی میں آجائے۔“

”مگر عنانہ بھابی بھی ساتھ ہوں ورنہ سوچ لے ان کے بغیر تجھے اندر نہیں گھسنے دوں گا۔“

”واٹ..... یعنی اس کی اہمیت ہوئی میری نہیں۔“ محریب تو غصہ میں آ گیا۔

”امی کا آؤ رہے کہ غریب کی بیوی کو بھی خاص طور پر بولوں۔“

”یار حمود! مشکل ہے میں ابھی تک اس سے اتنے فری انداز میں بات نہیں کرتا ہوں کہ اس سے منتہی پر چلنے کو کہوں۔“

”یار! بیوی ہے تیری تو ہر بات بول سکتا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ بچوں کے بارے میں بھی پوچھ لو، کہتے ہو۔ چاہئیں کیونکہ آج کل ان لڑکیوں کو بچوں سے بہت اڑ جک ہے۔“

”فضول مت ہانکا کرو۔“ محریب جھینپ گیا۔

”میں نے تو سوچ لیا ہے تین بچے ہوں گے میرے۔“ حمود نے مسکرا کے کہا۔

”تمہاری طرح کی ایسی گفتگو مجھے نہ پسند ہے نہ کرتا ہوں۔“

”میں بھی کب کرتا ہوں اگر کرنے لگا تو وہ تو مجھے اپنی صورت تک سے ترسا دے گی، کبھی اگر کچھ رومانٹک سا جملہ بول بھی دیتا ہوں تو پسینے آنے لگتے ہیں اسے۔“ حمود کو منتہی کا شرمایا لبا چہرہ یاد آ گیا۔

”تمہاری زبان کو لگام دینا بھی تو بے چاری کو مشکل ہوتا ہے۔“

”وہ تو یار! میں نے خود کو بھی لگام دے کے روکا ہوا ہے اگر کبھی.....“

”میرے خیال میں تم یہ ٹاپک ختم کرو، تم نے جو کہا ہے میں کوشش کروں گا مگر وعدہ نہیں کرتا کیونکہ عنانہ سے میں ڈائریکٹ نہیں کہہ سکتا، امی سے پہلے بولوں گا۔“ اس نے حمود کی بات کاٹ دی۔

”اور ہاں یار! ذرا منتہی کیلئے عنانہ بھابی سے کہنا اپنی امی کے پارلر لے جا کر کچھ اس کی ڈیٹنگ پیٹنگ کروادیں۔“ اسے یکدم یاد آیا۔

”کیا مطلب.....؟“ محریب سمجھا نہیں۔

”ارے وہ لڑکیاں اپنے چہرے کو سنوارتی ہیں ان سے پوچھنا۔“ وہ اسے سمجھا نہیں پار ہاتھا۔

”تم بھی حمود پتہ نہیں کیا کیا سوچتے ہو۔“

”اور ہاں یار! وہ احمد کا کارڈ تم دے دینا میرے پاس نام نہیں ہے۔“ اپنے بیگ سے کارڈ نکالنے جھکا۔

”تم خود دے دینا ورنہ ناراض ہوگا وہ کہ تم کیوں نہیں آئے۔“ اس نے کارڈ ہاتھ میں لیا۔

”میں کال کروں گا اور ہاں آنا ضرور ہے تم سب نے میری قربانی دیکھئے۔“

”حمود یار! فضول مت بولا کرو۔“ محریب نے سرزنش کی۔

”میں صرف امی کی وجہ سے سے قربانی کا بکرا بن رہا ہوں ورنہ زسی تڑوا کر بھاگ سکتا تھا اس لئے نہیں

بھاگ رہا کہ میری بیوی بڑی اصول پرست ہے، ایسے تو وہ مجھے بھی قبول نہیں کرے گی۔“ اس نے مسکسی صورت بنا کے کہا۔

”اب میں چلتا ہوں کیونکہ بابا کی کال مسلسل میرے سیل پر آ رہی ہے، کچھ بعید نہیں کہ فوجیں دوڑا دیں

مجھے ڈھونڈنے کیلئے کہ میں بھاگ تو نہیں گیا۔“ نشو سے ہاتھ صاف کر کے کھڑا ہوا۔

”اور ہاں..... آنٹی سے پلیز آج یہ بھی کہہ دینا جا کے کہ وہ منتہی کو سمجھائیں کہ مجھ سے بات تو کر لے۔“

”سن..... پہلے تو امی تیری منتہی کا سن کر ہی کتنا غصہ کریں گی۔“

”ہاں..... مجھے بھی یہ فکر ہے یار محریب! آنٹی ہاں گھر تو نہیں آجائیں گی۔“ اسے ڈر ہوا۔

”میں امی کو سہولت سے سمجھاؤں گا کیونکہ وہ منتہی بھابی کی حق تلفی کسی صورت گوارا نہیں کریں گی۔“

”یار محریب! تو مجھے آنٹی سے بھی بچالے کچ میں چاروں طرف سے پھنسا ہوا ہوں۔“ حمود کی شکل بہت پریشان سی ہو رہی تھی۔

”اوکے اوکے..... مگر صرف منتہی ہی رکھنا، شادی تک مت پہنچ جانا۔“ اس نے بھی یاد دلایا۔

”شادی تک مجھے پہنچنا بھی نہیں ہے کسی دن بھی بابا کو باتوں میں لے کر ہی بتاؤں گا کیونکہ یہ نام بتانے

کا نہیں ہے۔“ اپنا بیگ اٹھا کر سیل پر دوبارہ کال چیک کی۔

محریب اس کے ساتھ ہی روم سے نکلا، شام کے چھ بج رہے تھے وہ بھی آنس سے جلدی ہی نکلا کیونکہ امی سے کہنا تھا عنانہ کو لے جانے کیلئے اور خود سے وہ بولنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ یہ بھی سوچ رہا

تھا کہ اب اسے ہی اپنے سارے مسئلے خود ہی سلجھانے ہیں مزید گھروالوں کو اپنی وجہ سے تنگ نہیں کرے گا، عنانہ سے جب نکر لی ہے تو وہ بھی اس کی برداشت دیکھنا چاہتا تھا کتنی ہے۔ اب تو سوچ

لیا تھا عنانہ کو اتنا تنگ کر کے اپنا پابند بنائے گا کہ اسے کچھ سوچنے کا نام ہی نہ مل سکے وہ اسی میں الجھ کے رہ جائے۔

”عنانہ! تمہیں میں اپنا عادی بنالوں گا۔“ نئی سوچ کو پروان چڑھایا تھا۔

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 21 -

سلسلے وار ناول

جماعت اولیٰ



ڈورنیل پر ہاتھ رکھ دیا تھا دو منٹ گزرے تھے گیٹ پر معارج تھا اسے دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا۔
 ”آئیے محریب بھائی.....!“ وہ بہت خوش بھی ہو رہا تھا۔
 کوریڈور عبور کر کے وہ اندر آیا سانسے کوئی نہیں تھا سمیرا بیگم تو اپنے پارلر میں ہی ہوتی تھیں۔
 ”بیٹھے..... میں آپ کو بلاتا ہوں۔“

محریب لاؤنج میں ہی بڑے صوفے پر بیٹھ گیا نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ بڑے بڑے صوفہ سیٹ درمیان میں قالین ٹی وی ٹرالی اور رائٹ سائیڈ پر کونے میں کارنر جس پر ڈیکوریشن پیمز رکھے ہوئے تھے۔ اس کی نگاہیں جائزہ لیتی رہیں۔

جب سے معارج نے اسے بتایا تھا محریب آیا ہے وہ تو گھبراہٹ کا شکار ہو گئی کیونکہ یوں اچانک نکاح کے بعد آج وہ پہلی بار آیا تھا۔

”پتہ نہیں کیا بات ہے ابو بھی گھر پر نہیں ہیں۔“ وہ کاسنی پر غصہ دوپٹہ شانوں پر برابر کرتی گھبرائی ہوئی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ محریب کی نگاہ اس پر جا کر ٹک گئی جو سراپا سوال بنی اس کے سامنے تھی پلکوں کی لرزش واضح تھی نگاہ صرف ایک بار ہی ڈالی۔ وہ بھرپور استحقاق انداز میں اس کا ایک ایک نقش نگاہوں میں سمور رہا تھا۔ گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں سلام کرنا تک بھول گئی جب محریب نے سلام کر کے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔

”کیسی ہو؟“ آج تو سارے ہی انداز جدا تھے نگاہوں میں بھی لگاوٹ اور لہجے میں بھی واضح تھی۔
 عنائے نے چونک کر نگاہ اٹھائی دونوں کی نگاہیں آپس میں ملی تھیں اس نے پھر پزل ہو کر سر جھکا لیا۔
 ”ٹھیک ہوں۔“

”بیٹھو۔“ وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگا۔ عنائے بچھلی کوئی بات بھولی تو نہیں تھی کتنے کاٹ دار جملے طے کر کے ساتھ ادا کیے تھے۔

”چاچو نہیں ہیں گھر پر؟“
 ”جی..... وہ ابھی آفس سے نہیں آئے ہیں۔“ آہستگی سے گویا ہوئی۔

”ہوں.....“ اس نے لمبا سانس لیا۔
 ”کل تم کہیں بڑی تو نہیں ہوناں؟“

”جی.....“ پھر چونک کر سر اٹھایا محریب کی آدمی باتوں سے اکثر وہ ڈرجاتی تھی۔
 ”کل جمود کی منگنی ہے اس نے تمہیں بھی بلایا ہے۔“

”منگنی.....“ وہ حیرانگی سے زیر لب بولی۔

”مگر ان کی تو شادی ہو گئی ہے منگنی سے۔“

”وہ مجبوری میں کر رہا ہے حالات تم جانتی ہو اس کے گھر کے کیسے ہیں صرف اپنے بابا کی وجہ سے وہ

رہے گا۔“ وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔ محریب آج اس سے نارمل انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔
 ”وہ منگنی..... اس کا کیا ہوگا؟“ اسے یہ بات ذرا پسند نہیں آئی۔

”منگنی اس کی بیوی ہے ظاہر ہے اسے اپنی بیوی سے محبت ہے اسے چھوڑے گا تھوڑی۔“

”مجھے آپ مردوں کی لاجک سمجھ نہیں آتی ہے دو دو بیویاں رکھ کر کیوں ان بیویوں پر ظلم کرتے ہیں۔“
 نائیبہ کا لہجہ ناگواری اور ترشی لیے ہوئے ہو گیا۔

”وہ انور ڈکر سکتا ہے دو بیویاں کیا چار بھی انور ڈکر سکتا ہے۔“ اسے عنائے کو تپانے میں اب مزہ نے لگا۔

”پھر منگنی کی کیوں زندگی برباد کی؟“ وہ مشتعل سی ہو گئی۔

”میرے خیال میں دو بیویاں رکھنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے جب ایک سکھ نہیں دے تو دوسری تو لے گی۔“

”اونہہ..... سکھ.....“ دانت پیسنے لگی۔ محریب کو اس کی کیفیت کا اندازہ تھا وہ جواب میں اسے اور بھی کھٹلا ملے بول سکتی ہے۔

”جب دل میں بسی ہو تو

اس کی ہر سانس اپنی
 سانس سے ملی ہوئی لگتی ہے“

وہ خاموشی کا اگر سمندر تھی تو وہ اسی خاموشی کو توڑنا چاہتا ہے آخر اس کے دل میں کیا ہے اس کیلئے وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کتنی شدتوں سے اسے چاہتی ہے۔

”پھر آپ کو کس نے روکا؟ آپ بھی اسی پر عمل کریں جس پر آپ کے دوست عمل کر رہے ہیں۔“
 نائیبہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی سے گویا ہوئی۔ محریب اس کی صورت بغور دیکھنے لگا، مبہم سا استہزاء ایہ تبسم ملی بکھرا۔

”اگر ضرورت پڑی تو ضرور ایسا کروں گا۔“ عنائے نے حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی جو مسکرا رہا تھا وہ

بران رہ گئی محریب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ۔

”تم جیسی ہو ایسا پوز کیوں نہیں کرتی ہو کیوں خود پر پردے ڈال کے بات کرتی ہو۔“

”میں صاف اور کھری بات کرتی ہوں آپ کو ہی سمجھ نہیں آتی ہے۔“

”یا پھر میں بے وقوف ہوں یا تم زیادہ عقلمند ہو۔“ طنز ہی کیا۔ عنائے لب بھینچ کے رہ گئی وہ گھر آیا تھا وہ بھی

بلی بار جب سے دونوں نکاح کے بندھن میں بندھے تھے۔

”میں نے کبھی خود کو عقلمند سمجھا ہی نہیں ہے۔“

”جب ہی تو تم ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی ہو کہ کیا کرنا ہے ادھر رہنا ہے یا ادھر۔“ وہ

لا جواب کرنے لگا۔ عنائہ دل موس کے رہ گئی، محریب کتنی کھلی گفتگو کرنے لگا تھا کوئی بھی یقین نہیں کرے گا وہ کتنا کٹیلا ہو گیا ہے۔

”اینی دیز..... میں صرف اس لئے آیا تھا کہ تم کل آٹھ بجے تیار رہنا اور منتہی بھابی کو میں دن میں ہی یہاں چھوڑ جاؤں گا، تم انہیں اپنی امی کے پارلر میں لے جا کر کچھ سنوار دینا، ایسا حمود نے کہا ہے جبکہ سنوارنے کیلئے پارلر کی ضرورت کیا ہے، زندگی سنوری ہو تو سب سنوارا ہوا لگتا ہے۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔

”لے آئیے گا..... مگر منتہی کیوں جائے گی اور کس دل سے جائے گی، یہ آپ نے سوچا اس کے دل پر کیا گزرے گی۔“ اسے محریب پر غصہ آنے لگا۔

”یار! میں کیا کر سکتا ہوں جب اس کا شوہر کہہ رہا ہے تو۔“ عنائہ جھینپ گئی کیونکہ اس نے یار جو کہہ دیا تھا اور ایسی بے تکلفی، وہ توقع تو نہیں رکھ سکتی تھی۔

”کس دل سے وہ جائے گی۔“ عنائہ کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں جب کہا اس نے ہے تو کیا کر سکتے ہیں ہم۔“

”مجھے جلدی ہے میں چلتا ہوں کل آٹھ بجے تیار رہنا۔“

”میں پہلے ابو سے پوچھوں گی۔“ وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

”واٹ..... تم چاچو سے پوچھو گی، کیوں میں تمہیں خود اپنی مرضی سے کہیں نہیں لے جا سکتا۔“ وہ ایڑیوں کے بل گھوما۔

”میں نے جانے سے منع تو نہیں کیا۔“ نگاہ ڈرتے ڈرتے اٹھائی۔

”تم کبھی بھی نہیں سمجھنا مجھے سمجھیں۔“

”آپ خواہنا اتنا مشتعل ہو رہے ہیں میں اب ایسے تو نہیں کر سکتی کہ ابو کو بتاؤں بھی نہیں اور آپ کے ساتھ چل پڑوں۔“ عنائہ کو کبھی کبھی محریب نا سمجھ میں آنے والی چیز لگتا تھا۔

”میں نے جب اپنے گھر میں ذکر نہیں کیا کہ میں تمہیں لے کر جاؤں گا حمود کی منگنی میں تو تم کیوں مجبوری ظاہر کرتی ہو۔“

”آپ بات کو سمجھ تو لیا کریں آپ کا صرف مجھ پر حق نہیں ہے میرے گھر والوں کا بھی ہے۔“ وہ تیز لہجے میں بولی۔ محریب نے بغور اس کا سپاٹ چہرہ دیکھا جو اس لمحے خاصی غصہ میں لگ رہی تھی، یہاں وہ موجود تھی تو کتنی اعتماد سے اس سے مخاطب تھی۔

”اونہہ.....“ وہ گھورتا ہوا تیزی سے جانے لگا، عنائہ گھبرا گئی اور پیچھے دوڑی تھی۔

”سنیے..... بات تو سنیے۔“

”کل آٹھ بجے تیار ہو جانا۔“ وہ گیٹ کھول کر نکل گیا تھا۔

محریب جتنا سمجھدار تھا اب وہ اتنا ہی غصے والا ہوتا جا رہا تھا۔ عنائہ کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ پاتا تھا۔ زندگی اسے ہی جانا تھا وہ اس کی زندگی میں کتنی اہمیت رکھتی تھی مگر لگتا تھا وہ لاعلم ہی تھی، محبت وہ شدتوں سے کر رہا تھا، خود محبت ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتا تھا مگر اس کی بے اعتنائی اسے بہت غصہ دلاتی تھی۔ گاڑی وہ اشارٹ کر چکا تھا، عنائہ نے اسے جاتے ہوئے کہا تھا ایک لمحے کو مڑا تک نہیں تھا۔

☆.....

ایکزام تو دونوں کے ہی ہو رہے تھے، فائق نے ریڈیو جوائن کر لیا تھا، مائز نے ابھی نہیں کیا تھا کیونکہ وشہ سے کرنے ہی نہیں دے رہی تھی۔

وہ گلاسز کہیں رکھ کر بھول گیا تھا، یعنی کو اس نے ڈھونڈنے میں لگایا ہوا تھا اور وہ خود جھنجھلایا ہوا بیٹھا تھا، پردے کر آیا تھا تو شاید نیچے ہی بھول گیا تھا کیونکہ تھکن کی وجہ سے نیند بہت آرہی تھی۔

”تم سے ایک کام کہا اور تم نے ابھی تک نہیں کیا۔“ وہ جھنجھلایا ہوا یعنی پر برہم ہونے لگا جو مسلسل اس کے گلاسز ہی ڈھونڈ رہی تھی اور اس کی ڈانٹ بھی سن رہی تھی۔

”رکھتے آپ ہیں اور غصہ بھی ہم پر کرتے ہیں۔“ وہ روہانسی ہونے لگی تھی۔

”جلدی ڈھونڈو میرا شو بھی ہے چھ سے سات کا۔“ وہ دھڑ سے صوفے پر بیٹھا تھا۔ یعنی نے اس کا کمرہ، رنج سب ہی دیکھ لیا تھا، ناظمہ بھی ڈھونڈنے میں لگی تھیں، فائق بے زار سا بیٹھا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے یہ گھر میں اتنا بھونچال کیوں آیا ہوا ہے؟“ مائز نے حیرانگی سے ان کی حرکات و سانات دیکھی۔

”فائق بھائی کا گلاسز نہیں مل رہا ہے۔“

”اوہو..... آنکھیں رکھ کر بھول گیا میرا بھائی۔“ وہ شوخی سے بولا۔

”یار! دل رکھ کے تو نہیں بھولے۔“

”مائز! فضول کی بکواس ہر وقت نہیں کیا کرو۔“ اس کی سرگوشی پر وہ تپ گیا۔

”لیجیے مل گیا۔“ یعنی کو بالآخر مل ہی گیا۔

”کہاں سے ملا؟“ فائق نے لپک کر لیا۔

”ڈائمنگ ٹیبل پر رکھا تھا آپ نے کھانا کھایا ہوگا وہیں رکھ کر بھولے ہوں گے۔“ وہ بولی۔

”آئندہ خیال سے رکھنا، یہ کیا بہن پر چیخنا شروع کر دیا۔“

”چچی جان یہ تو بہن ہے بیوی آئے گی تو اس پر تھوڑی چیخے گا۔“ مائز کو پھر شوخی سو جھی، وہ فائق کو بیڑنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہے ہیں مائز بھائی آپ ہوگا بھی یہی۔“ یعنی تو پہلے سے ہی بہت تپتی ہوئی تھی اس کی تائید نے لگی۔

”یعنی! تم بھی شروع ہو گئیں۔“ فائق کے چتون تن گئے۔
 ”امی! آپ ان کی جلدی شادی کیجیے گا ہر بات میں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، استری ٹھیک نہیں
 کی برتن ٹھیک سے نہیں دھلے، دیکھو ہر جگہ کتنی دھول ہے۔“ اسے بھی جلے دل کے پھپھو لے پھوڑنے کا
 موقع ملا تھا۔ فائق کھسا کر اٹھا کیونکہ اسے شو کرنے جانا تھا، تیار بھی ہونا تھا۔ جلدی سے فریش ہو کر وہ
 نیچے آیا تھا۔
 ”السلام علیکم.....“ اس نے مبینہ کو دیکھ کر مودب بن کے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام! جیتے رہو۔“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ بھی پھیرا، بڑی امی بھی وہاں بیٹھی تھیں، لگتا تھا
 کسی ضروری مسئلے کے ساتھ آئی تھیں۔
 ”میں محریب سے ذکر کر دوں گی۔“ بڑی امی نے تسلی دی۔ فائق کے کان کھڑے ہو گئے کہ آخر ایسا کیا
 گھمبیر مسئلہ ہے جس کا ذکر محریب سے کرنے کو کہا تھا۔

اس وقت تو وہ چلا گیا مگر ذہن اس کا الجھ گیا تھا کہ کہیں تہذیب کے رشتے وغیرہ کی تو بات نہیں کرنی ہے
 شوبھی اس نے بہت بے دلی سے کیا تھا، بیک ٹو بیک اس نے زیادہ چلایا تھا۔ نو بجے رات کو گھر آیا تھا، سب
 اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے اس کو کسی طرح بھی پوچھنا تھا کہ مبینہ آنٹی کیوں آئی تھیں۔

”یار فائق! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔“ محریب نے اسے دیکھا تو مخاطب کر لیا۔ فائق
 کچن کی سمت بڑھ رہا تھا، بھوک بہت لگ رہی تھی تو سوچا کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں چلا جائے گا، دو
 پیپر زہ گئے تھے۔

”جی خیریت تو ہے؟“ اس نے اپنے گلاسز کو ناک پر شہادت کی انگلی سے سیٹ کیا۔
 ”تم کل منہ می کو لیکر جواد چاچو کے ہاں چلے جانا۔“

”خیریت تو ہے؟“ وہ چونک کر پوچھنے لگا۔
 ”ہاں یار! وہ پارلر وغیرہ بھیجنا ہے، کل حمود کی مگنی ہے، ٹائم نہیں ہوگا، تم چھ بجے تک لے جانا۔“

”حمود بھائی کی مگنی۔“ فائق کو پتہ تو تھا کہ ہو رہی ہے اور کس سے یہ بھی وہ جانتا تھا۔
 ”یار! یاد سے چلے جانا کیونکہ مجھے کہیں بہت ضروری وزٹ پر جانا ہے۔“ اس نے فائق کے شانے
 ہاتھ رکھا۔ وہ جانے لگا فائق نے پھر اسے پکار لیا۔

”محریب بھائی! آپ سے مجھے ایک بات کرنی تھی مگر آج میں سوچ رہا ہوں کہ کر ہی لوں۔“ وہ
 قدرے توقف کے بعد جھجک کے گویا ہوا۔

”ہاں کرو۔“ وہ بغور فائق کا جائزہ لینے لگا جو کنفیوژ بھی ہو رہا تھا۔
 ”آپ تہذیب کو اس جاب سے منع کر دیں۔“

”کیوں..... کیا ہوا؟“ وہ چونک گیا اس غیر موقع بات پر کہ فائق اور تہذیب کیلئے اتنا پریشان

ہوں ہے۔ فائق نے پھر ساری بات بتادی، فاطمہ کا سارا کیس بھی بتا دیا، محریب حیران رہ گیا کہ وہ
 یوں اتنا بے خبر رہا۔

”یار! یہ سب مجھے تہذیب نے کیوں نہیں بتایا۔“
 ”وہ مجھے ہر بار منع کرتی تھی میں آپ کو نہیں بتاؤں مگر محریب بھائی یہ بہت خطرے کی بات ہے۔“
 ”یار! تم تو مجھے بتاتے اسی وقت، اتنا وقت گزر گیا اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔“ وہ سر پکڑ کے
 رمند سا ہو گیا۔

”پھر مجھے اس لڑکی کا بندوبست کرنا ہی پڑے گا کیونکہ آج مبینہ آنٹی آئی تھیں، کہیں سے اس کا
 شہ آ یا ہے، لڑکے کی دیکھ بھال کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے جبکہ تہذیب شادی سے منع کر رہی
 ہے۔“ فائق تو ہکا بکا سارہ گیا یعنی اس کا شک ٹھیک تھا، وہ سن کے پریشان ہو گیا کہ اس کا رشتہ؟ وہ
 بلو بدل کر رہ گیا۔

”کرتا ہوں کچھ۔“ وہ تو چلا گیا جبکہ فائق ٹینشن میں آ گیا، اتنی جلدی وہ کسی اور کی بتادی جائے گی اور
 می تو وہ ایگزٹام سے بھی فارغ نہیں ہوا تھا۔



ساری تیاریاں اعلیٰ پیمانے پر کی گئیں تھیں، لان میں اتنی پھولوں کی لائٹس کی سجاوٹ تھی کہ ہر کونہ جگہ گارہا
 ما۔ درمیان میں راؤنڈ میں اسٹینج بھی بنایا گیا تھا وہ بھی بڑا خوبصورت طرز پر سجایا گیا تھا۔ حمود بھی نیوی بلیو ڈز
 وٹ میں ڈشنگ لگ رہا تھا، لحمہ بھی پنک کپڑوں میں جدید تراش خراش کے لباس میں خوش تھی مگر حمود کی
 طرے گیٹ پر لگی تھیں کہ محریب اور عنائہ کے ساتھ منتہی کو آتا تھا۔

مہمان بھی آنے شروع ہو گئے تھے، ڈرائنگ روم میں حمی بھی آ کر پہلے ہی بیٹھ گئی تھی، وہ پریشان سا پھر
 ہاتھ۔ ایک گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا حمی کو پھر اسٹینج پر بٹھا دیا تھا۔ حمی بھی فیروز کی لہنگے میں میک اپ اور جیولری
 ن بڑی خوش دکھائی دے رہی تھی، حمود نے بھولے سے بھی نگاہ نہیں ڈالی تھی۔

اس نے محریب کے موبائل پر بھی کال کی تھی مگر وہ بھی پک نہیں کر رہا تھا، اب وہ پریشان ہوا۔
 ”کہاں جا رہے ہو؟“ وہ فکر مندی سے پوچھنے لگیں۔

”امی! مجھے ضروری جانا ہے آتا ہوں میں۔“ وہ کلثوم بانو کو ساتھ لے کر پارکنگ ایریا میں آیا تھا اور گاڑی
 نی تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا کہ لگ رہا تھا وہ جہاز اڑا رہا ہو۔ وہ جانتا تھا منتہی ہی نہیں آرہی ہوگی۔

”آئیے امی.....“ کلثوم بانو اپنا آنچل سنبھالتی حیران پریشان سی اس کے ساتھ چل رہی تھیں کہ یہ ادھر
 کیوں آیا ہے۔

”حمود! مجھے بات تو بتاؤ؟“ انہوں نے حمود کا سنجیدہ چہرہ دیکھا جو منتہی کے گھر کی تیل بجا چکا تھا۔ اتنے
 ہی گیٹ کھلا سامنے مبینہ تھیں، وہ گنگ سی رہ گئیں، حمود اور اپنی ماں کے ساتھ سامنے تھا۔

”السلام علیکم!“ اس نے سلام کیا تھا، مبینہ نے اسے اندر آنے کیلئے کہا تھا۔
”آئی! منتہی ہے یا نہیں؟“ کلثوم بانو نے چونک کر حمود کا چہرہ دیکھا جو بہت فکر مند اور تڑپا ہوا تھا۔
”ہاں بیٹا اندر ہے۔“

”آئی کیوں نہیں منتہی، ہم نے تو اسے حمود کی منگنی پر بلایا تھا۔“ کلثوم بانو بولیں۔ حمود پر اعتماد انداز میں چلتا ہوا کمرے میں آ گیا تھا، منتہی اپنی سوچی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بیٹھی تھی اسے دیکھ کر متوجہ نہ رہ گئی۔

”کیوں تم اتنی ضدی ہو، مجھ پر یقین نہیں تھا یا میں آوارہ ہوں۔“ وہ منتہی کو دیکھ کر پھٹ پڑا۔ کلثوم بانو کو ذرا سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ حمود کیوں اس سے ایسے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

”یہی سوچ کے میں امی کو ساتھ لایا ہوں تاکہ تمہاری بے یقینی ختم ہو۔“ وہ کلثوم بانو کو آگے کر کے بولا۔
منتہی گھبرا گئی، نگاہیں تک شرمندگی سے نہیں مل رہی تھیں، لگتا تھا چھت اس پر آن گری ہو۔
”حمود! ہوش میں تو ہو، کس لہجے میں تم اس سے بات کر رہے ہو۔“

”امی! میں بالکل ٹھیک لہجے میں بات کر رہا ہوں، آپ کی بہو کو اپنی چلائی آتی ہے۔“
”بہو.....“ کلثوم بانو تو ہنسی دق سی رہ گئیں۔ حمود کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگیں جبکہ منتہی کے تو پسینے چھوٹ گئے اس کا سانس رکنے لگا، وہ جانے لگی تو حمود نے اس کا بازو پکڑ کے روکا۔
”کہاں جا رہی ہو.....؟“ حمود کے لہجے میں ایک اطمینان تھا۔
”امی! یہ آپ کی بہو ہے۔“

”حمود! تو کیا کہہ رہا ہے میری کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔“ وہ تودل پکڑ کر بیٹھ گئیں تھیں کیونکہ وہ آج اس کی منگنی کی رسم کرنے جا رہیں تھیں اور وہ کیا کہہ رہا تھا۔
حمود نے شروع سے لے کر اب تک کے سارے ہی قصے انہیں سنا ڈالنے کیسے نکاح ہوا اور پھر منتہی کی ایک ایک بات کہ وہ کس سوچ کی اور عادت کی ہے۔

”آئی! میں ان سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے چھوڑ دیں، اپنے امی اور بابا کی خوشی سے ان کی مرضی سے شادی کر لیں۔“
”چپ کرو تم۔“ اس نے منتہی کو ڈانٹ دیا۔ وہ لب بھینچ کے رہ گئی، کلثوم بانو کو تو ایسا لگ رہا تھا ان کا دماغ کام نہیں کر رہا ہو۔

”کیوں امی! آپ کو اپنی بہو پسند نہیں آئی.....؟“ وہ التماساً کرنے لگا۔
”گدھے! تو نے مجھے یوں اچانک اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا، میں کیا بولوں۔“ وہ منتہی کو دیکھنے لگیں جو بھل بھل آنسو بہا رہی تھی اس کے چہرے میں تو انہیں کسی اور کا چہرہ بھی نظر آتا تھا مگر کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ یوں ان کے سامنے ان کے بیٹے کی بیوی بن کے کھڑی ہوگی۔

”یعنی آپ کو اعتراض نہیں ہے، دیکھیے امی میں نے آپ کو بالکل سچ سچ بتایا ہے۔“ منتہی کا ہاتھ پکڑ کے امی کے سامنے لے آیا۔

”بیٹا! مجھے کچھ اعتراض نہیں ہے لیکن تیرے بابا..... تو ان کو تو جانتا ہے ناں۔“ انہوں نے منتہی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ منتہی تو حیران تھی کہ انہوں نے نفرت بھرے جملے تک نہیں ادا کیے بلکہ اسے گلے لگا لیا تھا۔

”اتنے مہینے سے مجھ سے چھپایا تو نے۔“ انہوں نے منتہی کے آنسو پونچھے، انہیں تو وہ پہلے بھی بڑی کب لگی تھی، ڈری سہی سی رہتی تھی ان کا سامنا جب بھی کرتی تھی جھجکتی رہتی تھی وہ سمجھ گئی تھیں۔

”دیکھا میری ماں کو کتنی جلدی مان جانتی ہیں اب تو مجھ پر یقین ہے تاکہ میں تمہیں اپنے گھر لے کے جاؤں گا۔“ اس نے منتہی کو مسکرا کے دیکھا، اس نے جھینپ کے سر ہلایا۔

”بابا کو بھی منالوں گا تم فکر نہیں کرو، اگر راضی ہو تو ان کا پوتا یا پوتی آ جائے، پوچھ لیں امی اپنی بہو سے۔“
”بے شرم لحاظ نہیں ہے ماں کے سامنے ایسے بول رہا ہے۔“ انہوں نے حمود کے شانے پر پھٹر لگایا۔
”اچھا جلدی کرو تمہارے بابا نے شور ڈال دیا ہو گا دونوں ماں بیٹے کہاں گئے؟“ انہیں وقت گزرنے کا خیال آیا تو وہ چونک گئیں۔

”اب چلو گی ساتھ یا نہیں۔“ اس نے منتہی سے پوچھا۔
”گدھے! یہ کیوں جائے گی تیری منگنی میں، اپنے شوہر کو ایسے نہیں دیکھ سکتی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ، منتہی تم یہیں رہو۔“ کلثوم بانو نے خود ہی منع کر دیا، اس کی آنکھیں رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔
”جلدی چلو۔“ وہ بولیں۔

”سنو بیٹا! یہ میرا بھی تم سے وعدہ ہے کہ تم میری بہو ہو اور تمہیں اسی گھر میں آنا ہے یہ ذہن میں رکھنا ہے۔“
”جی۔“ منتہی حیران رہ گئی۔

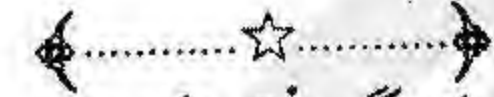
”امی! آپ چلے میں آتا ہوں۔“ وہ خوشبوؤں میں بسا سائیڈ پر ہوا، کلثوم بانو کمرے سے نکل گئی تھیں۔
حمود اس کے قریب آیا، منتہی کے اطراف میں مسوور کن خوشبو پھیل گئی، دل پر جو ایک بوجھ تھا وہ بھی کم ہو گیا۔
نا۔ حمود اپنی بات کا پکا ہی تھا جب ہی تو اس نے اتنے خاص موقع کو بھی نہیں چھوڑا اور اپنی امی کو یہاں لے کے آ گیا۔

”اب تو یقین ہے نا مجھ پر۔“ آنکھوں میں اور لہجے میں شوخی سمو کے وہ پوچھنے لگا، منتہی نے شرمائے وئے انداز میں سر ہلایا۔

”بابا کو بھی منالوں گا پھر دیکھنا تمہیں کتنی شان سے اپنے گھر لے کے جاؤں گا۔“
”آپ بہت اچھے ہیں۔“ آج اس نے کہہ ہی دیا۔

”کیا کہا.....“ وہ تو خوشی سے جھوم اٹھا۔

”حمود! آج تو آ جاؤ بیوی سے کل آ کے مل لینا، کتنی بھی دیر لگانا مگر ابھی چلو۔“ کلثوم بانو کی آواز پر دونوں ہی جھینپ گئے۔ دونوں مسکرانے لگے تھے اس کے رخسار پر اپنی محبت کا احساس چھوڑ کے وہ چلا گیا تھا، منجی نے تو شکرانے ادا کیے تھے کیونکہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا یوں اتنی جلدی حمود اس کیلئے یہ سب بھی کرے گا، سب نے ہی مبارکباد دیں تھی، محریب اسے کہنے آیا تھا چلنے کو مگر اسے بخار تھا تو اس نے منع کر دیا تھا۔



وشہ میکر رہنے چلی گئی تھی کیونکہ مائز کے ایگزٹم ختم ہو گئے تھے ورنہ اس کی سخت ڈیوٹی تھی اس کے ساتھ اسے بھی جاگنا پڑتا تھا یہاں پر آ کر اس نے اپنی تھکن اتاری تھی۔

”پتہ نہیں کیوں دو دن سے میری طبیعت ست ہو رہی ہے۔“ وشہ ناشتہ کرتے ہوئے سمیرا بیگم سے بولی تھی۔

”ابھی سے بچے کے چکر میں مت پڑ جانا تم۔“ وہ جھٹ بولیں تھیں۔ وشہ تو جھینپ گئی، عنائہ نے بھی استفہامیہ نگاہ سے اپنی امی کو دیکھا جو خاصی روکھی ہو رہی تھیں۔

”امی! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“

”اگر ایسی کوئی بات نہیں بھی ہے تو تم چلو میرے ساتھ آج ڈاکٹر سے تمہارا چیک اپ کروالو، تم تو اتنی بے وقوف ہو ابھی سے اس جھنجٹ میں پڑ گئیں تو سارا اپنا ستیاناس کر لو گی۔“ انہیں فوراً فکر ہوئی۔

”وہ تو مجھے تھکن ہو رہی ہے اس وجہ سے طبیعت خراب لگ رہی ہے۔“

”پہلے ایسا ہی ہوتا ہے، گھر جانے سے پہلے چیک اپ کروالو اگر ایسی بات ہے تو کم از کم کچھ ہو تو سکتا ہے۔“

”امی! آپ بھی کیسی بات کر رہی ہیں۔“ عنائہ کو امی کی بات بالکل پسند نہیں آئی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہوں میں یہ تو بے وقوفی میں پڑ گئی اس جھیلے میں تو ہو گیا گزرا۔“

”امی! میں گھر سے چلی جاؤں گی۔“ وشہ ان کی ساری بات سمجھ رہی تھی اور اول تو یہ بات تھی ہی نہیں اور ان کے ساتھ تو کبھی نہیں جائے گی۔

”وہ سب تمہیں پاگل بنائیں گے، تم جان چھڑا کے جانا یہاں سے۔“ سمیرا بیگم تو جیسے ٹھان کے بیٹھی تھیں کہ ایسا کچھ وہ ہونے نہیں دیں گی۔

”جی! اول تو ایسی بات نہیں ہے آپ خواخواہ فکر مند نہیں ہوں۔“ وشہ ناشتے سے فارغ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ سمیرا بیگم نے اسے گھور کے دیکھا جو پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہی تھی۔ وشہ کو اب گھبراہٹ ہونے لگی کہ اس کی امی اتنی سطحی سوچ کی مالک کیوں ہیں اپنی اولاد کی خوشی کا بھی خیال نہیں کرتی ہیں۔

عنائہ کی کوشش تھی کہ وشہ گھر چلی جائے ورنہ امی تو زبردستی کر سکتی ہیں۔ وہ تو شکر ہوا مائز اس دن شام آ گیا۔ سمیرا بیگم کے چتون تن گئے جبکہ مائز نے انہیں بڑے مودب انداز میں سلام کیا تھا۔

”وشہ کو کچھ دن کیلئے اور رہنے دو یہاں۔“ انہوں نے مائز کو مخاطب کیا جو کھانے سے فارغ ہونے کے دلاؤنچ میں جواد احمد کے ساتھ بیٹھائی دی دیکھ رہا تھا۔

”وہ امی! مجھے جانا ہے کیونکہ کافی دن ہو گئے ہیں مجھے یہاں آئے ہوئے۔“ وہ اپنا بیگ تیار کر کے وہاں مالے آئی تھی۔ مائز تو حیران تھا کہ سمیرا بیگم اور اس سے مخاطب تھیں اور لہجہ بھی نارمل تھا، جواد احمد کی فہمائشی اہوں نے ان کے تاثرات جاننے کیلئے بغور دیکھا۔

”رُک جاؤ۔“ اگر سمیرا چچی کہہ رہی ہیں تو۔“ سامنے کھڑی بلیو کائن کے کپڑوں میں ملبوس وشہ کچھیشان بھی تھی۔

”میں صرف ایک ہفتے کا کہہ کر آئی تھی۔“ وہ سمیرا بیگم کے ارادوں سے واقف تھی۔ عنائہ ان سب کے لیے چائے بنا کے لائی تھی اس نے بھی ان کی بحث سنی تھی۔

”کیوں وہ سب تمہارے زیادہ رکنے پر دوبارہ نہیں آنے دیں گے جبکہ تمہارے شوہر نے بھی اجازت دی ہے۔“ وہ طنز کرنے لگیں۔

”کیوں ضد کرتی ہو جب وہ نہیں رُک رہی ہے تو۔“ جواد احمد کو بولنا ہی پڑا، وہ مائز کے سامنے کوئی فضول نہٹ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

”ساری زندگی تم باپ بیٹیوں نے مجھ سے ضد ہی کرنی ہے۔“ انہیں مائز کے سامنے اپنی توہین لگی۔

”ارے وشہ! تم کیوں اتنی ضد کر رہی ہو رُک جاؤ تم اور کچھ دن۔“ مائز تو ان کے ارادوں سے بے خبر تھا، وہ بھی وشہ کو ڈانٹ کے بولنے لگا۔ وشہ بے بس سی لب کھلنے لگی مگر وہ اگر آج رُک گئی تو ضرور قصاص اٹھا سکتی تھی۔

”جب مجھے نہیں رہنا تو آپ کیوں بولتے ہیں۔“ وہ مائز سے لڑ پڑی۔ سمیرا بیگم تو غصے میں بھری وہاں سے چلی گئی تھیں، مائز لب بھینچ کے رہ گیا تھا۔ وشہ کا بھی موڈ خراب ہو گیا تھا، وہ پھر زیادہ بیٹھا نہیں کیونکہ وشہ نے جلدی مچا دی تھی۔

”یہ کیا حرکت تھی تم کیوں پیچھے لگی ہوئی تھیں کہ وشہ رُک جائے۔“ جواد احمد چونک گئے تھے کیونکہ جانے کیوں کچھ گڑ بڑ لگ رہی تھی۔

”بیٹی ہے میری، کیوں نہیں کہہ سکتی کہ وہ رُک جائے۔“ انہوں نے بھی تیز لہجے میں انہیں جواب دیا۔

”سمیرا! اب بس کرو داماد والی ہو گئی ہو، کیوں تم اپنی بیٹیوں کو خود سے بدظن کر رہی ہو۔“ جواد احمد کو سمیرا بیگم پر ترس آتا تھا۔

”وہ مجھ سے کب ٹھیک سے بات کرتی ہیں، تم نے ہی انہیں میرے خلاف بھر بھر کے ایسا کر دیا ہے۔“

لجے میں شکتی اور محرومی، حسرت سب تھا۔

”ایسا تم سوچتی ہو جبکہ ایسی کوئی بات نہیں بیٹیاں تم سے بہت پیار کرتی ہیں۔“ انہوں نے آج پھر انہیں نرم لہجے میں سمجھا کہ ان کے دل کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی۔

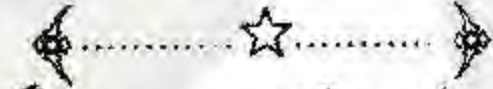
”ایسا تم سمجھتے ہو تم نے دیکھا نہیں وہ کیسے مائز کے سامنے مجھے نظر انداز کر کے اس کے ساتھ چلا گئی۔“

”تم غلط بات کر رہی تھیں کیونکہ وہ ایک ہفتے سے یہاں تھی تم بھی تو کچھ عقل سے کام لو مائز نے اتنے دن چھوڑ دیا یہ بھی بہت ہے تمہاری مروت میں وہ بول رہا تھا وہ شہ سے رک جائے۔“ وہ انہیں سمجھانے لگے۔

”تم پھر روکنے کی وجہ بھی تو بتاتیں۔“

”سوچا تھا اس کا چیک اپ کروادوں گی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“ وہ بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

”اگر ایسا کچھ بھی مسئلہ ہو گا وہاں سب ہیں بھابی ہیں وہ کروادیں گی تم کیوں فکر کرتی ہو۔“ وہ ان کی عقل پر حیران تھے کہ اپنے جھیلوں میں اس کی بھی سب خبر تھی۔



تہذیب کا رشتہ تقریباً سیٹ ہی تھا وہ لوگ رسم کرنا چاہ رہے تھے مگر تہذیب مان کے نہیں دے رہی تھی۔ محریب نے لڑکے کی بھی چھان بین کر لی تھی ایک پرائیویٹ فرم میں معقول تنخواہ پر جاب کر رہا تھا۔

وہ عجیب جھنجھلائی ہوئی تھی صبح سے موسم خراب تھا دو دن سے ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی موسم کچھ سرد ہو گیا تھا۔ آفس میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ سوچ سوچ کے سر درد کرنے لگا تھا۔ دل و دماغ سے فائق کو نکال ہی نہیں پار رہی تھی کہ یہ رشتہ قبول کر لیتی مگر جسے وہ پسند کرتی تھی وہ تو بے خبر ہی تھا کب تک وہ ایسے خود کو خوار کرتی رہے گی۔

چلتے چلتے وہ مین روڈ پر آئی تو دیکھا بارش کچھ تیز ہونے لگی تھی آفس کی گاڑی خراب تھی سب در کر زخوہ ہی گئی تھیں۔ کاسنی کاٹن کا پرغڈ دوپٹہ اچھی طرح خود پر لپیٹ لیا تھا۔ سڑک پر بارش کا پانی جمع ہو رہا تھا بادل بھی خاصے گہرے تھے اس نے نگاہ اٹھا کر آسمان دیکھا اسے ایسے موسم سے شروع سے گھبراہٹ ہوتی تھی کیونکہ سب ہی ایکٹیویٹیز ختم ہو جاتی تھیں اور سڑکوں پر کیچڑ پانی سے اسے چڑ بھی ہوتی تھی۔ مگر اللہ کی رحمت تھی لوگ ترستے ہیں ایسے موسم کیلئے مگر وہ کہتی کہ بارش باعث رحمت بنے مگر زحمت نہ بنے ہر سال لاکھوں کا نقصان بھی ہوتا تھا۔

وہ اسٹاپ پر آ کر کھڑی ہو گئی شام بھی خاصی ہو گئی تھی بارش رک نہیں رہی تھی اس کا حشر بھی خراب تھا رکشہ بھی کہیں نہیں تھا بیس ساری بھری ہوئی آ رہی تھیں۔ بے زاری سے ٹریفک کو دیکھا وہ کوفت میں ہو کر پیچھے ہوئی بلیک گاڑی اس کے قریب رک گئی تھی۔

”آ جاؤ جلدی۔“ فائق نے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔ تہذیب نے چونک کر نا سمجھی میں اسے دیکھا آج

پھر یہاں وہ لینے موجود تھا اور وہ جب ہی آتا تھا جب وہ بہت پریشان بے زاری سی کھڑی ہوتی تھی۔

”میں چلی جاؤں گی رکشل جائے گا۔“ چہرے پر ناگواری لئے سرد مہری سے جواب دیا۔

”فضول کے نخرے نہیں کرو موسم دیکھو کتنا خراب ہے۔“ اسے تہذیب کی اکڑ پر غصہ آیا کیونکہ مبینہ آئی پریشان سی ان کے گھر آئی تھیں اسے ہی بڑی امی نے لینے بھیج دیا تھا جبکہ وہ آنا نہیں چاہ رہا تھا۔

”تہذیب! کھڑی ہو کر اپنا تماشا نہیں بناؤ اپنا حلیہ دیکھو۔“ اس نے غصہ سے کہہ کر اس کے جسم پر چپکے کپڑوں کو طنزیہ دیکھا وہ شرمندہ سی ہو گئی دوپٹہ کھینچ کے ٹھیک کیا مگر شلوار بھی پنڈلیوں سے چپک کر نظارہ دے رہی تھیں وہ یہ تو بھول ہی گئی تھی۔ پھر وہ فوراً ہی بیٹھ گئی مگر یہ کیا، دو نا معلوم افراد نے دونوں کور یوالور دکھا کے گھیر لیا۔ تہذیب کی آنکھیں وحشت سے پھٹ گئیں فائق الگ حواس باختہ ہو گیا تہذیب بے ہوش ہونے کے قریب ہی تھی۔ پیچھے کا دروازہ کھول کے وہ دونوں آدمی بھی بیٹھ گئے۔

”گاڑی اسٹارٹ کرو اور چلاؤ۔“

”کون ہیں آپ لوگ؟“ فائق پھر گھبرا گیا۔ تہذیب تو ڈر کے مارے فائق سے لپٹ ہی گئی بری طرح کانپ بھی رہی تھی ان میں سے ایک آدمی کو پہچان گئی تھی وہ فاطمہ کے شوہر کے ساتھ بھی تھا۔

”حب چاپ گاڑی چلاتے رہو اگر ہوشیاری دکھائی تو یاد رکھنا اس کا بھیجاڑا دوں گا۔“ اس خراٹ اور خوفناک شخص نے فائق کو دھمکی دی۔ اس نے تہذیب کے لرزتے کانپتے وجود کو اپنے قریب دیکھا تو اسے تہذیب پر ترس آیا۔

”اے لڑکی! دور ہو کے بیٹھو اس سے۔“

”نن..... نہیں.....“ اس نے بازو پکڑ لیا۔ فائق کو گاڑی چلانے میں مشکل ہو رہی تھی وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ دور ہو کے بیٹھے کیونکہ تہذیب ڈر رہی اتنی رہی تھی۔

”تہذیب! ڈرو نہیں میں ہوں ساتھ۔“ اس نے تسلی دی۔ اس کے نرم سے سرد ہاتھوں کو تھاما جو تہذیب نے بھی پکڑ لیے۔ فائق ان دیکھے راستوں پر گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔



”حمود! مجھے تو اس لڑکی میں پہلے ہی اپنائیت کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔“ کلثوم بانو جب سے منتہی سے ملی تھیں ان کے احساسات ہی بدل گئے تھے نرم و نازک کم گوی شرمیلی مسکان والی منتہی نے انہیں پہلے سے ہی اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

”آپ کی بہو فلسفہ بہت بولتی ہے۔“ جو سر کھجاتے ہوئے مسکرایا۔

”میرے سامنے تو ہمیشہ خاموش ہی رہے۔“

”آپ کو نہیں پتہ کتنی مشکل اردو بولی ہے۔“

”امی! آپ اتنا کیوں ڈرتی ہیں! اول تو ایسی کوئی بات نہیں ہوگی میں سنبھال لوں گا۔“ دونوں باتیں کرتے ہوئے ہال میں آگئے۔ وہ گرین کاشن کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس سر سے پیر تک چادر لپیٹ کے جانے کیلئے تیار تھیں۔

”تمہیں جانے کی بڑی جلدی رہتی ہے۔“ حمود نے تیز لہجے میں کہا، ”شکر تھا راحمہ وہاں نہیں تھی۔ کلثوم بانو مسکرانے لگیں جبکہ وہ شرم سے جھینپ رہی تھی۔

”سات بج گئے ہیں۔“ اس نے ٹائم کا احساس دلایا۔

”امی! آپ کی بہو ٹائم کا بہت حساب کتاب رکھتی ہے۔“ اس نے شکایت کی۔

”اچھا ہے ناں تمہیں تو ٹائم کی قدر ہی نہیں ہے، کوئی تو اس گھر میں ہوگا جو ٹائم سے چلے گا۔“ انہیں اس کی یہ عادت بہت اچھی لگی تھی، منتہی لب بھنچے ہوئے تھی، اسے اب یہاں آتے ہوئے اور شرم آتی تھی۔

”آج رات دو بجے میں کال کروں گا، سمجھیں تم۔“ فرنٹ سیٹ کا ڈور کھولا، وہ اندر بیٹھی خود بھی تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

”مجھے جلدی نیند آتی ہے۔“ اس نے بے مروتی سے کہا۔

”مگر مجھے نہیں آتی ہے، تمہیں جاگنا ہوگا۔“

”مجھے پہلے آپ یہ بتائیے نمازیں پڑھ رہے ہیں؟“ اس نے التماس کیا۔

”الحمد للہ ساری نمازیں پڑھ رہا ہوں۔“ اس نے اچھٹی نگاہ ڈالی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”ہوں۔“ اس نے سر ہلایا۔

”نیکسٹ ویک امی اور بابا کو ملے جارہے ہیں۔“

”کوئی۔“ منتہی کے چہرے پر سایہ سالہرایا، اسے اپنی ماں یاد آگئی، چھ ماہ کا عرصہ بہت ہوتا ہے وہ ان سے اب تک ملی نہیں تھی۔

”سنیے! مجھے اپنی اموجان سے ملنا ہے۔“ اس نے حمود کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا، وہ اتنی بے چین اور بے

قراری ہو گئی تھی۔

”ہوں چلیں گے۔“ وہ مسکرایا۔

”مگر نہیں..... وہ میرے چاچا آپ کو بھی نہیں چھوڑیں گے، نہیں..... نہیں جانا مجھے۔“ وہ ڈر کر سہم گئی۔

”کم آن منتہی! کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں ناں، میں بھی دیکھتا ہوں تمہارے چاچا کو کیا کر لیتے ہیں۔“

”آپ کو نہیں پتہ، اموجان کو کمرے میں بند کر کے رکھا ہوا تھا اور مجھے بھی ملنے نہیں دیتے تھے بابا کی

ڈیجھ کے بعد اموجان نے مجھے بہت سنبھال سنبھال کے رکھا ہے۔“ وہ افسردہ سی ہونے لگی۔

”تم پریشان نہیں ہو، کسی دن بھی ہم دونوں چلیں گے، پہلے بابا کو ملے سے ہو کر آ جائیں، ہماری زمین کا

”ٹھیک ہے کسی دن پورے دن کیلئے میں اسے بلا لوں گی۔“ وہ ان کے کمرے میں تھا اور کتنی نڈر گفتگو بھی کر رہا تھا اس لئے کہ بابا تو آفس میں تھے اور وہ آفس کا چکر لگا کے اپنے آفس جا رہا تھا۔

”پورے دن کیلئے کیوں پوری رات کیلئے بلا لیں۔“ شرارتی اور معنی خیز اس کا لہجہ تھا۔ کلثوم بانو نے مسکرا کے اسے دیکھا جو انہیں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

”صاحبزادے! میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں مگر پوری رات کیلئے اگر بلا لیا تو اس کیلئے مشکل کھڑی ہو جائے گی۔“

”ہاں بابا کو پتہ چل گیا تو.....“ وہ زیر لب بولا۔

”تمہارے بابا نیکسٹ ویک کو ملے جارہے ہیں۔“ کلثوم بانو نے بتایا۔

”کوئی اب کیوں جارہے ہیں؟“ حمود چونکا۔

”وہی زمین کا مسئلہ ہے پتہ نہیں کب تک مقدمہ چلنا ہے۔“ وہ بے زاری ہو گئی تھیں۔

”بابا سے بولیں چھوڑیے زمین کو اتنا کچھ اللہ کا دیا ہے ہمارے پاس۔“

”زمین بہت زیادہ رقبے پر ہے، تمہیں پتہ ہے اور پھر وہ ان کے باپ دادا کی ہے ایسے کیسے چھوڑ دیں

جبکہ ناجائز ان لوگوں نے قبضہ کیا ہوا ہے۔“ وہ بولیں۔

”آپ بھی ساتھ جائیں گی۔“ اس نے پوچھا۔

”ہاں..... سوچ رہی ہوں اس بار چلی جاؤں میں بھی سالوں گزر گئے ہیں بہن کو دیکھے ہوئے، بہنوئی

بھی اب تو اس دنیا میں نہیں ہے پتہ نہیں کیسا رکھا ہوا ہوگا اس آدمی نے۔“ کلثوم بانو کے چہرے پر درد کی لہر

دوڑ گئی ان کی ایک رشتے کی بہن تھی جو سگوں کی طرح ہی تھی۔ ان کی بہن پر دیور نے ظلم کے پہاڑ توڑے

ہوئے تھے یہ خبر انہیں ملتی تھی پھر ان کی خود کی زمین پر بھی قبضہ کر کے بیٹھا ہوا تھا تب سے کلثوم بانو نے کوئی نہ کا

رخ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

”زمین کی ایک بیٹی بھی تھی پتہ نہیں کیسی ہوگی، اب تو جوان ہوگی۔“ ان کا ذہن ماضی میں چلا گیا۔

”حمود! میں جب بھی منتہی کو دیکھتی ہوں تو جانے کیوں وہ اتنی اپنی سی لگتی تھی۔“

”اس لئے کہ وہ آپ کی بہو تھی اسی لئے اپنی لگتی تھی۔“ اس نے ان کے بکھرتے خیالات کو روکا اور ماضی

سے باہر نکالا۔

”امی! مس کو گھر جانا ہے۔“ راحمہ دھم دھم کرتی اندر آئی تو دونوں ہی چونک گئے۔

”اچھا میں آتی ہوں۔“ وہ سنبھل گئی تھیں۔

”میں ڈراپ کر دوں گا اسے آپ شہزاد سے نہیں بولیں۔“ حمود نے راحمہ کے جانے کے بعد انہیں روکا۔

”حمود! تمہارے بابا کو ذرا بھی سن گن مل گئی تو مجھے ڈر ہے کہ نیا ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے کیونکہ جتنی بھی تقریباً

روز ہی آنے لگی ہے۔“ وہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھیں۔

مسئلہ چل رہا ہے کسی میران خان نے اس پر قبضہ کیا ہوا ہے۔“
”میران خان.....“ منتہی چونک گئی۔ یہ نام وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی زندگی تنگ کی ہوئی تھی ڈراڈرا کے رکھا ہوا تھا اس نام نے راتوں کو ڈرنے لگی تھی۔

”یہ بہت بگڑا ہوا آدمی ہے۔“ حمود بول رہا تھا اور اس کا ذہن کہیں اور پرواز کر رہا تھا۔
جل تھل موسم بھی اس کی توجہ اپنی جانب مبذول نہیں کروا رہا تھا صبح سے بارش کا سلسلہ بوند باندی کی صورت میں ہو رہا تھا اس وقت بارش ہلکی تھی شام کی سیاہی بھی ابر آلود موسم میں زیادہ تھی پڑھانے کا موڈ نہیں تھا وہ تو حمود ہی اسے لینے آ گیا تو مجبوراً آنا پڑا۔

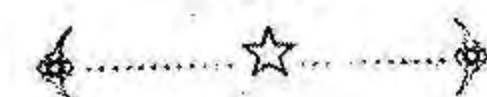
”دیکھ کے آہستہ چلائیے پانی بہت جمع ہے روڈ پر۔“ بریک لگنے سے اس کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔
”پورا ٹریفک بلاک ہے۔“ وہ اسٹیرنگ پر جھنجھلا کر دونوں ہاتھ مارنے لگا اسے اپنے آفس بھی تو جانا تھا لگتا تھا وہ بھی کینسل کرنا پڑے گا موبائل نکالا اور بات کرنے لگا۔ منتہی تو میران خان کے نام پر ابھی تک الجھی ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی تو کونسل میں تھے۔

”ضروری ہے وہی اس کے چاچا ہوں۔“ اپنی سوچ کی نفی بھی کی۔
”مغرب تو لگتا ہے یہیں ہو جائے گی تمہاری اور میری نماز قضا ہی ہوگی۔“ آگے پیچھے دور تک گاڑیوں کا ہی رش تھا۔

”یہ میران خان کونسل میں کہاں رہتے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔
”نوشکی میں۔“
”نوشکی میں.....“ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر رہ گئی۔

”ضروری ہے وہ تمہارے چاچا ہوں ارے نہیں وہ نہیں ہو سکتے۔“ حمود نے اس کا چہرہ دیکھا جو پھیکا پڑ رہا تھا۔
”منتہی! کم آن تم اتنی سہم کیوں رہی ہو یار میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔“ وہ اس کی جانب گھوم کے تسلی دینے لگا۔

”مجھے ڈر لگتا ہے اگر.....“
”نہیں ڈرو کیوں ڈرتی ہو اللہ تعالیٰ ہے ناں ہمارے ساتھ ایسا کچھ بھی غلط نہیں ہوگا۔“ حمود نے اسے تسلی دے تو دی تھی مگر ذہن اس کا بھی بھٹکا کیونکہ میران خان منتہی کے چاچا بھی تھے اب اسے پتہ لگانا تھا کہ وہی تو نہیں ہیں جنہوں نے منتہی کی ماں کو بھی قید کر کے رکھا ہوا ہے اور اس کا تو کوئی رشتہ بھی نکلتا ہے وہ منتہی کو بغور دیکھے گیا کیونکہ کلثوم بانو پہلے ہی کہہ چکی تھیں اس لڑکی سے ضرور کوئی رشتہ ہے۔
”کاش ایسا ہو جائے۔“ حمود نے دل سے دعا کی تھی۔



”ساری جگہ تلاش کر لیا ہے دونوں کا کہیں پتہ نہیں چلا۔“ محریب آخری کوشش کر کے بے بس سا بیٹھ گیا۔
سارے ہی فکر مند مغموم سے ہال کمرے میں جمع تھے مبینہ کارور کے برا حال تھا تہذیب صبح کی آفس سے نکلی تھی وہ تو یہ کہنے آئی تھیں کہ محریب بارش کا موسم ہے وہ اسے لے آئے مگر محریب کو کہیں ضروری جانا تھا فائق کو لینے بھیج دیا تھا اس کا بھی کوئی اتنا پتا نہیں تھا فائق کا موبائل آف جا رہا تھا۔

”ابو! فائق بھائی کے میں نے سارے دوستوں کو ٹرائی کر لیا ہے۔“ رافع بھی اس وقت سے اسی بھاگ دوڑ میں لگا تھا۔ گھر میں ایک دم سے ہی اداسی کا بسیرا ہو گیا تھا ناظمہ کا خود فکر سے برا حال تھا۔

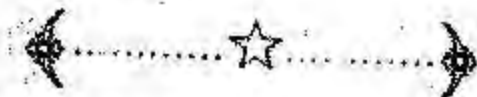
محریب کو کچھ دن پہلے ہی تو فائق نے فاطمہ کے کیس کا بتایا تھا اور اب اچانک ہی ایسا حادثہ اسے بھی برے برے دوسرے آرہے تھے وہ مبینہ آئی سے بول کے انہیں فکر مند نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے ایف آئی آر درج کروادی تھی۔

”اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں اسے آج جانے ہی نہیں دیتی۔“ وہ بولیں۔
”مبینہ! دعا کرو انشاء اللہ بچے مل جائیں گے مجھے تو یہ بھی سمجھ نہیں آرہا ہے کہ فائق اسے لینے پہنچ بھی گیا تھا یا نہیں۔“ نزہت بیگم انہیں تسلی دینے کے ساتھ خود بھی پریشان تھیں۔
”آئی! آپ آرام کریں جا کر کب سے بیٹھیں ہوئی ہیں۔“

”بیٹا! کیسے آرام کروں پتہ نہیں میری بچی کہاں رہ گئی ہے کیا ہوگا اب؟“ وہ تو روئے جا رہی تھیں۔
”سب ٹھیک ہوگا اگر اس طرح روتی رہیں تو کچھ نہیں ہوگا“ آپ سب دعا کریں میں بھی کوشش کر رہا ہوں۔“ محریب نے انہیں اطمینان دلایا۔

مبینہ کونز بہت بیگم زبردستی ان کے گھر تک چھوڑ کے آئی تھیں، منتہی، حکمت بھی افسردہ اور غمگین سی تھیں، حمزہ بھی چپ ہو گیا تھا کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ منتہی تو باقاعدہ دعائیں پڑھ رہی تھی تہذیب اور فائق کی سلامتی سے گھر واپس آنے کی۔ اس رات سب ہی جاگ رہے تھے محریب الگ بے کل اور پریشان سا تھا رات کے دُوبچے پھر وہ باہر نکل گیا تھا، مانز نے بھی اپنی ساری کوششیں کر ڈالی تھیں مگر وہ بھی مایوس گھر واپس آیا تھا۔ محریب نے بھی جہاں تک ہو سکتا تھا تلاش میں لگا ہوا تھا وہ تو میڈم فرحت تک کے گھر چلا گیا تھا وہ اس کی ٹیچر بھی رہ چکی تھیں ان سے ہی فاطمہ کے کیس کی بھی تفصیل لی تھی ساری کہانی انہوں نے محریب کو بتادی تھی وہ اور ہی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

بارش ختم گئی تھی مگر سڑکوں پر پانی جمع تھا اس نے بارش کی بھی پرواہ نہیں کی تھی ان دونوں کو ڈھونڈنے میں پوری رات تمام کردی تھی موسم میں ٹھنڈک سی ہو گئی تھی مگر کسی کو بھی چین نہیں تھا۔
(جاری ہے)



شازیہ مصطفیٰ
قسط نمبر 2

سلسلے وار ناول

جہانِ دل کی جہالت



کب سے وہ بے سدھ سی پڑی تھی نہ ہی اس نے آنکھ کھول کے دیکھا تھا، ٹوٹا پھوٹا چھوٹا سا کمرہ تھا ایک چار پڑی تھی جس پر وہ تھی ایک چھوٹی سی ٹیبل جس پر پانی کا جگ اور گلاس بھی رکھا تھا، کچا فرش جو بارش کے پانی کی سی گیلیا تھا، چھت بھی ٹپک رہی تھی۔ دروازہ بڑا سا لکڑی کا تھا جو فائق نے کئی بار کھولنے کی کوشش کی تھی مگر نا کافی تھی۔ دونوں ہاتھ پشت پر جمائے وہ تہذیب کو دیکھ رہا تھا اس کے گیلے کپڑے کچھ خشک ہو گئے تھے جس وقت گاڑی سے یہاں اندر آئے تھے وہ تقریباً بھیگ ہی گئی تھی۔

فائق اس کا ماتھا چھونے لگا جو بخار سے تپ رہا تھا اس کے گلے سے دو پٹہ نکالا اور گلاس میں پانی لایا، دو پٹہ بھگو کے اس کے ماتھے پر رکھنے لگا تھا کہ کسی طرح تو اس کا بخار کم ہو۔ لانے والے تو انہیں یہاں بند کر کے بھول چکے جانے کتنے گھنٹے گزر گئے تھے موبائل بھی یہاں کام نہیں کر رہا تھا۔ کتنی بار وہ کال ملا چکا تھا موبائل اپنا سا مکینٹ پر رکھ تھا تا کہ ان نامعلوم افراد کو پتہ نہیں چل جائے اور وہ یہ آس بھی اس سے چھین لیں۔

کب سے وہ اس کی تیمارداری میں لگا ہوا تھا کسی طرح بھی اس کا بخار کم ہو۔ ڈر و خوف سے وہ بے ہوش حالت میں چلی گئی تھی۔ فائق اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا جو چند گھنٹوں میں کملا گیا تھا، بال بکھر کے اس کے چہرے پر پڑے تھے۔ کائن کا سوٹ ملگیا سا ہو گیا تھا وہ اس کی زندگی میں ٹھیک طرح داخل بھی نہیں ہوئی تھی اسے پرایا کیا جا رہا تھا ابھی تک بھی وہ کچھ نہیں بولا تھا کیونکہ جب وہ کسی قابل ہی نہیں تھا تو کیسے اپنی خواہش اظہار کرتا۔

تہذیب نے کسمسا کر سر ہلایا تھا بان کی چار پائی پر وہ نقاہت زدہ پڑی تھی خود فائق کا حلیہ بھی خراب تھا بلے پیٹ اور گرے شرٹ کچھڑ اور پانی سے تقریباً خراب ہی تھے بالوں کو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سنوارا۔

”امی..... امی.....“ وہ بڑبڑا رہی تھی۔ فائق اس کے قریب آیا۔ گلاس ٹیبل پر رکھا، دو پٹہ کھول کے اس پر ڈالا تہذیب نے بمشکل آنکھیں کھول کے اسے دیکھا، خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی مگر جب ایک ایک کر کے تمام منظر یاد آیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

”تہذیب! پلیز اس طرح نہیں روؤ۔“ فائق گھبرا گیا۔ کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا یہ حالات بھی ان دونوں آسکتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو تاک تاک کے طنزیہ جملے بولتے تھے۔

”کیوں لے آئے ہیں یہ لوگ ہمیں؟“

”ہمیں نہیں تمہیں..... میں تو فضول میں تمہاری وجہ سے مارا گیا ہوں۔“ فائق نے اس کا ذرا خیال نہیں کیا، طے تیر پھینکا۔ تہذیب نے اس اکھڑ اور بددماغ شخص کو ناگواری سے دیکھا۔ ایک تو بخار کی وجہ سے دل و دماغ کام نہیں رہے تھے اس پر فائق کی ایسی بات۔

”چھوڑ کر چلے جائیں کیوں ہیں یہاں اب تک۔“ وہ اپنا آنچل شانوں پر برابر کرتی ہوئی انھی۔ فائق کو اس زرد چہرہ اور نقاہت زدہ وجود قابل رحم لگ رہا تھا اس نے اپنی زندگی میں اسے جگہ دی ہوئی تھی مگر جب سے یہ خبر ہو کہ وہ کسی اور کی ہو رہی ہے وہ اور چڑچڑا سا ہو گیا تھا۔

”سب تمہاری ضد کی وجہ سے ہوا ہے تم یہ جاب کرتیں اور نہ ہی وہ فاطمہ کا شو ہر ہمیں یوں کڈ نیپ کروا تا۔“

”ساری مصیبت آپ کی وجہ سے آئی ہے جب جب آپ میرے راستے میں آئے ہیں میرے ساتھ بڑا ہے۔“ وہ بھی حساب برابر کرنے سے باز نہ آئی۔

”واٹ..... میری وجہ سے مصیبت آئی ہے..... ارے کتنی ناشکری لڑکی ہو ہر بار میں تمہیں بچانے پہنچا ہوں۔“

ن کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

”احسان جتنا ہے ہر بار آپ نے نہیں چاہیے مجھے آپ کی کوئی مدد۔“ منہ ہی گھمائی جبکہ کل سے ڈرڈر کے اسے آگیا تھا۔

”نکو اس بند کرو اپنی۔“ وہ دھاڑا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے سے بحث کرتے رہے تھے۔ دروازہ کھلا تہذیب اس لمبی لمبی مونچھوں والے شخص کو دیکھ کر فائق کی پشت کے پیچھے کھڑی ہو گئی کیونکہ اس کی نگاہوں میں جو غمت اس نے دیکھی تھی اسے جھر جھری کے ساتھ پسینہ آ گیا فائق کی پشت پر اپنے گرم گرم ہاتھ رکھ دیے تھے فائق نے حدت حرارت سے چونک گیا وہ خاصی گرم ہو رہی تھی۔

”ہمیں کیوں رکھا ہوا ہے یہاں کیا مقصد ہے؟“ فائق نے بے زاری اور غصہ سے پوچھا۔

”جو مقصد ہے وہ تو پورا کرنا ہے مجھ سے نکر لی ہے فاطمہ کو اس نے طلاق نہیں دلوائی ہے تم دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں اس۔“ فاطمہ کا شو ہر غرانا دھاڑتا ہوا اندر آیا تھا کیونکہ وہ کب سے موقع کی تلاش میں تھا آج تہذیب اس کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔

”دیکھو یہ لڑکی اکیلی نہیں تھی یہ وہاں جاب کرتی ہے اس نے طلاق نہیں دلوائی ہے۔“ فائق نے جواب دیا۔

تہذیب کی ریزہ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

”مشکور! نکال اسے باہر۔“ جاوید نے دھاڑ کے کہا۔ مشکور نے حکم کی تعمیل کی ایک جھٹکے میں تہذیب اس کے مذموں میں تھی فائق بھی گھبرا گیا۔

”دیکھو تم آرام سے بات کرو اس کا تو کوئی تصور نہیں ہے۔“ اس نے تہذیب کو اٹھایا وہ فائق کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔

”تم دیکھنا اس کا کتنا بھیا تک انجام ہوگا اس نے جو ہڈی جاوید سے نکر لی ہے۔“ وہ چیخا۔

”مشکور! اس لڑکے کو میری بات سمجھا دے۔“ جاوید نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا لہذا چوڑا حلیہ پورا بد معاشوں والا تھا۔

”سن لڑکے! تجھے بس اتنا کرنا ہے اس لڑکی کی عزت تار تار کرنی ہے۔“

”نہیں۔“ تہذیب تو وحشت سے چیخنے لگی۔ فائق کی آنکھیں پھٹ گئیں لب بھیجنے کے اندر سانس لیا۔

”فضول بک رہے ہو۔“ وہ بولا۔

”مجھے پتہ ہے یہ تیرے گھر میں رہتی ہے جب یہ لٹ کے یہاں سے جائے گی کوئی قبول نہیں کرے گا۔“

”نہیں..... نہیں۔“ تہذیب تو پاگل ہونے لگی۔

”تمہاری اس بے ہودہ سوچ پر میں لعنت بھیجتا ہوں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔“ فائق نے تہذیب کے ہاتھوں کو تھام کے اسے سنبھالا۔

”ٹھیک ہے پھر چل مشکور لے کر چل آج تیری رات رنگین کروا تا ہوں صبح پھر تصویریں بھی چھپیں گی اس لیڈر کی بہت حقوق دلوائی ہے ناں دیکھتا ہوں بعد میں کیسے لڑتی ہے۔“ جاوید نے مکروہ ہنسی کے ساتھ تہذیب کا ہاتھ کھینچا۔

”بس کرو..... پلیز نہیں کرو..... میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔“ وہ تو گرنے ہی لگی۔

فائق کو مشکور کے پیلے دانت اور جنگلیوں کے سے حلیے پر گھن آنے لگی وہ کیسے گوارا کر لے اس کی محبت کو کوئی بے دردی سے زخمی کر دے۔

”یہ لڑکا تو مان نہیں رہا، کچھ تو کرنا ہے ناں۔“ وہ ہنسا۔
 ”تمہیں ایسے کروا کر کیا ملے گا؟“ فائق ڈرتے کانپتے لہجے میں بولا۔
 ”سکون..... کیونکہ اس لڑکی نے میری عزت دو کوڑی کی کروادی ہے جب یہ دو کوڑی کی ہو کر یہاں۔
 گی تو اسے پتہ چلے گا۔“ مشکور تہذیب کو گھسیٹنے لگا تھا۔
 ”پلیز..... چھوڑ دو اسے تم میری بات تو سمجھو۔“ فائق کا وہ ہاتھ نہیں چھوڑ رہی تھی۔
 ”تم جب میری بات نہیں مان رہے تو ٹھیک ہے ہم ہی کچھ کرتے ہیں۔“
 ”اچھا ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔“ فائق نے اندر گرم گھونٹ اتارا۔ تہذیب نے چونک کر اسے دیکھا:
 روکے ہوئے تھا، مشکور نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔
 ”خاصے غلمند ہو جلدی مان گئے۔“ جاوید نے تسخر کے ساتھ طنز ہی کیا۔
 کیسے وہ اس غلیظ آدمی کو تہذیب کو چھونے دے جو پاکیزہ ہی نرم و نازک سی تھی کیسے سرد ہاتھوں کو؟
 برداشت کرے۔
 ”نہیں..... تم ایسا نہیں کرو گے۔“ وہ فائق کا ہاتھ چھوڑ کے دور ہوئی۔
 ”تمہیں سبق ملنا چاہیے میری بھی نہیں مانی تم نے دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں تمہارا۔“ اس نے بازو سے۔
 دور پھینکا۔ فائق کی آنکھوں میں وہ سب کچھ گلاسز سے نظر آ رہا تھا جو تہذیب نے آج تک نہیں دیکھا تھا مگر آو
 وہ مضبوطی نہیں تھی۔
 ”چل مشکور! ہم تھوڑی دیر میں آئیں گے۔“ جاوید نے مشکور کو چلنے کو کہا۔
 ”فائق! دھوکے باز، نظر باز۔“ وہ جتنی گالیاں دے سکتی تھی دے رہی تھی وہ دونوں چلے گئے تھے۔ فائق
 بازو گھسیٹ کے خود سے قریب کر لیا تھا اپنے لب اس کی سلکتی ہوئی گردن پر رکھ دیئے تھے۔ تہذیب کو ایسا
 سانپ ریگ رہا ہو اور وہ لمحوں میں لہرا کے گرنے والی تھی بروقت فائق نے تھاماتھا اور چارپائی پر لٹایا، تہذیب
 آنکھیں بند ہو رہی تھیں وہ اس کے ایسے قریب ہو کر لینا کی دروازے سے جھانکتی دو آنکھوں کو یہی تاثر دیا
 تہذیب کے قریب ہے اس کے بعد فائق نے جلتے پیلے بلب پر اسٹیل کا گلاس دے مارا، جلتا بلب ٹوٹ کے
 اب کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، دو نفوس کی سانسیں تھیں اور کچھ نہیں تھا وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا، ہاتھ کو ہاتھ بھٹاؤ
 دے رہا تھا، تہذیب چیخ رہی تھی۔
 ”میں کچھ نہیں کر رہا، تم ڈرو نہیں۔“ سرگوشی کی تھی۔

☆.....☆
 منگنی کو اس کی چار دن گزر گئے تھے حمود نے منگنی سے اس دن سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا، جہاں وہ کال کرتی
 کو مصروف ظاہر کر کے بات جلدی ختم کر دیتا تھا۔
 ”پتہ ہے نیاز تمہاری شکایت کر رہا تھا۔“
 ”میں نے منگنی کو اتولی اب کیا پر اہم ہے انہیں۔“ وہ چڑ کے گویا ہوا۔
 ”جمنی سے بات کیوں نہیں کرتے ہو۔“
 ”میں مصروف ہوتا ہوں آپ جانتے ہیں، کبھی آپ کے آفس میں تو کبھی مجھے اپنی فیکٹری میں بھی جانا پڑتا
 فارغ تو رہتا نہیں ہوں۔“ وہ تیز لہجہ میں ناگواری سے بولا، آج اتفاق سے دونوں باپ بیٹاؤں پر موجود تھے اور

کو ہمیشہ کھانے کا ٹائم ہی ایسا ملتا تھا کہ اسے گھیر کے بات کرتے تھے۔
 ”میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جتنا تم دونوں ایک ساتھ وقت گزارو گے تم دونوں کی آگے کی لائف اچھی گزرے
 ۔ وہ نرم سے لہجے میں سمجھانے لگے۔
 ”مجھے پتہ ہے میری آگے کی لائف کیسی گزرنی ہے بابا! آپ کیوں اتنی ٹینشن لیتے ہیں۔“ وہ انہیں اطمینان
 نے لگا۔
 ”حمود! مجھے تم پر آج کل کچھ اور ہی رنگ نظر آنے لگا ہے۔“ وہ پھر طنز سے اس کا جائزہ لینے لگے وہ کچھ گڑبڑایا
 مگر فوراً ہی خود کو نارمل بھی کر لیا۔
 ”بابا! آپ کا بھی جواب نہیں ہے مجھے ایسے بول رہے ہیں جیسے میں گرگٹ ہوں یا کوئی ایسی لڑکی جو نو مولود کو جنم
 دینے والی ہو جس کے رنگ بدلتے رہتے ہیں۔“ اس نے شوخی سے کہہ کر بات گھمادی۔
 ”دیکھا تم نے، کیسی فضول بات کہتا ہے وہ بھی اپنے باپ سے۔“ ہشام سالار کو غصہ آ گیا۔ کلثوم بانو کی دبی
 ہنسی نکلی تھی جبکہ وہ بیوی کا ریموٹ اٹھا چکا تھا، راحمہ نے چیخنا شروع کر دیا۔
 ”کب سے بیوی دیکھ رہی ہو اب مجھے دیکھنے دو۔“ جیٹو سرچ کرنا شروع کر دیئے۔
 ”میں دیکھ رہی ہوں۔“ وہ منہ بسورنے لگی۔
 ”تم سے کتنا کہا ہے کم دیکھا کرو۔“ وہ کاؤچ پر بیٹھ گیا۔
 ”آپ اپنے روم میں جا کر دیکھیں۔“ اس نے ریموٹ جھپٹا۔ دونوں کی لڑائی طول پکڑتی، کلثوم بانو وہاں آ
 نکلیں، حمود کو اشاروں میں کچھ کہنے لگیں تھیں راحمہ نے ریموٹ لیا اور اپنا پسندیدہ چینل دوبارہ لگا لیا۔
 ”مجھے تم سے بات کرنی ہے تم اپنے کمرے میں جاؤ۔“ وہ اسے تھپکی دے کر بولیں۔ حمود نے بغور ان کا پڑ سوچ
 دیکھا، فوراً حکم کی تعمیل کیلئے اٹھا تھا۔ کافی دن سے وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا کیونکہ اتنی بڑی بات
 پہانے کا جو بوجھ اٹھائے پھر رہا تھا۔
 اس نے کپڑے وغیرہ چینج کرنے کے بعد حسب معمول موبائل پر کال ضرور چیک کی تھیں، منتہی کی مس کال تک
 نہیں تھی۔
 ”اتنی آنا ہے اس لڑکی میں، مجال ہے کہ میری خود سے کبھی خبر لے لے۔“ وہ منہ ہی منہ غصہ سے بڑبڑا کے
 رہ گیا۔
 ”ہوں..... تو بات ہو رہی ہے منتہی سے۔“ کلثوم بانو نے مسکرا کے معنی خیزی سے اسے چھیڑا، وہ جھینپ کے
 موبائل کو سائینڈ پر رکھنے لگا۔
 ”یہ ٹائم محترمہ کی عبادت کا ٹائم ہے بات نہیں ہو سکتی۔“ اس نے دیکھا گیارہ بج رہے تھے اور اس ٹائم وہ عشاء کی
 نماز پڑھتی تھی۔
 ”مجھے فخر ہے مجھے بہو صوم و صلوٰۃ کی پابندی جس نے میرے بیٹے کو نمازی بنادیا۔“ انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا
 تو وہ مسکرانے لگا۔
 ”میں اکثر یہ سوچتی تھی حمود اتنا پابند کب سے ہو گیا نماز کا کیونکہ میرا شیر بیٹا اب تو فجر میں بھی چلا جاتا ہے۔“
 ”جی ہاں وہ آپ کی بہو کی مس کال وہ بھی لمبی سی آتی ہے تو میں اٹھتا ہوں۔“
 ”یعنی خاصا سیدھا کر دیا ہے تمہیں۔“ وہ چھیڑنے لگیں۔

”اتنا سیدھا کہ خود اب سیدھی نہیں ہو رہی ہے۔“ وہ گویا ہوا۔

”آپ کو مجھ سے غالباً کچھ ضروری بات کرنی تھی۔“

”اوہ ہاں..... یاد آیا.....“ وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئیں۔

”بیٹا! تمہاری کونسی بات تھی کہ وہ نہ بیٹا اگر تمہارے بابا اور نیاز بھائی میں جھگڑا ہو گیا جمنی کی وجہ سے جائے گی۔“ وہ اسے آگاہ کرنے لگیں۔

”میں تو انتظار میں ہوں کسی طرح ہو تو سہی۔“ وہ اطمینان سے بولا۔

”حمود! بیٹا کیا بول رہے ہو۔“ وہ توڑ رہی گئیں۔

”امی! کیوں اتنا ڈر ڈر کے رہتی ہیں میں نہیں ڈرتا نیاز انکل سے کل کی ہوتی آج ہی پارٹنر شپ تو ابھی چاہتا ہوں۔“

”بیٹا! کیوں میرا دل ہولارہا ہے۔“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سرزنش کرنے لگیں۔

”امی! آپ جانتی ہیں نہ جمنی سے میں کسی بھی طرح شادی نہیں کروں گا۔“

”ارے وہ تو میں بھی جانتی ہوں مگر بیٹا ابھی تمہاری منگنی ہوئی ہے اور تم ذرا سنبھل کے رہو۔“ وہ اسے سمجھاتی رہی تھیں کیونکہ وہ ابھی ایسا کچھ نہیں چاہتی تھیں کہ حمود کے نکاح کے متعلق کچھ پتہ چلے۔

”آج آپ بات کیجیے۔“ جب اس نے دیکھا کہ کافی دیر گزر چکی ہے تو کال ملائی تھی کیونکہ منجی سے

سے بات بھی نہیں ہو رہی تھی۔

”کیوں کیا آپ نے پہلے بتائیے عشاء کی نماز پڑھی۔“ چھوٹے ہی دوسری جانب سے منجی کی مہین تھی، کلثوم بانو کے ہونٹ مسکرانے لگے۔

”بیٹا! میں ہوں حمود کی امی۔“

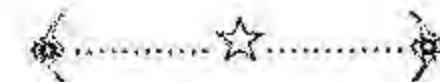
”جی وہ آپ.....“ وہ تو گڑبڑا ہی گئی۔ حمود نے اپنی کرا لیا تھا کیونکہ وہ بھی سنا چاہ رہا تھا دبی دبا اس کے ہونٹوں پر چھبی تھی۔

”ہاں حمود نے عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھایا ہے اور اب اپنے روم میں ہے تم سناؤ کیسی ہو؟“ وہ چال پوچھنے لگیں۔ منجی کی آواز ہی نکلتا جیسے بند ہو گئی تھی، کال کٹ چکی تھی وہ دونوں ہی مسکرانے لگے۔

”یعنی نماز کے معاملے میں اتنی سخت ہے اسے پتہ تھا تم ہو فوراً پوچھنے لگی۔“

”دیکھ لیں آپ۔“ وہ بھی جھینپ سا گیا۔

کلثوم بانو حسب معمول اس کی پیشانی چوم کے چلی گئی تھیں، حمود کو اس کی گڑبڑاہٹ سے بھرپور آواز محظوظ کیا تھا۔



وہ اتنی کمزور اور لاغر ہو گئی تھی کہ فائق کو اس پر ترس آنے لگا۔ وہ چار پائی سے اٹھا دروازے پر آیا، دگتے ہی کھل گیا۔ یعنی کل رات وہ دونوں بند کرنا بھول گئے تھے۔ اس نے کھول کے دیکھا تو نا پھوٹا مکان صحن اور اس میں بیڑ پودے سب تھے صبح کی ہلکی ہلکی سپیدی نمودار ہو رہی تھی پرندوں کی چہکار بھی تھی گئی۔

کی کہیں سے سوندھی سوندھی خوشبو تھی۔ فائق واپس آیا تہذیب کو اٹھایا۔

”تہذیب! اٹھو پلیز..... آنکھیں کھولو دیکھو آج ہمیں رہائی مل گئی۔“ وہ اس کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔

تہذیب کو دور سے آتی آواز لگ رہی تھی اس نے بمشکل آنکھیں کھول کے دیکھا وہ اس پر جھکا ہوا تھا اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ کہاں ہے کیونکہ کتنا بھیا تک خواب اس نے دیکھا تھا۔

”اٹھو تہذیب ہمت کرو۔“ فائق نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا، وہ اس کا بازو تھام کے دقتوں سے کھڑی ہوئی، وہ آہستہ تھکے تھکے قدموں سے چلنے لگی۔

فائق نے اطراف میں نگاہ دوڑائی، سناٹا تھا، وہ مین گیٹ تک آیا وہ بھی پتہ نہیں کیسے کھلا تھا اور وہ اس کے ساتھ خود کو گھسیٹتی ہوئی چلتی چلی جا رہی تھی۔ بخار کی وجہ سے تہذیب پر نقاہت طاری تھی۔ فائق کوئی بھی خطرہ مول نہیں

چاہتا تھا، وہ اسے لئے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تہذیب کے حلق میں ایسا لگ رہا تھا کانٹے چھ رہے ہوں۔ کافی

ن علاقہ تھا جگہ کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ ہیں کہاں؟

فائق نے تشکر بھرا سانس لیا تھا اور ایک جگہ پر جا کر رک گیا۔ تہذیب اس سے پہلے کہ چکر کے گرتی فائق نے

تھام لیا تھا۔ بمشکل اسے سنبھال کے وہ فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا، کافی چوڑی اور ویران سڑک تھی، سائٹ کا علاقہ تھا،

جار ہے تھے صبح کی سپیدی نمودار ہو چکی تھی۔

فائق کی بھی حالت بھاگنے سے خاصی ابتر تھی۔ اس پر تہذیب کو سنبھالنا اسے اور مشکل لگ رہا تھا، وہ اسے اپنے

تھم لگائے ہوئے بیٹھا تھا، کوئی تو سواری ملے مگر علاقہ ایسا تھا یہاں سواری کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

”مجھ سے نہیں چلا جا رہا ہے پانی.....“ وہ آنکھوں کو بمشکل کھول رہی تھی، حلق میں کانٹے چھ رہے تھے۔

”تہذیب! پلیز خود کو سنبھالو یہاں پانی بھی ملنا مشکل ہے۔“ اس نے تہذیب کے بال چہرے سے ہٹائے اس

ت وہ بالکل ہی موم کی گڑیا کی طرح اس کی گود میں تھی اسے کچھ خبر نہیں تھی وہ کس حالت میں ہے بے ہوشی کی وجہ

سے وہ اپنا غصہ تک بھول گئی تھی۔

کوئی تو خدا کا بندہ ان کی مدد کرے وہ شاہراہ پر آتے جاتے ٹرکوں کو دیکھ رہا تھا۔ زندگی میں کبھی اس نے نہیں سوچا

کہ یہ سب بھی ہوگا وہ جو ہمیشہ اس لڑکی کو جان بوجھ کر تنگ کرتا تھا، جھڑکتا آج اسے اس حال میں دیکھ کر اسے کتنی

تکلیف ہو رہی تھی یہ وہی جانتا تھا اور پھر کل رات کے اس پہر جو کچھ بھی اس سے سرزد ہوا وہ محض کسی مجبوری میں ہوا، وہ

لب ایسا چاہتا تھا، کب اس نے ایسا سوچا تھا کہ جسے وہ گلاب کی کلی کی طرح سنبھال کر سرد اور گرم سے بچا کر رکھنا

چاہتا تھا کل رات کیسی گرم اور تند ہوا چلی تھی اس کا سارا غرور خود داری سب اڑا کر لے گئی تھی۔ جب وہ ہوش میں

آئے گی تو اسے سب یاد آئے گا۔

”تب کیا کروں گا میں۔“ اس نے تہذیب کا چہرہ دیکھا۔

”اس کے نازک وجود کو کیوں اس نے ایسے چھو؟ کیوں ہوا اس کی محبت کے ساتھ ایسا، وہ اسے کیا معاف کرے

کی یا اس کی شکل دیکھنا چاہے گی؟“ اسے تو سارے خدشے اور فکریں پریشان کر رہی تھیں۔

”اور وہ دودن گھر سے غائب رہی، کون اس کی پاکیزگی پر یقین کرے گا، اگر وہ بولے گا بھی تو کون سنے گا۔“

اس کے دماغ کی رگیں پھڑپھڑانے لگی تھیں۔

صبح ہو چکی تھی، ایک گاڑی قریب آنے لگی فائق نے گلاسز پر سے دھول صاف کی اسی وقت بریک لگے تھے دو

لڑکیاں اور معمر شخص اس میں تھا، فرنٹ ڈور کھلا تھا اور وہ خراماں خراماں آتا ہوا شخص فائق کو خوف آنے لگا، تہذیب نے

اسی وقت چیخا شروع کر دیا تھا اس کے تو حواس اور خراب ہونے لگے۔

خیر میں چچی جان تائی امی جب انھیں تو سوتی نہیں تھیں اور آج بھی ابھی تک وہ فائق اور تہذیب کیلئے پڑھ رہی تھیں کہ خیریت سے لوٹ آئیں۔

پتہ نہیں کہاں ہیں دونوں ساتھ بھی ہیں یا نہیں؟“ ناظمہ کو تو ہول ہی اٹھ رہے تھے۔ کراچی میں بارشوں کا سلسلہ جاری ہی تھا صبح سے پھر شروع ہو گئی تھی انہیں اور زیادہ فکر ہونے لگی پتہ بھی خراب ہے کدھر ہیں تین دن بہت ہوتے ہیں۔

پورچ میں ایک دم ہی شور ہو گیا بارش کا شور کم اور لوگوں کا شور زیادہ تھا۔ ”کون ہے باہر؟“ نزہت بیگم نے گلاس وال سے باہر دیکھا تھا، ہلکی ہلکی صبح کی روشنی تھی ہائی زوف: پھر ایک شخص اس کے بعد فائق ہی لگا۔

”ناظمہ! مجھے فائق لگ رہا ہے۔“ انہوں نے فوراً ہی پورچ کا دروازہ کھولا۔ کچھ لمحوں میں کمزور لاغری فائق اٹھا کر لا رہا تھا صبح کے وقت گھر میں پلچل ہی مچ گئی۔

وہ بھلے لوگ ہی تھے جو فائق کو اپنی گاڑی میں گھر تک چھوڑ گئے تھے۔ تہذیب پر بخار کی وجہ سے نقاہت اسے ناظمہ نے اپنے کمرے میں ہی رکھا تھا۔ مہینہ تو روئے جاری تھیں حکمت کا بھی برا حال تھا، حمزہ اپنی ذمہ دار بہن کو اس حالت میں دیکھ کر الگ لب کچل رہا تھا، محریب اسے تسلی بھی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر کو صبح ہوتے ہی محریب لے کے آیا تھا اس نے چیک اپ کیا تو نمونیہ کا ایک اور ڈر و خوف: انجکشن کے زیر اثر سوتی رہی تھی بارش کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا۔

فائق نہاد ہو کر اپنے تھکے ہوئے اعصاب کے ساتھ دھڑ سے بیڈ پر لیٹا تھا کیونکہ تین دن جس اذیت میں تھے وہی جانتا تھا اور اس پر اس سے ایسی غلطی وہ خود سے نگاہ نہیں ملا رہا تھا۔ سب کو تو اس نے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ کوئی ڈاکو تھے تاوان مانگنے کے چکر میں تھے اصل بات اس نے چھپالی تھی ورنہ ایک قیامت الگ ہی محریب کی جانچتی اور تیش بھری نگاہوں سے وہ بہت الجھ گیا تھا اگر اسے بھی بتایا تو کسے بتائے گا اور ضروری تھا۔

کمرے میں ٹھنڈک کا احساس ہوا تو اس نے چادر اوڑھی ذہن بھٹک بھٹک کے تہذیب کی طرف ہی ج جب وہ مکمل ہوش میں آئے گی تو کیسا ہوگا اس کا رد عمل کیا وہ برداشت کر پائے گی اگر نہیں کر پائی تو کیا معاشرہ کب قبول کرے گا وہ خود کو بھی کون سا قبول کرے گی کچھ تو کرنا ہے کیونکہ وہ زندگی سے دور چلی بالکل ہی کہیں کا نہیں رہے گا۔

محبت ہوئی بھی تو اس لڑکی کا یہ حال ہو گیا، محبت سے وہ منہ نہیں موڑ سکتا تھا اسے کچھ تو فیصلہ لینا ہوگا۔ ار کے اندر رچ سی گئی تھی وہ دور نہیں کرے گا چاہے اسے اپنی انا کو چکنا چڑے اسے تہذیب کو قبول کرنا ہے۔ آنکھوں میں تھیں وہ سونا چاہتا تھا سکون چاہتا تھا مگر اس کے دل و دماغ میں جتنا شور تھا وہ کبھی گھبرا گیا تھا۔ تہذیب کا خیال چین ہی نہیں لینے دے رہا تھا کروٹیں بدلے جا رہا تھا۔

اس کا لمس اپنے آس پاس ابھی بھی محسوس ہو رہا تھا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا دونوں ہاتھوں سے اپنے بال جکڑ لے ”تہذیب! مجھے معاف کر دینا میں نے جس مجبوری میں کیا میں ہی جانتا ہوں۔“ وہ خود سے ہمکھام ہوا۔ ”خدا گواہ ہے میں نے حد کر اس نہیں کی ہے۔“

وہ دائیں بائیں کمرے میں موجود سنانے کو محسوس کرنے لگا مگر اندر کے شور کی وجہ سے وہ کمرے کے سنانے میں اس سو پار ہاتھ اٹھ کر چہل قدمی کرنے لگا پھر جب تھک گیا تو بیڈ پر آ گیا۔

”بھائی! کتنا زبردست موسم ہو رہا ہے واؤ۔“ راحمہ ٹیرس پر کھڑی ہلکی ہلکی ہوتی پھوار کو دیکھ کر خاصی ایکساٹمنٹ کا تھی اس کو اس کی چھٹی بھی جلدی ہو گئی تھی۔

ای اور بابا کو سنانے جانے کی تیاری کر چکے تھے حمود چاہ رہا تھا کہ راحمہ بھی ساتھ جائے تاکہ اسے گھر میں آزادی ملے۔

”بھائی! بابا سے ایک بار پھر سفارش کریں مجھے بھی لے جائیں کوئٹہ۔“ وہ اس کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھی۔ ”بابا سے جتنی مجھے کوشش کرنی تھی ان کی ناں ہاں میں نہیں بدل سکتی۔“ وہ موبائل کے بشن دبائے جا رہا کیونکہ منتہی سے بات کرنے کو بے قرار تھا راحمہ اس کے سر پر سوار تھی۔

”راحمہ! تم کچھ دیر کیلئے پلیز نیچے چلی جاؤ۔“ وہ جیسے تنگ ہی آ گیا۔ ”ہاں میں نیچے چلی جاؤں تاکہ آپ موبائل پر بات کر لیں بھابی سے۔“ وہ بے ساختہ بولی۔ ”بھابی سے..... کون بھابی؟“ وہ گڑبڑا گیا۔

”جمنی بھابی۔“ یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس دی۔ حمود نے چتون تیکھے کیے اور بغور اسے دیکھا جانے اسے ایسا کیوں لگا کہ وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔

”کیا ہوا ہے آپ اتنا گھور کیوں رہے ہیں؟“ وہ اس کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ ”تم سے میں نے کتنی بار کہا ہے جمنی کا ذکر کر کے میرا موڈ خراب نہیں کیا کرو۔“ ”کیوں ان کا ذکر تو ہوگا جب وہ آپ کی منگیتر ہیں۔“ وہ اطمینان سے بولی۔

”اونہہ..... منگیتر جب میں اسے پسند ہی نہیں کرتا تو میں منگیتر بھی نہیں سمجھتا۔“ واقعی وہ بد مزہ سا ہو گیا موبائل اٹھا کر سائیڈ پر ڈال دیا۔

”سوری بھائی! آپ ناراض ہو گئے۔“ راحمہ کو اس پر ترس آیا۔ ”راحمہ! تم جاؤ پلیز کچھ دیر میں پھر امی اور بابا کو نکل جانا ہوگا۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

”آپ کا موڈ خراب ہو گیا ہے ناں آپ کیا سمجھتے ہیں جمنی مجھے بہت پسند ہے کیا؟“ وہ بھی منہ بسور کے بولی۔ ”تم اس کے ساتھ بہت چمکتی ہو۔“

”وہ تو میں اس لئے ایسا کرتی ہوں کہ آپ بھی ان سے ہر وقت رُو سے ہوتے ہیں امی نے مجھ سے کہا ہے کہ میں جمنی کے ساتھ اپنا رویہ ٹھیک رکھا کروں۔“ وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

”اس وقت تم جمنی کا ٹاپک بند کر دو مجھے اکٹھا ہوتی ہے۔“ وہ بے زاری سے بولا۔ ”بھائی! میرے پاس ایک آئیڈیا ہے کیا زبردست ہے آپ کی جمنی نیاز سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔“ وہ پرجوش انداز میں بولتی ہوئی دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑنے لگی۔

”کیسا آئیڈیا؟“ حمود نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ”آپ ایسا کریں امی اور بابا تو کوئٹہ جا رہے ہیں ان کے پیچھے میری مس ہیں ناں منتہی ان سے شادی کر لیں۔“

”سک..... کیا.....؟“ حمود تو اچھل ہی گیا اس کی بات پر۔

”کیوں کیا ہوا، منتہی مس اچھی ہیں مجھے تو پسند ہیں، کیوں آپ کو نہیں پسند.....؟“

”راحمہ! تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ اسے تو پسینے آ گئے۔“

”اس میں پاگل ہونے کی کیا بات ہے، کم از کم حمی باجی سے جان تو چھوٹ جائے گی، معصومیت سے بول رہی تھی کہ حمود اسے جا چکی اور تقشیشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے ایسی بات کیسے کر دی۔“

”تم کیا سمجھتی ہو تمہاری مس مان جائیں گی۔“

”کیوں نہیں، کیا کمی ہے میرے بھائی میں، ڈشنگ ہے پڑھا لکھا ہے۔“ قفا خردہ لہجے میں ہاتھ نچا کر

”اس کے بعد بابا کیا حشر کریں گے، یہ سوچا ہے۔“

”زیادہ سے زیادہ آپ سے بات کرنا بند کر دیں گے مگر مجھے یہ پتہ ہے گھر سے نہیں نکالیں گے۔“ جانتی تھی بابا کو جو اپنی اولاد کو ایسی سزا دیتے تھے کہ وہ یاد رکھتی تھی مگر گھر سے بھی نہیں نکالیں گے یہ پتہ تھا۔

”تم کیا سمجھتی ہو بہت سیدھی ہے تمہاری مس۔“

”اتنا تو خیر مجھے پتہ ہے سیدھی تو بالکل نہیں ہیں، جب ہی تو بڑے بڑوں کو وہ سیدھا کر چکی ہیں، میں ہوں۔“ کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے ذومعنی لہجے میں بولی۔

”کیا مطلب ہے؟“ وہ چونکا۔

”میرا مطلب ہے جیسے مجھے سیدھا کر دیا پڑھائی میں دل لگانے لگی ہوں اور نماز بھی شروع کروادی۔“

”نہ میری۔“ اس نے بھی بتایا۔

”کیا تمہاری بھی.....“ حمود روانی میں حیرانگی سے بے ساختہ بولا۔

”کیا تمہاری بھی، کیوں آپ کی نمازیں انہوں نے شروع کروائی ہیں۔“ اس نے ڈائریکٹ ایک کیا۔

”جی نہیں..... میں نے خود شروع کی ہے میری کوئی تمہاری مس سے بات چیت نہیں ہے۔“ وہ نگاہ چرا۔

”اچھا نہیں ہے۔“ وہ مسکرائی۔

”وہ مجھے بتا رہی تھیں کہ آج کل ان کے سیل پر کوئی رائنگ کال بہت آرہی ہے، تنگ ہیں بہت۔“

”کب سے آرہی ہیں؟“ حمود تو بیٹھے سے کھڑا ہو گیا۔

”کال کر کے خود پوچھ لیں۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے بھاگ لی۔

حمود اس کی باتوں کے مفہوم کو سمجھتا رہا، راحمہ آج خاصی معنی خیز باتیں کر کے گئی تھی، کہیں اسے بھی خبر تو نہیں ہے وہ پورا ناظم پریشان ہی رہا تھا۔

امی اور بابا دو پہر بارہ بجے نکل گئے تھے۔ گھر میں ایک دم خاموشی ہو گئی تھی۔ راحمہ کو اور آزادی مل گئی تھی

سنجبال لیا تھا، حمود کا پورا دن پھر آفس میں گزرا تھا۔ رات کو گھر آیا تو وہ سوچتی تھی۔

منتہی کو اس نے کال کر لی تھی۔

”کل تیار رہنا، میں لینے آ رہا ہوں۔“ فوراً ہی کہہ دیا۔

”امی بابا چلے گئے؟“

”ہاں چلے گئے ہیں امی مجھ سے کہہ کر گئی ہیں کہ تمہیں چند دن کیلئے گھر لے آؤں۔“ وہ بول رہا تھا، تنہا

تھیں، ابھی بوجھل تھیں۔

”راحمہ.....“

”راحمہ کا مسئلہ نہیں ہے تم فکر نہیں کرو۔“ اس نے خاصی دیر اسے سمجھایا کیونکہ وہ آنے کیلئے حامی نہیں بھر رہی تھی لوگ رہا تھا اس بار خود کو روکنا مشکل تھا، کب سے وہ خود پر سپرے بٹھائے ہوئے تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ پورے تین دن بعد مکمل ہوش میں آئی تھی اور جو پھوٹ پھوٹ کے روئی تھی، مبینہ رونے لگی تھیں کیونکہ وہ بوجھ نہیں بتا رہی تھی۔ محریب کے گھر سے سب ہی اس کی خیر خیریت پوچھنے آتے رہے تھے مگر تہذیب کو جینے

پا نہیں تھی۔ جس سے محبت کی دل ہی دل میں وہ اس طرح کرے گا دل اس کا چیخ رہا تھا، فائق سے اسے نفرت ہونے

کی۔ اس کا یہ قدم مجبوری میں تھا مگر وہ فائق کو سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر اس کا ایک ایک انداز اسے اشتعال دل رہا تھا،

پس ابھی بھی محسوس ہو رہے تھے وہ گرم سانسیں، وہ تنفس وہ کچھ نہیں بھول پارہی تھی۔ اس کی محبت کی ایسی دھجیاں اڑیں گی اسے خبر نہ تھی اس کے ساتھ ایسا بھیانک انجام ہو گا سوچا یہ تھا، وہ تو زندگی

تھی مگر کیا خبر تھی انجانے میں اس سے زندگی چھین لی جائے گی، جو دوسروں کو روشنی کی کرن دکھائی تھی آج اس کی

لی سے وہ کرن معدوم تھی۔ اتنا بڑا نقصان وہ ابھی تک بھی کسی کو نہیں بتا پائی تھی، بس چپ تھی مگر دل ایسا لگ رہا تھا پھٹ جائے گا، اگر

کو بتائے گی تو وہ صدے سے ہی بے ہوش ہو جائیں گی، حکمت، حمزہ یہ اس کے چھوٹے معصوم بہن بھائی، کس

کہے۔ ”تہذیب! کچھ تو بولو، کیوں چپ ہو، مر جاؤ گی ایسے۔“ منتہی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ تہذیب نے اپنی

بھائی ہوئی صورت سے منتہی کو دیکھا جو اس کیلئے مکتی فکر مند تھی، تین راتوں سے اسی کے پاس تھی حتیٰ کہ حمود تک کو

در کیا ہوا تھا۔ ”کیا اس کو بتادے شاید دل کا بوجھ کم ہو جائے۔“

”تہذیب! میری بہن بولو تو.....“ وہ بھی روہا سی ہو گئی۔

”منتہی باجی.....!“ بس اتنا بولی۔

”ہاں ہاں بولو.....“ وہ اس کے ہاتھ تھام کے بولی۔ تہذیب کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے، لب بھیج لے،

یہ وہ سب اس سے شیر کرے مگر اندر کے غبار کو کسی طرح تو کم کرنا تھا۔

”تہذیب! اگر یا بولو.....“ وہ جیسے سمجھ گئی تھی کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے، کسی طرح تو اس کے دل کے اندر کا غبار نکالنا

ماتا کہ وہ نارمل ہو سکے کیونکہ تین دن سے صرف رو رہی تھی، کسی سے بھی نہیں بول رہی تھی۔

”منتہی باجی! اب مجھے جینا نہیں چاہیے۔“ دکھ و کرب سے گویا ہوئی۔

”ایسی بات کیوں بولتی ہو تم، ہزاروں سال جیو خوشیوں میں۔“ اس نے تڑپ کے اس کے ہاتھوں کو دبا کر

سادہ۔

”آپ کو نہیں پتہ مجھ پر ایک قیامت گزر گئی ہے، کیسے میں سب کا سامنا کروں گی۔“ منتہی باجی! یہ دنیا نہیں جینے

دے گی مجھے۔“ وہ پھر رونے لگی۔

”تم کچھ بھی ایسا غلط نہیں سوچو، ہمیں فائق نے بتا دیا ہے کوئی ڈاکو وغیرہ تھے وہ تادان لینا چاہتے۔
دونوں کو انہوں نے کذیب کیا تھا۔“ وہ فائق کی بتائی ہوئی بات بتانے لگی۔ تہذیب نے وحشت سے آ
پھیلا کر حیرانگی سے سنا۔

”نہیں یہ جھوٹ ہے، انہوں نے اور کچھ نہیں بتایا۔“ وہ غصہ میں آ گئی۔

”تہذیب! پھر کیا بات ہے؟“ وہ شاکی ہو گئی کہ آخر ایسی بات پر وہ اتنا غصہ میں کیوں آ گئی۔

تہذیب نے آہستہ آہستہ سب اسے بتا دیا، منتہی متوحش زدہ سی رہ گئی، مبینہ اندر آ رہی تھیں انہوں۔
کے اپنا دل تھام لیا، یہ سب انہوں نے کیا سنا لیا، وہ گرتی پڑتی وہاں سے آ گئیں۔

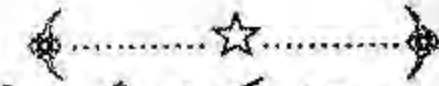
تہذیب نے پھوٹ پھوٹ کے روننا شروع کر دیا، منتہی تو سکتے میں تھی وہ اسے کہے تو کیا کہے، مگر
تہذیب کو دلا سے کی تسلی کی بہت ضرورت تھی۔

”تہذیب! پاگل ہو جو تم اتنا رو رہی ہو۔“

”منتہی! جاجی! میرا تو نقصان ہو گیا ناں، مجھے نفرت ہو گئی ہے فائق سے، میں اس کی صورت تک نہ
چاہتی۔“

”اس نے حد تو پار نہیں کی ہے، تم یہ بھی تو سوچو، اس کا یہ اقدام ہی بہتر تھا جو تم بتا رہی ہو۔“ وہ اسے مط
چاہتی تھی۔

”نہیں..... اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔“ وہ تو ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔ منتہی چپ ہو گئی کیونکہ
مزید بولتی تو تہذیب ضرور چیخنے لگتی۔



گھر میں جتنی ٹینشن ہو گئی تھی محریب ہی جانتا تھا، سر پکڑ کے الگ بیٹھ گیا تھا کیونکہ تہذیب کا رشتہ ختم ہو
فائق کی ساری باتیں فاطمہ کے شوہر نے انہیں کذیب کیا تھا مگر فائق نے وہ سب کچھ کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ
اس کے ساتھ گزر چکا تھا۔ فائق کو بھی چپ سی لگ گئی تھی محریب اسے نوٹ بھی کر رہا تھا مگر اب تک وہ جس
پہنچا تھا اس پر عمل لازمی تھا مگر ایسے میں دادی جان نے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا کیونکہ ان کی طبیعت پھر خراب
لگی تھی۔

”بیٹا! مجھے عنانہ کے پاس لے چل۔“

”دادی جان! آپ کو وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے عنانہ کو یہاں بلوالیں۔“

”کون لے کے آئے گا..... تو؟“ وہ آج خاصی ضدی ہو رہی تھیں اور محریب کا ذہن بوجھل ہو رہا تھا
تہذیب کی اسے الگ ٹینشن سوار تھی۔

”ہاں میں لے کے آؤں گا، آپ اطمینان رکھیے۔“ وہ ان کے پاس بیٹھا انہیں تسلی دینے لگا۔

”ابھی لے کے آ۔“

”اچھا۔“ وہ کھڑا ہو گیا کیونکہ ان کا حکم کبھی نہیں ٹالتا تھا۔ وہ فاقن کے قمیض شلواریں میں ملبوس سوچوں میں
نکل گیا، جواد چاچو کے گیٹ پر پہنچ کے وہ کچھ سنبھلا تھا۔ نو بجے رہے تھے اور ایسے ٹائم پر وہ آیا تھا سمیرا چچی سے
ضرور ہونا تھا۔

اس نے جواد چاچو کو مودب انداز میں سلام کیا تھا، سمیرا چچی کچن میں تھیں، اس نے فوراً ہی جواد احمد۔

عائیان کیا۔

”ٹھیک ہے بیٹا! لے جاؤ۔“ وہ رضامندی سے بولے۔

عنانہ کو جواد احمد کی مانی پڑی مگر وہ محریب کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن دادی جان کی طبیعت کا سن کے
سے مانتا پڑی۔ نیک کاٹن کے ایمر اینڈری کے سوٹ میں ملبوس فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی محریب نے اس سے
کوئی بات نہیں کی تھی، عنانہ کو تشویش بھی ہو رہی تھی کہ آخر محریب ایسی کون سی پریشانی میں مبتلا ہے کہ اس نے
جتنی نگاہ تک نہیں ڈالی۔

”آپ کچھ پریشان ہیں.....؟“ ڈرتے جھجکتے ہوئے لب کھولے۔

”آں..... ہاں..... نہیں تو.....“ آہستگی سے چونک کے بس اتنا بولا۔

”مجھے لگ رہا ہے آپ کچھ سوچ رہے ہیں۔“ وہ اسے بغور دیکھنے لگی۔

محریب نے حیرانگی سے نگاہ اٹھائی کہ اس نے اتنا تفصیلی طور پر جانچا کہ وہ اسے کچھ سوچتا ہوا لگ رہا تھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ مستعدی سے سامنے دیکھتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

”دیکھئے اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو کچھ شیئر کر سکتے ہیں۔“ محریب پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ

عنانہ اور اس کے لئے اتنی فکر مند ہو رہی ہے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

”شیئر ان سے کیا جاتا ہے جو دلوں کے قریب ہوتے ہیں۔“ لہجہ میں غمی کے ساتھ طنز ڈرا آیا۔ عنانہ نے جزیب ہو

کر لب بھیج لے کیونکہ وہ اتنی گہری بات کر رہا تھا کچھ تو دفاع میں بولنا تھا ورنہ یہ شخص بدگمان ہی رہے گا۔

”آپ کیا سمجھتے ہیں میں اور آپ دلوں سے دور ہیں۔“ نگاہ میں حجاب مانع تھا۔

”دلوں میں بھی تو شاید نہیں ہیں۔“ تیزی سے موڑ کاٹا۔

”دلوں میں تو کوئی بہت پہلے سے ہی آچکا ہوتا ہے جو مقابل کو پتہ بھی نہیں چلتا ہے کہ وہ کتنا دل کے اندر ہے۔“

محریب نے نگاہ ترچھی کی اس کے صبح چہرے پر حیرانگی سے نگاہ ڈالی جو سر جھکائے ہوئے کنفیوژ سی بھی لگ

رہی تھی۔

”جو اندر آچکا ہوتا ہے وہ احساس بھی مانگتا ہے۔“ وہ یکدم بولا۔

”یہ احساس کافی نہیں ہے کہ وہ آپ سے پوچھ رہا ہے کہ آپ کچھ پریشان ہیں۔“ وہ لاجواب ہو گئی۔

”میں آج سے پہلے بھی کئی بار پریشان ہوا ہوں، جب تو کبھی اتنی فکر نہیں ہوئی۔“ طنز کرنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

”کبھی میں نے آپ کو جتنا یا نہیں ہے مگر یہ سچ ہے کہ میں نے ہمیشہ آپ کی فکر کی ہے۔“ عنانہ آج سارے

اقرار و اعتراف کر رہی تھی اس لئے کہ محریب کا خیال اسے ہر وقت رہتا تھا، اس کا ناراض ہونا، غصہ سب کچھ

اسے یاد تھا۔

”ہوں۔“ اس نے لمبا سانس بھرا اور گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے باہر روک دی۔ گیارہ بج رہے تھے ناشتہ وہ دیر

سے کر کے نکلا تھا مگر کچھ دیر وہ عنانہ سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا، فرنٹ ڈور کھولا، اسے اترنے کو کہا۔ گاڑی لاک

کر کے دونوں ریسٹورنٹ میں آ گئے، صبح کا ٹائم تھا اس لئے زیادہ رش نہیں تھا، ریسٹورنٹ کا ماحول کافی خاموش تھا ٹیبل

کا انتخاب کر کے دونوں بیٹھ گئے، عنانہ حیرانگی سے دیکھتی رہی تھی۔

محریب نے جوس کا آرڈر دے دیا تھا اب نگاہ عنانہ کے چہرے پر تھی جو جھپٹی ہوئی بیٹھی تھی نگاہ تک نہیں ملا

رہی تھی۔

”کتنی فکر کرتی ہو میری“۔ وہ پھر سوال کر بیٹھا۔ عنائبہ نے چونک کر سر اٹھایا وہ سنجیدہ تھا مگر چہرے پر ایک جیسے وہ یقین نہیں کر رہا ہو۔

”عنائبہ! میں بھی انسان ہوں احساس چاہتا ہوں، بتاؤ کتنی فکر ہے میری“۔ لہجہ تیز تھا۔
”آپ جب بھی مجھ سے غصہ میں بات کرتے ہیں میں پوری رات سوتی نہیں ہوں، صرف یہی سوچتی ہو آپ کا غصہ کسی طرح کم کر دوں“۔ شرمائے ہوئے لہجے میں بولی۔ محریب کے لب مبہم سے مسکرائے، وہ کچھ مظلوم لگتا تھا کہ وہ اس کی فکر کرتی ہے اسے سوچتی تو ہے۔
”آپ پریشانی بتانا پسند کریں گے“۔ وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔
”یعنی تم جانتی ہو میں پریشان ہوں“۔ اس نے سر ہلایا۔ محریب نے پھر فائق اور تہذیب کا مسئلہ رکھ دیا، سوچنے لگی۔

”میں ایک بات کہوں“۔ سننے کے بعد بولی۔
”ہوں کہو“۔ عنائبہ کو گہری نگاہوں میں وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔
”فاقق کا رشتہ آپ لوگ تہذیب کے لئے لے کے جائیں کیونکہ تہذیب تین دن گھر سے غائب رہی۔ اس کا رشتہ بھی ٹوٹ گیا ہے اس کا یہی حل بھی ہے“۔ وہ رک رک کے گویا ہوئی۔
”کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو یہ تو میں نے بھی سوچا تھا مگر سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ٹھیک رہے گا یا نہیں“۔ وہ کے سب لینے لگا۔

”اس سلسلے میں آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں“۔ جھٹ بولی۔
”تھینکس“۔ اس نے کہا۔
”آپ چھوٹی تائی سے بات کریں“۔
”کرنا ہوں آج ہی“۔ اسے عنائبہ کی بات معقول لگی تھی۔ آج پہلی بار دونوں اتنے دوستانہ ماحول میں چیت کر رہے تھے دونوں ہی حیران تھے۔

بڑوں کی جب محفل جچی تو اس میں عنائبہ بھی شامل تھی۔ رافع کو اعتراض تھا کہ آخر ایسی کون سی باتیں ہیں جو ہی ہیں۔ اتنے میں فائق کو بھی بلا لیا گیا۔
”ماز بھائی! آپ کو بے چینی نہیں ہو رہی ہے اندر آخر کیا ہو رہا ہے؟“ سب ہی تائیا ابو کے کمرے میں تھے دروازہ بھی بند تھا رافع گئی بار کوشش کر چکا تھا کان لگا کر سننے کی۔

”جو بھی بات ہوگی پتہ چل جائے گی تم اتنے پریشان نہیں ہو“۔ وہ اطمینان سے بولا، کان میں اس کے پینڈا لگی تھی FM سن رہا تھا، وشہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھی اسے گھور رہی تھی کیونکہ FM کے شو کرتا تھا تو سنتا بھی تھا PJ کیسا شو کر رہا ہے۔
”انہیں کیوں فکر ہوگی ریڈیو سننے سے فرصت ملے تو“۔ وشہ نے منہ بنا کے کہا مگر اسی وقت ایسی مٹکی ہوئی کہ تیزی سے اٹھ کر بھاگی ماز نے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا، پینڈا فری کان سے نکالی اور کھڑا ہو گیا۔

”وشہ باجی کو کیا ہوا؟“ رافع بھی کچھ سمجھا نہیں تھا۔
ماز اسے ڈھونڈتا ہوا ڈانٹنگ ہال کی جانب آ گیا جہاں وہ بارش سے باہر آ رہی تھی۔

رداؤ انجسٹ [128] مارچ 2011ء

”کیا ہو رہا ہے تمہیں“ جب سے تم اپنے میکر رہ کے آئی ہو بار بار واش روم کیوں بھاگتی ہو“۔ وہ خاصا فکر مندی سے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا، وہ تھک کر ڈانٹنگ ٹیبل کی چیر گھسیٹ کے بیٹھ گئی۔
”پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے“۔ وہ سمجھ تو رہی تھی پھر اپنی امی کی باتیں بھی دماغ میں گونج رہی تھیں۔

”تم اٹھو چلو میرے ساتھ تمہارا چیک اپ ضروری ہو گیا ہے کیونکہ مجھے بھی کچھ شک ہو رہا ہے“۔ سیل کو پینٹ کی پاکٹ میں گھسایا اور اشارے سے اسے اٹھنے کو کہا۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کو FM سننے بڑی فکر کی آپ نے“۔ ناچاٹے ہوئے بھی جل کے طنز کیا۔
”وشہ! بات کو نالٹنے کی کوشش نہیں کرو، اٹھو“۔ زبردستی اسے لے گیا۔ وہ منع ہی کرتی رہ گئی، وہ تو قریب ایک کلینک تھا جس میں میاں بیوی دونوں ہی ڈاکٹر تھے اس کا چیک اپ کروایا۔

ماز تو حیرانگی سے وشہ کی صورت ہی دیکھتا رہ گیا، وہ شرمائی ہوئی تھی۔
”اتنی خوشی کی خبر ہے مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں“۔ وہ پورج میں کھڑا اس کے شرمائے لجائے چہرے کو تنکے کے بعد گویا ہوا۔

”کچھ نہیں کریں اندر چلے جانے اندر کیا ہو رہا ہوگا“۔ وہ اپنا ٹنک آنچل سنبھالتی دروازہ کھول کے اندر چلی گئی۔ وہاں سب کو ہال کمرے میں جمع دیکھ کر ٹھٹھکی سی گئی کہ پہلے اندر محفل جچی ہوئی تھی کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔

”مجھے لگتا ہے معاملہ کچھ گھمبیر ہے“۔ ماز اس سے سرگوشی میں بولا۔ وشہ کی آنکھیں اس وقت پھٹ گئیں جب عنائبہ اور محریب کو بات کرتے ہوئے دیکھا، وہ دونوں کوریڈور میں تھے۔
”دیکھئے ان دونوں کو“۔ وشہ کو خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ ماز کی نگاہ بھی پہنچ گئی، دونوں بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

”جو تم دیکھ رہی ہو میں بھی وہی دیکھ رہا ہوں“۔ ماز نے وشہ سے پوچھا۔
”آج یہ دونوں باتیں کر رہے ہیں“۔ ماز آگے بڑھا۔

”ارے رکیے تو جانے کی ضرورت نہیں ہے“۔ اس نے پکار لیا، ماز رک گیا۔
”یار! سننے تو دو آخر اتنی سنجیدگی سے دونوں باتیں کیا کر رہے ہیں“۔ ماز کو زیادہ تجسس ہوتا تھا ہر بات کا۔
”آپ کو تو ہر بات کا تجسس رہتا ہے“۔ وشہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔ ان دونوں نے ابھی کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا بلکہ وہاں کے سنجیدہ ماحول کو تنقیدی اور جاچتی پڑتشلش نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

”ماز بھائی! فاقق بھائی کا پرپوزل تہذیب باجی کیلئے جانے والا ہے“۔ رافع نے کان میں سرگوشی کے انداز میں خبر دی۔

”کک..... کیا.....“ وہ حیرت سے اچھل گیا۔ رافع تو کھسک گیا جبکہ ماز تو بے چین ہو گیا، ابو اور چچا جان الگ گفتگو میں مصروف تھے۔ چچی جان موجود نہیں تھیں، امی داوی جان کے پاس بیٹھی تھیں۔ وہ اٹھا، اسے فائق کی غیر موجودگی کچھ سوچ میں مبتلا کر گئی تھی۔

”یار فائق! میں یہ کیا سن کے آ رہا ہوں؟“ وہ دھڑ سے دروازہ کھول کے اندر آ گیا، وہ سونے کی تقریباً تیاری کر رہا تھا چہرے پر بے زاری اور اکتاہٹ کے آثار نمایاں تھے۔
”کیا سن کے آ رہے ہو؟“ وہ اس سے بیڈ پر لیٹا۔

رداؤ انجسٹ [129] مارچ 2011ء

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور ایچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”تیرا پر پوزل تہذیب کیلئے جارہا ہے جبکہ تو تو کسی لڑکی کے چکر میں ہی نہیں پڑتا تھا۔“
”مازنا اس وقت مجھے بہت نیند آ رہی ہے پلیز تم چلے جاؤ مجھے سونا ہے۔“ بے مروتی کی وہ اکثر حد ہی کرد
”ضرورت سے زیادہ بد لحاظ اور بے مروت انسان ہو۔“

”جب پتہ ہے تو کیوں رات میں میرے روم میں آتے ہو۔“ وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ ماز نے دونو
پشت پر نکا کر اسے گھورا جو سیدھا لٹا ہوا تھا۔

”تیرے روم میں اس وقت تک بے دھڑک آتا رہوں گا جب تک تیری شادی نہیں ہو جاتی۔“
”فضول مانگنے کیلئے تمہیں میں ہی نظر آتا ہوں۔“ اس حادثے کے بعد سے وہ بہت چڑا ہوا گیا تھا، طبیعت
بے زاری بھی آگئی تھی پورا دن روم میں پڑا رہتا تھا پڑھائی بھی ختم ہو چکی تھی، جاب کیلئے اپلائی کیا ہوا تھا انٹرنش
چاہتا تھا۔

”بعد میں بات کرتا ہوں تجھ سے۔“ ماز جانے لگا۔
”یار! سوری سچ بہت نیند آ رہی ہے۔“ اُس نے اس کی ناراضگی محسوس کی۔

”ابھی تجھے بخش رہا ہوں صبح سیدھا کرتا ہوں تجھے۔“ وہ تیزی سے کمرے سے ہی نکل گیا۔
فائق نے اپنے گلاسز اتار کے سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور آنکھیں بند کر لیں۔ جب سے ابو اور تایا ابو کا فیصلہ
تو سکتے میں آ گیا تھا کہ اس کی شادی تہذیب سے جبکہ یہ ضروری تھا بے چاری کا رشتہ ختم ہو گیا لوگوں کی طرح
کی باتیں کس کس طرح فیس کرے گی۔

فائق نے اصل بات ابھی تک بھی سب سے مخفی رکھی ہوئی تھی وہ اتنی جلدی شادی کرنا بھی نہیں چاہتا تھا،
کچھ اپنا مقام بنانا چاہتا تھا مگر یہ سب حالات اسے خبر نہیں تھی کہ یوں اچانک سے ایسی ہوا چلے گی کہ سب کچھ بکھ
رہ جائے گا۔

تہذیب کی معصومیت اس کی خودداری اسے سب عزیز تھی مگر سب کچھ چھین لے گیا وہ لمحہ جس لمحے اس۔
کڑا فیصلہ کیا تھا۔

”تہذیب! مجھے معاف کر دینا میری نیت میں کھوٹ نہیں ہے، میں نے تمہیں سچے جذبوں سے چھو ا
میرے لئے وہ پھول ہو جو اپنی تازگی ہمیشہ برقرار رکھتا ہے اپنی خوشبو سے۔ تمہاری ایسی خوشبو ہے کہ میں اس
جکڑنا چلا گیا ہوں۔“ وہ خیالوں میں اس سے مخاطب تھا۔

”زندگی بھر کا تم سے ناٹھ جوڑنے کا تو سوچا ہوا تھا مگر ایسے حالات میں تو نہیں۔“ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا۔
”میں اگر تمہیں اپنی محبت کا پیار کا یقین دلاؤں گا تو تم کبھی یقین نہیں کرو گی ہماری کب اچھے انداز
بات چیت ہوئی ہے۔“ وہ اتنا ذہنی طور پر پریشان تھا کہ کسی سے بھی کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ محریب اور عنایہ
بھی اسے کتنا سمجھایا تھا کہ وہ اپنے دل پر کوئی بوجھ نہیں رکھے۔ مگر جب دل ہی بے کل اور پریشان ہو تو
کسی پل نہیں ملتا ہے۔ پندرہ دن ہو گئے تھے اس نے تہذیب کو اس دن کے بعد سے ابھی تک نہیں دیکھ
سب سے یہی خبر مل رہی تھی کہ ”تہذیب کو چپ لگ گئی ہے“ وہ جانتا تھا وہ شاک میں تھی اور اسے شاک
نکالنا تھا۔

(جاری)



شازیہ مصطفیٰ
سلسلے وار ناول

قسط نمبر 23 -

جماعت وکیل کی جماعت



ابھی اس نے لیٹنے کا قصد کیا ہی تھا کہ سیل کی بپ نے اسے چونکا دیا۔ آہنگی سے تہذیب کے قریب سے انھی حکمت زمین پر بستر بچھا کے سوئی تھی جبکہ مینہ اور تیز ہوا ساتھ والے کمرے میں سوتے تھے۔
 ”علیکم السلام“ ڈرائنگ روم میں چلی آئی تاکہ یہاں ٹھیک سے بات ہو سکے۔
 ”پورا دن تم نے سیل نہیں اٹھایا کتنی کا لڑ کر چکا ہوں۔“
 ”سوری..... وہ تہذیب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ سب جانتے ہیں پھر بھی بول رہے ہیں۔“ منشی کو غصہ آ گیا۔
 ”میں سب جانتا ہوں مجھے پتہ ہے مگر یار! تمہارا ایک پیارا سا شوہر بھی ہے اس کے حال پر تمہیں رحم نہیں آتا۔“ وہ غصے سے طنز کرنے لگا۔
 ”جی بولے جلدی مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔“ اس نے جھائی روکی۔
 ”منشی! میں کچھ کہہ رہا ہوں تم سے۔“ وہ تیز لہجے میں بولا۔
 ”سن لیا ہے میں نے مگر اس وقت سچ کہہ رہی ہوں میں بہت تھکی ہوئی ہوں نیند بہت آ رہی ہے۔“ اس پر جیسے حمود کی غفلت کا مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔
 ”ٹھیک ہے تم آرام سے سو جاؤ میں پھر فجر میں نماز کے بعد کروں گا۔“
 ”یہ کیا بات ہوئی۔“ وہ بولی۔
 ”تمہیں نیند آ رہی ہے سو جاؤ میں روک نہیں رہا مگر مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں پتہ ہے امی اور بابا کو نیند گئے ہوئے ہیں اور تم کتنے دنوں سے راحہ کو پڑھانے بھی نہیں آ رہی ہو۔“ اس نے بتانے کے ساتھ ہی شکوہ بھی کیا۔
 ”تہذیب کی طبیعت بہتر ہوگی تو میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور آؤں گی۔“ وہ شرمندہ ہوئی۔
 ”میرے لئے کب نام نکالو گی تم۔“
 ”دیکھ لیں آپ میرے پاس آپ تک کیلئے نام نہیں ہے سوچ لیں راستہ بدلنا ہے۔“ وہ پھر اپنی بات پر آ گئی۔
 ”اپنی ساس کو دیکھا ہے تم نے بہت ناراض ہوں گی ساتھ ہی میری بھی خیر نہیں ہوگی۔“
 ”پتہ نہیں کیوں دل میں خوف بچے گا زکے پیٹھے ہوئے ہیں۔“
 ”تم ناخن کیوں نہیں کاٹ دیتی ہو خوف کے۔“ وہ مضحکہ خیز انداز میں شوخی سے بولا۔
 ”آپ میری کسی بات کو کبھی سنجیدہ لیتے ہی نہیں ہیں۔“ وہ ناراض ہونے لگی۔
 ”تمہیں ساری زندگی کے لئے سنجیدگی سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہیے اور کیا چاہتی ہو کتنا سنجیدہ ہوں۔“ وہ ترکی بہ ترکی بولا۔
 ”مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی ہے۔“
 ”ٹھیک ہے نہیں کرو مگر کل پانچ بجے تیار رہنا میں لینے آؤں گا اور نہ میں بالکل نہیں سنوں گا۔“ وہ اپنی بات پوری کر کے گویا ہوا۔
 ”کل! کچھ دن اور رک جائیں۔“ وہ منتنائی۔
 ”بالکل نہیں یہاں میں تمہارے لئے اٹنا بے چین ہوں اور تم ابھی بھی مجھے ترسانا چاہ رہی ہو۔“ وہ معنی خیزی سے بولتے ہوئے غصہ کرنے لگا۔
 ”وہ راحہ کیا سوچے گی؟“

”کچھ نہیں سوچے گی ویسے بھی جلدی سو جاتی ہے۔“ وہ بولا۔
 ”ایسے کیا اچھا لگے گا۔“ اسے ڈھیروں شرم آنے لگی اور پسینے الگ آنا شروع ہو گئے۔
 ”مجھے تو اچھا لگے گا حمود کی جان۔“ وہ محمور زدہ لہجہ بتانے لگا۔ منشی کو حیا سی آ جاتی جب بھی وہ رو میٹک موڈ میں کوئی بھی ایسا جملہ بولتا۔
 ”سنو! کل تم آؤ گی تو تمہارے لئے میں نے ایک گفٹ لے کے رکھا ہے جو میرے خیال میں کسی ہسپونڈ نے اپنی وائف کو کبھی نہیں دیا ہوگا۔“ وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔
 ”ایسا کون سا گفٹ ہے.....؟“ وہ لجا کے گویا ہوئی۔
 ”یہ تو کل ہی پتہ چلے گا اور ہاں پلیز کوئی اچھا سا لباس زیب تن کر لینا جو میں نے تمہیں اتنا کچھ دلایا ہے یار! اسے استعمال تو کرو خاص میرے لئے تمہیں سنور کے آنا ہوگا۔“ اس نے گویا حکم انداز میں جتایا۔
 ”راحہ کو بھول گئے ہیں لگتا ہے۔“
 ”وہ بھی یاد ہے۔“ وہ مسکرایا۔
 ”اگر حسی آگئی تو.....؟“
 ”آ جائے وہ بھی میں نہیں ڈرتا۔“ وہ براہمادہ بن گیا۔
 ”بابا کی بندوق یاد ہے کہاں رکھی ہے۔“ منشی اسے تنگ کرنے لگی۔
 ”وہ بھی یاد ہے۔“ بد مزاسا ہو گیا۔
 ”اچھا اب اجازت ہے مجھے سونے کی۔“ وہ پوچھنے لگی۔
 ”ایک شرط پر۔“
 ”کیسی شرط؟“ وہ چونکی۔
 ”بولو حمود کی جان کو سونے کی اجازت ہے۔“
 ”جی۔“ وہ تو گھبرا گئی۔
 ”بولو جلدی.....“ وہ بغد تھا۔
 ”کیا ہو جاتا ہے آپ کو سیدھی طرح بات کر رہے ہوتے ہیں ایک دم پڑی سے اتر جاتے ہیں۔“ وہ دکھیا گئی۔
 ”کیونکہ تم پڑی کو سیدھا ہی نہیں رہنے دیتی ہو اترنا تو پڑتا ہے۔“ وہ بھی جیسے آج تہیہ کیا ہوا تھا کہ بلو کے دم لے گا۔
 ”شاباش جلدی بولو۔“
 ”پلیز! کیا ہے اتنی رات ہو گئی ہے۔“
 ”سوچ لو میں سیل میں سے بھی اپنا کام کر سکتا ہوں۔“ لہجہ معنی خیز تھا۔
 ”کیا مطلب ہے.....؟“ وہ حیران تھی حمود کے جملے سن کے۔
 ”او کے اللہ حافظ۔“
 ”اوں ہوں..... بالکل نہیں۔“ وہ بولا۔
 ”اچھا کل۔“ وہ نالے کو بولی۔
 ”یاد رکھنا کل کہا ہے۔“ وہ بھی خوش ہو گیا۔

”او کے“۔ منجھی نے جلدی سے کال بند کی اور لمبا سانس لیا۔
 ”ہائے یہ میں نے کیا کہہ دیا، کل تو ان کے سامنے میں تو بول ہی نہیں پاؤں گی۔“ سوچ کے گھبراہٹ ہونے لگی۔
 ”تمو سالارا تنے رومیٹنگ ہوتی میں کہاں عام سی سادہ سی لڑکی تمہارے ساتھ کیسے رہوں گی۔“
 وہ وہیں صوفے پر دروازہ ہو گئی تھی۔ آج اس کا ذہن مکمل سودی طرف چلا گیا تھا جو اس سے ٹوٹ کے محبت کرنے لگا تھا اس کی ہر بات میں محبت کا رنگ، ہر جملے میں محبت کا رچاؤ، آنکھوں میں پیار بھرے جذبے ہونٹوں پر ہمیشہ اس کیلئے مسکراہٹ، کتنا ڈیٹنگ بندہ تھا اور وہ کتنی عام اور سادہ کیسی لگتی ہوگی اس کے ساتھ چلتے ہوئے۔
 دل جانے کیوں اور بھی بے کل اور پریشان ہو گیا تھا کیونکہ کل اس کے پاس جانا بھی تو تھا کیسے رو کے گی اسے انجانے خوف ڈراتے رہتے تھے۔

﴿.....﴾

فائق کا پر پوزل جا چکا تھا اور فائق کو وہ خوشی نہیں تھی کہ یوں تہذیب اچانک سے اسے مل رہی تھی دل میں سکون نہیں تھا چور بنا ہوا وہ پھرتا تھا کوئی مصروفیت بھی نہیں مل رہی تھی اسے کہ وہ اپنا ذہن ہی لگا تا۔ FM پر بھی شو کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا وہاں بھی نہیں جا رہا تھا جبکہ اسے غزلوں کا شو کرنے کا کتنا شوق تھا جبکہ شولا بھی تو اس نے منع کر دیا۔
 ان میں وہ کب سے چہل قدمی کر رہا تھا شام کی سرسٹی بھی پھیل گئی تھی وہ کین کی چیز پر دھڑ سے بیٹھا تھا اسی وقت چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ محمود بلیک پینٹ پر ہاف وائٹ شرٹ میں ملبوس اپنی ڈیٹنگ پر سٹینڈی کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا اس نے چونک کر دیکھا تھا۔

”اوہ یار! تم کیسے ہو؟“ محمود نے ہاتھ ملا یا۔

”ٹھیک ہوں آپ سنائیے۔“ وہ مسکرایا۔

”محررب بہت پریشان تھا تمہارے لئے کن لوگوں نے تمہیں کڈیپ کیا تھا؟“ محمود کی اس سے آج بات ہوئی تو وہ بھی سارا واقعہ پوچھنے لگا۔

”محمود بھائی! اب تو چڑھ گئی ہے بتاتا کے سب کو۔“ وہ بے زاری سے بولا۔

”سوری یار! میں بھی کتنا پاگل ہوں جبکہ محرب سے ملتا رہتا ہوں اس نے مجھے بتایا بھی تھا۔“ وہ خجل ہو گیا۔

”اور سناؤ ابھی تک آفس جوائن نہیں کیا۔“

”میں انٹر شپ کرنا چاہتا ہوں پھر آفس جوائن کروں گا۔“ وہ بولا۔

”تو یار! پہلے بتاتے میرا آفس جوائن کرو مجھے ویسے بھی ضرورت ہے ایک بندے کی۔“ محمود نے جھٹ اتے آفر دی۔

”ٹھیک ہے میں سوچ کے بتاتا ہوں۔“

”یار! سوچنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے تم کل سے ہی آؤ میرے آفس۔“ اس نے اپنا کارڈ اسے تھمایا کچھ سمجھایا بھی پھر اندر کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اسے منجھی کو لے جانے کی جلدی تھی۔

فائق کا رڈ لے کے دیکھنے لگا اسے بھی ضرورت تھی اپنے ماحول سے ہٹ کے نئی مصروفیت کی وہ خوش ہو گیا مگر محرب سے ڈسکس کرنا پھر بھی ضروری تھا۔

محررب ابھی تک گھر نہیں آیا تھا عنایت بھی جا چکی تھی گھر میں ایک عجیب سی خاموشی رہنے لگی تھی۔ اس کے انداز میں اور سنجیدگی آگئی تھی پہلے بھی سنجیدہ تھا اور اب تو اس حادثے نے اس کی ساری خود اعتمادی تک چھین لی تھی۔ پہلے

سب کے درمیان بیٹھ کے باتیں کر بھی لیتا تھا مگر اب تو ان سب سے ہی بچنے لگا تھا۔ امی کتنا اسے کہتی رہتی تھیں کہ سب کے درمیان آ کے بیٹھا کرے مگر وہ سنتا ہی نہیں تھا۔
 ”کیا سوچ رہے ہو؟“ مائز FM جانے کی تیاری کر کے نکلا تو اس پر نگاہ پڑ گئی جو صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کے بیٹھا تھا بلیو جینز پر ہاف وائٹ شرٹ میں ملبوس الٹی بڑھی ہوئی شیوا سے اور بھی ڈیٹنگ بنا رہی تھی۔
 ”تم ہر وقت مجھ پر ہی کیوں رہ سوچ کرتے رہتے ہو۔“ فائق چڑ کے گویا ہوا۔
 ”کیونکہ تمہارا ابھی تک کوئی سراہا تھا نہیں آیا ہے کہ تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو گئے جبکہ تم پہلے بھی مگر اب زیادہ ہو گئے ہو۔“ مائز اپنی شرٹ کی آستینوں کو فولڈ کر کے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا فائق نے مائز سے چٹکے اور ناگواری والے چہرے سے اسے دیکھا۔

”میرا دل نہیں چاہتا فضول باتیں کرنے کو۔“

”فائق! تم نے اس حادثے کو اپنے ذہن و دل پر سوار کر لیا تھا یا ر! ایسے تو تم ہم سب سے دور ہو جاؤ گے FM تک چھوڑ دیا جبکہ تم جانتے ہو سارے لسنرز تمہیں کتنا پسند کرتے ہیں۔“ مائز اس کیلئے بہت زیادہ مگر مند تھا۔

”جب میرا دل ہی نہیں لگتا تو کیا کروں؟“

”تہذیب کے ساتھ دل لگ جائے گا بتاؤ۔“ یکدم ہی غیر متوقع سوال کر دیا۔

”پتہ نہیں۔“ وہ کھڑا ہو گیا جب بھی تہذیب کو سوچتا تھا اسے اور بے چینی اور گھبراہٹ ہو جاتی تھی جب سے شادی کا ذکر نکلا تھا وہ اور بھی غم سے لگا تھا۔

”کیا پتہ نہیں مجھے بتاؤ فائق یار! تم میرے بھائی بھی ہو مجھے پتہ ہے تم اپنی Feelings کسی سے شیئر نہیں کرتے ہو مجھ سے تو کر سکتے ہو کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں۔“ مائز افسردگی اور مایوسی سے بولا۔ فائق اسے دیکھنے لگا جو اس وقت سنجیدہ تھا۔

”تم جب بھی میری بات پوچھتے ہو بے موقع پوچھتے ہو نہ وقت دیکھتے ہو۔“ وہ نرم لہجے میں بولا۔

”پھر کب پوچھوں؟ رات میں تمہارے روم میں آتا ہوں تو تمہیں خیندا آ جاتی ہے جبکہ میں جانتا ہوں تم مجھے مالتے ہو۔“ وہ بولا۔

”سوری یار! پتہ نہیں کیوں میں ایسا کرتا ہوں۔“

”سداہر جاؤ انسان بن جاؤ یہ میں ہوں جو تیری کسی بات کا نہ نہیں مانتا ہوں۔“ مائز ریٹ واپس پر نگاہ ڈالتے ہوئے اٹھا آدھا گھنٹہ پہلے اسے پہنچتا تھا دس منٹ اوپر ہی ہو گئے تھے۔

”بعد میں پوچھوں گا ابھی مجھے جلدی ہے۔“ وہ یہ کہہ کر نکل گیا۔ فائق بھی کھڑا ہو گیا کارڈ اس کے ہاتھ میں موجود تھا سرسری پھر نگاہ ڈالی۔

﴿.....﴾

”جتنا میں تمہیں ڈسکس دے رہا ہوں تم اتنا پھیل رہی ہو۔“ محمود کو غصہ آ گیا منجھی جانے سے انکاری تھی۔ دونوں میں کافی دیر سے بحث بھی ہو رہی تھی۔

”آپ بات کو خود نہیں سمجھ رہے ہیں! راحمہ گھر پر ہوگی کس طرح یہ سب چھپ سکتا ہے یہ سوچا آپ نے؟“ وہ آہستگی سے اسے سمجھانے لگی تاکہ وہ مزید نہ بھڑکے۔

”میں کہہ تو رہا ہوں سب سنبھال لوں گا پتہ ہے امی کے کل سے اب تک پانچ فون آ گئے ہیں پوچھتی ہیں روز

منتہی کو گھر کب لاؤ گے۔
 "امی کو آپ نے کہا نہیں راحہ ہے گھر میں۔" وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی نگاہ اس پر جمائی ہوئی تھی۔
 "اتنی ظالم بیوی میں نے نہیں دیکھی جیسی تم ہو۔" وہ ناراض ہونے لگا "وہ اسکرین سے باہر نگاہ کر لی۔
 "میں نے کہا تھا آپ کو اور کہتی رہتی ہوں مجھے اپنی زندگی میں شامل کریں گے تو ایسے ہی پریشان رہیں گے
 چھوڑ دیں میرے حال پر میں کچھ نہیں دے سکتی آپ کو بہت بد نصیب لڑکی ہوں جہاں جاتی ہوں مسئلے کھڑے ہو
 جاتے ہیں۔"
 "ہو گیا۔ پھر ختم بابا قی ہے۔" وہ بے زاری سے گویا ہوا۔
 "جو حقیقت ہے وہ بیان کر رہی ہوں۔" خفگی سے بولی۔
 "ہر بار یہی بولتی ہو اکتاہٹ نہیں ہوتی ہے تمہیں جب میں تمہاری کوئی بات مانتا نہیں ہوں تو کیوں میرا اور اپنا
 موڈ خراب کرتی ہو۔"
 "میں آپ کو ہر بار اس لئے بولتی ہوں کہ فیصلہ بدل لیں آپ اپنے بابا سے نہیں مقابلہ کر سکتے اس طرح چھپ
 چھپ کے کب تک رہیں گے آپ اور میں۔"
 "کیا مطلب ہے چھپ چھپ کے۔" حمود کے تو دماغ پر لگ گئی۔
 "آپ کہتے لوگوں کو فیس کریں گے جتنی کا سوچا ہے ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا آپ کے گھر میں آپ میں اور بابا
 میں دوریاں آ جائیں گی پلیز..... آپ مجھے بھول جائیں اور جتنی کا ہاتھ تھام لیں کیونکہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ
 آپ کے گھر میں ایڈجسٹ ہو سکوں۔" آنکھوں میں نمی آ گئی، لیس کلر کے آئینل سے آنسو جذب کیے۔
 حمود نے گہری اور تنقیدی نگاہیں اس کے دلچسپ چہرے پر ڈالیں اس کا چہرہ اتنا سادہ اور بے تھکنک تھا دل کرتا کہ نگاہ
 نہیں ہٹائے۔
 "تم کیا سمجھتی ہو میں اتنا بزدل ہوں ان سب کو فیس نہیں کر سکتا تم نے چیلنج کیا ہے پہلے بھی کیا تھا اور اب تو یہ کھلا
 چیلنج ہے۔" اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔
 "نہیں..... نہیں..... میں نے آپ کو چیلنج نہیں کیا ہے صرف آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کیوں آگ کا
 دریا عبور کر رہے ہیں ہاتھ جل جائیں گے اور ہاتھ آپ کے کچھ نہیں آئے گا جو والدین کی خوشی ہے وہ کریں۔"
 وہ ڈر سی گئی۔
 "مجھے اتنا سیدھا کر دیا میری فلاسفر بیوی نے ایسے تو میں تمہیں چھوڑ ہی نہیں سکتا کچھ تو انعام ملنا چاہیے۔" وہ
 اتنے اطمینان سے مسکرا کے بولا منتہی حیران تھی کہ اتنا کچھ سننے کے بعد بھی اس پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔
 "تم کیا سمجھ رہی ہو میں پیچھے ہٹ جاؤں گا۔" اس نے منتہی کی ناک پکڑی۔
 "سارے انتظام کر کے رکھے ہیں حمود کی جان۔" وہ پھر ترنگ میں آ گیا۔
 "کیسے انتظام.....؟" اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔
 "یہ تو گھر جل کے دیکھنا۔" ڈرائیونگ سیٹ سے باہر آیا فرنٹ ڈور کھول کے اسے ہاتھ پکڑ کے باہر نکالا۔
 شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا خوبصورت وسیع و عریض لان میں برقی قمقمے آن تھے بڑا سا جھولا جو ہوا سے ہلاتا تو
 آواز پیدا کرتا۔
 "میری بات تو سنئے....." وہ گڑبڑائی "شہنا گئی۔ مگر حمود نے اسے بال کمرے میں لا کر بٹھا دیا" گھر میں

ناموشی تھی۔
 "تم ویٹ کرو میں تمہارا پہلے گفٹ لے کر آ جاؤں پھر کل میں تمہیں صبح نو بجے لینے آؤں گا راحہ اسکول میں ہو
 گی تمہیں بچے تک گھر آتی ہے اس ٹائم تک تم اور میں ہوں گے۔" وہ جاتے جاتے کان میں سرگوشی کر کے گیا۔ منتہی پر
 کھبراہٹ سوار تھی کیونکہ سات بجے تو وہ اکثر پڑھا کے چلی جاتی ہے اور آج اس ٹائم وہ گھر آئی تھی۔
 "لو یہ تمہارا گفٹ ہے میرا جہاں تک خیال ہے کسی بسونڈ نے اپنی وائف کو ایسا گفٹ بھی نہیں دیا ہو گا۔" ایک
 خوبصورت سے رپر میں لپٹا چیکٹ دیا وہ حیرانگی سے دیکھنے لگی۔
 "اور پھر تم اس گفٹ کے بعد کل مجھے یقیناً مایوس نہیں کر دو گی۔" حمود نے معنی خیزی سرگوشی بڑے نمودار ذہ
 لچے میں کی۔
 "اس میں کیا ہے.....؟" اس نے جھپکتے ہوئے پوچھا۔
 "یہ تم گھر جا کر دیکھنا کہ کیا ہے۔" وہ مسکرایا۔
 "راحہ! کم آن راحہ۔" وہ آواز میں دیتا ہوا جانے لگا۔ منتہی کو گھبراہٹ بھی ہونے لگی چیکٹ کو چھپا کے سائیڈ پر
 صوفے پر رکھ لیا۔
 "بھائی! آپ کا کمرہ کیوں لاک ہے؟" راحہ اس سے پوچھنے لگی۔
 "کیوں تمہیں کیا کام ہے؟" حمود چونک گیا کیونکہ اس نے دو دن سے کمرے کو اپنے جانے کے بعد لاک کر کے
 جانا شروع کیا تھا۔
 "جب بھی آپ کے کمرے کے باہر سے گزر رہا ہوں بہت خوشبو آ رہی ہوتی ہے۔" وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔
 "پر فیوم اسیرے کرتا ہوں خود پڑاؤ کی ہوگی اور تم کیوں اتنا مجس کر رہی ہو پڑھو کتنے دن سے چھٹی ہو رہی
 ہے۔" وہ منتہی کو میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھنے لگا "وہ جھینپ سی گئی۔
 "مس کیسی ہیں؟ دیکھئے چھٹیاں آپ نے کی ہیں مجھ پر الزام بالکل نہیں آئے۔" وہ سنسنائی۔
 "سوری میری وجہ سے چھٹی ہوئی ہے۔" منتہی بھی شرمندہ ہوئی۔
 حمود وہاں سے ہٹ گیا کیونکہ منتہی کافی نروس ہو رہی تھی پھر اسے تو کل کا انتظار تھا کہ وہ اس کے سامنے کیسے
 فوٹ آتی ہے جتنی محنت اس نے اپنے کمرے کو جانے میں کی تھی اس کی خبر کسی کو نہیں تھی پورا کمرہ مہک رہا تھا بنڈ
 ہالوں میں سب جگہ پھول ہی پھول تھے کل کے دن کو یادگار بنانا چاہتا تھا تا کہ منتہی کے سارے وہم اور
 اس سے ختم ہو جائیں۔

☆.....☆.....☆
 آج انہیں پھر سائرہ مل گئی کافی دیر تک دونوں باتیں کرتی رہی تھیں مگر ہر بار وہ انہیں نئی سوچ دے جاتی
 تھیں اب نئی پریشانی یہ تھی کہ وہ نانی بننے والی تھیں جس دن سے یہ خبر ملی تھی وہ چھین سے کب تھیں اور آج سائرہ
 نے بھی کہہ دیا۔
 "میرا! ابھی تمہاری عمر نانی بننے کی تو نہیں ہے مجھے دیکھو اپنی بیٹیوں کی بہن لگتی ہوں اتنی جلدی تو میں بھی ان کی
 نانا یاں نہیں کروں گی ورنہ سب مجھے تو بوڑھا ہی کر دیں گے۔"
 یعنی وہ بوڑھی ہو گئی تھیں جب سے وشہ کے بارے میں خبر ہوئی تھی انہیں غصہ بھی تھا کہ اس دن وہ انہیں نال کے
 بل لکھی اگر اسی وقت اس کا یہ معاملہ بھی یہیں ختم کر دیتیں تو سب کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ انہیں عجیب بے چینی سوار ہو گئی

رہتی ہے، دوش، بیٹھ حسرت سے دیکھتی تھی، معارج بات کرنے کو ترس جاتا ہے اور جو ادا احمد انہیں وہ بیٹھ جھڑک کے بات کرتی تھیں، ساری محرومیاں انہیں نلارہی تھیں۔

ایکٹ اس نے جیسے ہی کھولا تھا وہ حیران تھی اس میں تھنڈی خواتین اور بے بسی زور لگاتا تھا، منتہی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہ اور ایسا گفٹ، ساتھ ہی ایک پر چاہی تھا فوراً کھولا۔
”حمود کی جان!“

ہو گئی نا حیران
سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ تمہیں گفٹ دوں تو کیسا دوں اس لئے جب سے نماز کا پابند ہوا تو کچھ اسلامی کتب سے بھی کاوا ہو گیا ہے۔ ایک دن میں یک شاپ پر گیا وہاں مجھے یہ دونوں نظر آئیں تو جھٹ تہہ را خیال آیا اور لے لیا۔ مجھے ہے تم ابھی تک سکتے میں ہوگی، تمہارا میں جتنا بھی شکر یہ ادا کروں کم ہے، کیونکہ لا ابالی بندے کو تم نے سدھار دیا ہے اور مجھے اتنا تو انعام ملے کہ میری بیوی مجھے مل جائے جبکہ جائز حقوق اور اعتیارات رکھتا ہوں اس کی تم بھی گواہ ہو، ابھی تمہاری مرضی کے بغیر تمہیں ابھی تک چھو اتک نہیں ہے۔

اس لئے ان دونوں کتب کا اچھی طرح مطالعہ کرو تا کہ تمہیں بھی سمجھ آ جائے کہ میاں بیوی کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔ کل صبح نوبے تیار رہنا میں لینے آؤں گا اپنی بیوی کو۔

منتہی نے مسکرا کے پرچہ اپنی منٹھی میں ڈال لیا۔ اسے حمود کا یہ انداز سب سے جدا اور اچھا اور سب سے منفرد لگا تھا اسے سارے لوگوں میں اب تو زندگی اچھی لگنے لگی تھی۔

اس شخص پر اعتبار کرنے کو دل کرنے لگا تھا۔ جو سارے زمانے سے اس کیلئے نکر لینے کو تیار تھا۔ کچھ تو حق ادا ہے ہی کرنا تھا۔ اس نے نگاہ پھیر کے سوئی ہوئی تہذیب کو دیکھا اور دونوں کتابیں لے کر باہر لاؤنچ میں آ گئی۔ اس نے جیسے ہی بے بسی زور کھولا اس میں پھر پرچہ تھا۔

”پڑھ ضرور لینا“
وہ رات اس نے واقعی دونوں کتابوں کو پڑھا، پوری تو نہیں جو بھی پڑھنا تھا وہ پڑھا تھا۔
”ارے منتہی! جینا تم ادھر کیوں سو گئی تھیں رات“۔ مبینہ نے اسے سات بجے کے قریب اٹھایا تھا وہ ہڑبڑا کے اٹھ گئی۔

”خالہ جان! فجر کی نماز نکل گئی میری“
”میں نے تمہیں دو تین بار اٹھایا تھا مگر لگتا تھا تم پڑھتی رہی ہو اس لئے تم گہری نیند میں تھیں، نہیں اٹھا جا رہا“
”خاتم ہے“۔

”جی دو.....“ ٹیبل پر دونوں کتابوں کو دیکھا تو جیسے ہی گئی۔ کتابیں اٹھائیں اور کمرے میں آ گئی، حکمت اور نزد اسکو ل جانے کیلئے تیار ہی تھے تہذیب بھی اٹھ گئی تھی۔

جلدی جلدی گھر کے تمام کام منٹائے کیونکہ حمود نوبے آ جائے گا وقت کا وہ بہت پابند تھا۔
منتہی کو آج دلی خوشی ہو رہی تھی کہ حمود اس حد تک اسے چاہتا ہے اب اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ اسے ہر وہ خوشی کی جس کا وہ متمنی ہے۔ غسل کیا، مسرہ دھاگوں کی ملنی کڑھائی کا لباس زیب تن کیا، دراز باؤں میں جلدی جلدی

تھی، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ انہیں کیا ہو رہا ہے۔
”یہ کیسی ماں ہیں جو صرف اپنا سوچ رہی ہیں، انہیں اپنی اولاد کی ذرا پروا دینے فکر ہے دوسروں کے کہنے میں آ کر لالہ سیدھا کیوں سوچتی ہیں“۔ دل ایک دم اداس ہو گیا۔

زندگی میں اپنے اتنے جھیلے پال لئے تھے کہ وہ اس میں سے نکل کر آس پاس رہنے والوں کے بارے میں ذرا بھی مثبت نہیں سوچتی تھیں، ان کی بیٹیاں ان کی ہر طرح سے خوشی کا بھی خیال کرتی تھیں اور وہ جواب میں انہیں کہا دے رہی تھیں، ان کے قینوں نے ان سے دور ہو گئے تھے۔
ہر وقت جو ادا احمد سے لڑائی، جھگڑا، کتنی چڑچڑاہٹ آ گئی تھی ان کے اپنے مزاج میں، چوتن ہر وقت تنے ہی رہتے تھے۔

”آج کیا بات ہے اپنی سنگھار میز کو نام نہیں دیا“۔ جو ادا احمد نے طنز یہ اور استفہامیہ لگا ہوں سے میرا بیگم کو اٹھا خاموش دیکھا۔
”جو ادا! کبھی تو آپ طنز کرنے سے باز رہا کریں“۔ وہ کھسیا کر چڑ گئیں۔

”میں تو تمہیں یاد دلانا تھا کیونکہ تمہیں ساری دنیا میں سب سے پسندیدہ اپنا سنگھار دان ہی لگتا ہے“۔
”میں اس نام بالکل بحث اور لڑائی کے موڈ میں نہیں ہوں“۔ وہ بہت افسردہ اور مغموم سی ہو رہی تھیں۔ ضمیر نے آج انہیں اپنے شکبے میں لے لیا تھا بار بار وہ انہیں جھجھوڑ رہا تھا، وہ لب بھینچ کے بیٹھی تھیں۔
جو ادا احمد کی استفہامیہ اور تشویش بھری نگاہیں انہیں، میرا بیگم اور اتنی خاموش جبکہ وہ ہار تو کبھی مانتی ہی نہیں تھیں انہیں اچانک سے ایک دم کیا ہو گیا تھا وہ اپنی ریست وای کو سائڈ ٹیبل پر رکھ کر مڑے اور چپ ہو گئے۔

”میرا! کیا ہوا خیریت تو ہے؟“ وہ اتنے بھی سنگدل نہیں تھے کہ انہیں پریشان جھوڑ دیں جبکہ آج انہوں نے بحث تک کرنے سے انکار کر دیا۔

”آں ہاں..... کچھ نہیں“۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئیں، مگر نگاہ ان سے نہیں مل رہی تھیں کیونکہ کچھ شرمندہ بھی لگ رہی تھیں۔

”مجھے نیند آ رہی ہے“۔ وہ صوفے سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئیں۔ جو ادا احمد گہری سوچ میں مستغرق ہو گئے کیونکہ میرا بیگم کے لب و لہجہ تک میں اتنی افسردگی اور خاموشی تھی وہ جیسے یقین نہیں کر پا رہے تھے۔
”کوئی بڑا نقصان ہو گیا ہے پارلر میں؟“ انہوں نے پھر پوچھا جو تولیہ سے ہاتھ پونچھ رہی تھیں۔
”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے“۔ وہ بند پر لٹ گئیں۔

یعنی آج وہ اتنی ناپ تول کے گفتگو کر رہی تھیں کہ وہ خود بھی حیران تھیں، احساس اندر سے مارے ڈال رہا تھا۔ ضمیر کچھ کے لگا رہا تھا، کتنا عرصہ وہ خود سے بیگانہ تو تھیں ہی اپنے گھر، بچوں اور شوہر تک کو بھول گئی تھیں۔
اور وہ سائرہ کتنی کھل زندگی گزار رہی تھی، گھر میں کوئی کل کل نہیں تھی، ابھی تو ان کی بیٹیاں چھوٹی تھیں شادی کی کون سی عمر تھی جو آج وہ انہیں یہ کہہ کر چلی گئیں کہ.....

”میں ابھی اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کروں گی اتنی کم عمر ہیں“۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لکیر نکلی وہ کر دت لے کر لیٹ گئیں کہ جو ادا احمد کو آنسو نظر نہ آئیں۔

سائرہ اپنی بیٹیوں سے کتنی فرینک تھی اور وہ اپنی دونوں بیٹیوں اور بیٹے سے کتنی دور تھیں۔ ہمیشہ دوسروں کے چڑھائے میں آتی تھیں وہ سب تو خوشگوار زندگی گزار رہی تھیں اور ان کی خود کی زندگی مشکل بن گئی تھی۔ عتاب کتنا خیال

برش چلانے لگی تہذیب حیرانگی سے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھی جو کھل کے گلاب لگ رہا تھا۔

”میری دعا ہے آپ ہمیشہ اسی طرح ہنسی مسکراتی رہیں۔“ تہذیب نے دل کی گہرائیوں سے اسے دعا دی۔ منتحی نے جھینپ کر اسے دیکھا برش نیل بر دکھا بالوں میں اس نے بل ڈالے اور چوٹی پشت پر کی۔

”میری دعا ہے اللہ تعالیٰ سے تم بھی فائق کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو۔“ تہذیب نے لب بھینچ لئے فائق کے نام پر اسے غصہ آتا تھا مگر منتحی نے اسے اتنا سمجھایا تھا جب ہی وہ خاموش ہو گئی تھی۔

”آپ کی تیاری پوری ہو گئی؟“ اس نے موضوع بدلا۔

”ہوں تقریباً۔“ منتحی کا دل بھی آج نئے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پیروں میں پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ بیگ تیار کر کے کھن میں تخت پر رکھ دیا۔

”خالہ جان! کیا یہ سب ٹھیک ہو رہا ہے؟“ اس نے شرم و حیا سے جھجک کے پوچھا۔

”جو اللہ نے لکھا ہوتا ہے وہ وہی کرتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہی ہوتا جائے گا اللہ کی رسی کو تم مضبوطی سے تھامے رہو۔“ مبینہ نے اس کے ماتھے پر پیار کر کے دل کی گہرائیوں سے دعا دی۔ وہ جھینپ کے ان کے گلے سے لگ گئی بالکل ماں کی طرح اس کا خیال رکھا تھا وہ ان کی بہت عزت کرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

”وشہ کونون کیا آ کیوں نہیں رہی ہے وہ یہاں۔“ میرا بیگم کو وشہ کا خیال بہت دنوں سے آ رہا تھا پھر انہوں نے جب سے سنا تھا وہ دوسرے حال سے ہے تو اور زیادہ فکر مند ہو گئی تھیں۔

”طبیعت ٹھیک نہیں ہے کہہ رہی تھی کہ مائز آئے نہیں دے رہا ہے۔“ عنائبہ نے عام سے لہجہ میں بتایا کیونکہ وشہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس معاملے میں بہت وشکی کیڑ کر رہا تھا چاہتا تھا اپنی نظروں کے سامنے رکھے۔

”دکھا دی ناں اس نے اپنی ہٹ دھرمی۔“ میرا بیگم کی سوچ فوراً ہی متغی رخ پر چلی گئی۔ عنائبہ نے دکھ و تاسف سے انہیں دیکھا جو جانے کیوں اچھا سوچنا ہی نہیں چاہتی تھیں وہ انہی کر ان کے ساتھ والے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

ناشتہ سے دونوں فارغ ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں عنائبہ ماسی سے لاؤنج کی جھاڑو لگوا رہی تھی جبکہ میرا بیگم لاؤنج میں بیٹھی کسی سے فون پر بات کر کے ہنسی ہی تھیں کہ انہیں وشہ کا خیال آ گیا۔

”امی! ایسی بات نہیں ہے وہ وشہ بتا رہی تھی کہ مائز اس کا بہت خیال رکھ رہا ہے کہتا ہے کہ جب تک اس کنڈیشن میں ہو یہاں رہو۔“ اسے بولتے ہوئے شرم تو آ رہی تھی مگر اپنی ماں کو سمجھانے اور تسلی دینے کے لئے یہ سب بولنا ضروری تھا۔

”اور سب گھر والے خیال نہیں رکھ رہے ہیں اس کا؟“ انہوں نے نگاہ جراس کے پوچھا۔

”اور سب تو کہہ رہی ہے بہت زیادہ رکھ رہے ہیں۔“ وہ خوش ہو کر بتانے لگی۔

”محریب کیوں یہاں نہیں آتا ہے؟“ دوسرا سوال داغا۔

”جی وہ شاید بڑی رجتے ہیں اس لئے نہیں آتے ہیں۔“

”تمہارے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟“ وہ اپنے دل کی تسلی کرنا چاہ رہی تھیں ان کی بیٹیوں کو کتنا سب نے خوش رکھا ہوا ہے۔

”میرے ساتھ بھی سب کا بہت اچھا رویہ ہے۔“ وہ متحیر رہ گئی کہ آج اس کی ماں نے پہلی بار بالکل ماؤں کی طرح پوچھا تھا۔

”محریب ٹھیک سے تو بات کرتا ہے تم سے؟“ وہ اچھی طرح اپنے دل کی تسلی کرنا چاہ رہی تھیں۔

”جی۔۔۔ وہ بھی بہت اچھے طریقے سے بات کرتے ہیں۔“ اسے محریب کے ذکر پر کچھ حیا سی آئی۔

”خیر تم آج وشہ کونون کر کے کچھ دنوں کیلئے یہاں بالو۔“ وہ نگاہ جراس کے کہتی ہوئی اپنا بیگ اٹھا کر جانے لگیں۔

عنائبہ کو اپنی سماعتوں اور بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا اس کی امی یوں بھی ان سب کیلئے فکر مند ہو سکتی ہیں وہ تو جتنے شکرانے ادا کرتی کم تھے۔ اسے اوپر والے پر پورا یقین تھا ایک دن اس کی ماں کو ضرور سب کا خیال آئے گا۔

عنائبہ نے خوشی سے آنکھوں میں نمی لیے لب بھینچ لیے۔ وشہ کونون کر کے وہ جیسے پریشانی ہی تھی کہ معارج ناشتہ کیلئے آ گیا وہ آج کل کچھ دیر سے یونیورسٹی جا رہا تھا۔

”آپ! ناشتہ دے دیں مجھے جلدی لگتا ہے۔“

”معارج! میں نے تمہارا ناشتہ ٹیبل پر رکھ دیا ہے۔“ میرا بیگم کی آواز عقب سے آئی۔

عنائبہ معارج دونوں ہی چونک گئے کیونکہ میرا بیگم کا انداز نارمل تھا بیگم ان کا ابھی بھی ہاتھ میں تھا اس کا مطلب تھا وہ پہلے ہی کچن میں گئی تھیں آج تو انہوں نے ہی ہو رہی تھیں۔

”امی! آپ نے میرے لئے ناشتہ بنایا ہے؟“ معارج نے اتنی حیرانگی اور معصومیت سے پوچھا کہ میرا بیگم نفل سی ہو کر جڑ بڑ ہو گئیں۔

”کیوں مجھے تم لوگوں نے کیا سمجھا ہوا تھا مجھے تم سب کی ذرا فکر نہیں ہے ارے ماں ہوں میں تمہاری۔“ وہ جراتے ہوئے کچھ کا پتی ہوئی آواز میں گویا ہوئیں۔ معارج نے فوراً بے ساختہ ان کے ہاتھ چوم لئے عنائبہ نے ریسور کرڈل پر رکھ دیا۔

”آپ ماں ہیں جب ہی تو ہمیں آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔“ میرا بیگم اتنی خفیف سی ہو رہی تھیں کہ وہ اپنے بچوں سے آنکھ ملاتے ہوئے بھی شرمندہ تھیں۔

کتنے عرصے سے وہ اپنے بچوں سے بھی دور تھیں۔ سب کو اپنے مرد اور اکثر رویہ کی وجہ سے دور کر دیا تھا۔ سسرال والے نے تو نہیں تھے ساس نے انہیں آنکھوں پر بٹھا کر رکھا تھا انہوں نے پھر کیوں اتنے خلوص و پیار کی قدر نہ کی کیونکہ اپنے غرور اور طنطنے سے سب کو دور کر دیا تھا آج کیا تھا سب ایک جگہ اور وہ کتنی دور اور اکیلی تھیں معارج کے سر پر انہوں نے ہاتھ رکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنی بے ترتیب دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی اس کی ہمراہی میں چلتی جا رہی تھی حمود نے اس کا ہاتھ پڑے پیار اور محبت سے اپنے مضبوط ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ اس کے وجود سے مخصوص کلون کی مہک ناک کے نھوں میں گھس رہی تھی جو منتحی پر بھی سرور سا طاری کر رہی تھی۔ چوڑی پشت بھوری آنکھوں میں ذہانت محبت اور پیار و جذبات ہاتھوں میں اپنائیت کی اتنی گہری تھی کہ اس نے کسمسا کے ہاتھ چمڑا نا چاہا حمود نے اپنے بائیں طرف نگاہ کی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے حنی خیزی سے سرفنی میں بلایا۔

”ڈر لگ رہا ہے یا شرم آ رہی ہے مجھے سے؟“ کان میں سرگوشی کی منتحی نے جھینپ کے سر جھکا لیا۔

سیر حیاں عبور کر کے اپنے بیدروم کا ہینڈل گھما کے دروازہ کھولا وہاں کا خوابناک اور اتار و سینک ماحول دیکھ کر تو وہ اور بھی لرزے لگی دل کی دھڑکنوں نے اتنا شور مچایا کہ اس کے ہاتھ پیچ ڈھیلے پڑنے لگے بید کو اسلی پھولوں سے سجایا تھا گلاس وال پر دیر پردے پڑے تھے بیدروم میں فانوس کی روشنی تھی سائینڈ پر اسٹائلش سا صوفہ سیٹ اس پر

کشتہ زوال تو وال کارپٹ پر اس کے پاؤں ایسے رکھے تھے کہ جیسے وہ پھولوں پر کھڑی ہو۔

”حمود کی جان کیا بویا رہا؟ آنکھیں کھولو تو دیکھو تمہارا بندہ روم کتنا خوبصورتی سے میں نے اپنے ہاتھوں سے سجایا ہے۔“ اس نے منتہی کو بیدار بٹھایا۔

”وہ آپ نے اتنا کچھ... اگر کوئی آگیا تو؟“ اس کے اندر تو ذرا اپنے پچھن پھیلانے بیٹھے تھے خوش ہوتے ہوئے بھی اسے ڈر لگ رہا تھا۔

”آج پورے کمر میں کوئی بھی نہیں ہے سارے ملازموں کو میں نے پھینکی دے دی ہے شہزاد بے صرف اور اس کی بیوی وہ بھی اپنے کوارٹر میں ہیں۔“ وہ اس کے قریب بیٹھ کے اسے ریلیکس کرنے لگا دونوں ہاتھوں کو محبت سے دبایا۔

”راحمہ بھی تو آئے گی اسٹول سے۔“ اسے اسی کی کونٹنگ میں بھی شرم و گھبراہٹ سے پسینے آنے لگے۔
”جب تو شاید ہم تم بوش میں آچکے ہوں گے۔“ لہجہ میں معنی خیزی ترنگ اور شمار سب ہی تھا اس نے شرمیلیں نگاہ اٹھائی حمود کے لب مسکرانے لگے۔

”سب کی فکر میں ہیں اس ماحول کی اس کے تھ ضوں کی فکر نہیں ہے۔“ اس کی نگاہ پھر جھک گئی آج اس کی ساری فلاحی بھی اس کے سامنے ٹپل ہی تھی اور نہ ہی وہ کچھ بول رہی تھی۔

حمود نے اسے خود سے قریب کر لیا آج کے دن کا اس نے کتنا انتظار کیا تھا وہ منتہی سے محبت کرنے لگا تھا اس کے بغیر رہنے کا وہ تصور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا پہلے وہ محبت کو نہیں مانتا تھا کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں حالانکہ محبت کی کھلی محبت سے تو اکثر ہی چڑھتی تھی مگر جب اسے کسی سے محبت ہوئی تو سب کچھ اتنا اچھا لگنے لگا تھا کہ ہر چیز ہی اسے پیاری لگتی۔

”ذرا اٹھو فوراً وارڈ روب کا رانٹ ڈور کھولو جا کر۔“ اس نے دروازہ ہوا کر اسے خود سے الگ کر کے لیفٹ سائیڈ پر وارڈ روب کی سمت اشارہ کیا منتہی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی جیسے وہ سمجھ نہیں پا رہی ہو۔

”ارے جاؤ ناں کیوں دیر کر رہی ہو؟“ وہ مسکرا کے پھر بولا۔
منتہی کب اتنی بے تکلف تھی کہ اس کے بندہ روم میں یوں ہر چیز کو ہاتھ لگاتی۔ چلتی بولتی جھجکتی ہوئی وارڈ روب کی پانی کو تھما کے کھولا تو دیکھا آٹکجیس حیرت سے پھٹ گئیں۔

”ارے دیکھ کیا رہی ہو نکالو فوراً آزار دہاں لباس سے۔“ حمود نے پیچھے سے آکر حصار باندھ لیا وہ تو اچھل ہی گئی۔ چنگ نرم ملائم سی ڈنگر سے ناکی کونکال کے اس کی نگاہوں کے سامنے کیا مارے حیا کے وہ لب بھینچ کے رہ گئی۔
”جلدی کرو کتنا سوچو گی۔“ اس کے رخسار پر لب رکھ دیئے وہ کسمسا کے پیچھے ہونے لگی۔

”میں نہیں ہوں اس قابل نہیں کہ میں مجھ سے اتنا پیار۔“ وہ حمود کی بے باک محبت پر ڈر رہی تھی کہیں یہ خواب تو نہیں ہے۔

”تم پھر شروع ہو گئیں کل کا تہذیب کا تھا۔“ غصہ میں طنز کرنے لگا۔
”آپ یہ بھی تو سوچنے کو کہ کیا بچہ ہو جی۔“

”تم لگتا ہے ایسے نہیں مانو گی۔“ حمود نے ڈنگر سے ناکی نکال کے اسے تھمائی اور ہاتھ روم میں دھکیلا۔
”اگر اب بھی نہیں مانی تو تم سوچ لو جب ہاتھ روم میں دھکا دے سکتا ہوں اس کے بعد...“ آنکھوں میں شرارت معنی خیزی لے آگے بڑھا منتہی نے گھبراہٹ کے دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔

www.paksociety.com

وہ تیار ہو کر نیچے آیا۔ غریب سے تو اس نے حمود کے آفس میں کام کرنے کا پوچھ ہی لیا تھا پھر اسے بھی کون سا مستقل واپس کام کرنا تھا صرف تجربہ چاہتا تھا۔ مسٹر ڈپنٹ پر بلیک شرٹ میں بلبوس وہ تک سک سے تیار ہو کر نکلا تھا۔ کل رات ہی تو اسے بتایا گیا تھا کہ تین چار ماہ میں اس کی شادی سیٹ کر دی گئی ہے۔

وہ لمبی روش پر آیا۔ تہذیب کا سنی کپڑوں میں لائن میں کین کی چیمیز پر ٹینچی سوچ میں مستغرق تھی۔ فائق نے اس دن کے بعد سے مخاطب تو کیا دیکھنا تک چھوڑا ہوا تھا مگر جب سے یہ دشمن جاں سے بند حسن بندھنے والا تھا وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے قریب چلا آیا۔ تہذیب نے سارے کو دیکھا اور نگاہ جو اٹھائی تو ناگواریت طاری ہو گئی فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔

”جینو کہاں جا رہی ہو؟“ اس نے بازو پکڑ کے واپس چیمیز پر بٹھا دیا۔
”اور کیا کسر رہ گئی ہے؟“ اس نے فائق کے ہاتھوں سے کراہت محسوس کر کے نخوت سے منہ پھیر لیا۔
فائق کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا آواز بھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کتنی بدلی ہوئی لگ رہی تھی لب کھلتی ہوئی اتنی معصوم لگ رہی تھی وہ وارنگلی سے دیکھنے لگا۔
”کیسی ہو؟“

”یہ جان سے مار کے پوچھنے کی ادا آپ کی نرالی ہے فائق احمد“ وہ چنچنی۔ ابھی تک بھی اس پر اپنا غصہ نہیں نکال پائی تھی۔ وہ ٹپل سا ہو گیا نگاہ کو اس پر ہٹائے رکھا۔

”میرا وہ فعل کوئی غلط نہیں ہے نہ میرے ارادے غلط تھے۔“ صفائی میں بولنے کیلئے الفاظ تک نہیں مل رہے تھے۔
”آپ کو میں نے شروع سے ایسے ہی دیکھا ہے میں آپ کی ناپسندیدہ تھی آپ کو مجھ سے خواہناہ کا بیر تھا بدلا بہت اچھا لیا ہے۔“

”تہذیب پلیز! ایسا الزام مت لگاؤ تم میرے لئے کبھی ناپسندیدہ رہی ہی نہیں ہو۔“ اس نے تڑپ کے یقین دلایا۔

”تھی میں ناپسندیدہ یہ جو آپ نے مجھ سے رشتہ جوڑ کے احسان کیا ہے فائق صاحب! یاد رکھئے گا مجھے آپ سے ساری زندگی نفرت رہے گی۔“ اس کے لہجے میں آگ کی تھی۔

وہ ندامت میں گھرا تھا اسے کیا پتہ تھا اچھا کرنے کے چکر میں اس کے خود کے ساتھ ہی برا ہو گا۔ اس ہستی سے محبت تھی اس کی سادگی سے اس کی خود اعتمادی سے اس کی نسوانیت سے اس کی آواز سے کبھی بھی وہ اس کی راہ میں اور لڑکیوں کی طرح رجھانے نہیں آئی تھی۔

”تہذیب! میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔“
”کک... کیا؟“ تہذیب بیٹھے سے کھڑی ہو گئی کیونکہ ایسی غیر متوقع بات فائق جیسے ریزہ بندے سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

”یقین کر تہذیب! تم میرے دل میں آہستہ آہستہ آتی ہو تم سے ہی میں نے محبت کرنا سیکھا ہے۔“

”جھوٹ بول کے اپنی غلطیوں پر پردہ مت ڈالیں جو شخص شروع سے مجھ نے اچھا کہتا ہوا اس کی مجھے کسی بات پر یقین نہیں ہے۔“ وہ اسے دھکا دیتی ہوئی جانے لگی مگر فائق نے اپنی مضبوط گرفت میں اس کا بازو پکڑا اور قہریت کے خود سے قریب کر لیا۔

”اگر کیوں رہی ہو؟ کیا بچا ہے تمہارے پاس بولو..... کچھ بھی تو نہیں بچا ہے پھر بھی مجھے آنکھیں دکھا رہی ہو۔ ارے شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ کا اور احسان مانو جو تمہیں عزت کے ساتھ لے جانے والا مل گیا۔“ فائق اپنی منون میں واپس آ گیا کیونکہ جب اس نے تہذیب کی باتوں اور رویوں کو اچھی نظر سے جانچ لیا تو جان گیا کہ سچی نیز سچی انگلی کر کے نکالنا پڑے گا۔ تہذیب وحشت زدہ سی اس کی گلاسز سے جھانکتی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی وجود مساکت ہو گیا فائق کی ایسی باتیں۔

”تم ہوتی نہیں اس لائق کہ تم سے محبت کی جائے۔“

”مجھے پتہ تھا آپ کی نیت ہی ٹھیک نہیں تھی۔“ وہ تو شدت غم سے حلق کے بل چینی تھی۔ وہ تو شکر تھا لان میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

”اب تو پتہ چل گیا میری نیت کا باقی نیت کا شادی کے بعد پتہ چل جائے گا۔“ آنکھوں میں شعلوں کی لپک لئے اسے جھٹکے سے پھوڑ کے آگے بڑھ گیا۔

تہذیب لب بلب بھینچ کے اندر کے غبار کو روکنے لگی مگر آنسو نکلے جا رہے تھے۔ فائق اسے ساری زندگی یہی طعنہ دے گا وہ کیسے برداشت کر سکے گی اس ظالم انسان سے اس نے چپکے چپکے محبت کی تھی اور وہ کیا کچھ کہہ گیا تھا۔

.....

وہ آج بہت خوش تھی۔ میرا بیگم کے مزاج میں تبدیلی جو آگئی تھی۔ دشہ کو سب سے پہلے یہ خبر دی تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ کے وہ لیٹی لی تھی پورے گھر میں ٹیلی فون کی گھنٹی کا شور ہونے لگا عشاء نے ٹائم دیکھا پونے بارہ بج رہے تھے چونک گئی۔ سب ہی کمروں میں تھے وہ دروم سے نکلی اور فوراً ہی لالہ جی میں رکھا فون اٹھالیا۔

”عشاء! میں محریب بات کر رہا ہوں۔“ وہ شاید کچھ گھبرایا ہوا تھا۔

”آپ.....“ اس کی گھمبیر آواز سن کے حیران رہ گئی۔

”کیسی ہو؟“ اتنا نرم لہجہ اور دوستانہ انداز اس پر تو شادی مرگ جاری ہو گئی۔

”ٹھیک ہوں اور آپ سب کیسے ہیں؟“ مبین سی آواز میں آہستگی سے گویا ہوئی۔

”سب کا پوچھا ہے تو ٹھیک ہیں۔ دادی جان کی طبیعت تو تمہیں پتہ ہے چلتی ہی رہتی ہے۔“ وہ بتانے لگا۔ عشاء کی اس لمبے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے کیا بات کرے کیونکہ وہ خاموش ہو گیا تھا گویا اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

”آگے بھی کچھ بولو۔“ وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ گویا ہوا۔

”فون تو آپ نے کیا ہے بولنے کا حق آپ رکھتے ہیں۔“

”ہوں..... حق۔“ اس نے ”ہوں“ کو لمبا بھیچا تھا۔

”میری خیریت تو پوچھی ہی نہیں۔“ وہ اسے تنگ کرنے کو بولا۔

”میں نے آپ کی بھی پوچھی تھی۔“ وہ سمجھ گئی محریب نے اس سے یونہی بات کرنے کے لئے کال کی ہے۔

”میں بھی الحمد للہ ٹھیک ہوں۔“

وہ پھر خاموش ہو گئی کبھی یوں کو سمجھنے لیتی تو کبھی بولنے کیلئے لب ڈاکرتی مگر پھر سیکر لیتی۔

”کیا کر رہی تھیں؟“ اس نے ہی خاموشی کو توڑا۔

”ابھی عشاء کی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تھی۔“

”میرے لئے دعا کرتی ہو؟“ وہ آج لگتا تھا فارغ تھا اور موڈ میں بھی تھا۔

”جی۔“ اتنا بولی۔

”مثلاً کیا کرتی ہو؟“ بات کو وہ طول دینے لگا۔

”دعا میں بتانے والی نہیں ہوتی ہیں مگر اچھی دعا ہی کرتی ہوں۔“

”اچھی دعا تو اچھے لوگوں کیلئے کی جاتی ہے میں تو اپنے آپ کو وہ بھی تمہارے معاملے میں اچھا نہیں سمجھتا۔“

”آپ کو کیا پتہ آپ اچھے ہیں یا نہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کو پتہ ہوتا ہے اور پھر مجھے آپ کبھی برے نہیں لگے۔“ شرم و حیا کے حصار میں یہ کہنا اسے اچھا لگا تھا۔

”سوچ لو کبھی برا بن گیا جیسے پچھلے دنوں میرا رویہ رہا ہے اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں بولوگی۔“ وہ پھر حد لانے لگا کہ شاید اب وہ کچھ بولے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دے۔

”کہتے ہیں جو اپنی چیز ہوتی ہے اسی پر ہی اپنا حق اور اختیار رکھ کر اپنی بات منوا سکتے ہیں۔“ اس نے اتنی مہری بات کی اور خاموش ہو گئی۔

”تم مانتی ہو میری چیز ہو۔“ وہ معنی خیزی اور شرارت سے بولنے لگا۔

”کیوں اس میں شک کی گنجائش ہے۔“

”مجھے تو کوئی شک نہیں ہے مگر لگتا ہے تم مجھ پر شک کرتی ہو۔“

”جی..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ مجھ اس کی نفی کی۔

”میرے کہنے کا مقصد ہے کہ تمہیں شاید مجھ پر یہ شک رہتا ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔“

”میرے خیال میں سونا چاہیے کافی دیر ہو گئی ہے۔“ اس نے محریب کی بات کاٹی۔ محریب کی ہنسی نے اسے پزل کر دیا وہ خفیف سی ہونٹیں اتنی صاف گفتگو کر رہا تھا اس کی ساتھیوں یقین نہیں کر رہی تھیں۔

”نیند آرہی ہے یا میری باتوں سے اکتانے لگیں؟“ طنز کیا۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں ہے میں تو اس لئے کہہ رہی تھی آپ جلدی سوتے ہیں ناں پھر ٹائم کافی ہو گیا ہے۔“ اس نے خود ہی بات بتائی۔

”ہاں..... کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔“ وہ پھر ہنسا۔

”کل صبح پھوپھو کے گھر آ سکتی ہو؟“ اس نے ایک دم ہی کہہ دیا۔

”کل.....“ وہ گڑبڑائی۔

”مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں ایک پر اہم پھر آگئی ہے۔“ لہجہ ہم تھا۔

”خیریت تو ہے کیا پر اہم ہے؟“ وہ سن کے پریشان ہو گئی۔

”بات لمبی ہے۔ کل تم شام 6 بجے تک آ جانا احمد بھی ہو گا مل کے وہ پر اہم حل کریں گے۔“

”پھر بھی بتائیے تو ہوا کیا ہے؟ فائق اور تہذیب کا مسئلہ ہے؟“

”ارے نہیں ان کا تو معاملہ سیٹ ہے وہ حمود کے گھر فساد ہو گیا ہے۔“ محریب نے اس کے پریشان ہونے پر اتنا ہی بتایا۔

”ہوا کیا ہے حمود بھائی کے گھر والوں کو خبر ہو گئی شادی کی۔“ وہ بولی۔

”ہاں سب خبر ہو گئی ہے۔“ وہ بتانے لگا۔

”آپ مجھے ابھی بتائیے۔“ عذاب کو تو بے چینی ہوئی کیونکہ منہ کی بھی فکر ہونے لگی، وہ پہلے ہی حالات کا سوچ رہی تھی۔

”کل تم وہاں آؤ گی تو سب بتا دوں گا۔“ حریب کو بھی کچھ جھجک آنے لگی بتانے میں کیونکہ اسے ساری پتویشن بتانا پڑے گی، خود منہ کی کو کھڑے کیا تھا۔

”بس اتنا بتا سکتا ہوں جو جذبات میں آگیا تھا اور وہ سب ہو گیا جو ہونا تو تھا مگر ہونا نہیں چاہیے تھا۔“

”کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔“ وہ نا سمجھی سے گویا ہوئی۔

”تم کل آؤ گی تو تمہیں شاہین بھابی بتا دیں گی میری بہ نسبت وہ سمجھا کے بتا دیں گی، خواہ تو تم پھر گھبرا جاتی رہی۔“ حریب معنی خیز ہلکی سی ہنسی سے گویا ہوا۔

”تمہیں میں سمجھ گئی ہوں۔“ عذاب اس کی کہی ہوئی بات کا مفہوم سمجھ گئی اتنی نا سمجھ بھی نہیں تھی۔

”مذہب..... یعنی آج بھی تمہیں بات سے سمجھ نہیں آتی۔“ وہ ہنسنا۔

”میں اب رکھ رہی ہوں کافی دیر ہو گئی ہے۔“ اسے شرم سی آنے لگی۔ کیونکہ جو بات بتانے میں حریب کو جھجکا رہی تھی وہ سمجھ گئی تھی۔

”تمہیں ہی بات سن کے تم تو گھبرا گئیں۔“ اسے مزہ آنے لگا اس کی کیفیت پر۔

”سوچ رہا ہوں کہ وہ تمہیں ہی بات تمہارے ساتھ.....“ ابھی حریب کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا اس نے شہناز کے ریسور رکھ دیا۔ لبوں پر زبان پھیری سوچ کے ہی دل دھک دھک کرنے لگا، پسینے آنے لگے۔ وہ بارہ فون بجا رہی تھی کیونکہ سی ایل آئی پر حریب کے ہی سیل کا نمبر تھا۔

”آپ سوچائیں مجھے بھی غینہ آ رہی ہے میں کل آ جاؤں گی آپ فکر نہیں کریں۔“ یہ کہہ کر اس نے اطمینان دلا دیا حریب بھی سمجھ گیا کہ وہ اس کا تم شرم و حیا کے حصار میں ہے، بولنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

.....

ہشام سالار نے اسے گھر سے قدم ہی نکالنے نہیں دیا تھا وہ دم سا دھڑکتی شرمندہ اور خود کو مجرم سمجھ رہی تھی مگر کلثوم بانو اسے تسلیاں دے رہی تھیں اس کا ہاتھ چومے جارہی تھیں وہ بخار میں پھنک رہی تھی گھر کی فضا مکدر ہو گئی تھی محمود اتنا مختل فکر مند اس کیلئے تھا کہ بابا نے اسے ملنے تو کیا دیکھنے تک کی پابندی لگا دی تھی۔

”بابا! آپ کی لڑائی مجھ سے ہے اس میں منہ کی کا کیا قصور ہے۔“ وہ اتنا دھکی افسردہ مفہوم سا اپنی اتری صورت کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا تھا۔

”تم نے اتنی بڑی بات ہم سے چھپائی، کیا سمجھا تھا تم نے اپنے باپ کو کہ اسے بہانہ بنا لو گے۔“

”میں آپ کو مناسب موقع ملنے ہی بتانے والا تھا۔“ وہ پریشان کن لہجے میں ان کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا تھا مگر بولنے میں اس کے ابھی بھی کمی نہیں آئی تھی ہشام سالار نے اپنی خشکیاں فہمائش نگاہوں سے اسے گھور لیں۔

”تمہاری سزا یہی ہے کہ تمہیں اسے دیکھنے تک نہیں دیا جائے گا سال ہوئے والا ہے شادی کو اسے تو جب باپ بن جاتا تھا تب بتاتا کہ شادی کر لی ہے۔“ ان کا تو شدت عم اور دکھ سے برا حال تھا محمود پر اس لئے اتنا غصہ تھا کہ اتنی بڑی بات اس نے اتنی آسانی سے چھپائی۔ خود جھینپ کے لب بھینچنے لگا جب وہ غصے میں آنے لگے تب سب رشتے بھول جاتے تھے۔

”آپ نے منہ کی کو کیوں قید رکھا ہوا ہے اسے گھر جانے دیں۔“ اسے تو منہ کی کی فکر تھی جو پیاؤ ٹوٹ جانے پر ابھی

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....



حمود نے اسے سارا کام سمجھا دیا تھا۔ دوسرے دن سے ہی اس نے آفس چاہنا شروع کر دیا تھا اس دن سے حمود آفس ہی نہیں آ رہا تھا اس پر ساری ذمہ داری بھی جس دن وہ بات کرنے گھر آیا تھا ایک ہنگامہ تھا کیونکہ ہشام سالار اچانک ہی اس دن کو نہ سے آئے تھے وہ پھر زیادہ بیٹھا بھی نہیں تھا۔ دوسرا دن تھا اس کا آفس میں کیپور کے آگے منگسل بیٹنے سے اس کی آنکھیں دکھنے لگی تھیں گردن میں بھی درد محسوس ہونے لگا تھا اس پر تہذیب کا رویہ اسے پریشان کیے ہوئے تھا۔

”ارے ناظمہ! کب سے فائق آیا ہوا ہے تم نے دیکھا تک نہیں۔“ تاکی امی کی نگاہ بال کرے میں انھی جہاں وہ سوچوں میں غم صم کا ڈبچہ پر دراز تھا اس نے اب تو FM بھی چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس طرف سے دل ہی بالکل ہٹ گیا تھا۔

”ارے بھابی! میں اماں جی کے پاس بیٹھ گئی تھی۔“ وہ بھی حیران تھیں کہ فائق کا انہیں بھی پتہ نہیں چلا۔

”فائق! چائے وغیرہ لاؤں۔“ اس کے گھٹے بالوں میں ہاتھ بھیر کے پوچھا۔
”آں ہاں۔“ وہ نہیں آفس میں دوبار بی بی ہے اب دل نہیں کر رہا۔“ وہ کچھ سستی فیل کر رہا تھا کیونکہ مسلسل صبح نو بجے سے وہ کام ہی کر رہا تھا جھکک اور سستی تو لازمی ہوتی تھی۔

پھر جب اصرار نہ ہوئے ہوں زمین دول الجھا ہوا ہو تو کہاں کسی سے بات کرنے کو ال کرتا ہے اس احساس بکوں کے لگا ہوا ہوتا ہے۔

”آج میں جلدی آگیا آفس سے حمود بھائی کو کہیں ضروری جانا تھا ورنہ تو بیچے سے پہلے آنا ناممکن تھا۔“ وہ بتانے لگا۔ ناظمہ کی نظر وہ لگا ہیں فائق کے سر ایسے پر تھی جو اکثر کھو یا کھو یا سارے لگا تھا یا پھر کمرے میں رہتا یا گھنٹوں خاموش ایک طرف بیٹھا رہتا۔

”بہت دن ہو گئے آپ بی بی نہیں آئی ہیں عروب کو دیکھتے کول کر رہا ہے۔“ اسے ندرت کا خیال آیا تو پوچھا پھر بھانجی سے محبت بھی بہت کرتا تھا۔ اس گھر میں صرف وہی بچی تھی جسے سارے ہی ہاتھوں ہاتھ رکھتے تھے فائق کی تو گویا اس میں جان تھی۔

”وہاں اسلام آباد گیا ہوا تھا گھر میں پھر اس کی ساس کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں تھی کبہ رہی تھی آئے کی کسی دن۔“ انہوں نے شکر ادا کیا فائق نے کچھ تو بات کی۔

”ان کی ساس فرارج کی شادی کا کب تک کہہ رہی ہیں۔“ اسے بھئی کی بھی فکر تھی کیونکہ چاہتا تھا اس کی بھی بھتی جلد ہو سکے شادی ہو جائے۔

”فرارج کا تین ماہ بعد پھر چکر لگنے والا ہے پاکستان کبہ رہی تھی ندرت تمہاری اور بھئی کی شادی بھی ساتھ ہی ہونا دی جائے تو ٹھیک ہے۔“

”آپ ابھی بھئی کی فکر کریں میری چھوڑیے۔“ وہ اٹھ کر بیٹھا تہذیب کا رویہ اسے اتنا دکھ دے رہا تھا کہ سوچ سوچ کے دماغ تھک گیا تھا پتہ نہیں بعد میں وہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے سارنی زندگی طے و طے دیتی رہی تو کتنا مشکل ہو جائے گا۔ جبکہ وہ اس کے دل کے ایوانوں میں اپنی معصومیت و سادگی سمیت موجود تھی و دول کی گہرائیوں سے محبت کرنے لگا تھا وہ اسے پیار کرنا چاہتا تھا اپنی محبتوں کے بار پہنانا چاہتا تھا مگر اس کا ایسا اکھڑ انداز کب یقین کرے گی۔

”کیسے فکر چھوڑوں مسیبت بھی پریشان ہے کیونکہ تہذیب بالکل ہی غم صم ہو کر رہ گئی ہے اور حرم ہو گئے جو غم صم تم

دونوں کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس میں کسی کا تصور نہیں تھا۔“ وہ اسے گویا سمجھا رہی تھیں۔
مگر فائق کو وہ لمحے جب یاد آتے تو وجود جھٹکوں کی زد میں چلا جاتا پسینہ پورے وجود پر آ جاتا وہ سب لمحے کیسے آگ کی طرح گزرے تھے وجود میں اس کے اچھلنے کی جگہ باقی تھی وہ اسے ایسے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا کہ کوئی اور اس کے ساتھ اس کی محبت کا یوں حشر کرے۔

”تہذیب کو کچھ سمجھنے تو دیں۔“ اس نے چونک کے کہا۔

”سب سنبھل جائے گی یہاں آ کر بہت فکر مند ہے مسیبت جہاں تہذیب کا رشتہ لگا تھا اتنی بری بری باتیں انہوں نے منسوب کی ہیں میں کیا بتاؤں۔“ وہ دکھ و تاسف سے بولیں۔ فائق کو اور شرمندگی ہوئی جبکہ جو کچھ بھی ہوا جان کے تو نہیں ہوا تھا۔

”تمہارے ابو اور تمہارے تایا ابو نے رضا مندی دے دی ہے فرارج کے آتے ہی تمہاری بھی شادی کرنی ہے۔“ انہوں نے حتی فیصلہ سنایا فائق آگے سے کیا بولتا جب اس نے سامیبت آنٹی تھی پریشان ہیں پھر جتنا وقت گزرے گا وہ اور مسیبت بھی کھڑے کر سکتا ہے یہی سوچ کے وہ کھڑا ہو گیا۔

شامین نے اسے جو کچھ بتایا وہ تو سن کے گنگ رہ گئی پھر محریب نے بھی تو ہم انداز میں بتایا تھا وہ جب ہی تو اور فکر مند ہوئی تھی۔

”بھابی! تو بہت پریشان کن بات ہے۔“ وہ گہری سوچ میں غرق تھی۔

”حمود بھائی کو اس بات کی ٹینشن زیادہ ہو گی ان کے بابا مانتی کو ان سے ملنے نہیں دے رہے ہیں۔“

”یہ تو زیادتی ہے۔“ عتاب نے تاسف سے کہا۔

”شادی بھی کہہ رہے ہیں تمہنی سے کرو جبکہ منجھنی تو مر جائے گی حمود بھائی کی شادی کا سن کے۔“ شامین ساتھ ریان کو تھپک تھپک کے سارے نی کو شش کر رہی تھی۔

”ارے آ کر چائے وغیرہ تو بنا لو۔“ احمد اندر آیا۔ دونوں ہی چونک گئیں عتاب نے پنک آفیل شانوں پر سمیٹا۔

”یہ سوئی نہیں رہا ہے۔“ شامین نے ریان کو اٹھایا۔

”اسے امی کو دے دو تم دونوں کچھ تو بنا لو جا کر محریب کے سر میں درد ہو رہا ہے۔“ وہ ریان کو گود میں لے کر باہر نکلا۔

”آج کل تمہارے اور محریب بھائی کے تعلقات ٹھیک جا رہے ہیں۔“ شامین نے کچن میں آتے ہی چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔ عتاب نے جینسپ کے مسکراہٹ لئے اسے دیکھا کاؤنٹر سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی تھی۔

”جی خود ہی صاحب کا موڈ کچھ ٹھیک ہو گیا ہے جب ہی مجھے یہاں آنے کو بھی کہا۔“ وہ شامین کی کام میں مدد کرنے لگی۔

دونوں باتیں بھی کرتی رہی تھیں چائے کے ساتھ دیگر لوازمات سجا کے وہ ڈرائنگ روم میں آگئی تھیں محریب بڑے صوفے پر دراز تھا جبکہ حمود سٹکل صوفے پر بیٹھا کافی بے زار لگ رہا تھا۔ عتاب نے نگاہ اٹھا کر دونوں کا جائزہ لیا تھا محریب چائے دیکھ کر اٹھ کے بیٹھا عتاب اور شامین ٹینس ٹیبل پر لگانے لگی تھیں۔

”مبارک ہو تم دونوں کے بھی تعلقات بہت اچھے ہو گئے ہیں۔“ احمد بیٹھ کی طرح اپنی شوٹی سے باز نہیں آیا۔

محررب اور عمارت دو دنوں ہی جیسے بپ کے رہ گئے جبکہ عمو تو انتظاریشان تھا وہ یہاں ہو کر یہاں موجود نہیں تھا اسے تو منتہی کی فکر تھی پناہ بھی مہی بابا اس کے پاس جاسے تک نہیں دے رہے تھے۔
 "تم بھی بولنے سے مدد بھی جایا کرنا"۔ محرب نے چائے کا سپ لیا۔
 "کتنے اچھے لگ رہے ہو آج تم مسکراتے ہوئے۔"

محررب نے اسے گھورا عتابہ وہاں سے کھسک ہی گئی۔ شامین ریان کو علینہ کو دے آئی تھی کیونکہ وہ سونے کے لئے بے چین تھا۔
 "ان لوگوں نے عمو بھائی کے مسئلے کے بارے میں کیا سوچا"۔ عتابہ کو عمو سے زیادہ منتہی کی فکر ہو رہی تھی اس کے دل پر کیا گز رہی ہوئی پھر محرب اسے بلا کے بھی اسی لئے لایا تھا۔
 "عمو بھائی شادی وہ بھی تمہی سے قطعی نہیں کریں گے"۔ دونوں لالوچ میں آگئیں کیونکہ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں تھے۔

اس کا یہی حل ہے کہ عمو بھائی پہلے منتہی کو وہاں سے لے کر آئیں اسے بابا سے معافی مانگ لیں۔
 "یہ آسان ہی تو نہیں ہے"۔ محرب ڈرائنگ روم سے اس کی تلاش میں نکل آیا تھا۔ دونوں کی ابھی تک بات بھی تو نہیں ہوئی تھی آپس میں عتابہ نے چونک کے سر اٹھایا وہ بلیک ڈریس پیٹ پر بلیک لائٹنگ کی شرٹ میں آستیں کو فولد کیے بہت سویر لگ رہا تھا۔

"کچھ تو نکالنا ہی ہے مائل"۔ شامین گویا ہوئی۔
 "تم کیا کہتی ہو؟"۔ محرب نے ڈائریک عتابہ سے پوچھا وہ بڑے سونے پر پٹک شلوار روپہ میں بیٹھی نروس سی ہونے لگی۔ شامین کے لب مسکرائے وہ جان بوجھ کے خود سی دونوں کو موقع دے کر اٹھ گئی۔
 "اس کا یہی حل ہے کہ عمو بھائی شادی کسی طرح بھی نہیں کریں جو بھی بات ہو وہ منتہی اور اس کے والدین کے سامنے رکھیں کیونکہ اگر زبردستی شادی ہو بھی گئی تو تین زندگیاں برباد ہوں گی"۔ عمو بھائی محنتی کے ساتھ قطعی خوش نہیں رہیں گے اور پھر محنتی کے ساتھ بھی یہ ظلم ہو گا منتہی رو رو کے مجھے یقین ہے خود کو ختم کر لے گی۔ وہ اتنے سنجیدہ انداز میں اپنی نرم سی مہین آواز میں بول رہی تھی محرب وارفتگی سے دیکھے گئے کپڑوں کا رنگ بھی اس پر گواہی دیتی پناہ تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو اس طرح کرنے سے عمو کے گھر میں بھونچال نہیں آ جائے گا جبکہ ابھی بھی آیا ہوا ہے۔"
 "اس وقت تو اسے گا مگر جو ج ہے پتا کر منع کیا جائے تو بہتر ہے خواہ بڑا س کی وجہ سے پھر کچھ بھی نہیں بچے گا۔"
 "عمو کو بڑا س کی قطعی پروا نہیں ہے فکر اس کی ہے کہ منتہی سے کیسے ملے وہ اسے وہاں رکھنا نہیں چاہتا ہے۔ وہ پھر گویا ہوا۔

"منتہی کو وہاں ہی رہنے دیں اس طرح زیادہ ٹھیک رہے گا کیونکہ اچھا ہے محنتی خود دیکھ کر ہی منع کر دے گی۔"
 عتابہ نے جھٹ کہا۔
 "ہاں..... بات تو ٹھیک ہے مگر عمو کہتا ہے کہ وہ بھی وہاں نہیں رہنا چاہتا کسی طرح منتہی کو وہاں سے نکال لے۔"

"آپ عمو بھائی کو سمجھائیے اور انہیں یہ بھی سمجھائیے کہ اپنے بابا سے زیادہ جھگڑا کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے وہاں رہنا۔"

کر خود ہی معاملہ سلجھا میں محنتی کے والد کو بتا دیں کیونکہ ہو سکتا ہے ان کے بابا محنتی کے والد کی وجہ سے عمو بھائی پر شادی کا دباؤ ڈال رہے ہیں۔ اس نے سارے ہی پہلو اس کے سامنے رکھے تھے محرب کو معقول لگے تھے اس نے مسکراتی نکلا ہوں سے عتابہ کو دیکھا وہ جیسے بپ کے سر جھکا کے رو گئی۔
 "مجھے نہیں پتہ تھا اتنی عقل مند ہو سکتی ہو"۔ وہ شرارتی لہجے میں بولا۔
 "ایسی تو کوئی بات نہیں"۔ سر جھکا ہوا تھا۔

"جب ہی دادی جان کی من پسند پوتی ہو"۔ محرب لگتا تھا آس پاس کے ماحول کو ہی بھول گیا تھا۔ احمد دہا تھا پشت پر جیسے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"آپ بھی ان کے من پسند پوتے ہیں"۔ اس نے بھی جھٹ کہا۔
 "پھر کیا خیال ہے تم دونوں کب لا رہے ہو تانی جان کے من پسند پوتی پڑ پوتے"۔ احمد کی زبان تو بے باکی سے ملنے کو موقع تلاش کرتی تھی۔ محرب تو بوکھا گیا جبکہ عتابہ بھی گڑبڑا گئی لب جھنجھ کے نگاہ چرائی محرب نے اسے کھورا کچھ نکل سا بھی ہو رہا تھا۔

"کیا رو مانس چل رہا تھا ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کے"۔ پھر شوخی سے نعرہ دیئے لگا۔
 "فضول ہانکنے کو تیار رہتے ہو۔"
 "ویسے رو سینک زیادہ اچھے لگتے ہو۔"

عتابہ تو خرم و حیا کے حصار میں ڈوبی تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی دل اتنا دھک دھک کر کے شور مچا رہا تھا کہ کچن سے جا کر پانی پیا پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی یقین نہیں آ رہا تھا محرب بھی اتنا شرارتی ہو سکتا ہے اس کے لب مسکرائے زندگی کچھ دنوں سے کتنی پیاری ہو گئی تھی کیونکہ گھر کا ماحول بھی تو پر اس ہو گیا تھا۔ سیرا بیگم کا نرم روپہ اور انداز اسے اور بھی خوش کر گیا تھا اب اس کو شش تھی کہ سیرا بیگم دادی جان سے مل کے بھی معافی مانگ لیں۔

☆.....☆.....☆.....
 صید اتنی فکر مند تھیں کہ وہ نہ بہت بیگم سے بھی کہہ چکی تھیں انہیں تہذیب کی پہلے ہی بہت فکر ہے اس پر مستزاد منتہی کی سوار ہو گئی تھی اسے گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا کسی قسم کا کوئی بھی رابطہ نہیں ہو سکا تھا محرب سے اتنا ہی پتہ چلتا رہتا تھا مگر منتہی سے ان کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ عمو تو لگتا تھا یہاں کا راستہ ہی بھول گیا تھا۔
 "انی! ہم لوگ عمو بھائی کے گھر چلیں"۔ حکمت کو بھی منتہی بہت یاد آ رہی تھی۔
 "ایسے کیسے جاسکتے ہیں عمو بھی پسند نہیں کرے گا"۔ صید نے صاف منع کر دیا۔
 "مگر امی! منتہی باجی کو ایسے تنہا بھی نہیں چھوڑ سکتے ہم"۔ تہذیب کو پہلے ہی ڈر تھا کہ عمو کہیں دوسری شادی کے پکر میں نہ پڑ جائے۔

"ایسے جانا بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔"
 "کچھ بھی ہے ہم منتہی باجی کو ایسے نہیں چھوڑ سکتے ہیں"۔ اسے بھی ضد ہو گئی تھی اور پھر اسی وقت جانے کے لئے تیار ہو گئی پورا ہفتہ ہو گیا تھا کوئی خبر خبر بھی نہیں تھی عمو بھی کوئی کال نہ سونو نہیں کر رہا تھا۔ گرین کاٹن کے پرنٹ کپڑوں میں دراز بالوں کی پونی میں بل ڈال کے دو پٹ شالوں پر ڈالا اور حمزہ کو کہا کہ محرب کو بلائے۔
 "ارے ایسی بھی کیا جلدی ہے میں ہوں تو اس کی خبر لینے والا۔"

ہائے گی کیونکہ وہ تو ساری باتیں سوچ رہا تھا پھر شادی ان دونوں کی جتنی جلد ہو سکے تو اچھا ہے، کہیں تو سکون ہو۔
فراج کے آنے میں دو مہینے تھے اس کے بعد ہی کچھ سوچا جاسکتا تھا گاڑی ذرا نیچے کرتے ہوئے جانے وہ کتنی دور نکل
گیا تھا۔

کشم بانیو نے ہشام سالار کو جانے کیا کچھ کہا تھا جب کہیں جاکے منتہی کو اس کے بیڈروم میں بھیجا تھا مگر ہشام
سالار نے اسے اس گھر سے جانے کو سختی سے منع کر دیا تھا۔

”کیا بات ہے میری جان ابھی بھی ناراض ہے؟“ وہ اس پر جھکا ہوا بول رہا تھا۔ دراز سلکی بال بکسے پر کھلے
بکھرے ہوئے تھے بخار کی وجہ سے وہ زردی سے کھل گئی تھی۔

”منع کیا تھا آپ کو مجھے زندگی میں شامل کریں گے تو ایسے ہی مسئلے ہوں گے۔“ اس نے لب بھینچ کے منہ گھمالیا۔
”جب سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے ابھی بھی مایوسی کی باتیں کر رہی گی۔“ اس نے منتہی کا چہرہ ہاتھ سے پکڑ کے اپنی
بانٹ کیا۔

”کیا سب ٹھیک ہو رہا ہے؟“ منتہی نے خود کشی کرنے کی کوشش کی اور اس کے پاپا پارٹنرشپ توڑ دیں گے آپ کو ذرا
فرہم نہیں۔“ حیرانگی سے دور رو بانسی ہونے لگی۔

”اس نے خود کشی کی کوشش کی تھی اور پھر محبت زبردستی کسی سے نہیں مانگی جاتی کہ وہ بھی کرے میں شروع سے
اسے منع کرتا تھا میرا انٹرسٹ کبھی اس میں رہا ہی نہیں۔“ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”پارٹنرشپ ٹوٹتی ہے تو ٹوٹتی رہے مجھے سب خبر تھی ایسا ہو گا اس لئے میں نے اپنی فیکٹری خود لٹا دی ہے پھر سب
حقیقت نیاز انکل کو میں بتا چکا ہوں۔“ وہ انہیں سب کچھ بتا کر کافی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

”تم پلیز! اپنا موڈ اور حلیہ چھین کر وکب تک بستر پر ہو گی۔“ وہ بھی بے زار ہو گیا تھا۔
”مجھے بابا کے سامنے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔“ وہ سہمی ہوئی تو پہلے سے تھی۔

”بابا کا غصہ مجھے پتہ ہے کیوں ہے؟ انہیں نیاز انکل کی ٹینشن ہے اس پر منتہی کی وہ حرکت مجھے ہی سب ٹھیک کرنا
ہے۔“ وہ ارادہ باندھ چکا تھا کہ بابا کو منانے رہے گا۔

”میں ابھی منتہی کے پاس ہاسٹل جا رہا ہوں تم فریش ہو کر تیار ہو کم از کم ماحول تو بدلے۔“
”آپ کی امی بہت اچھی ہیں میرا بہت خیال رکھ رہی ہیں۔“

”تمہارا بھی فرض ہے سب کا خیال رکھنا خاص طور پر بابا کا رکھنا، تمہیں انہیں اپنے اچھے رویے سے منہ می کرنا
ہے۔“ اس نے اس کے چہرے سے ہانوں کو سمیٹا۔

”مجھے خالہ جان سے ملنا ہے، تمہارے حکمت سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔“ اسے ان سب کی فکر تھی اس دن
وہ کئے تھے کوئی رابطہ ہی نہیں تھا، تین چار دن بخار نے سدھ بدھ کھودی تھی اس پر مستزاد منتہی کا کہیں بڑے کرائس
میں زندگی آگئی تھی۔

”سب میرے رابطے میں ہیں، عریب بتاتا رہتا ہے۔“ اس نے اطمینان دلایا۔
”کتنی بری ہوں جہاں جاتی ہوں پریشانیاں کھڑی کر دیتی ہوں، کیا ہوں میں؟ کیوں میں اب تک زندہ ہوں
اؤں میں۔“ اس کی مزید بات پوری ہونے سے پہلے ہی حمود کے لبوں نے حرکت کی تھی وہ حواس باختہ رہ گئی
انہیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

”دیکھئے عریب بھائی! میں خود اکیلے نہیں جاسکتی کیونکہ میں نے گھر بھی نہیں دیکھا ہے امی بھی بہت ڈر گئی ہیں۔“
وہ نگاہ جھکائے اس سے مخاطب تھی۔ اب تو اس نے اپنے لئے جینا ہی نہیں تھا کم از کم کسی کے لئے کچھ تو اچھا کر جائے
کہ لوگ اسے یاد رکھیں۔ زندگی سے خوشیاں ہی روٹھ گئی تھیں، کوئی اسنگ ہی نہیں رہی تھی۔ فائق کا اس دن کاروبار اور
باتیں سوچ کے لمحوں میں اس نے اس کی عزت کو دو کوڑی کا کر دیا تھا۔

”تمہارے بھائی! ایسے جانا مناسب نہیں ہے۔“ وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ حمود کے گھر میں جو ہنگامے
چل رہے تھے حمود لکھ لکھ کی خبر سے آگاہ کر رہا تھا کیونکہ حمود نے نیاز علی کو ساری حقیقت بتا دی تھی وہاں کے حالات اور
خراب ہو گئے تھے، منتہی نے اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

”آپ بھی حمود بھائی کی سائینڈ لیتے ہیں آپ مرد سب ایسے ہی ہوتے ہیں ہم لڑکیوں کو بھیڑ بکریاں سمجھتے ہیں۔“
اس نے اپنے اندر کا غصہ وہ بھی فائق کا اس پر نکال دیا۔

”عریب! بھونچکا سا اسے دیکھتا رہ گیا کیونکہ تمہارے چہرے کا رنگ تک بدل گیا تھا۔ اتنی ترش روی اور تلخی سے
تمہارے بھائی! بات ہی نہیں کی تھی آج تو وہ جانے ایسے کیوں بولنے لگی تھی۔“

”تمہارے بھائی! لڑیا کیا ہو گیا؟ تم ایسے کیوں سوچ رہی ہو؟“ عریب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چیخ پر بٹھا دیا۔ وہ لب
بھینچ کے جیسے آنسوؤں کو روک رہی تھی جبکہ عریب نے تو گئے بھائیوں سے بڑھ کے اس کا خیال کیا تھا اور ابھی بھی کتنا
خیال کیا تھا اس کا رشتہ فائق سے ملے کر دیا ورنہ آج کے دور میں کون کسی کے اتنے کام آ سکتا ہے وہ تو ان سب کے
احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔

”عریب بھائی! آپ کو نہیں پتہ منتہی باجی بہت حساس ہیں وہ تو وہاں اکیلے ہیں ناں۔“
”ارے حمود ہے ناں وہ اس کی بیوی ہے اکیلے کیوں ہو گی؟ دیکھو بیٹا! تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ابھی جانا
بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے وہاں سمجھو بھونچال آیا ہوا ہے ابھی ذرا معاملے کو ٹھنڈا ہونے دو۔“ اس نے نرم لہجے میں اسے
سمجھانے کی کوشش کی۔

”عریب بیٹا! میں بھی اسے یہی سمجھا رہی تھی مگر یہ مانتی نہیں۔“ مہینہ چائے کے ساتھ کچھ لوازمات بھی لے کے
آئی تھیں۔

”آئی! ابھی وہاں بہت بڑا فساد برپا ہے۔“
”اگر حمود بھائی نے منتہی باجی کو چھوڑ دیا تو۔۔۔۔۔۔“ تمہارے بھائی! تم میری فکر ستائے جا رہی تھی بے چاری تو بالکل ہی اکیلے
ہو جائیں گی۔

”ایسا کچھ نہیں کرے گا حمود، تم یقین رکھو۔“ بڑی مشکلوں سے اس نے تمہارے بھائی کو سمجھا بھانکے گا ہو کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا
تمہارے بھائی! اتنی چڑ چڑی ہو رہی ہے اس کے ساتھ بھی تو ایک حادثہ گزر چکا تھا وہ اس کا غم کب بھولی تھی۔ وہ ذرا سوچ
انداز میں وہاں سے اٹھ کر آ گیا تھا۔

”اوہر گھر میں نہت بیگم نے عریب کو کہا ہوا تھا کہ حمود نے باپ کے کہنے میں آکر اگر دوسری شادی کی تو وہ
بھی حمود کو نہیں چھوڑیں گی وہ اتنا پریشان تھا کہ آفس تک میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا ایسے میں اسے پھر عریب کا
ہی خیال آتا اس سے بات کر کے دل کو ذرا سار تو ملتی تھی ورنہ اب تک تمام پریشانیاں کا بوجھ اٹھانے ہوئے
تھا تھا۔

اس نے سوچا تھا کہ فائق سے بھی بات کرے گا کہ تمہارے بھائی کو کچھ ریلیکس کرے ورنہ وہ اس سے اور بدظن ہو
رہا تھا۔

”یو اوتھ اب دیکھنا کیسے میں تمہاری بولتی بند کرتا ہوں۔“ آنکھوں میں شرارت ”مٹی خیزی تھی منٹھی کی شرم و حیا سے جیسے بولتی ہی بند ہوئی تھی اسود کو اب تو سارے استحقاق اور اختیارات مل گئے تھے پہچانا تو ناممکن ہی تھا۔

”ماں..... اب بولو کیا کہہ رہی تھیں۔“

”نہیں بولنا بیٹھے کچھ۔“ محبوب ہو کر پلکوں کی جھلک کو نیچے کر لیا تھا۔ حمود نے ”مٹی خیز مسکراہٹ“ لئے اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھا تھا جہاں روشنیاں سی رقص کر رہی تھیں ’عازوں پر شرم و حیا کی الی گئی تھی نگاہوں میں جواب انداز میں ٹھہراہٹ۔

”ایک خوشخبری سناؤں۔“ وہ ہاتھ ٹیک کے اس کے قریب ہی بیٹھا تھا اور وہ لپٹی ہوئی تھی ’اٹھنے بھی نہیں دے رہا تھا۔

”جی۔“ آہستگی سے گویا ہوئی۔

”امی تمہاری ماں سے ملی ہیں۔“

”کف کیا؟“ وہ تو حیرانگی اور خوشی سے چیخ پڑی۔

”آہستہ یار!“ اس نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا۔

”منٹھی کی تو خوشی سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی کتنا عرصہ ہو گیا تھا اماں کو دیکھے اس کی آنکھوں سے اُن کے ذکر پر آنسو نکلنے لگے وجود چکیوں میں بندھ گیا ’حمود تو شپٹای گیا کیونکہ وہ اتنا زار زار روئے لگی تھی۔

”منٹھی! کیا ہو گیا ہے؟“ حمود نے اسے اپنے حصار میں لے کر پوچھا۔

”مجھے اماں کے پاس جانا ہے میں کچھ نہیں جانتی ’نہیں رہنا مجھے یہاں۔“ وہ روتے ہوئے بولے جا رہی تھی ’حمود سمجھ گیا کہ ماں کے ذکر پر وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکتی تھی اس وقت تو اسے تسلیاں دے کر چپ کر دیا تھا مگر سر پر ایک بوجھ حسنی اور نیاز علی کا بھی تھا۔

.....

سات بجے تک سمیرا پارٹر میں ہوتی تھیں مگر آج جلدی آرہی تھیں کہ نامعلوم افراد اندر آ گئے تھے اور انہیں اور ان کی کلائنٹ اور دیگر مرکز کو گرفتار بنا کر سارا کچھ وہاں سے لوٹ کے لے گئے تھے ’سمیرا تو خوف و غم سے بے ہوش ہو گئی تھیں ’سارے ہی ہسپتال میں جمع تھے کیونکہ ان کا رُوس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا ’عنا تبہ کا رورور کے بُرا حال تھا ’معارض الگ رہنچر اور فمز وہ ساتا یا ابو کے پاس بیٹھا تھا۔

”مخرب! تم عنا تبہ کو تو یہاں سے لے ہی جاؤ کیونکہ یہ اگر روتی رہی تو اس کی بھی طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔“ ریحان احمد نے عنا تبہ کی سمت اشارہ کیا جو صوفے پر بیٹھی مسلسل رو رہی تھی۔ جو احمد اور مانز آئی سی یو کے باہر تھے ڈاکٹر نے چہ گھٹنے کہا تھا کہ وہ ہوش میں آ سکتی ہیں۔

مخرب اسے زبردستی بازو سے پکڑ کے اٹھانے لگا تھا اس کا پنک کاٹن کا پلیٹیں سوٹ جس پر وہاگوں کی کڑھائی ہوئی تھی عجیب لگتا سا ہو گیا تھا ’تین چار گھنٹوں میں وہ بھی صدیوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ حسہ چھو یہاں موجود تھیں۔

”پلیز مجھے یہاں ہی رہنے دیں۔“ وہ رونے لگی۔ مخرب اسے شانوں سے تھامتے ہوئے گاڑی میں بٹھا رہا تھا وہ بھری جا رہی تھی اس کا دل الگ دکھ رہا تھا۔

”عنا تبہ! ایسے بچوں کی طرح تم کر رہی ہو مجھے نہیں خبر تھی تم اتنے کمزور دل کی ہو گی۔“ وہ ڈرائیو نگ سیٹ پر بیٹھا اس کا چہرہ دیکھنے لگا جو رونے میں شغول تھیں۔

رداؤ انجسٹ 118 مئی 2011ء

”میری امی ہیں میں کیسے نہیں روؤں۔“

”سمیرا چچی کو کچھ ہی دیر میں ہوش آ جائے گا ڈاکٹر نے تسلی دی تو ہے۔“ اس نے عنا تبہ کے دونوں ہاتھ نیچے کیے نشو و پیر اسے تھمائے۔

”فوراً آنسو پونچھو۔“ حکم یہ انداز تھا۔ مگر اس پر لگتا تھا ذرا اثر ہونے والا نہیں تھا اسی طرح وہ رونے میں لگی تھی۔

”یار! کیا ہے عنا تبہ اس طرح رورو کے تو تم میری جان لے لو گی۔“ وہ جھنجھلا کے گویا ہوا۔ عنا تبہ کے رونے کو کچھ بریک لگا ’لب کپکنے لگی وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ تاک سرخ تھی ’فسوں خیز آنکھیں رونے سے بوجھل ہو گئی تھیں ’چہرہ تک اتر گیا تھا۔

”ایک آنسو نہیں گرے تمہاری ان آنکھوں سے ابھی میں نے تو ان میں ٹھیک سے جھانکا بھی نہیں اور تم ان کی خوبصورتی جاہ کر رہی ہو۔“ وہ اس لئے بھی تو اپنی محبت کا احساس دلانے سے نہیں رکا تھا۔ عنا تبہ نے بحسب کے نشوز سے آنسو ساف کیے ’مخرب کا کتنا اپنائیت بھرا انداز تھا اور وہ بی تو چاہتی تھی وہ اس کے لئے بھی کبھی پریشان ہو۔

”گند۔“ وہ مسکرایا۔ گاڑی اشارت کر دی تھی ’پورا راستہ وہ خود پر کنٹرول کیے بیٹھی رہی تھی ’دادی جان کے پاس بٹھایا اسے جوان کی آغوش میں جا کر پھر رو دی۔

”دادی جان! آپ کی یہ پوتی بہت تنگ کرتی ہے سب کو۔“

”جی نہیں..... میں نے نہیں کیا سب کو۔“ وہ جھٹ بولی۔ دادی جان کے لب مسکرانے لگے کیونکہ اسے دنوں بعد آج پہلی بار ان دنوں کو یوں ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے دیکھا تھا۔

”میں وشہ سے کہتا ہوں تمہیں زبردستی کچھ کھلا دے ورنہ تم اگر بے ہوش ہو گئیں تو مجھے ہوش میں لانا مشکل ہو جائے گا۔“ ”مٹی خیزی سے سرگوشی میں بولتا ہوا نکل گیا۔

وشہ نے تائی امی نے اسے زبردستی کھلایا ’مغرب کے بعد اسے نیند آ گئی تو وہ دادی جان کے پاس جا کر سو گئی تھی۔ سب ہی سمیرا بیگم کے لئے دعائیں وغیرہ پڑھ رہے تھے اور یہ سب کی دعائیں ہی تھیں کہ سمیرا بیگم ہوش میں آ گئی تھیں۔ عنا تبہ تو سن کے جانے کے لئے بیقرار ہو گئی ’مخرب ہی زہت بیگم اور اسے ہسپتال لے کر گیا تھا۔

عنا تبہ نے سمیرا بیگم کے کمزور نحیف سے چہرے کو افسردگی سے دیکھا ’سب ہی آئی سی یو کے باہر جمع تھے مگر ایک فرد کو اندر جانے دیا جا رہا تھا۔

”کیسی ہیں امی آپ؟“ اس نے ان کے ہاتھ کو تھاما۔

”تھیک ہوں اب۔“ آنکھوں سے آنسو نکلے۔

آج قدرت نے ان کے ساتھ ایسا کیا تھا کہ وہ اوندھے منہ مری تھیں جنہیں اپنا دشمن سمجھتی تھیں آج وہی سب لوگ جمع تھے وہ شرمندگی اور ندامت کی اتحاد گہرائیوں میں خود کو گم کرنا ہوا محسوس کر رہی تھیں آج سب کو اپنے لئے اس طرح پریشان دیکھ کر وہ دیر تھیں۔ عنا تبہ پورا وقت ان کے پاس رہی تھی ’دوسرے دن انہیں روم میں شفٹ کر دیا تھا۔ زہت بیگم ان کے لئے بھی دلیہ سوپ ’جوس گھر سے بھیج رہی تھیں ’سب ہی ان کی دلجوئی میں لگے تھے۔

”عنا تبہ! بیٹا بیار پڑ جاؤ گی کچھ دیر گہ جا کر آرام کر لو۔“ آہستگی سے انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا جو انہیں دلیہ

رداؤ انجسٹ 119 مئی 2011ء

کھار رہی تھی۔

”میں آپ کو ایسے کیسے چھوڑ کے آرام کروں؟“ اس نے صاف انکار کر دیا۔

”دیکھو یہ تمہاری بیٹی ہے اور تم.....“ جواد احمد نے طنز کیا۔

”ابو بس کوئی بھی ایسی سچ بات نہیں کریں۔“ وہ بولی۔

سمیرا بیگم اور شرمندہ ہو گئیں کیونکہ اپنے بچوں کو کبھی پیار سے دیکھا ہی کب ہمیشہ ڈانٹ ڈپٹ کر کے خود سے دور رکھا، مزاج کو اتنا چڑچڑایا تھا کہ اچھی بات بھی بُری لگتی تھی اور ان کی یہ اولاد پھر بھی ان کا کتنا خیال کرتی تھی وہ ایسی محبت کی حقدار ہی کب تھیں نہ اچھی بیوی نہیں نہ بہو اور نہ ہی ماں بن سکی تھیں ہمیشہ اپنے سسرال والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ جب سے انہیں ہوش آیا تھا صرف حسد پھپھو اور شاہناز پھوپھو بچا سے ہی سامنا ہوا تھا۔

”پتہ نہیں کیوں زندگی میری بچ گئی ہے۔“

”پلیز امی! ایسی ذکی باتیں نہیں کریں ہم سب کو آپ کی زندگی کی بہت ضرورت ہے۔“ عتاب نے تڑپ کے ان کے ہاتھوں کو تھاما تھا۔ کمرے میں ایک بیڈ صوفہ سیٹ پڑا تھا پر ایڈیٹ روم تھا تو بیٹھنے اٹھنے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

”کبھی میں نے تم لوگوں کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔“

”سمیرا! زیادہ باتیں نہیں کرو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ جواد احمد کو بھی ان پر ترس آنے لگا کیونکہ انہوں نے ان کے چہرے پر جو افسردہ انداز دکھائی تھی پھر ان کا دل گوارا نہیں کر رہا تھا کہ ان سے کسی بھی قسم کی طنز بازی کی جائے۔

عتابہ نے بھی انہیں زیادہ بولنے نہیں دیا۔ رات میں سب انہیں کا ہے بکا ہے دیکھنے آتے رہے تھے۔ وش کو نہ بہت بیگم نے اس لئے منع کر دیا تھا کہ اس کنڈیشن میں وہ روئے دھوئے گی تو اس کی طبیعت خراب ہونے کا بھی خدشہ تھا پہلے ہی اسے کافی کمزوری ہوتی تھی۔ سمیرا بیگم کسی سے بھی زیادہ بات نہیں کر رہی تھیں نہ بہت بیگم جبکہ ان کا دل بسا رہی تھیں کہ وہ کچھ بھی الناسیدھا نہیں سوچیں۔ مگر جب شرمندگی ہو تو لوگوں سے آنکھیں ملانے سے بھی انہیں شرم آ رہی تھی جنہیں برا کہا آج وہی سب ان کے پاس موجود تھے ان کا خیال رکھ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ دو دن سے اس کے پاس آ رہا تھا ہسپتال سے گھر ڈسچارج ہو کے آگئی تو وہ پھر ملنے چلا آیا تھا۔ نیاز علی اور بیگم نیاز علی نے جواب میں اس سے منہ منہ نہیں رکھا تھا وہ حیران بھی تھا کہ انہوں نے اس سے اتنی نرمی کیوں برتی تھی۔

”کیسی ہو؟“ وہ جیسے تھکے اس کے پاس بیٹھا۔

”جی رہی ہوں۔“ حُسنی کے لب و لہجے میں دکھ افسردگی اور خُتر بھی تھا۔ حمود نے بیڈ روم پر طائرانہ نگاہ دوڑائی وسیع و عریض بیڈ وال ٹوال کارپٹ صوفہ کم بیک پڑا تھا داڑی روپ اور ٹی وی کمپیوٹر سب اس کے سامنے ہی رکھا تھا۔

”جینا بھی چاہیے مگد۔“ وہ مسکرایا۔

”کیوں آئے ہو یہاں؟“ وہ پھٹ پڑی۔

”تم سے ملنے۔“ وہ اس کے اندر کے اشتیاق اور غصے کو کسی طرح نکالنا چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چلا کر سب بول دے۔

”حمود! تم نے میری محبت کا مذاق اڑایا ہے میرے سپنوں کو کرچی کرچی کر دیا ہے۔“ وہ شدت غم سے رو پڑی۔ حمود سے وہ دیوانگی کی حد تک محبت کرتی تھی۔

”حُسنی! میں نے کبھی تمہاری محبت کا مذاق نہیں اڑایا ہے جب میں تم سے کرتا ہی نہیں تھا تو مجھے مذاق اڑانے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔“ وہ اسے ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اتنی بڑی بات تم نے چھپائی تم نے حُسنی سے شادی کی ہوئی تھی مجھے آخر پتہ کیوں نہیں چلا۔“ دونوں ہاتھوں سے اپنے ٹولڈرکٹ بالوں کو جکڑ لیا۔

”میں نے اگلے کو ساری حقیقت بتادی ہے صرف اس لئے کہ میں تمہارے ساتھ مزید ظلم نہیں کر سکتا تھا۔“ وہ افسردگی سے بول رہا تھا اسے حُسنی پر بہت ترس آ رہا تھا وہ شرمندہ بھی تھا مگر اس نے کبھی اس سے محبت بھی تو نہیں کی تھی کبھی اس کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کی تھی۔

”پھر وہ منہ کی کا ڈرامہ کیوں کیا کیوں سب کے سامنے تماشہ بنایا۔“

”حُسنی کے لئے میں راضی نہیں تھا صرف بابا کے کہنے پر یہ سب ہوا تھا میں ایسا بالکل نہیں چاہتا تھا۔“ اس نے محبت کہا۔

”حُسنی! میری بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ محبت کبھی بھی کسی سے ہم زبردستی نہیں کروا سکتے ہیں اور یہ وہ جذبہ ہے جو خود بخود پھوٹتا ہے تمہیں دیکھ کر میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔“ وہ بولتے ہوئے آج بھی پرواہ نہیں کر رہا تھا کہ حُسنی کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی وہ تو پاگل یہی سمجھتی رہی کہ حمود کی کچھ فنی مذاق کی عادت ہے تو وہ سیریس ہی نہیں ہوتا تھا۔

”ہاں یہ مجھے بھی پتہ ہے۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔

”حُسنی! ہم ابھی دوست بھی تو بن کے رہ سکتے ہیں۔“

”حمود! تم اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی چاہتے ہو کہ میں اتنی جلدی سب بھلا دوں کیسے بھلا دوں میں کیسے تمہیں تمہاری بیوی کے ساتھ دیکھ سکتی ہوں حمود! میرا دل اتنا بڑا نہیں ہے۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

حمود نے لب بھینچ لئے کیونکہ وہ جانتا تھا حُسنی جذباتی ہے اتنی جلدی تو کچھ بھی نہیں بھولے گی اور اس کی وہ ساری باتیں۔

”حمود! ہم بنی مولن ہیرس میں منائیں گے۔“ حُسنی کا جملہ اس کے کانوں میں گونجا۔

”مجھ سے محبت کرتی ہو تو تمہیں میری خوشی کے لئے سب کچھ بھولنا ہوگا۔“

”حمود! حمود..... تم ابھی بھی مجھ سے یہ توقع رکھ رہے ہو تم اتنے سنگدل کیوں ہو سارے عرصے میں مجھے تم نے ہر چائی سے دور رکھا اور ابھی بھی تم چاہتے ہو میں تمہارا خیال کروں۔“ وہ چیخی۔

”پھر تم کیا چاہتی ہو بولو مجھے سولی چڑھانا چاہتی ہو میں نے تمہیں کبھی دھوکہ نہیں دیا ہے نہ ہی کبھی تمہیں میں نے بری نظر سے دیکھا ہے جس لڑکی کو میں نے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے ہمیشہ اپنی سوچوں اور خیالوں میں اسے ہی ساتھ دیکھا ہے۔“ وہ بھی تیز لہجے میں بولا۔

”اتنے دن تم نے ہم سب کو اندھیرے میں رکھا۔“

”میں نے کسی کو اندھیرے میں نہیں رکھا ایک دن مجھے یہ سب بتانا ہی تھا اور پھر اس دن بابا گھر آ گئے تو ساری

”اس کے بعد بھی تمہارے دل کو سکون نہیں پڑتا ہے تو جو تمہاری سزا ہے وہ دے لو۔“ اس نے سر جھکا لیا۔

”حمود! میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی؟ نہیں رہ سکتی تمہارے بغیر۔“ وہ ٹکھری جا رہی تھی دل کو بارہا سمجھا چکی تھی وہ اس کا نہیں ہے وہ اختیار نہیں رہتی وہ اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔

”صوبہ! رک جاؤ پلیر نہیں جاؤ۔“ وہ بیڈ سے اٹھی اور اس کے سینے سے لگ گئی، اس کے نرم نرم ہاتھوں نے حود کی پشت پر دھسار بٹک کر دیا تھا، وہ تو بوکھلا ہی گیا کیونکہ ہمیشہ اسے حسنیٰ کی یہی بے باکی گراں گزرتی تھی، وہ دوپٹوں کی طرح اسے اپنے اندر سموئے جا رہی تھی اور وہ اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا، حسنیٰ کے لبوں نے اس کے رخسار کو چھوا تھا۔

”تمنی! کیا پاگل پن جھوٹ میں تو ہونو کیا کر رہی ہو تم؟“ اس نے شانوں سے پکڑ کے اسے جھنجھوڑ دیا۔
 ”تم اتنی بے باک ہو دیاؤ گی مجھے اندازہ نہیں تھا پہلے میں تمہاری ان گستاخیوں کا کوئی نوٹس نہیں لیتا تھا مگر اب مجھے بہت بری لگیں تمہاری یہ حرکتیں۔ میں ایک شادی شدہ مرد ہوں اور تم کسی نامحرم کے پاس ایسے کیسے آ سکتی ہو۔ وہ تو حارز تھا تھا۔“

”یہ تمہاری موت ہے اور تمہیں اگر دیکھتی ہے تو میری بیوی کو دیکھو جو مجھ سے کہتی ہے بیوی ہو کر بھی اس نے نہ میں نے کبھی مدد کر اس کی اور تمہیں کی اس طرح تو جین کر وہی جیتے افسوس ہے۔“ وہ غصہ سے مشتعل ہو گیا۔

”اگر تمہیں مجھ سے اتنی ہی محبت ہے تو ٹھیک سے میں شادی کرنے کے لئے تیار ہوں مگر محبت تمہیں میری پھر بھی حاصل نہیں ہوگی تمہیں میرے وجود سے خوشی ہوگی ٹھیک ہے تمہیں میں اپنے وجود کا پس ضرور دوں گا مگر محبت میری صرف منہی کو ملے گی۔“

قصہ ہی ہنسی اس کی صورت دیکھتے تھے، مگر اس کے چہرے کا رنگ یکجہت ہی بدل گیا تھا، آنکھوں میں غم سے شرارے نکل رہے تھے، آواز میں اتنی ناگواری تھی کہ وہ لڑنے کے کانپ کے اس سے دور ہو گئی، کھلی تو ہین تھی اس کی۔

”اوسے محبت کو پہلے تم سمجھو یہ کیا ہوتی ہے پھر تم مجھ سے محبت جمانا“۔ وہ ہاتھ اٹھا کر مسخرانہ اور طنزیہ انداز میں بولا۔

"میں نے صرف شبہیں دوست سمجھا ہے میری نیت کل بھی صاف تھی اور آج بھی صاف ہے مگر مجھے یہ ساری ہمدگی افسوس رہے گا تم تو دوست بننے کے قابل بھی نہیں تھیں۔"

”حمود! پلیز ایسے تو نہیں بنو۔“ اسے جو کناک تھا۔

”آج تم نے دوست بھی کھو دیا لیکن میں تمہاری خواہش کا احترام کروں گا میں تم سے شادی ضرور کروں گا۔“

”میں خود اپنے شہادی نہیں کرتی ہے۔“ وہ چینی۔

میسرا بیگم تین دن بعد ڈسپارین ہو کر گھر چلی گئی تھیں، سارے ہی وہاں گئے ہوئے تھے وہ داوی جان کے پاس تھی۔ ابھی وہ کمرے سے نکلی ہی تھی کہ اسے جن سے کھڑ پڑکی آوازیں آنے لگیں اس وقت کچن میں کون ہے؟ تجس کے مارے آگے بڑھی۔ فائق برز جا کر جانے کیا گرم کرنے لگا تھا کمرے پینٹ پر لائٹ پنک شرت میں ملبوس وہ اپنے کام میں مصروف تھا اسے اپنی پشت پر آہٹ محسوس ہوئی تو مزر کے دیکھا اور چونک گیا وہ جڑ بڑی ہو گئی۔ اور رخ کاشن کے چرچہ کپڑوں میں اس کی سرٹ و سپید رنگت کھل رہی تھی۔

”کدھر چلیں، زکوٰۃ... سالن گرم کرو اور مجھے روٹی بنا کے دو“۔ انداز اتنا صلیح جو اور پارعب تھا کہ تہذیب و ادب میں نہ تھی۔

”میں آپ کی نوکریں نہیں ہوں۔“ وہ اُن سنی کرتی ہوئی جانے لگی۔
 فائق نے اس کا بازو پکڑا اور تھیسٹ کے کچن کے دروازے سے لگا دیا، وہ حواس باختہ شہنائی گھبرائی سی۔
 متبوش زور رہ گئی۔

”بیوی بنے جا رہی ہو اس لئے ابھی سے کاموں کی عادت ڈال لو۔ اس نے تہذیب کی آنکھوں میں وارفتگی سے دیکھا وہ کسسا کے ٹھکانا چاہ رہی تھی۔“

”مجھے چپ آپ سے ہی کوئی دلچسپی نہیں ہے تو عادت بھی کیوں ڈالوں۔“

”مگر مجھے تم سے بہت دلچسپی ہے کیا کروں ہم مردوں کو تو صرف ایک ہی کام چاہیے ہوتا ہے تم لڑکیوں سے۔“
 حتیٰ خیزی سے کہتے ہوئے اس کے سر اُپے پر بھر پور نگاہ ڈالی۔ تبندیب اس کی اتنی گہری بات سے سر ہٹا یا جل گئی بار بار
 اسے وہ تلخ اذیت یاد دلاتا تھا اس کی بے عزتی کرتا تھا جب اس کی نظر میں کوئی وقعت ہی نہیں تو کیوں کر رہا ہے
 مادی بھی۔

”چھوڑ پئے مجھے“۔ اس نے فائق کے ہاتھ ہٹائے۔

”تمہاری اکثر فضول ہے تم پتہ نہیں اتنی ناشکری کیوں ہو۔“ وہ طنز کرتے لگا۔

”کس بات پر سنا اور لوں اس بات پر کہ جو عزت پر ڈاکہ ڈالتا ہے وہی عزت دے رہا ہے۔“ اس کے الفاظ سنیائی اور کٹ تھی کہ لہجہ زہر خند ہو گیا۔

”پلیز تھنک یو! تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟“ وہ پھر کٹنی فیل کرنے لگا۔ روز رات کو اسے بے چینی سے نیند نہیں آتی تھی وہ تو جب سے خود کا آفس جوائن کیا تھا تھوڑا سا راج میں تبدیلی آئی تھی ورنہ تو ذہن الناسید حاسی سوچ رہا تھا۔

”پھر کیا سوچوں ساری زندگی مجھے یہی ملے تو دہیں گے آپ!“

”دیکھو! اس ٹائم میں کسی بھی بحث کے سوڈ میں بیس ہوں مجھے بہت بھوک لگی رہی ہے آج آفس میں بھی کچھ کھا یا تھا۔“ اس نے بے زاری اور اکتاہٹ سے بتایا۔ برنر تیز کر دیا تاکہ سائن جلدی گرم ہو مگر روٹی نہیں تھی وہ تو سب نظر آئی تو اس نے شکر ادا کیا کہ روٹی بھی مل جائے گی۔

”مجھے آپ کو دیکھ کر وہ سب یاد آتا ہے۔“ وہ دیکھ کر بے اس نے لب کچلے۔ فائق کی نگاہ اس کے سر اے میں ابھی پہلے کتنی بڑا اعتماد رہتی تھی مگر جب سے وہ حادثہ ہوا تھا اس کی ساری پڑ اعتمادی بھی جیسے کہیں غائب ہو گئی تھی۔ چہرے پر ہر وقت بے زاری ہی نظر آتی تھی وہ کب چاہتا تھا کہ وہ اذیت میں رہے وہ تو محبت کرنا چاہتا تھا اسے دینا چاہتا تھا مگر وہ تو اتنی تلخ ہو گئی تھی اچھی کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔

”میں سمجھ سکتا ہوں۔“

”آپ نہیں سمجھ سکتے میں کیا سوچتی ہوں۔“ وہ چیخی۔

”تہذیب! تم مجھے مجبور کر رہی ہو کہ میں تم سے سخت لہجے میں بات کروں میں جتنا تم سے نرمی برتنا چاہتا ہوں تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔“ اسے تہذیب کے لب دیکھ کر افسوس ہوتا تھا۔

”آپ یہ شادی روک دیں مجھے آپ سے کیا کسی سے بھی نہیں کرنی۔“ وہ پشت پھیر کے یکدم ہی بولی تھی۔ فائق تو سکتے میں آ گیا وہ اس سے اتنی نفرت کرنے لگی تھی کہ اس سے رشتہ تک نہیں رکھنا چاہتی تھی چہرہ اس کا دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

”تم شروع سے ضدی ہو کتنا میں نے کہا تھا تم سوشل ورکری چھوڑ دو تم نے نقصان اٹھایا اب دوبارہ نقصان اٹھاؤ گی۔“ اس نے بازو کھینچ کے اسے سیدھا کیا۔

”سب سے بڑا نقصان ہو تو گیا ہے دوسرے نقصان میرے لئے کوئی معنی ہی نہیں رکھتے۔“ لہجہ میں حسرت افسردگی اور وحشت سی تھی۔

”تمہیں کیا ہو گیا ہے تہذیب! کیوں کر رہی ہو شکر ادا کر رہی ہو کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں قبول کر رہا ہوں۔“ اس نے اپنی جانب اشارہ کر کے یقین دلایا۔

”میں کیا دیکھتی نہیں تھی آپ کا سلوک شروع سے میرے ساتھ کیسا تھا یہ پیار اور محبت اچانک سے کیسے ہو سکتا ہے۔“ وہ طنز یہ بولی۔

”تمہیں کیا خبر میں تو شروع سے تم سے کرنے لگا تھا۔“ وہ اتار دہانسا ہو رہا تھا اسے سمجھا کے جو اس کی بات مانتے پر تیار ہی نہیں تھی۔

”جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔“ اس نے اس کی بات پر نا گوار سی کہا۔

”صرف آپ ازالہ کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ اس معاشرے میں بے آبرو لڑکی کو کوئی عزت نہیں دے سکتا تو آپ مجھے قبول کرنے چلے ہیں۔“

”پلیز تہذیب! ایک لفظ نہیں بولو گی تم۔“ اس نے تہذیب کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”ول دیکھتا ہے میرا تم ایسے بولتی ہو تو۔“ تمہیں میں دلی کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں اتنا کہ اس وقت مجھے بس یہ نظر آیا کہ جو میں کروں گا وہ جائز ہو گا میں کیسے تمہیں کسی اور کو چھوٹے دیتا میری محبت کو کیوں کوئی ہاتھ لگاتا۔“ اس نے تہذیب کے دونوں ہاتھ تمام کر اپنے لبوں سے لگا لئے وہ وحشت زدہ سی اس کی صورت نکلے گئی وہ کیا کہہ رہا تھا ذہن ماؤف ہو گیا تھا فائق اتنا متحائل اور رنجور غم زدہ سا ہو رہا تھا کہ گھاس سے جھانکتی آنکھوں میں نمی واضح تھی۔

یہ ایسی محبت کرتا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی دل کب رہا تھا کہ اس کی باتوں پر یقین کر لے جو جملے جذبے سماعتیں سننا چاہتی تھیں آج وہ اظہار کر رہا تھا اس کے ہاتھوں کی گرمی میں محبت کا رچاؤ اور نرمی تھی۔

”بولو تہذیب! میں کیسے گوارا کرتا تمہیں کوئی چھوٹے۔“ اس نے ہلایا وہ ہنک گئی۔

”میں نے محبت کی تھی کوئی جرم تو نہیں کیا تھا میرے ساتھ بھی تو یہ ظلم ہوا ہے ناں۔“ وہ بول رہا تھا تہذیب کے لب ساکت تھے۔

”میں نہیں رو سکتی آپ سب کے سامنے اس طرح زندہ میں مرجاؤں گی۔“ وہ رونے لگی وہ کیسے سب کی نظروں کا سامنا کرے گی وہ اغوا شدہ لڑکی اور اس گھر کی بہو لوگ طرح طرح کی باتیں نہیں بنائیں گے کس کس کو یہ سب جواب دیں گے اس کی اتنی اوقات ہی کیا ہے کہ کوئی اسے ایسے اہمیت دے وہ یکن سے نکل گئی تھی فائق نے تھک کے اپنے سر کو تھام لیا تھا اسے تہذیب کی بدگمانی دور کر لی تھی۔

.....

انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح بھی سب کی محبتوں کے آگے شرمندہ ہوں گی محبت و خیال کرنے والی ان کی سسرال بھی مگر انہوں نے شروع سے سب کو نفی رو یہ سے ہی دیکھا وہ سب ان کی خوبصورتی سے جلتے ہیں ان کے بناو سنگھار سے جلتے ہیں۔

اور جواد احمد کی ماں کتنے نازوں سے انہیں بیا بنے آئی تھیں کسی تقریب میں وہ انہیں پسند آگئی تھیں جیسٹ پٹ جواد احمد کا رشتہ دے دیا تھا جبکہ وہ خوش بھی تھیں کیونکہ جواد احمد خوش شغل اور وجہ تھے وہ خوبصورتی پر مرنی تھیں اور انہیں جیون ساتھی بھی خوبصورت ہی ملا تھا پڑھے لکھے اور محبت کرنے والے وہ شوہر تھے مگر انہوں نے خود جواد احمد کے ساتھ کیا کیا..... لڑنا جھگڑنا ان کی ماں کو برا بھلا کہنا ان کی بھابیوں کو برا بھلا کہنا ان کی بھابیوں ان کی خوبصورتی سے جلتی تھیں جبکہ ایسی تو وہ بالکل نہیں تھیں تینوں بچوں کی پیدائش پر دونوں جین خانوں نے کتنا خیال رکھا تھا۔ عذاب تو زیادہ تر اپنی داوی کے پاس رہتی تھی کیونکہ وشا اور معارج اتنے چھوٹے تھے کہ ٹھیک سے وہ عذاب پر بھی توجہ نہیں دیتی تھیں اور بھرا نہیں اپنے پار رکھو لئے کا شوق چڑھا۔

”سمیرا! تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو بچوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اب تمہیں یہ میک اپ پارلر پر دھیان کم دیا کرو۔“ انہوں نے روتے ہوئے معارج کو گود میں اٹھایا جو رو رو کے ہانکاں ہو گیا تھا۔

”تمہارا کیا مطلب ہے بچوں کی وجہ سے میں خود پر توجہ دینا چھوڑ دوں۔“ انہوں نے بھی چیخ کے کہا۔ پانچ سالہ وشا ہم کے جواد احمد کی نانگوں سے لپٹ گئی اور عذاب کو نے میں بھی بولی بیٹھی تھی اپنے ماں باپ کی روز کی لڑائیاں اسی طرح دیکھتی تھی۔

”تم کھریے کاموں میں دھیان کیوں نہیں لگاتی ہو کمرہ دیکھو کتنی دھول چڑھی ہوئی ہے اور تم سوائے اپنی سفائی کر۔“ اس نے سر پیٹے روتے بیٹھے رہتے ہیں کب تک بھابیاں انہیں دیکھیں گی۔

”ہاں..... تمہاری بھابیوں کو تو میں شروع سے کھنکھتی ہوں کیوں کرتی ہیں بچوں کا خیال بھی۔“ وہ دھڑ سے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

”آہستہ بولو کیا تم چیخ رہی ہو آواز باہر جا رہی ہے۔“ انہوں نے سرزنش کی۔

”جواد احمد! میں کچھ نہیں جانتی یہاں سے کہیں اور شفٹ ہو مجھے اپنا پارلر کھولنا ہے کب سے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں۔“ انہوں نے روز کا جملہ آج پھر دہرایا۔

”تم اپنی ماں اور بھابیوں کو چھوڑ نا ہی نہیں چاہتے ہو۔“

”آپ کچھ نہیں کر سکتے؟“ وہ چیختی چیختی ہوئی جانے لگی وہ بھی اس کے پیچھے دوڑا مگر اسے تو حیرانگی کا ہلکا سا گواہ باہر اور امی کے روم میں دسک بٹک دے کر گھس چکی تھی۔

”یہ ادھر کیوں گئی ہے؟“ وہ چونکت پر ہی رک گیا۔ مگر اسے خبر تھی ضرور وہ کوئی بات ہی کرنے لگی ہے اور کیا بات کرے گی یہ بھی اندازہ تھا۔

منتہی کو انہوں نے تنقیدی اور فہمائشی نگاہوں سے دیکھا، بیوکیزوں میں سر پر قرینے سے آنچل جمائے ان کے سامنے موب انداز میں کھڑی تھی، کٹھنم بانو اسی وقت داش روم سے نکلی تھیں۔

”بابا! میں جانتی ہوں آپ حمود سے میری وجہ سے ناراض ہیں، وہ بھی چاہیے مگر ان کا کوئی قصور نہیں ہے مجبور نکاح کے لئے انہیں میں نے کیا تھا، میں کوئٹہ سے اپنی جان بچا کر یہاں آئی تھی، پتہ نہیں کیسے ان پر اعتبار کر لیا صرف تحفظ کے لئے میں نے نکاح چاہا تھا۔“ وہ قدرے توقف کے بعد ان سے بولی۔ ہشام سالار کوٹ پہنچنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے تھے کہ رک گئے۔

”میں یہاں سے چلی جاؤں گی میں اپنی اوقات جانتی ہوں میری جگہ ویسے بھی یہاں نہیں ہے یہاں صرف حمی ہی آ سکتی ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے آپ ان کی شادی حمی سے کر دیں۔“

حمود تو بھناکے رو گیا، سارا معاملہ خراب کرنے والا اندر پہنچ گئی تھی جبکہ اس دن وہ حمی کی عقل ٹھکانے لگا کے آچکا تھا، نیا زائل کو سب کچھ واضح کر دیا تھا، اس نے منتہی کو بھی بتا دیا تھا مگر وہ مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

”میرا کیا ہے زندگی گزاروں گی مگر پلیز! مجھے ان کے نام سے جدا کرنے کا سوچنے کا بھی نہیں کیونکہ مجھے تحفظ چاہیے تھا یہ سب نہیں، بخدا میرا ارادہ یہاں آنے کا بھی نہیں تھا۔“ وہ بول رہی تھی کٹھنم بانو نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا، ہشام سالار کو اس کی مصیبت سے کی ٹنی ساری باتوں پر یقین تھا، انہیں اندازہ بھی تھا وہ کس بچہ کی ہے پھر وہ کٹھنم بانو کی رشتے کی بہن کی بیٹی بھی تو تھی صرف اسی وجہ سے وہ اسے یہاں سے جانے بھی نہیں دینا چاہتے تھے مگر یہ سب منتہی کو پتہ نہیں تھا۔

”ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا میں نے آپ سب کو ہی تکلیف دی۔“ اس کی آنکھوں سے اشکوں کا جھریا جاری ہو گیا، آواز اندر گھٹنے لگی۔ حمود سے زیادہ دیر برداشت نہیں ہوا تو اندر چلا آیا۔

”منتہی! کیا بول رہی ہو تم؟“ اسے تو لگا جیسے اس کی دنیا ڈول گئی ہو، بھی تو اپنی خوبصورت زندگی کے پلوں کو اس نے انہو سے بھی نہیں کیا تھا وہ دور جانے کی بات کر رہی تھی۔

”تم سے کس نے کہا کہ تم ہمارے بیچ میں ہو؟“ ہشام سالار کی لڑکی نظروں نے اسے چونکا دیا۔

”بابا! یاد رکھیے گا یہ اگر یہاں سے گئی تو میں بھی یہاں نہیں رکوں گا اور ساری زندگی آپ کو اپنی صورت تک نہیں دکھاؤں گا۔“ اس نے بھی مشتعل ہو کر انہیں جھمکی دی۔

”حمود! بیٹے کیا بول رہا ہے تو؟“ کٹھنم بانو تو لڑی گئیں۔ منتہی ہنسی سی اس کا ہر دم اور آگ بگولہ چہرہ دیکھنے لگی وہ آج پھر ہشام سالار سے وہ بدو ہو گیا تھا۔

”زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے اپنے باپ پر آنکھیں نکال رہا ہے۔“ وہ دھماڑے۔

”سمجھا کے نہیں رکھتی ہو اسے اتنے عرصے سے تمہارے ساتھ رہا ہے ذرا تمیز بھی سکھا دیتیں نماز تو پابندی سے پڑھتا ہے مگر بات کرنے کا ذہن نہیں ہے۔“ انہوں نے منتہی کو گویا شرم دلائی وہ حیا سے لگاؤ جھکا کر رہ گئی۔

”آؤٹ نکلو یہاں سے۔“ انہوں نے حمود کو شہادت کی انگلی سے جانے کا اشارہ کیا، منتہی نے سب سے پہلے تقلید کی۔

”تم کہاں چلیں..... میں نے اسے جانے کو کہا ہے۔“ انہوں نے منتہی کو روکا۔ وہ حیران تھی ان کے ایسے لب و لہجے پر نہ اس میں اپنائیت تھی نہ ہی بے گمانی اور خوشی تھی۔ حمود کو وہ جانے کا کہہ رہے تھے وہ چیز سے نکل گیا۔ منتہی کا دل دھک دھک کرنے لگا یہ نہیں اب کیا فیصلہ منانے والے ہیں۔

”تم جانتی ہو میں نے تمہیں اس گھر سے کیوں نہیں نکالا؟“ وہ مخاطب ہوئے۔ کٹھنم بانو آگے آ کر بیٹھ گئی تھیں، منتہی ناگہمی کی کیفیت میں انہیں بغور دیکھنے لگی، ہشام سالار نارمل انداز میں ہو گئے تھے۔

”کیونکہ تم کٹھنم بانو کی بہن زمرینہ کی بیٹی ہو۔“

”جج..... جی.....“ اس کی تو آنکھیں حیرت و وحشت سے پھٹ گئیں، ساعتوں پر لگتا تھا کوئی بم تھا، وہ ماتھے پر دھیروں سلونوں کے ساتھ گنگ سی رہ گئی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ اتفاق ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

”ہاں تم زمرینہ کی بیٹی ہو۔“

”اماں کی..... اماں کیسی ہیں، وہ مجھے یاد کرتی ہیں؟“ وہ تو تڑپ کے بے قراری سے کٹھنم بانو کے قدموں میں بیٹھ گئی، ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ ماں کو دیکھے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا، پتہ نہیں چاہانے ان کے ساتھ کیا کیا ہوگا۔

”ہاں ٹھیک ہے میں تمہیں پہلی بار دیکھ کر چونکی تھی کیونکہ تمہارے نقش زمرینہ سے ملتے تھے زمرینہ سے ملنا تو ہوتا ہی نہیں تھا کیونکہ وہ خوشی میں ہوئی تھیں اور میں زیارت تک ہی جاتی تھی، اپنی شادی کے بعد سے ملنا ہی چھوڑ دیا کیونکہ تمہاری ماں کے سسرال والے خاصے ظالم تھے انہوں نے زمرینہ کو ہم سے ملنے ہی نہیں دیا پھر خیر آئی کہ زمرینہ کی جس دن بیٹی ہوئی اسی دن شوہر کا بھی انتقال ہو گیا۔“ کٹھنم بانو اسے بتا رہی تھیں اور اس کی آنکھوں سے اشک موتیوں کی طرح لڑھک کے کارپٹ میں جذب ہو رہے تھے۔

ہشام سالار کو منتہی بری نہیں لگی تھی مگر انہیں اس بات پر غصہ تھا کہ حمود نے اتنی بڑی بات ان سے چھپائی۔ کیسے منتہی، کٹھنم بانو کے زانوں سے لگی بیٹھی وہ سب سن رہی تھی۔

جب سے اچھا اچھا سوچنا شروع کیا تھا سارے منفی خیالات سوچیں ایک طرف کی تھیں دل و دماغ معطر سے ہو گئے تھے زندگی تو اب زندگانی تھیں، اپنے بچوں کے پاس وہ بیٹھنے لگی تھیں اور سب سے حیران کن تبدیلی جو سب نے نوٹ کی تھی وہ نماز و غیرہ پڑھنے لگی تھیں، کتنے دن سے جو احمد اور ان میں ملکی سی بھی جھڑپ نہیں ہوئی تھی، صبح کے وقت کچن میں عذاب کے ساتھ لگی ہوئی تھیں، معارف کا خاص خیال رکھتی تھیں کیونکہ سب سے زیادہ اسے ہی شکایت ہوتی تھی مائز سے بھی ان کا رویہ مثبت ہو گیا تھا۔

”میں نے تمہارے پارلر کی دوبارہ سے ریچرنگ کا کبہ دیا ہے۔“ وہ آفس جانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

”پارلر.....“ سمیرا انہیں نے زیر لب کہا۔

”ہاں بہت دن ہو گئے ہیں تم نے تو ادھر کارڈ ہی کرنا چھوڑ دیا ہے۔“ وہ روم سے نکلنے لگی وہ بھی ان کی تقلید میں باہر نکلی تھیں۔

”آپ منظر کو رہے ہیں؟“ اب تو لب و لہجے میں بھی ایک لٹا اور وقار آ گیا تھا۔

”غلط بات مت سوچا کرو میں عام سے لہجے میں بول رہا ہوں۔“
عنا تب کی روز کی روشنی شروع ہوئی تھی ماسی سے صفائی وغیرہ کروانے کی کئی دنوں سے پارلر کی صفائی ہی نہیں ہو رہی تھی۔

”سمیرا! میں دن سے زیادہ ہو گئے ہیں تم نے پارلر بند کیا ہوا ہے تمہارے روز ہی کیا منٹ آتے ہیں اور دنوں الگ جتا ہے۔“ وہ انہیں یاد دلانے لگے۔

”اب میں پارلر نہیں چاہوں گی میں نے سب کچھ وہاں کا ختم کر دیا ہے۔“ انہوں نے دھماکہ مچا دیا۔
عنا تب نے حیرت و انبساط سے انہیں دیکھا جو ادا احمد کے اچھے قدم رک گئے وہ سمیرا انیٹم کی سمت متوجہ ہوئے جیسے انہوں نے کچھ غلط من لیا ہو۔

”ہاں..... مجھے پارلر نہیں چاہنا ہے اور مجھ سے یہ کوئی نہیں پوچھے کہ کیوں“ وہ لب بھینچ کر رہ گئیں۔
”سمیرا! پھر بھی میں اتنا ضرور کہوں چاہتا ہوں کہ تمہارے شوق پر مجھے کبھی اعتراض نہیں تھا مگر طریقہ تمہارا غلط تھا تم ایسی وہاں کی دنیا میں کھو گئی تھیں کہ اپنے آپ کو گھر کو سب کو بھلا دیا تھا۔“ جو ادا احمد کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسی غیر متوقع بات کر سکتی ہیں جنہیں بچے سنورنے کے آگے کچھ یاد ہی نہیں رہتا تھا۔
”میری آنکھیں کھل گئی ہیں میرا طریقہ غلط تھا۔“ وہ رونے لگیں۔

عنا تب نے ماسی کو پورچ کی صفائی کرنے کا کہہ دیا کیونکہ اس کے سامنے کوئی بھی بات نہیں کرتے تھے۔
”میں نے کبھی اپنے بچوں پر توجہ ہی نہیں دی ہمیشہ ناراض رہی مجھے کبھی عزت ملی ہی نہیں اب جتنی زندگی رہ گئی اس میں عزت سے زندگی گزار لوں۔“

”امی! آپ رویے تو نہیں۔“ عنا تب نے انہیں ساتھ والے صوفے پر بٹھالیا۔
”جو ادا! میں نے بھی اپنی اس ہنسی کا سوچا ہی نہیں ہمیشہ اسے اگنور کیا اور یہ میری وجہ سے دیکھو اب تک بیٹھی ہے۔“ انہیں عنا تب کو دیکھ کر خیال آتا تھا ان کی رضا مندی کے بغیر وہ اپنی نئی زندگی کی ابتدا تک نہیں کر رہی تھی اور انہوں نے تو ابھی تک بھی اپنے بچوں کو کچھ نہیں دیا تھا۔

”مجھے معاف کر دینا میری ہنسی بھانسنے مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں ماں ہو کر اتنی خود غرض بن گئی تھی۔“
”اب ایسی باتیں نہیں کریں مجھے دکھ ہوتا ہے مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“ اس نے اُن کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو چوم لیا۔

جو ادا احمد نے اوپر والے کاشمیرا دیکھا کہ آج ان کی زندگی میں دوبارہ سے خوشیوں کو بھینچ دیا تھا۔ میرا سے وہ بہت محبت کرتے تھے مگر ان کے منہ رویے کی وجہ سے وہ ان سے جھگڑا کرتے تھے۔

”جو ہو گیا بھول جاؤ میں ابھی بھی کہتا ہوں تم اپنا شوق جاری رکھو مجھے یا کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔“ انہوں نے پھر کہا۔

”نہیں جو ادا! جب مجھے اس شوق نے عزت ہی نہیں دی میک اپ کر کے خود کو لوگوں کو تو سنوارتی تھی مگر میں اخلاقی طور پر تو آج صبح سے تابلہ تھی جب ہی دیکھو تم سب سے کتنی دور ہو گئی تھی۔“ وہ اعتراض کرتی ہوئیں دونوں کو حیران کر گئی تھیں سر نہ امت اور دکھ سے جھکا ہوا تھا۔

”آپ بہت پیاری ہیں امی! اتنی کے کوئی مجھ سے پوچھے۔“ اس نے ان کا ہاتھ چوم لیا وہ اپنی ماں کا نونا ہوا لہجہ اس پر دونا کچھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

”میں نے دوسروں کے کہنے میں آ کر ٹھاپا ہی سوچا اور کیا۔“ انہیں اپنی سیکلی سائرہ یاد آ گئی جو ہمیشہ انہیں چڑھاتی تھیں اور خود اپنے بچوں سے محبت کرتی تھیں انہیں بچوں سے دور کیا ہوا تھا اور وہ بھی آنکھوں پر جیسے پٹی باندھے ہوئے اس کے کہنے پر عمل کرتی جا رہی تھیں۔

انہوں نے زندگی سے اچھی طرح سبق لے لیا تھا کیونکہ زندگی اپنے حصے کا سبق ضرور دیتی ہے اور انہیں ان کے حصے کا سبق مل گیا تھا جو بھی کیا زندگی میں ہی انہیں واپس مل گیا تھا۔

”جو ادا! تم بھی مجھے معاف کر دینا میں تمہارا اور بچوں کا خیال نہیں رکھ سکتی۔“ انہوں نے جو ادا احمد سے بھی معافی مانگی۔

”مجھے تمہاری معافی کی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا یہی بہت ہے۔“ انہوں نے بھی جھٹ کہا۔

”شکر یاد رکھنا کبھی بھی دوسروں کے کہنے میں آ کر اپنی زندگی کو جہنم مت بنا، کیونکہ کچھ لوگ کسی کو خوش بھی نہیں رہنے دیتے ہیں۔“ جو ادا احمد ان کی سیکلی سائرہ کی عادتوں سے واقف تھے انہیں سسرال سے الگ کروانے میں بھی سائرہ کا ہی ہاتھ تھا۔

”ہوں..... تم نے ٹھیک کہا کبھی اپنی پرسنل زندگی میں باہر والے کو انوکھ نہیں کرنا چاہیے یہ مجھے اچھی طرح سبق مل گیا ہے۔“ انہوں نے بھی سر ہلا کر تائید کی۔

”اچھا ابھی میں آفس کے لئے لھکتا ہوں۔“ جو ادا احمد کو وقت گزرنے کا احساس ہوا تو ریست و ایج پر نگاہ ڈالی۔
”مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔“ سمیرا نے انہیں پھر مخاطب کیا۔

”کچھ واپسی کے لئے بھی بھاگے رکھو۔“ وہ شوق سے کہہ کر مسکرائے۔

عنا تب کو بھی ہنسی آ گئی سمیرا انیٹم نے جینپ کے انہیں دیکھا آج وہ بھی منہ مسکراتے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے تھے دیر نہ کئی ان دونوں میں مسکراہٹ کا تبادلہ ہی نہیں ہوا تھا صبح ہی جھگڑے سے ہوتی تھی اور آج صبح مسکراہٹوں سے ہوتی تھی کتنی اچھی لگ رہی تھی آج کی صبح۔

کتنی بڑی غلطی کرتی رہی تھیں اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی برباد کر رہی تھیں اور آج صرف ذرا سی غلطی مان لینے سے سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔

”مجھے اماں جی سے ملنا ہے۔“ قدرے توقف کے بعد شرمندگی کے احساس میں ہتلا جھجک کے گویا ہوئیں۔
”اماں جی کا بھی خوب یاد دلایا روز کہہ رہی ہیں سمیرا کو کب لا رہا ہے۔“

”سچ انہوں نے میرا پوچھا؟“ وہ تو سن کے حیران رہ گئیں انداز بالکل بے ساختہ بچوں والا ہی تھا وہ مسکرائے لگے۔

”ظاہر ہی بات ہے کیوں نہیں پوچھیں گی اب عنا تب کی رخصتی کے سارے معاملے تم نے دیکھے ہیں کیونکہ وٹکا میں نے اکیلے نے کیا ہے۔“ وہ جھٹ بولے۔

عنا تب رخصتی کا سن کے شرما کے وہاں سے ہٹ گئی سمیرا انیٹم کو اپنی کم گو اور صابر بیٹی پر پیار آیا وٹکا پھر بھی لڑ جھگڑ کے سب منوالیتی تھی۔

”ہوں..... آپ دیکھئے گا ہماری عنا تب کی رخصتی کیسی شاندار ہوگی۔“ وہ اب ساری غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں ان کی بیٹی نے اتنا کیا کہ اپنی رخصتی نہیں کر دئی ان کا بھی فرض تھا اپنی بیٹی کو خوشیوں کے حوالے کریں۔

سارے لوگ مہینہ کے گھر میں جمع تھے۔ منتہی کو بھی خوشی خوشی جود چھوڑ کے چلا گیا تھا وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ حکمت تو بار بار بول رہی تھی۔

”آپ وہاں جا کر زیادہ خوبصورت ہو گئی ہیں۔“ دونوں بچن میں لوازمات ترتیب دے رہی تھیں۔
”زہت بیگم نانہہ خوش یعنی تہذیب اور فائق کی شادی کی ڈیٹ رکھنے آئے تھے‘ فرانج اگلے مہینے کی میں کو آ رہا تھا ساتھ ہی ساتھ دونوں کے معاملات بھی نکالنے تھے۔“
”چپ کرو بدتمیز بولے جا رہی ہو۔“ وہ جھینپ گئی۔

جلدی جلدی وہ ٹرے اٹھا کے ڈرائنگ روم میں لے آئی تھیں‘ منتہی پر پل کپڑوں میں لائٹ سے میک اپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔
”تہذیب کو تو بالانو۔“ وش نے کہا۔

”نہیں آ رہی آپ!۔“ حکمت اسے دوبارہ بلانے لگی تھی مگر ماہوسی ہوئی تھی۔
”بھابی! میرے پاس کچھ نہیں ہے تہذیب کے ابو نے جو کچھ بھی اس کیلئے رکھا تھا وہ میں نقد کی صورت میں دے دوں گی۔“ مہینہ کی پوری کوشش تھی کہ جلد ہی تہذیب کی شادی ہو جائے۔
”مہینہ! یہ تم غیروں والی بات کر رہی ہو ہمارے پاس سب کچھ ہے‘ ہمیں تہذیب چاہئے۔“ زہت بیگم بولیں۔
”میں اس قابل تو نہیں کہ آپ کا مقابلہ کر سکوں مگر بھابی سرف ایک عزت ہی ہمارے پاس تھی۔“ وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

”ایسی باتیں کیوں کرتی ہو فکر نہیں کرو تہذیب کو ہم خوش رکھنے کی کوشش کریں گے۔“ نانہہ یقین دلانے لگیں۔
”کبھی میری بیٹی کو اغوا ہونے کا وعدہ تو نہیں ملے گا۔“ اندر کا ذرا ان کے لبوں پر آئی گیا پھر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اندر کی بات ان لوگوں کو نہیں معلوم تھی کہ تہذیب اور فائق کے درمیان کیا ہو چکا ہے۔
”مہینہ! تم ایسی بات سوچ بھی کیسے سکتی ہو۔“ نانہہ کو افسوس ہوا۔

وہ تینوں لڑکیاں تہذیب کے پاس اندر چلی گئی تھیں اس لئے تینوں خواتین کو مکمل کے بولنے کا موقع مل گیا تھا۔
”بس بیٹی کی ماں ہوں ناں اس لئے ایسے بول دیا۔“ وہ شرمندہ ہو گئیں مگر اصل بات بولنے کے لئے ان کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی‘ اگر انہوں نے ساری حقیقت بتا دی اور ان سب کا رویہ تہذیب کے ساتھ بدل گیا یا وہ رشتہ کرنے سے ہی انکار کر دیں اس سے آگے سوچنے کی ان میں تاب نہیں تھی‘ لب انہوں نے ہی لئے تھے کیونکہ بول کے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

”تم کیا سمجھتی ہو ہم بیٹیوں کی ماں نہیں ہیں پھر تہذیب میرے لئے میری بیٹی ہے‘ مخریب نے اسے بہن کہا ہے اور اس رشتے سے وہ میری بیٹی بھی ہوئی۔“ زہت نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔
وہ ان سب کی محبت کے آگے مسکرا دی تھیں۔ سارے ہی ان کا خیال کر رہے تھے کبھی بھی امیر اور غریب کی ان کے گھرانے میں تفریق نہیں دیکھی تھی ورنہ ان کے اپنے رشتے داروں نے تو انہیں پلٹ کے پوچھا تک نہیں تھا اور یہ غیر انہوں سے بڑھ کے اپنے بن گئے تھے۔

کہتے ہیں ناں اگر رشتوں کو مان دو محبت دو تو وہ غیر بھی اپنے بن جاتے ہیں۔ انہوں نے یہاں یہ دیکھا تھا رشتوں میں مان تھا‘ عزت تھی‘ اہمیت تھی اور سارے ہی لوگ محبت و اہمیت سے پیش آتے تھے‘ ابھی ان کے بچوں

میں فرق ہی نہیں کیا تھا۔
”آج سے دو ماہ بعد کی ڈیٹ ہے تیار یاں کیا کرنی ہیں مگر کے بچے ہیں کوئی جھیلنا بھی نہیں ہے۔“ زہت نے مہینہ کو تسلی دی وہ گہری سوچ میں تھیں۔

”مہینہ! اس بات کی ذرا پروا نہیں کرنا اور ہمیں جیڑ کے نام پر ذرا سی بھی کوئی چیز نہیں چاہیے۔“ نانہہ نے بھی تائید کی۔
”ہماری بیٹی کی ساس نے بھی سب چیزوں کا منع کر دیا ہے‘ یعنی شادی کے چھ مہینے بعد تو انگلینڈ فرانج کے ساتھ چلی جائے گی۔“ وہ بتاتے لگیں۔

”اللہ تعالیٰ دونوں کو خوش رکھے‘ خوشیاں دے۔“ مہینہ نے یعنی اور فرانج کو بھی دعا میں دیں۔
کچھ ہی دیر میں وہ لوگ اٹھ گئیں‘ نانہہ اور زہت نے افسردہ ہی تہذیب کو ساتھ لگا کر پیار بھی کیا مگر تہذیب کا تو دل ڈر رہا تھا۔

”کیا بات ہے آپ! کیوں بنا کے بیٹھی ہیں۔“ حکمت نے ان کے جاتے ہی پوچھا۔
”حکمت! اسے تو میں پوچھتی ہوں‘ تم فکر نہیں کرو۔“ منتہی کالب دلچہ تک معنی خیز اور مسکراتا ہوا تھا۔ جب سے ہشام سالار کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک ہوا تھا وہ بہت خوش ہو گئی تھی مگر خود سے ان کی ہنوز ناراضی چل رہی تھی۔
”کیا بات ہے کیوں ایسے بیٹھی ہو؟“ منتہی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔
”یہ سب ٹھیک ہو رہا ہے کیا؟“ انسا سوال ہی کر بیٹھی۔

”ہاں سب ٹھیک ہو رہا ہے اور ہاں فضول سوچیں باہر بیٹنگوں‘ دونوں آنی بہت خوش ہیں۔“ اس نے تسلی دی۔
”ان کا بیٹا تو خوش نہیں ہے ناں‘ مجھ پر وہ احسان کر رہا ہے‘ منتہی باجی! آپ کو نہیں پتہ وہ کیوں کر رہا ہے ایسا۔“
اسے سارا دکھ و غم فائق کے انداز پر ہی تو تھا جو اتنا سخت گیر اور نخوت زدہ سا لڑکھا تھا ورنہ آتا تھا۔
”تم اپنی محبت سے جیتنا۔“ اس نے سمجھایا۔

”یہ میں ہوں‘ منتہی نہیں جس کا شوہراستہ دیوانگی کی حد تک چاہتا ہے۔“ اسے منتہی کی زندگی پر رشک آ رہا تھا‘ کتنی خوش خوش لگ رہی تھی۔ منتہی جزبہ سی لا جواب سی اس کی افسردہ صورت دیکھنے لگی جو اتنی بدظن اور بدگمان فائق سے ہو رہی تھی کہ اسے فکر بھی ہونے لگی۔ شادی کی تاریخ رکھی جا چکی تھی اسے اس گھرانے کے ہر فرد کی فکر تھی۔ پھر سب اسے اپنوں سے زیادہ عزیز تھے جنہوں نے ایسے وقت میں اس کا ساتھ دیا جب دنیا کے رہنے والے لوگوں نے اس پر زندگی تک کر دی تھی۔ اسے یہاں رو کر ماں کا بہن بھائی کا سب کا پیار ملا جبکہ اس کا تو کوئی بہن بھائی بھی نہیں تھا‘ مگر یہ سارے رشتے اسے ملے اور ان کی توجہ محبت سب ایسے ملی جیسے وہ برسوں سے یہاں ان سب کے درمیان رہتی رہی ہو‘ اگر یہ سب نہیں ہوتے تو وہ کہاں جاتی۔ کچھ تو کرنا ہی تھا اسے اپنی اس بہن کے لئے جو اس کیلئے ہر وقت پریشان رہتی تھی‘ خود‘ جتنی سے شادی نہیں کرے باقاعدہ کئی بار وہ خود سے جھگڑا بھی کر چکی تھی۔

”تہذیب! کسی بھی رشتے کو اپنا بنانے کیلئے پہلے اس کا بچہ پڑتا ہے پھر ہی اس رشتے کا ہمیں پیار محبت اپنا بیت ملتی ہے‘ اگر پہلے سے ان چیزوں کو چاہو کہ مل جائیں تو یہ ناممکن ہے۔“ وہ اسے سنجیدہ لہجہ میں سمجھانے لگی۔
”میں یہاں آئی‘ تم سب سے ملی‘ تم سب نے مجھے اتنا پیار دیا‘ محبت۔“ امیر ابھی فرض تھا کہ یہ جو مجھے رشتے بن

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹنگ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹنگ
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہائے ملے ہیں انہیں جواب میں پیاروں۔
”مگر منتہی پانی افاق کی آواز نہیں لگتا پیارو سے مجھے۔“ وہ فائق کی جیسے کسی بھی بات پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔
”تم دینا پیار پھر وہ سے کچھ دیکھنا۔“

”میرا دل ڈرتا ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام کے بولی۔
”ذرا کا ہاتھ تھامے بیٹھی رہو گی تو تمہیں کچھ نہیں کرنے دے گا اسے دور کرو اور جیسا میں نے کہا ہے اس پر عمل کرنا۔“ اس نے تہذیب کا چہرہ ہاتھوں میں لیا اس نے تہذیب چھوئی سی پگی ہی لگ رہی تھی جو ذرا خوف کی وجہ سے سمٹ کے بیٹھی ہو۔

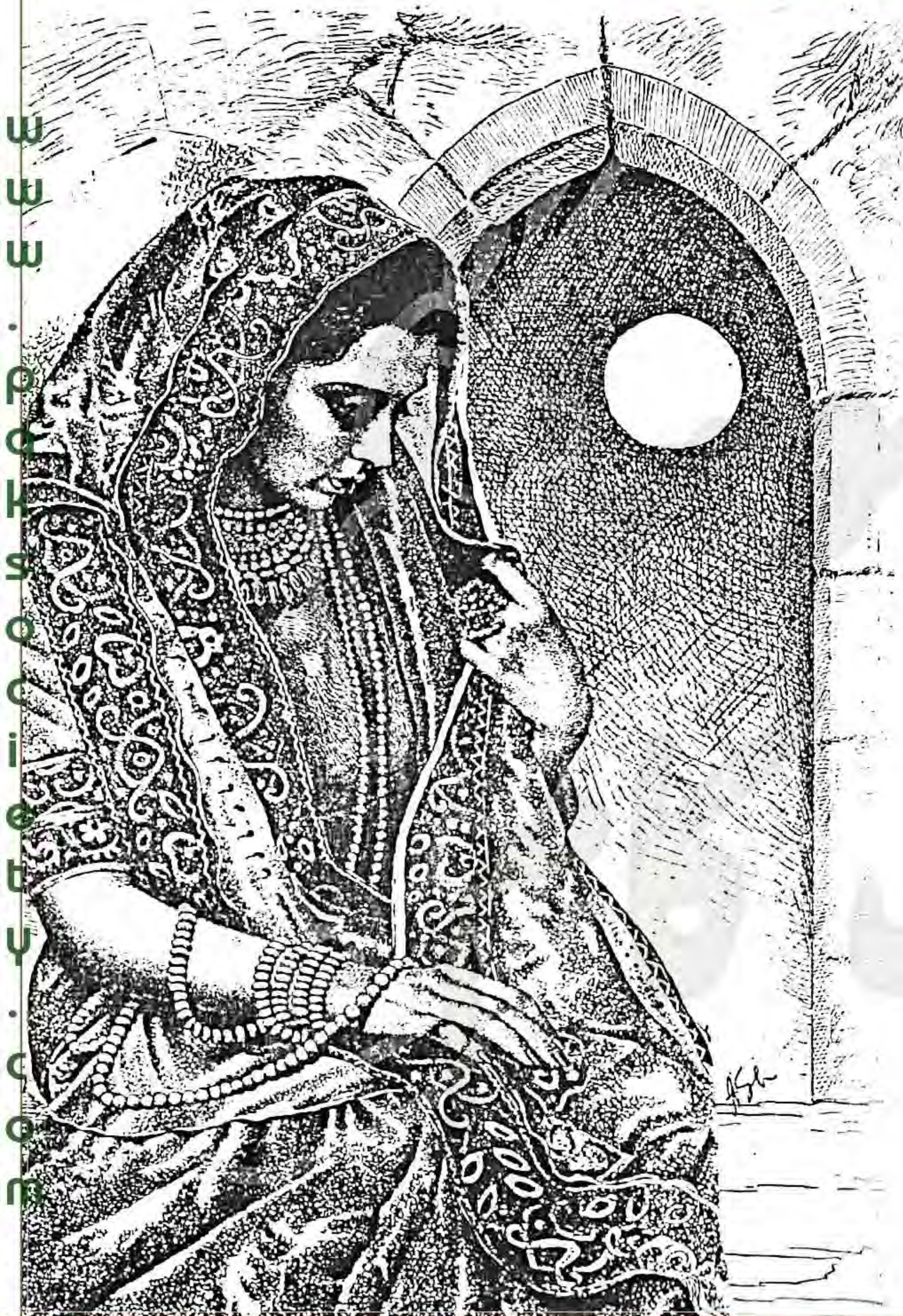
”فائق نے مجھے پھر ملے دیا تو.....“ بولتے بولتے رک گئی۔
”تم چپ رہنا کیونکہ چپ رہنے سے بہت کچھ فحش کر لیا جاتا ہے جبکہ یہ تو ایک مرد کا دل ہے تم اپنا چپ سے پیار سے اسے جیتنا وہ کچھ بھی کہے تم نا چاہتے ہوئے بھی اس کی سخت سے سخت بات کو برداشت کرنا کیونکہ تہذیب وہ تمہیں عزت بھی دے رہا ہے۔“ وہ اسے سمجھاتی ہوئی اتنی پیاری لگ رہی تھی تہذیب کو لگا جیسے اس کی آگے کی راہوں کو وہ ڈاکرتی جا رہی ہے راستوں پر روشنی کرتی جا رہی ہے ورنہ وہ تو سارے امید کے چراغ گل کر چکی تھی۔

”آپ کو پتہ ہے نامور ت مروت مروت کی طنز یہ مار نہیں سہہ سکتی۔“
”مگر تمہاری یہ اعلیٰ ظرفی ہو گی تمہیں برداشت کے دور سے گزرنا ہو گا تہذیب! کچھ پانے کے لئے پہلے کھٹائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب کہیں جا کر راحت ملتی ہے مگر یقین کامل ہونا ضروری ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو یقین رکھو وہ تمہارے ساتھ کل بھی تھا اور ہمیشہ رہے گا۔“

”ہوں۔۔۔۔۔“ اس نے سر ہلایا۔
”تم یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ جس شخص کے ساتھ تم نے وہ لمحے گزارے وہی تمہارا انا ہے بھی بن رہا ہے۔“
یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا غلطی سوچ رکھتی آرہی تھی فائق نے اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھایا جبکہ اس نے فائق کی آنکھوں میں اپنے لئے کبھی ہوس نہیں دیکھی تھی جب بھی ملا جھگڑایا پھر پاتا ہی ہوتا تھا آنکھیں اس کی مسکراتی ہوئی گنتی تھیں مگر آج کل اس کی آنکھیں تک اداس تھیں لہجہ کی سچائی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی مگر وہ اپنی کردہ تھی کہ وہ صرف مجبوری میں یہ رشتہ نبھائے گا۔

”کوشش کیا کرو مگر میں سوچا کر ڈھب سوچ کو جگ دو گی تو راستے خود بخود کھلتے جائیں گے مگر یہ اس صورت میں کہ یقین ہو اور وہ پکا اور سچا ہو اور پھر ساتھ ضرور دیتا ہے۔“ اس نے آج تہذیب کو ہر بات اچھی طرح سمجھا دی تھی وہ دوسرے سے اس کے نکلے سے لگ گئی منتہی نے بڑی بہن ہونے کا حق ادا کیا تھا۔
منتہی نے پھر بھی سوچ لیا تھا کہ فائق سے مل کر تہذیب کی بدگمانی شیر کرے گی وہ وجود کے آفس میں تو کام کرتا تھا کسی دن گھر بھی بلا لے گی مود سے ذکر کر کے۔

(جاری ہے)



شازیہ مصطفیٰ

آخری قسط -

سلسلے وار ناول

جہان کی رات



نیا زعلی نے سن کے فوراً ہی انکار کر دیا۔ ہشام سالار حیرانگی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگے وہ سن کے مشتعل ہوئے تھے نہ ہی کوئی غصہ دکھایا تھا۔

”نیا ز! ہمیں حمّنی کی فکر ہے خدا نخواستہ وہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کرے۔“ وہ جھٹ بولے۔ مسز نیاز علی نے پہلو بدلا تھا۔ آج ہشام سالار ان کے گھریات کرنے چلے آئے تھے یہ بھی منتہی کے کہنے پر حمّنی کی اسے بہت فکر تھی وہ جانتی تھی کہ جذباتیت میں کوئی غلط قدم دوبارہ نہ اٹھالے۔

جدید طرز پر ڈیکوریٹ کیا ڈرائنگ روم فانوس کی روشنی میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا، حمّنی کے قدم باہر ہی رک گئے تھے۔

”ارے حمود راضی ہے تو پھر کیا مسئلہ ہے حمّنی اور حمود کی شادی میں۔“ وہ انہیں کسی طرح بھی منانا چاہتے تھے۔ ”دیکھو ہشام! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی حمود سے کیونکہ وہ مجھے سب کچھ بتا چکا ہے اور میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی پر ظلم کروں۔“ ان کا انداز قطعیت زدہ تھا انہیں ہشام سالار کی یہ بات بالکل پسند نہیں آتی تھی پھر وہ اپنی بیٹی کو بنا ہوا شوہر نہیں دینا چاہتے تھے۔

”میری بہو کو بھی اعتراض نہیں ہے وہ تو خود بات کرنے آرہی تھی میں نے روک دیا۔“ وہ بتانے لگے۔ ”کیا منتہی.....“ حمّنی تو سن کے چکر آ گئی۔

اتنا بڑا دل کیسے ہو سکتا ہے وہ اپنے ہسینڈ کو کسی دوسری لڑکی کے حوالے کر دے جبکہ عورت تو شیئر برداشت ہی نہیں کرتی وہ خود بھی حسد میں ہی تو مبتلا تھی۔

”ہشام! کیا فضول بات کر رہے ہو تمہیں شرم نہیں آئی اپنی بہو سے ایسی بات کرتے ہوئے۔“ نیاز علی نے انہیں التامحت درشت لہجے میں سنائی انہیں دکھ و غم سے اور غصہ آنے لگا۔

”کیا کرتا نیاز! ہم پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جب زبان دے دی تو دیدی اپنی عزت اور بات کے آگے ہم مروتو سکتے ہیں مگر اپنی بات سے نہیں پھر سکتے۔“ انہوں نے بھی اپنی بات پر زور دے کر بتایا۔

”کیا بے وقوفوں کی طرح بات کرتے ہو یہاں کوئی دفعہ نہیں لگ رہی ہے کہ تم اپنی بات سے پھر گئے تو بہت بڑا نقصان ہوگا۔“ وہ پھر برہم ہونے لگے۔

”یار! تم میرے دوست ہو کیسے میں تمہیں اپنی وجہ سے دکھ دوں۔“

”اس طرح کی باتیں کر کے تم مجھے دکھ ہی دے رہے ہو مجھے کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے میں اتنا خود غرض باپ نہیں ہوں کہ اپنی بیٹی کی خوشی کے لئے کسی لڑکی کی خوشیاں چھین لوں۔“ وہ نرم سے لہجے میں بولے مگر انداز ان کا تھکا تھکا ہو گیا تھا مسز نیاز گم صم سی بیٹھی ہوئی تھیں انہیں حمّنی کی جو فکر تھی وہ ان کی کل کائنات تھی اپنی اکلوتی بیٹی کا دل ٹوٹنا پھر اس نے جو خود کشی کی کوشش کی تھی اس کے بعد سے وہ اور بھی مغموم سی ہو گئی تھیں۔

”مجھے معاف کر دینا نیاز! میں وعدہ پورا نہیں کر سکا مجھے حمود نے تمہارے سامنے سرائٹھانے کا نہیں رکھا۔“ وہ سر جھکا کے مجرموں کی طرح بول رہے تھے۔ نیاز علی سے ان کی پچیس سال پرانی دوستی تھی دونوں کالج اور یونیورسٹی میں ساتھ ساتھ ہی تھے اور پھر بعد میں شادی کے بعد بھی ان کی دوستی نہیں کم ہوئی بلکہ دونوں کی لائن ایک ہونے کی وجہ سے پارٹنرشپ بھی بزنس میں رکھ لی آج تک دونوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا تھا۔

ہشام! ایسے بول کے مجھے شرمندہ نہیں کرو مجھے پتہ ہے تم کیا سوچتے ہو کیا ہوا اگر حمّنی اور حمود کی شادی نہیں ہو سکی ارے ان کی جوڑی اللہ نے نہیں بنائی تھی مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔“

حمّنی کو اپنے پاپا کی آواز میں حسرت، غم، دکھ اور کمزوری واضح نظر آرہی تھی۔

”ٹھیک کہا آپ نے پاپا! میری جوڑی نہیں بنائی تھی۔“ وہ اٹنے قدموں واپس مڑ گئی تھی۔

”مجھے ساری زندگی تم سے شرمندگی رہے گی۔“

”مگر مجھے ایسا کچھ نہیں فیل ہوگا ہماری دوستی انشاء اللہ قائم رہے گی ہماری دوستی ایسی نہیں ہے کہ اتنی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا کے ہم دوستی توڑ لیں ایسا کچھ نہیں ہے۔“ انہوں نے ہشام سالار کو شانوں سے تھام کے اپنے گلے سے لگا لیا۔

”چل اب ختم کر یہ رونا دھونا، یہ بتا کب ولیمہ کر رہا ہے حمود کا۔“ انہوں نے فوراً ہی ماحول کو اپنی خوشگوار بات سے بدلا۔ وہ حیرت سے ان کا چہرہ دیکھنے لگے انہیں نیاز علی کے چہرے پر ملال اور حسرت نظر آرہی تھی مگر انہیں اپنے دوست کی بڑائی پر رشک آیا۔

”میں تو سمجھا تھا تم بہت ہی غصہ ہو گے بات نہیں کرو گے۔“

”سمجھ گیا، عمو مانو لوگ رشتہ طے نہ ہونے پر دوستیاں پارٹنرشپ توڑ دیتے ہیں تم ایسا سمجھ رہے تھے۔“ وہ ماحول کی تلخی اور کبیدگی دور کرنے کے لیے مسکرا کے گویا ہوئے۔

”سچ بولوں میں اسی وجہ سے پریشان تھا کہ تم سب رشتے ختم کر دو گے۔“

”یار! ایسا تو ہم نے فلموں میں دیکھا ہے بیٹی کا رشتہ ٹوٹا پارٹنرشپ اور دوستی ٹوٹی اور دشمنی بڑھ گئی۔“ وہ خود ہی کہہ کر ہنسنے لگے۔

”مجھے آج تمہاری دوستی پر فخر ہے یار! ہم پٹھان ہی اپنی بات کے پکے نہیں ہوتے۔“ وہ ایک دم ہی ہلکے پھلکے سے ہو گئے۔

”ارے بھی آپ کیا گم صم بیٹھی ہیں کھانا لگوائیے۔“ نیاز علی نے مسز نیاز کو روتے ہوئے دیکھا ان کا بھی وہ دھیان الٹا سخت درشت لہجے میں سنائی انہیں دکھ و غم سے اور غصہ آنے لگا۔

”بھابی! آپ تو ماں ہیں مجھے پتہ ہے آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔“ ہشام سالار کو ان کا بھی خیال تھا کتنا خوش تھیں وہ حمود سے رشتہ ہونے پر۔

”اب کسی کے دل پر کچھ نہیں گزر رہی ہے خواہ ماحول پر افسردگی طاری نہیں کروا رہے ہشام سب بھول جاؤ

بلکہ اب جو ہوگا اور ہو رہا ہے بہت اچھا ہی ہے ہم سب خوش ہیں۔“ نیاز علی نے ان کی بات کاٹی اور مسز نیاز علی سے تائید لی وہ نحیف سے مسکراہٹ لئے سر ہلا گئیں۔

نیاز علی نے انہیں ڈنر کے بعد ہی اٹھنے دیا تھا۔ پورا وقت حمّنی اپنے روم میں ہی رہی کھانے کو یہ کہہ کر منع کروا دیا کہ وہ فون پر اپنی فرینڈ سے بات کر رہی ہے۔

نیاز علی اور مسز نیاز اس کے روم میں چلے آئے تھے جو روم کے اپنے آنسو صاف کر چکی تھی ان دونوں کو اس پہر دیکھ کر وہ گڑ بڑا گئی۔

”دیکھا آپ نے میری بچی رورہی ہے۔“

”رافعہ! کیا ہو گیا ہے کیوں تم اتنی افسردگی کی بات کرتی ہو میری بیٹی بہت بہادر ہے وہ کیوں روئے گی۔“ نیاز علی نے انہیں سرزنش کی اور حمّنی کے قریب ہی بیٹھ گئے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

”نہیں پاپا! میں اس وجہ سے بالکل نہیں رورہی بلکہ مجھے رونا اس لئے آیا کہ حمود کی وائف کتنے بڑے دل کی تھی جو اپنے ہسینڈ کی پھر بھی شادی کروا رہی ہے جبکہ وہ اس کی وائف ہے۔“ اسے اسی بات کا تو صدمہ تھا حمود کو اس نے اپنی

”اچھا اچھا بس..... یہ بچیاں میری اپنی ہیں میں نے کوئی خیال نہیں کیا ہے میں خالہ ہوں ان کی اگر چند گھڑی آ کر ان کی سن لیتی تھی تو صرف تمہاری وجہ سے کیونکہ یہ میری بہن کی بیٹیاں تھیں اور میں چاہتی تھی کہ انہیں تمہاری کمی محسوس نہیں ہو تم جو ان سے دور تھیں۔“ انہیں ان کا سر منندہ چہرہ اچھا نہیں لگا شروع سے میرا نے کبھی اپنی غلطی مانی ہی نہیں تھی مگر آج بھی اپنی غلطیوں پر نادم تھیں عنائہ نے انہیں لمحے لمحے کی خبر دی تھی۔

”شمینہ! میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔“
 ”ارے..... کیا ہے یہاں اتنی اچھی باتیں ہو رہی تھیں سیرا! تمہیں کبھی عقل نہیں آئے گی بے موقع افسردگی
 بکھیرنے کی تمہاری عادت ہے۔“ شمینہ نے انہیں اٹھا کر کھڑا کیا اور اپنی خوشگوار آواز سے افسردگی کو دور کرنا چاہا۔
 ”خالہ! آپ تڑتڑ بولتی ہوئی زیادہ اچھی لگتی ہیں۔“ نشاء نے بھی شوخی سے لقمہ دیا۔
 ”تیار! ابھی اسٹریٹ لڑکی۔“ سیرا نے مصنوعی خفگی سے مسکراتے ہوئے گھورا۔

”وہ کیا ہے خالہ! آپ کا رعب ہی ایسا ہے کہ آپ نے بڑے بڑوں کو سیدھا کر دیا ہے۔“

”امی! اب نشاء کی باری ہے اسے آپ نے سیدھا کرنا ہے۔“ عنائے نے بھی اسے چھیڑنا شروع کر دیا۔ سمیرا نے ہنس کے نشاء کو اپنے ساتھ لگایا، اُس نے بھی سمیرا کے گرد حصار باندھ لیا، سب جگہ ہی خوشیاں تھیں عنائے کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

☆.....☆.....☆

سمیرا بیگم نے دادی جان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے، سران کے آگے جھکا لیا تھا۔ دادی جان تو پہلے ہی دل کی کمزور تھیں انہوں نے سمیرا کو اپنے گلے سے لگا لیا تھا، سمیرا خود ہی تو ان سب سے الگ ہوئی تھیں، کسی نے بھی انہیں نہ نہیں کہا تھا کہ وہ چلی جائیں۔

”میرے خیال میں کافی دنوں سے ٹریجڈی رونے دھونے کے سین پل رہے ہیں اب کچھ پنی سین کی سوچ ہے کسی نے یا نہیں۔“ مائز معنی خیزی سے محریب اور عنائبہ کو دیکھ کر مسکرایا۔ سب ہی اس کی بات پر ہنسنے لگے، محریب نے اس کی پشت پر چٹکی لی تھی۔ عنائبہ دادی جان کے ساتھ ہی بیٹھی تھی، سارے ہی ہال کمرے میں محفل جمائے ہوئے تھے، سب کے چہرے آسودگی سے شتممار ہے تھے، نزہت بیگم اور ناظمہ سے بھی سمیرا بیگم نے اپنے بد صورت رویہ کو معافی مانگی تھی۔

”میرے خیال میں محریب اور عنائہ کے بارے میں بھی بات کر لی جائے تو بہتر ہے۔ راسخ لے بزرگانہ میں آواز کو بنا کے چھلچھری پھینکتی تھی۔ سب نے ہی تہقہہ لگایا تھا۔ عنائہ کو اپنے ذکر پر ڈھیروں شرم نے آگھیرا، محریب کی میٹھی میٹھی آنچ دیتی لگا ہیں اسے نروس کر رہی تھیں، وہ دادی جان کی پشت پر تھی، محریب بالکل سامنے بڑے صوف پر چھوٹے تپا ابو کے ساتھ بیٹھا تھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے سیرا! تم کب تک کرنا چاہو لی عنائیہ کی رسی؟“ نزہت بیٹم نے ان سے پوچھا۔ وہ بے
خاموش بیٹھی تھیں۔ ایک مدت بعد وہ ان سب کے درمیان بیٹھی تھیں ورنہ شادی کے اولین دنوں میں ہی وہ بیٹھی ہوا
گی سال کے اندر ہی ان کی جواد احمد سے لڑائیاں شروع ہو گئی تھیں۔
”مم..... میں کیا بولوں عنائیہ آپ کی ہے جب دل چاہے لے جائیں۔“ ان کی خود سمجھ نہیں آیا کہ کیا جوار

رداؤا نجسٹ 37 جون 2011ء

محبت اور چاہت کا احساس تو دلایا مگر کبھی اس کی خوشی کیلئے کچھ نہیں کیا۔
 ”ہوں مجھے بھی اسی بات کی حیرانگی ہے تم اپنا دل بالکل چھوٹا نہیں کرو اور ہنسی خوشی حمود سے ملو اس کی دانتف سے ملو کیونکہ اوپر والے نے تمہارا جوڑ اس کے ساتھ نہیں لکھا تھا۔“ انہوں نے اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا اس کے ایک بار پھر آنسو نکلے مگر اسے اپنا دل بڑا کرنا تھا۔

عناصبہ اتنا خوش تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی تھی، ٹھیک ہی کہا تھا اگر یقین مضبوط ہو اور اللہ پر بھروسہ ہو تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس کی دعائیں مستجاب ہو گئی تھیں، آنی کتنا اسے سمجھاتی تھیں اطمینان دلاتی تھیں، کئی بار وہ آنی سے لپٹ گئی تھی، ایک آنی ہی تو اسے اچھی طرح سمجھتی تھیں، ان کا دیا ہوا سبق کتنا سچ ثابت ہوا تھا۔

”عناصبہ باجی! آپ کی رخصتی پر زیادہ مزہ آئے گا۔“ نشاء خوشی سے بھرپور آواز میں بولی۔

”کسی دن تم ایک دو دن کیلئے آ جانا کچھ شاپنگ ہی کر لیں گے۔“ سمیرا ان سب کے لئے چائے وغیرہ بنا کے لائی تھیں ان کا انداز مکمل گھریلو ہو گیا تھا، میک اپ وغیرہ سب کو لگتا تھا انہوں نے خیر باد ہی کہہ دیا تھا مگر جب سے انہوں نے بچوں اور شوہر پر توجہ دی عبادت کرنے لگی تھیں ان کا سادہ سا سراپا بغیر میک اپ کے زیادہ پیارا لگنے لگا تھا۔

”تم کیا بڑے بوڑھوں کی طرح پوچھ رہی ہو اپنے کام سے کام رکھو“۔ شمینہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ منہ ہٹا کر رہ گئی۔ عنایت کو ہنسی آگئی، ہلکی سی چپت لگائی، وہ سنگل صوفے پر دبک کے بیٹھ گئی۔

”تم فکر نہیں کرو تاریخ بھی جلدی کی رکھ لیں گے“۔ سیرا کو اس پر پیار آیا، کتنے شوق سے وہ پوچھ رہی تھی۔

”اتنی بھی جلدی نہیں رکھئے گا کہ میری تیاری رہ جائے“۔ وہ پھر بولی۔

”ہاں اسے بس اپنی تیاری کی رہتی ہے۔ پچھلے ہفتے میری نند کی بیٹی کی منگنی ہوئی، اپنے پایا کے پیچھے لگ گئی دو ٹ بناؤں گی۔“ شمینہ کو اس کی ضدی طبیعت پر کبھی کبھی بہت غصہ آتا تھا مگر انہوں نے اپنے دونوں بچوں کی تربیت سے اچھے انداز میں کی تھی مگر نشاء کی کچھ طبیعت میں تھوڑی ضد بھی تھی۔

”پاپا تو فوراً ہی مجھے شاپنگ پر لے گئے۔“

”آئی! یہ ٹھیک ہے اٹکل کے پاس آپ کے لئے ٹائم نہیں ہوتا اور وہ اپنی ڈاکٹری چھوڑ کے اسے شاپنگ کرانے لے جاتے ہیں۔“ عنایت نے چائے سرو کرنی شروع کی، ثمینہ اور سمیرا دونوں ہی ہنسنے لگی تھیں۔

”اچھا جلدی سے چائے ختم کرو گھر بھی چلنا ہے، فرزان کے آنے سے پہلے گھر پہنچنا ہے۔“ ثمینہ نے اسے ٹوکا۔

ان کو چنگ جاتا تھا اس کے تک ہی وہ گھر پہنچتا تھا۔

”آج رک جائیں میں بھی اماں جی کی طرف جاؤں گی۔“ سمیرا نے انہیں روکا۔
 ”میں رک تو جاتی مگر چھوٹی نند کی طرف جانا ہے رات میں ان کی طبیعت کچھ خراب چل رہی ہے جب سے بیٹی
 فنی کی ہے۔“ انہوں نے عذر پیش کیا۔
 ”مجھے یہ سن کے بہت خوشی ہوئی کہ تم اب رسالہ جاری رہو۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”تمہیں! تم نے بھی میرے بچوں کا بہت خیال رکھا ہے میں تمہیں غصہ میں کیا کیا الٹا سدھا ہوا، دیکھو آجھی؟ جھوٹا

رداؤ انجسٹ 36 جون 2011ء

دیں جبکہ ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ عنائے کو اس کی خوشیاں جلدی دے دیں۔

”ارے..... یہ کیا بات کی تم جب بولو ہم تب لینے آ جائیں گے۔“

محرِب لب بھیج کے رہ گیا، عنائے کو رکنا محال ہوا ان سب کے سامنے حیا آنے لگی تیزی سے اس نے دوڑ لگا دی۔

”دیکھا آپ نے سمیرا چچی! بھابھی چاہتی ہیں جلدی ہو۔“ مانز نے لقمہ دیا۔

”بد تیز میں کب چاہتی ہوں۔“ عنائے نے سنا تو جاتے جاتے بولی۔

”پھر بھائی جان چاہتے ہیں۔“ محرِب کچھ نہیں بولا، مسکرا کے دیکھنے لگا کیونکہ مانز نے بات تو ٹھیک ہی کی تھی۔ عنائے کا سوچ کے دل تو اور ہی شرارتی ہو رہا تھا ابھی تک دونوں میں اس بارے میں بات بھی کب ہوئی تھی وہ تو کچھ دنوں سے ہی دونوں میں دوستی ہو گئی تھی تو وہ پھر اچھا اچھا سوچنے لگا تھا۔

”بیمنی کی فائق اور بھائی جان کی شادی پر تین شادیاں ہوں گی، میرے خیال میں بیمنی اور فائق کو تو ابھی نمٹائے بھائی جان تو ویسے بھی صابر و شاکر ہیں اگلے دو سال رک سکتے ہیں، کیوں بھائی جان؟“ مانز شرارتی اور معنی خیز لہجے میں اسے دیکھنے لگا۔ محرِب نے مکالمہ پر تانا، واضح اشارہ تھا درگت بھی بن سکتی ہے اگر زیادہ فضول ہانکی تو۔

”میرا مطلب ہے سمیرا چچی! ان دونوں کو پہلے فارغ کریں کیونکہ لوگ ان کے بچوں سے میرے بچوں کا موازنہ کریں گے کہ یہ چھوٹے ہیں اور میں بڑا۔“ مانز کے تو دماغ میں کیا کیا الٹی سیدھی بکواس آتی تھی۔ محفل زعفران زار ہو گئی۔ محرِب، مانز کی بے تنگی راگنی سے گھبرا کے اٹھ گیا، وہ کوریڈور سے گزر کے پورچ میں آیا تو عنائے پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھی لی، وہ اسے دیکھ کر بوکھا لگئی، پنک کپڑوں میں اس کا چہرہ گرمی شوق سے قندھاری انا رہ گیا تھا، اتنے دن سے دونوں کتنے فرینک انداز میں باتیں کرنے لگے تھے مگر رخصتی کے نام سے ہی عنائے کی دل کی دھڑکنوں میں شور پیدا ہو گیا، محرِب سے ڈھیروں شرم آنے لگی۔

”ایک منٹ رکو۔“ محرِب نے اپنا انداز اور لب و لہجہ روکھا بنا لیا۔ عنائے ٹھنک کے اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی رک گئی۔

”میں نے تم سے کہا تھا یاد کرو اگر تمہارے گھر والے رخصتی کا کہیں گے میں نہیں کروں گا۔“ عنائے کی ساعتوں نے یہ کیا سنا تھا وہ وحشت زدہ سی رہ گئی۔ کچھ دیر پہلے کتنے خوبصورت خیالوں میں مگن تھی، محرِب نے کیا کہہ دیا تھا۔

”اب مجھے ایسی کوئی خوشی ہی نہیں ہے تم نے کبھی مجھے یقین ہی نہیں دیا نہ میرا خیال کیا، مجھ سے محبت ہوتی تو تم میرے ساتھ ایسا سلوک بھی نہیں کرتیں۔“ اس نے چہرے پر سختی اور سرد مہری اجنبیت سمولی تھی۔

”آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟“ وہ تو روہانسی ہو گئی، سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ محرِب کو اچانک سے کیا ہو گیا تھا۔

”سب کچھ ٹھیک تو ہو گیا ہے مگر میرے دل میں اب کوئی خواہش اور کوئی امنگ نہیں ہے۔“ وہ پشت پھیرے بول رہا تھا۔ عنائے کو ایسا لگ رہا تھا کہ سانس رکنے لگی ہو، اتنے دن وہ کیا اس سے صرف دکھاوے کا تبسم لئے ملتا تھا، وہ کچھ دنوں سے کتنی ہلکی اور خوش رہنے لگی تھی مگر محرِب کے اچانک سے ترش ہونے پر وہ متوحش زدہ سی رہ گئی۔

”تمہیں سب سے محبت ہے سب کی فکر ہے، مجھے ہمیشہ اگنور کیا۔“

”پلیز! ایسی باتیں تو نہیں کریں کیوں آپ میرے متعلق غلط سوچتے ہیں۔“ وہ روہانسی بے بس سی اڑی اڑی رنگت لئے اس کے سامنے آ گئی۔ محرِب کے چتون تیکھے ہوئے، اسے عنائے پر ترس بھی آنے لگا مگر وہ جب تک اپنے لئے عنائے سے وہ جذبات اور کلمات نہیں سن لیتا اس وقت تک وہ اسے ایسے ہی نارچہ کرے گا۔

”اندر رخصتی کی تاریخ رکھی جا رہی ہے رکواؤ جا کر۔“

”کیا ہو گیا ہے آپ کو وہ سب کیا تھا؟ اتنے دن میرے ساتھ کیا ڈرامہ کیا ہے۔“ وہ تو تلملا ہی گئی۔

”تم بھی ڈرامے کرتی رہی ہو، میں نے بھی کر دیا تو کیا ہوا۔“ اس نے تسخر سا اڑایا۔

”آپ میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں کر سکتے۔“ اسے جیسے محرِب کے بدل جانے پر یقین نہیں آ رہا تھا، گذشتہ دنوں کا رویہ کتنا محبت لٹاتا ہوا تھا، اسے حسد پھپھو کے گھر میں ہونے والی باتیں یاد آ گئیں جب حمود کے سلسلے میں اس نے بلایا تھا۔

”ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے یہ الزام کیوں۔“ وہ ذومعنی ہو گیا۔ عنائے جھینپ کر سکتے میں ہو گئی، سمجھ نہیں آ رہا تھا اچانک سے محرِب کو ہو کیا گیا ہے، خواہ وہ خوش فہمیوں میں دل لگی کر کے اسے بتلا کر تار ہا تھا۔

”مجھے پتہ ہے ابھی بھی تم دل سے تھوڑی راضی ہوئی ہو گی کیونکہ تمہاری امی کو تمہاری رخصتی کا شوق چڑھا ہے تو سوچاؤ ان کا یہ شوق کبھی پورا کر دوں۔“ جتنی بھی طنزیہ باتیں کر سکتا تھا وہ کر رہا تھا، عنائے کا شدت غم سے چیخ چیخ کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے آپ ہر بار غلط ہی کیوں سوچتے ہیں۔“ اسے بے بسی پر کھسیا ہٹ بھی ہوئی۔

بلیک پیٹ پر بلیک ہی لائننگ کی شرٹ میں ملبوس لمبا چوڑا محرِب اس وقت اسے بہت دور دکھائی دیا، وہ ایسا تو تھا ہی نہیں، آنکھوں میں اس نے اپنے لئے جو محبت کا سمندر موجزن دیکھا تھا وہ اس کا وہم تو نہیں ہو سکتا تھا، وہ اس کے ساتھ ایسا کھیل کیوں کھیلے گا، سارے مسئلے اس سے ڈسکس کرنے لگا تھا، اب تو اکثر فون بھی کر لیتا تھا، معنی خیز جملوں سے اسے پزل بھی کر دیتا تھا۔ وہ اتنی سخت اور دکھی گفتگو دل کیوں نہیں مان رہا ہے نرم گفتار کا شخص ایسی کٹیلی، زہریلی باتیں اچانک سے کیوں کرنے لگا تھا، کہاں اس سے پھر غلطی ہو گئی، کس جگہ پر وہ اسے پھر اگنور کر گئی، اتنا تو جان گئی تھی

محرِب کو اگنور کیا جانا بالکل برداشت نہیں ہوتا ہے۔

”مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا باقی کام تمہارا، میرا دل نہیں مان رہا کہ میں تمہارے ساتھ زبردستی کروں یا گھر کا کوئی شخص

زبردستی کر کے رخصتی کروادے اور تم ٹھیک طرح سے نبھاہ بھی نہیں کر سکو۔“ اتنی رکھائی سے بول رہا تھا، نگاہ اس نے

مین گیٹ پر جمائی ہوئی تھی، شام کی سیاہی اور ٹھنڈی ہوا سے لان کے پیڑ اور پودے لہلہا رہے تھے۔ عنائے کا پنک

دوپٹہ ہوا سے لہرا کے محرِب کی ناک کو چھو گیا، وہ تو لگتا تھا پتھر کی ہو گئی تھی، جیسے وجود میں جان ہی نہ ہو۔

”کیوں یہ شخص اپنے اندازے لگاتا ہے کیوں ہر بات اپنی طرف سے سوچ لیتا ہے آخر کیوں یہ میرے معاملے

میں ایسا کرتا ہے؟“ دل چیخ رہا تھا آواز ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

”مجھے منتشر ذہن کی عنائے نہیں چاہیے جسے بعد میں بھی فکریں گھیرے رکھیں اور میں تم پر زبردستی مسلط رہوں،

جب تم خود اچھی طرح اس قابل ہو جاؤ تمہارا ذہن ریلیکس ہو جائے پھر ہی رخصتی کا سوچنا، دل میں تمہارے میرے

لئے کچھ نہ ہو اور تم خالی وجود لے کے میرے پاس آ جاؤ۔“ اب اس نے واضح اور کھلے لفظوں میں اسے باور کرا دیا کہ

وہ کیا چاہ رہا ہے۔ عنائے سے مزید رکنا محال ہو گیا، آنکھوں میں نمی لئے تیزی سے پورچ کی سیڑھیاں کر اس کرتی اندر

غائب ہو گئی۔

”جب تک تم خود سے مجھے نہیں پکارو گی میں بھی ایسے ہی جملے بولوں گا۔“ اسے عنائے کو تنگ کرنے کی سوچ بھی تھی

اس کی حالت سے وہ مزہ لینا چاہتا تھا، کیسے وہ اپنے جذبے اور چاہت اس کے آگے لے کے آتی ہے۔

”فکر نہیں کرو محبت اور چاہت تمہیں میں سود سمیت دوں گا۔“ مسکراتا ہوا وہ بھی اندر کی طرف بڑھ گیا۔

”یہ تمہارا چہرہ دن بدن کیوں سوکھتا جا رہا ہے شادی کے دن قریب آنے والے ہیں۔“ مائز نے اپنی عادت کے مطابق اسے نشانے پر رکھا۔

”مجھے تو اتنی خوشی ہو رہی ہے تہذیب باجی کے یہاں آنے پر پرائیٹے واہ..... کیا خستہ بناتی ہیں جب دل چاہے بنوایا کروں گا۔“ رافع کی تو ہر وقت پر انھوں کا سوچ کے بھوک چمکتی رہتی تھی اتنا بڑا ہو گیا تھا جہاں مرضی کا سالن نہیں لگا پرائیٹے کی فرمائش کر دی اور چائے کے ساتھ خاموشی سے کھا لیا۔

”ہاں وہ تمہارے لئے ہی تو آرہی ہے۔“ مائز نے اس کی گدی پر زوردار چپت لگائی۔

”کیا ہے مائز بھائی! آپ اتنی زور سے مارتے ہیں۔“ وہ گدی پکڑ کے رہ گیا۔ ایک تو وہ بیٹھا بھی کارپٹ پر تھا سی ڈی پلیئر لگائے ہوئے میوزک سن رہا تھا۔

”تمہاری باتیں ہی ایسی ہوتی ہیں۔“ مائز کی نگاہ فائق پر جمی ہوئی تھی جو گہری سوچ میں غرق کاؤچ پر نیم دراز تھا آفس سے آکر وہ یہیں کچھ دیر سستانے لیٹ گیا تھا مائز FM سے آیا تو اسے دیکھ کر یہیں بیٹھ گیا۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“

”تہذیب باجی کو سوچ رہے ہوں گے بے چاری وہ بھی لائن میں کھڑی نظر آئیں گی ان کے سامنے ڈانٹ سننے کے لئے۔“ رافع نے پھر لقمہ دیا۔

”رافع! تمہیں اگر فضول کی ہانپی ہے تو کہیں اور جا کر بیٹھو۔“ فائق نے درشت لہجے میں کڑے تیوروں کے ساتھ اسے سرزنش کی۔ وہ نخل سا ہو گیا فائق کی گھوری اتنی تیز ہوتی تھی کہ وہ ڈر جاتا تھا آگے پھر اس کی بولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

”پتہ نہیں مسکراتے کیوں نہیں ہیں کوئی تو شادی کے بعد مسکرانا بھول جاتا ہے یہ پہلے ہی سے بھول گئے ہیں۔“ رافع بد مزہ سا ہو گیا مائز کے کان میں سرگوشی میں بڑبڑاتا ہوا چلا گیا مائز کو ہنسی آگئی جو فائق سے مخفی نہیں رہی تھی۔

”کب ختم ہوگی تمہاری انٹرن شپ؟“

”میں تمہاری مسکراہٹ کو خوب سمجھتا ہوں۔“ وہ تو تک ہی گیا مائز کی بات کا جواب نہیں دیا۔

”اب میرے مسکرانے پر بھی تمہیں اعتراض ہے۔“ مائز نے طنز کیا۔

”اچھا پلیز! مجھے تہا چھوڑ دو۔“ وہ جھنجھایا اور بے زار تو پہلے ہی رہتا تھا سب سے ہی گھر میں اس نے پہلے ہی بات کرنا بھی کم کر دیا تھا۔

”فائق! یار میں نے ایک دن تجھ سے کہا تھا اگر مجھے کسی بھی دن پتہ چل گیا تو محبت کرنے لگا ہے اس دن میں تجھ سے پوچھوں گا۔“ مائز نے اسے اپنی کہی ہوئی بات دہرائی فائق نے چونک کر اسے نا بھیجی کی کیفیت میں دیکھا مگر خود کو نارمل ہی رکھا حیرت کا اظہار ذرا نہیں کیا۔

”تمہاری عادت بھی شادی کے بعد فضول بولنے کی گئی نہیں۔“ استہزائیہ ہنسی کے ساتھ اس نے گویا طنز کیا۔

”تمہاری ہو تو رہی ہے ہو سکتا ہے تم بھی ایسی ہی باتیں کرنے لگو۔“ اس نے تپ کے دانت کچکپائے۔

”مجھے باتوں میں الجھانے کی کوشش مت کیا کر میں جو تجھ سے پوچھ رہا ہوں وہ بتا۔“

”ابھی تک تم نے پوچھا ہی نہیں ہے۔“ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا اسے فریش بھی ہونا تھا پھر کچھ کمپیوٹر پر کام تھا وہ بھی کرنا تھا کل اس کی اور حمود کی میننگ بھی تھی۔

”نک کر یہاں بیٹھو اور میری بات سنو کیا پر اہم ہے جو اچھے ہوئے ہو شادی کے دن قریب آرہے ہیں من پسند لڑکی بیوی بننے والی ہے۔“

”ایسا تم سے کس نے کہا من پسند ہے وہ۔“ فائق متحیر رہ گیا کتنی آسانی سے ہر بات کر دیتا تھا۔

”تیری آنکھوں کے رنگوں نے اور میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے بہت پہلے نوٹ کر لیا تھا اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تمہارے اور تہذیب کے بیچ میں کچھ غلط فہمی چل رہی ہے۔“ وہ آنکھوں کو گھما کے بولا۔

”تم میری جاسوسی ہی کرتے رہتے ہو۔“ وہ سن کے کڑبڑایا نہیں بلکہ اسے آنکھیں نکال کے دیکھنے لگا۔

”جو شخص ناپ ناپ کے گفتگو کرتا ہو اپنی حدود میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتا ہو جب وہ پکڑا جاتا ہے تو اس کی جاسوسی اسی لئے کی جاتی ہے۔“ اس نے فائق کو ہاتھ پکڑ کے واپس کاؤچ پر بٹھا دیا۔

”بلا وجہ کی مجھ پر مت منسوب کیا کرو ایسا کچھ نہیں ہے صرف گھر والوں کی وجہ سے میں شادی کر رہا ہوں۔“ اس نے جھٹ لنگی کی۔

”ہاں اب آئے ہونا تم اسی بات پر تہذیب کو یہی غلط فہمی ہے شاید جب ہی تم دونوں کی ابھی تک بنی نہیں ہے دیکھو فائق! اگر تہذیب بدگمان ہے تم سے بدظن ہے یار! اس کی یہ بدگمانی دور کرو نئی زندگی کی شروعات کرنے جا رہے ہو محبت اور چاہت سے ہو تو زندگی بہت حسین لگنے لگتی ہے۔“ مائز اسے مدبرانہ انداز میں سنجیدہ سا بولتا ہوا بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا وہ کتنی جلدی ہر بات جان لیتا تھا۔

”جب ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں تو مجھے ضرورت کیا ہے اس کی بدگمانی دور کرنے کی۔“ وہ نگاہ چراتے ہوئے بولا۔

”فائق! میں تیرے چہرے کو پڑھ کے بتا سکتا ہوں تو ٹینشن میں ہے اور اس کی وجہ تہذیب ہے اگر تو یہ سوچ رہا ہے کہ وہ اغوا ہو چکی ہے اور اس کی پاکیزگی پر شک ہو رہا ہے مجبوری کی وجہ سے تو شادی کر رہا ہے صرف گھر والوں کی وجہ سے.....“

”مائز! کیا تم ہر وقت شروع ہو جاتے ہو۔“ فائق نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اسے ٹوک دیا اور خاصا برہم بھی ہونے لگا تہذیب کیلئے ایسی بات کیسے سن سکتا تھا جبکہ اس کے ساتھ وہی تھا اور یہ احساس ہی مارے ڈال رہا تھا کہ بہت کچھ جان بوجھ کے اس کے ساتھ غلط ہی کیا ہے۔

”پھر اتنے غمزہ اور اداس کیوں ہو کیا مسئلہ ہے؟ اس حادثے کو کیوں دماغ پر سوار کر لیا ہے یار! بول تو کچھ تو کہہ مجھ سے۔“ مائز تھک ہار کے کچھ بے زار سا ہو گیا تھا دونوں میں اکثر بات چیت کم ہونے لگی تھی فائق پورا دن آفس میں ہوتا وہ FM پر یا پھر تہذیب کے ساتھ آفس کے کاموں میں لگ جاتا تھا۔

”مجھے پتہ ہے تو کچھ نہیں بتائے گا دیکھ اگر کچھ بھی تیرے دماغ میں ہے تو یار! تو کسی سے تو کہہ۔“ مائز کو اس کی فکر میں یوں پریشان دیکھ کر فائق کو خود افسوس ہونے لگا۔

”تہذیب مجھ سے بدگمان ہے وہ شادی کرنا نہیں چاہتی ہے۔“ اس نے بس اتنا ہی بتایا سراسر اس کا جھک گیا تھا مائز اس کے قریب چلا آیا۔

”وہ سمجھتی ہے کہ میں اس سے شادی کر کے احسان کروں گا کیونکہ وہ.....؟“ آگے بولا اس سے نہیں جا رہا تھا تہذیب سے وہ شدت سے محبت کرتا تھا اس کیلئے ایسے ویسے کسی جملے کو استعمال تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”میں سمجھ گیا۔“ مائز نے بھی اس سے پوچھنے کی ضد نہیں کی۔

”تم اس سے ایک بار ٹھیک سے بات کرو یار! لڑکیاں محبت کرو تو جلدی مان جاتی ہیں بس اعتبار مانگتی ہیں اظہار مالتی ہیں ہر وقت۔“ وہ ایک جذب سے بول رہا تھا۔ وشہ سے وہ خود بہت محبت کرتا تھا دونوں میں کتنی لڑائی ہو وہ چند پیار بھرے جملے بولتا وہ فوراً مان جاتی تھی۔

فائق اس کے گمبیر لہجے پر گہری سوچ میں ڈوب گیا جو کچھ مائز نے کہا بالکل ٹھیک ہی کہہ رہا تھا تہذیب کو اظہار

کی اعتبار کی ضرورت ہے اسے اعتبار دینا ہی ہوگا وہ محبتوں سے اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

بھائی! اس بار آپ مجھے نہیں ٹال سکتے ہیں محریب بھائی کی شادی میں لے جانے سے۔“ راحمہ چپک کے بولی تھی مگر حمود اس کی سن ہی نہیں رہا تھا۔ وہ بیوی کھولے بیٹھا تھا عادت کے مطابق اونچی آواز تھی کوئی اسپورٹس کا چینل لگا تھا، منتہی کئی بار آ کے اسے ٹوک چکی تھی مگر وہ اس کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔
”پلیز! آواز تو دھیمی کر لیں۔“ اس کے کان میں چیخی۔ حمود اچھل گیا، راحمہ کی کھی کھی شروع ہو گئی، منتہی جزبزی ہو کر پیچھے ہو گئی، حمود نے اس کا بازو پکڑا۔

”ادھر دور بیٹھو۔“ وہ منتہی سے جھپٹ چکا تھا۔

”اگر بیوی دیکھنا ہے تو اپنے روم میں جا کے دیکھئے بابا سیل پر کسی سے بات کر رہے ہیں آپ کو ڈانٹ پڑ جائے گی۔“
”مجھے روم میں بیوی نہیں بیوی بھی چاہیے اگر منظور ہے تو میں روم میں جا رہا ہوں۔“ کان میں شرارتی سرگوشی کی۔ راحمہ وہاں موجود تھی، منتہی نے حمود کو گھورا جو مسکرا کے ایسا تاثر دینے لگا جیسے کچھ کہا ہی نہیں ہو۔ رسٹ کلر کے کپڑوں میں اس کی سرخ رنگت چمک رہی تھی اب تو وہ پندرہ بیس دنوں میں خاصی نکھر گئی تھی، خوبصورتی میں بھی اس کے اضافہ ہو گیا تھا۔

”جی نہیں، مغرب کی اذان ہونے والی ہے نماز پڑھئے جا کر پہلے۔“ اس نے آنکھیں نکال کے صاف انکار کیا، آواز پھر دھیمی کر دی۔

”پھر اس کے بعد تو آؤ گی ناں؟“ وہ اپنی بات براڑا ہوا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کورات میں ڈنر پر بلایا ہے نیاز انکل کی فیملی کو اتنے کام پڑے ہیں۔“ اس نے ہری جھنڈی دکھادی۔
”تم جب سے ادھر آئی ہو مجھ سے ڈرنی بھی نہیں ہو، بالکل بابا والا انداز ہو گیا ہے تمہارا، ہر بات میں روک ٹوک کرتی ہو۔“ وہ خفگی سے گویا ہوا۔

”کیسا لوکا پٹھا ہے آواز کو اونچا کئے بیٹھا ہے۔“ ہشام سالار کی دھاڑتی آواز نے دونوں کو بکھلا دیا۔ منتہی نے سر پر آنچل ٹھیک کیا، حمود نے ریوٹ لے کے راحمہ پر اچھال دیا۔

”بابا! گالی تو مت دے بیوی سامنے کھڑی ہے۔“ اس نے مسکسی صورت بنا کے کچھ شرمندگی سے کہا۔ منتہی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رنگ گئی، اسے بھی اندازہ تھا دونوں میں بحث شروع ہو جانی ہے۔

”تیری اولادیں بھی آجائیں گی میں ایسے ہی بولوں گا۔“ منتہی کے کان کی لوئیں سرخ ہو گئیں، حمود تو اچھل گیا۔
”رحم کریں بابا! اولادیں..... مجھے کیا ٹیم بنانی ہے۔“

منتہی حیا سے نگاہ نہیں ملا پائی وہاں سے ہٹ ہی گئی کیونکہ اتنی کھلی گفتگو جو ہونے لگی تھی۔

”گدھے! مجھے بھی یاد نہیں رہا، ہوسا سنے تھی۔“ وہ بھی شرمندہ سے ہو گئے۔

”بہو بھی آپ کی طرح ہی ہے، بہت کہا آواز نیچی کر لیں میں بھی ڈنارہا۔“

”ہاں باپ تو تیرے برابر کا ہے۔“ انہوں نے اسے گھورا۔

”ویسے آپ کے برابر کا تو نہیں مگر آپ جیسا باپ میں بالکل نہیں بنوں گا، سچ بابا آپ نے مجھے بہت دبا کے رکھا ہے میری بیوی سے ملنے پر آپ نے پابندیاں رکھی ہیں۔“ اس نے منہ بسور کے دہائی دی۔

”امی! یہ لوگ ایسے ہی لڑتے ہیں۔“ منتہی کچن میں لگی ہوئی تھی ساتھ میں ملازمہ بھی تھی۔

رداؤ انجسٹ [42] جون 2011ء

”ایسے ہی کرتے ہیں یہ دونوں، ابھی لڑائی ابھی دوستی۔“

”ویسے میں نے بہت کم دیکھا ہے کہ کوئی باپ بیٹے میں دوستوں کی طرح بات چیت۔“ منتہی کو ان کے گھر کا ماحول بہت پسند آیا تھا، بابا اس سے بھی فریک ہو کے بولتے تھے، اس کی اجنبیت ان کی ناراضی ختم ہوتے ہی دور ہو گئی تھی، سب کچھ پھر اور زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔

”مغرب کی نماز پڑھنے جا رہا ہوں اگر مجھے روم میں نظر نہیں آئیں تو سوچ لینا، کل کا پورا دن میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا چاہے بابا مجھے کچھ بھی کہیں، میں الزام تم پر ڈالوں گا کہ آپ کی بہو کا بہت موڈ رو میٹک تھا۔“ اس نے کچن میں آ کر دبی آواز میں اس کے کان میں کہا تھا تا کہ کلثوم بانو اور ملازمہ کے کانوں تک کچھ نہ پہنچ جائے۔

منتہی کی تو آنکھیں پھیل گئیں وہ حکم کے ساتھ دھمکی بھی دے رہا تھا جبکہ اتنے کام باقی تھے اس نے فون کر کے خاص طور پر جمنی کو بھی بلایا تھا اس سے بھی اس کی دوستی ہو گئی تھی کتنا شرمندہ بھی تھی معافی بھی مانگی تھی۔

”کیا کہہ رہے ہیں اتنے کام ہیں۔“

”روم میں آ کے میرا کام کرنا اور چلی جانا، میں پھر کچھ نہیں کہوں گا۔“ آنکھوں میں شوخیاں مستیاں معنی خیزیاں لئے ترنگ میں مخمور لہجے میں بولا تھا۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہو گئی تو وہ بھی کام چھوڑ کے ہٹ گئی۔

”کیا کر رہے ہو ادھر نماز پڑھنے نہیں گئے۔“ کلثوم بانو نے اسے وہاں استنبہامیہ نگاہوں سے دیکھا، وہ پانی پی کر نکل گیا۔

”تم نماز پڑھ کے آرام سے آ جانا سب کچھ تو تقریباً تیار ہے راحمہ سے کہتی ہوں ٹیبل پر برتن سیٹ کر لے گی۔“ کلثوم بانو جیسے ان دونوں کی سرگوشیاں سمجھ گئی تھیں۔

”امی! میں نماز پڑھ کے سب سیٹ کر لوں گی، آپ اسے پڑھنے دیں پتہ ہے نا کتنا بھاگتی ہے وہ۔“ اس نے مسکرا کے انہیں روکا۔

”وہ غالباً تمہارے کان میں کچھ کہہ کر گیا تھا، کب سے آیا بیٹھا ہے دو گھڑی اس کی بھی سن لینا۔“ وہ مسکرا کے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کے نکل گئی تھیں، منتہی نے جھینب کے لب پہنچ لئے تھے۔

مغرب کی نماز پڑھ کے اپنے روم کو بھی سینا، پورا دن وہ آتی ہی نہیں تھی۔ تیار ہونے کے لئے گرین جار جٹ کا ایئر اینڈری کا سوٹ نکال کے پہن لیا، حمود ابھی تک نہیں آیا تھا جبکہ مغرب کی نماز میں اتنا ٹائم تو نہیں لگتا ہے وہ تشویش میں پڑ گئی، وارڈ روبر کھول کے حمود کے بھی کپڑے نکالنے لگی، اسی وقت پیچھے سے حمود نے حصار میں لے لیا وہ اس باختمی ہو گئی۔

”یعنی غمگند ہو۔“ اس نے اپنے سامنے کیا، اسے یوں سنورا ہوا دیکھ کر دل اور بھی خوش ہو گیا، منتہی نے گھبرا کے اس کا ہینگر کیا سوٹ آگے کیا۔

”دو گھنٹے سے پہلے تو بالکل نہیں جانے دوں گا۔“ اس کی شوخیاں بڑھنے لگیں۔

”نیچے مہمان آنے والے ہیں یہ کوئی ایسا وقت نہیں ہے کہ میں آپ کی بے وقت کی راگنی سنوں۔“ وہ بھی اکڑ کے ڈپٹ کے بولی۔

”یعنی ہماری ہی بی بی میاؤں۔“ وہ پھر بڑھا۔

”مجھے نیچے جانے دیں آپ بھی تیار ہو جائیں، جمنی بھی آئے گی۔“

”تو میں کیا کروں؟“ وہ بچوں کی طرح روٹھ کے صوفے پر جا کر لیٹ گیا۔ منتہی کو اس کا روٹھنا اس وقت بہت

رداؤ انجسٹ [43] جون 2011ء

کھل رہا تھا، کچھ تو کرنا تھا منانے کے لئے۔
”یعنی سرکار ناراض ہیں میں نے سوچا تھا کہ.....“ بولتے بولتے رُکی۔
”کیا سوچا تھا؟“ وہ غصہ سے بولا۔

”یہی کہ آپ بہت پیارے ہیں بہت پیار کرتے ہیں۔“
”پیار کرنے کب دے رہی ہو۔“ نگاہ اوپر لٹکے فانوس پر جمائی۔ منتہی اس کے سامنے چلی آئی، مسکرا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو اس وقت سنجیدہ صورت بنائے ہوئے تھا۔
”کہتے ہیں کہ کوئی جب سنجیدہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ انتشار کا شکار ہے اس کا ذہن بہت منتشر ہے اس کی سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ وہ کیا کرے اور پھر جب ایسی کیفیت ہو جاتی ہے تو.....“

حمود نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ہاتھ گھسیٹ کے خود پر گرا لیا اور اسے بولنے سے باز رکھا۔
”اور بولو اپنا فلسفہ کہا تھا ناں میں نے ایسے ہی کروں گا۔“ اس کا آنچل لیا اور چہرہ صاف کرنے لگا، وہ حواس باختہ ساکت سی رہ گئی، چہرہ اوپر اٹھ ہی نہیں رہا تھا۔

”تمہارے فلسفے تو میں نکالوں گا، جب شوہر غصہ میں ہو تو سمجھ لینا وہ کیا چاہ رہا ہے اور کیوں چاہ رہا ہے اس لئے اس کے زیادہ ناراض ہونے سے پہلے ہی خود کو اس کے حوالے کر دو تو بیوی کے حق میں زیادہ بہتر ہے، دو میں نے کتابیں دی تھیں بہشتی زیور اور تحفہ خواتین اسے دوبارہ کھول کے پڑھ لینا بیوی کے حقوق کیا ہوتے ہیں۔“ اس نے منتہی کے کان میں پھر سرگوشی کی وہ لا جواب سی ہو گئی، سنبھل کے اٹھی۔

”آئینے میں چہرہ دیکھ لینا کیونکہ چہرے پر تمہارے کچھ بچا نہیں ہے سب لگتا ہے غائب ہو گیا۔“ اس نے لینے لئے ہانک لگائی۔ وہ جیسے اس کی سن ہی نہیں رہی تھی جلدی سے لائٹ میک اپ کیا نیچے چلی آئی، اتنے میں نیاز علی اپنی فیملی کے ساتھ آگئے، منتہی اس سے بڑے پر جوش انداز میں گلے ملی تھی۔

”پیاری لگ رہی ہو لگتا ہے حمود رات دن پیار کرنے لگا ہے۔“ وہ بے ساختہ بولی۔ منتہی نے جھینپ کے سر جھکا لیا، نیاز علی، مسز نیاز نے بھی منتہی سے اچھے طریقے سے بات چیت کی تھی۔ حمود بھی نارمل سا ان سب کے درمیان بیٹھا تھا بڑے خوشگوار ماحول میں ڈنر ہوا تھا۔

”حمود! منتہی بہت پیاری ہے تمہاری صحبت میں اور نکھر گئی ہے۔“ منتہی نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔
حمود نے اسے بغور دیکھا تھا اس کے چہرے پر ملال کا شائبہ تک نہیں تھا شاید اس لئے کہ اس نے قسمت کا لکھا قبول کر لیا تھا یا اس کا دل بہت بڑا ہو گیا تھا یا پھر حمود کی اتنی کھری اور صاف باتوں نے اس کے دل و دماغ کے دروازے کھول دیئے تھے۔

”کیونکہ جس کے نصیب میں جس کی محبت ہوتی ہے اسے ہی ملتی ہے اسی لئے وہ نکھر گئی ہے۔“ حمود نے بھی اس کی بات کی تائید کی تھی، منتہی سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔

”ہوں..... ٹھیک کہا محبت تو نصیب سے ملتی ہے۔“ اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

”جمنی! مجھے معاف کر دینا میں نے جانے انجانے میں تمہیں ہرٹ کیا ہے۔“

”نہیں حمود! تم نے مجھے ہرٹ نہیں کیا۔“ وہ فوراً بولی۔

”مگر تمہاری اس دن کی باتیں اور منتہی کی بڑائی مجھے جیت لے گئی۔“ اس نے دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا۔

”اعلیٰ ظرف اور بڑائی تو تم میں ہے، انکل آنی جنہوں نے مجھ سے کسی قسم کا شکوہ شکایت نہیں کیا۔“ حمود کو یہی

رداؤ انجسٹ [44] جون 2011ء

سوچ کے اور فیل ہوتا تھا۔

”چائے چلے گی۔“ منتہی نے دونوں کے درمیان آ کے پوچھا۔

”چلے گی بلکہ دوڑے گی۔“ جمنی نے مسکرا کے ٹرے سے چائے کاگ اٹھایا، وہ دونوں زینے کی سائیڈ پر بنے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں تھے جبکہ بڑے لوگ ڈرائنگ روم میں تھے۔

منتہی نے جمنی کو حسب معمول بلیک ٹراؤزر پر شرٹ اور اسکارف میں دیکھا، شولڈر کٹ اسٹائل سے کٹے ہوئے بال منتہی کو ہمیشہ اچھے لگتے تھے۔

”جمنی! تمہارے بال بہت خوبصورت لگتے ہیں دل کرتا ہے میں بھی ایسے ہی کٹوا لوں۔“ اس نے حسرت سے سوچ کے کہا۔

”خبردار اگر بالوں کو کٹوانے کا سوچا بھی ضروری ہے جو جمنی پر اچھا لگ رہا ہے وہ تم پر بھی لگے۔“ حمود گرم گرم چائے کا گھونٹ اندر تیزی سے اتار کے گویا ہوا۔

”ارے حمود! اس کے بھی پیارے لگیں گے۔“

”یار جمنی! تمہیں نہیں پتہ اسے قابو کرنے کا یہ تھپتھپا میرے بہت کام آتا ہے اس کے لمبے بال۔“ وہ روانی میں ہی بے ساختہ بول گیا۔

”واؤ..... تم اتنے رومینک ہو۔“ جمنی تو سن کے ہی ایکسائیٹ ہو گئی، وہ بھی تو یہی چاہتی تھی حمود اس سے رومینک لہجے میں بات کرے، وہ کچھ چپ سی ہو گئی پھر اتنی جلدی تو وہ نہیں بھلا سکتی تھی وہ سب۔

”کیا ہوا جمنی.....؟“ حمود نے چٹکی بجا کے اسے سوچ سے نکالا۔

”آں ہاں..... کچھ نہیں۔“ پھٹکی سی ہنسی ہنس کے رہ گئی۔

حمود اور منتہی اس کی کیفیت سمجھ رہے تھے، وہ ابھی تک اسی سحر میں تھی، لاکھ اس کے سامنے خوشدلی کا مظاہرہ کر رہی تھی مگر اندر اس کے ملال دکھ اور کھونے کا غم موجود تھا، دنوں نے پھر ملکی پھٹکی سی ہی گفتگو کی تھی، منتہی کا فون آ گیا تھا تہذیب اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی وہ اٹھ کر چلی گئی تھی، گیارہ بجے تک پھر وہ لوگ چلے گئے تھے۔

☆.....

”شامین بھابی! کیا مجھے ان سے بات کرنا ضروری ہوگا؟“ فکرمند لہجے میں اس نے معصومیت سے اس سے پوچھا، شادی کی شاپنگ وہ شامین اور علینہ کے ساتھ کر رہی تھی، امی اور آنی ساتھ جاتی تھیں شاپنگ کے لئے کبھی کبھی ان کے بھی چلی جاتی تھی۔

”اچھا ہے کر لو تو بہتر ہے تمہیں پتہ ہے ان مردوں کو ہم بیویوں سے ورنہ ہر بات پر شکایت ہی رہتی ہے کبھی بھی انور کر دو تو۔“ شامین نے اپنا تجربہ بتایا، احد بھی ایسا ہی تھا اگر غصہ آ گیا یا ناراض ہو گیا شامین کو رُلا دیتا تھا جبکہ وہ کافی ہنس کھ جولی تھا مگر بیوی کے معاملے میں وہ کچھ الگ مزاج کا تھا۔

”ان سے تو بات کرنا مشکل ہی ہوگی جبکہ ان بیس دنوں میں تو تیاریاں بھی کرنی ہیں۔“ اسے خاصی فکر تھی اس نے شامین کو یہ سب نہیں بتایا تھا کہ محریب نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ رخصتی چاہتا نہیں ہے اسے روکنے کو بھی کہا ہے، ایک تو پورا خاندان اتنے عرصے بعد جمع ہوا تھا وہ ایسی بات سے سب کچھ بکھیر نہیں سکتی تھی اسے بالائی بالا خود ہی سب کچھ سنبھالنا ہوگا۔

”تائی جان سے ملنے تو جاؤ گی کسی دن، جب بات کر لینا۔“ شامین نے اسے سمجھایا۔ وہ سر ہلا کے رہ گئی، گہری سچ میں ڈوبی ہوئی تھی محریب کے مزاج کو وہ اب تک سمجھ ہی نہیں پائی تھی، وہ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ کیوں ہو

جاتا ہے، گزشتہ دنوں کتنا اچھا سب کچھ لگ رہا تھا اچانک سے تلخ اور کڑوی باتیں شروع کر دی تھیں۔
”احد بتا رہے تھے محریب بھائی بہت خوش ہیں۔“

”اونہ میرا خون جلا کے خوش کیسے ہو سکتے ہیں۔“ وہ لب پکل کے پھر خیالوں میں ہی رہی۔

”ارے عنائبہ! میں تم سے بات کر رہی ہوں، لگتا ہے محریب بھائی کے خیالوں میں ہو۔“ شامین نے اس کے بازو پر ہاتھ مارا۔

”آں ہاں..... وہ نہیں تو۔“ جھل ہو کر جھینپ گئی۔

بیڈ پر وہ لیٹی تھی پورا دن شاپنگ میں گزارا تھا صرف ضرورت کی ہی چیزیں لینی تھیں جب اتنی دیر لگی تھی۔
”کیا سوچ رہی ہو؟“

”یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے اب گھر جانا ہے آٹھ بج گئے ہیں۔“ اسے وقت گزرنے کا خیال آیا، جلدی جلدی سارے شاپرز جمع کیے، کاسنی آٹھ بج کو شانوں پر سمیٹا، سارے شاپرز وہ شامین کے بیڈ روم میں ہی لے آئی تھی۔
”ارے..... آج رک جاؤ گی تو کیا ہو جائے گا۔“ شامین کو اس کی اتنی جلدی پسند نہیں آئی جس نے فوراً ہی جانے کا قصد بھی کر لیا تھا۔

”بھابی! گھر میں بھی کافی کام ہیں۔“ اس نے عذر پیش کیا۔

”عنائبہ! بیٹا رک جاؤ آج۔“ حسہ پھپھو بھی چلی آئی تھیں وہ سارے شاپر باہر ہال کمرے میں لے آئی تھی۔

”پھپھو! امی کو شاید رات کو آنی کی طرف جانا ہے اس لئے مجھے جانا ہوگا۔“ وہ ان کی محبت پر مسکرا کے انہیں منع کرنے لگی۔

”احد بھائی تو ہیں ناں ان سے بولنے مجھے پلیز جلدی سے ڈراپ کر دوں۔“

”احد ریان کو باہر لے کے نکالتا تھا ریان کی بھی فضول کی ضدیں ہونے لگی ہیں۔“ حسہ پھپھو نے بتایا۔

”طبیعت خراب ہوتی ہے تو زیادہ تنگ کرتا ہے۔“ شامین بولی۔

”علینہ! تم ساتھ چلو گھر، وشہ ہوتی تو مجھے اس کی کمی فیل نہیں ہوگی۔“

”میں اپنی تیاریاں پوری کر لوں اس بار ہمارے خاندان میں تین شادیاں ہیں اتنے کپڑے بنانے ہیں شاپنگ پوری کر لوں آپ کے گھر میں رہنے آؤں گی سارے فنکشن آپ کی طرف سے اٹینڈ کروں گی۔“ علینہ بھی بہت زیادہ ایکسائیٹڈ تھی۔

”تمہاری باری بھی آنے ہی والی ہے جلد۔“ عنائبہ نے شرارت سے اس کے رخسار پر تھپکی دی، علینہ جھینپ گئی۔

اس کے بھی رشتے کی بات حسہ پھپھو کی سسرال میں ہی چل رہی تھی ابھی باقاعدہ جواب نہیں دیا تھا۔ اتنے میں

احد آ گیا تو وہ ان سب سے اجازت لے کر چلی گئی تھی ذہن اس کا محریب کو ہی سوچ رہا تھا۔ گھر آ کر بھی بے چین رہی، سارے کاموں سے فارغ ہو کر معارج سے اس کا سیل مانگا، اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر اس وقت مجبوری تھی۔

کمرے میں آ کر وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی دھڑکتے دل سے محریب کا نمبر ملایا، سوا گیا رہ بج رہے تھے اسے اندازہ تو تھا وہ اپنے روم میں ہی ہوگا۔

”مم..... میں عنائبہ۔“ ڈرتے کانپتے لہجے میں وہ گویا ہوئی۔

”تم..... خیریت؟“ محریب کی گمبھرا آواز میں کچھ ناگواری چھلکی۔

”مم..... مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ آج تو آواز بھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

رداؤ انجسٹ [46] جون 2011ء

”ہوں..... بولو۔“ وہ ہمت تن گوش ہو گیا۔

”سیل پر نہیں آپ سے مل کے بات کرنی ہے۔“ ڈھیروں خون چہرے پر شرم و حیا سے جمع ہو گیا تھا۔

”ایسی کیا بات ہے جو مل کے کرنی ہے، تم کال کٹ کرو میں کرتا ہوں۔“ اس نے عادت کے مطابق کہا، وہ معارج کے سیل سے کر رہی تھی جانتا تھا خود کال کرنا مناسب سمجھتا تھا اسی لئے کال کٹ کے دوبارہ خود کرتا تھا۔

”میں نے جو بات بولی تھی اس پر عمل کب ہوگا۔“ کال ریسیو ہوتے ہی چھوٹے ہی بولا۔

”مجھے اسی سلسلے میں بات کرنی ہے۔“ وہ اس کے تیز لہجے سے ڈر رہی تھی۔

”اب کچھ بچا ہی نہیں ہے کہ تم بات کرو پھر تم جانتی ہو زبردستی کے رشتے کبھی پائیدار نہیں رہتے ہیں۔“

”پلیز آپ مجھے اپنی صفائی میں بولنے کا موقع تو دیں، پھر جو آپ کو کہنا ہو کہہ دیجیے گا، مجھ پر رحم کریں۔“ وہ روبانسی ہونے لگی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا محریب کو کیسے کہے، شرم و حجاب، جھجک اسے بولنے سے روک دیتا تھا مگر اس نے ابھی بھی کچھ نہیں کہا تو وہ ساری زندگی بچھتاؤں میں رہے گی جو اس کے اپنے اتنے خوش نظر آ رہے تھے ان کی خوشیاں کہیں ایک بار پھر معدوم نہ پڑ جائیں۔

”ٹھیک ہے بولنے کا موقع دیتا ہوں جو بھی صفائی میں کہنا چاہتی ہوں مگر میرا فیصلہ اٹل ہے۔“ وہ قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔ وہ جتنی بے گانگی سرد مہری اور بے نیازی برت سکتا تھا برت رہا تھا۔ باری اب عنائبہ کی تھی وہ کیسے اپنی محبت کا چاہت کا احساس دلاتی ہے وہ تو اپنے ہر عمل سے ثابت کرتا رہا تھا۔
”کل میں تمہیں لینے آؤں گا۔“

”کتنے بجے؟“ دور سے اس کی آواز ابھری۔

”پانچ بجے آفس سے میں نکلتا ہوں واپسی میں تمہیں پک کر لوں گا مگر جلدی کرنا، مجھے حمود سے ملنے بھی جانا ہے وہ منتہی بھابی کو لے کے کوئٹہ جا رہا ہے۔“ اس نے ساتھ ہی اپنا پروگرام بھی بتایا۔

”جج..... جی اچھا میں تیار ہوں گی۔“ وہ جلدی سے بولی۔ یہ کہتے ہی لائن وہ کٹ کر چکا تھا، عنائبہ نے افسردہ اور رنجور ہو کر آنکھیں بند کی تھیں، وہ بہت تھک گئی تھی اس طرح کے حالات سے وہ اب کچھ دیر سستانا چاہتی تھی اسے ماں کی محبت ملی تو مجازی خدا اس سے روٹھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کچھ تو ہمت کرنی تھی ایک کوشش کر لینے میں حرج تو نہیں ہے پھر اگر جذبے صادق ہوں تو منزل آسانی سے مل جایا کرتی ہے مگر اس لمحے اتنی گھبراہٹ بھی ہونے لگی تھی کبھی سوچا ہی نہیں کہ کسی لڑکی سے یوں بھی اظہار کرنا پڑے گا اور لڑکی بھی وہ تھی جسے اعتبار دلانا یقین دلانا بہت مشکل تھا۔

آج وہ بھی آفس سے جلدی آ گیا تھا، حمود کوئٹہ جانے کی تیاریوں میں لگا تھا، منتہی کو شاپنگ پر لے جانا تھا۔ ہاتھ لے کے ڈارک گرے پیٹ پر پنک چیک کی شرٹ میں ملبوس آئی گلاسز میں ڈینٹ لگ رہا تھا، تیزی سے زینہ اتر اطراف میں نگاہ دوڑائی سب ہی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے مبینہ آئی کوٹائی امی نے بلایا ہوا تھا حکمت بھی ان کے ساتھ تھی۔

”چل فائق! یہ معرکہ بھی آج انجام دے ہی لے، کسی لڑکی کو اپنی چاہت کا یقین دے ہی دے۔“ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا وہ کوریڈور عبور کر گیا، پورچ میں کچھ لمحوں کے لئے رک گیا۔

”اس سر پھری کی وجہ سے جھوٹ بھی بولنا ہوگا، ایک بار تم مان جاؤ بعد میں تمہیں ٹھیک کروں گا۔“ دروازے پر پہنچ

رداؤ انجسٹ [47] جون 2011ء

کرناک کیا پسینہ بھی آنے لگا شام کا وقت تھا لان میں ہوا بہت اچھی چل رہی تھی۔

”کون ہے؟“ تہذیب کی تیز آواز آئی۔

”کھولنے“ آواز کو نرم بنانے کے بولا تھا۔

ٹھک سے دروازہ کھلا وہ دشمن جاں پہنچ کر کاشن کے پلین کپڑوں پر پرینڈ دوپٹہ شانوں پر ڈالے اس کے سامنے تھی وہ حیران رہ گئی۔

”وہ تمہیں مبینہ آئی بلاری ہیں۔“ فائق کو اس وقت جھوٹ بولنا سخت گراں گزر رہا تھا جبکہ جھوٹ بولنے والا شخص تو اسے ویسے ہی برا لگتا تھا۔

”امی مجھے مگر وہ تو زہت آئی کے پاس کام سے گئی ہیں۔“ وہ خود ہی ہمسکام ہوئی۔

”پتہ نہیں مجھ سے کہا تھا تاہی امی نے تمہیں بلا دوں۔“ وہ مڑ گیا تاثر ایسا دیا وہ واقعی اسے بلانے آیا تھا مگر آگے جا کر وہ سائیڈ پر ہو گیا اسے پتہ تھا وہ ضرور گھر سے نکلے گی۔

تہذیب غلٹ میں تیزی سے نکلی حمزہ اندر تھا اس نے لاک لگا لیا دوپٹہ قرینے سے سر پر بجایا ابھی اس کے قدم پورچ تک گئے تھے فائق کے مضبوط ہاتھ نے اس کا بازو پکڑ لیا وہ اچھل گئی اسے دیکھ کر اس کے تو آگ ہی لگ گئی۔

”کیا حرکت ہے؟ بازو چھوڑیے۔“ وہ چیخی مگر فائق پر اس کے برہم ہونے کا ذرا اثر نہیں ہو رہا تھا وہ تیز تیز چلتا پیچھے کی طرف آ گیا جہاں چوکیدار کی چار پائی پڑی ہوئی تھی ایک دن اسی طرح ایسے ہی تو انیکسی کے پیچھے لے گیا تھا۔

”میں کہتی ہوں چھوڑیے۔“ وہ جھٹکے سے ہاتھ چھڑانے لگی۔ فائق نے دیوار کے ساتھ لگا کے اس کا بازو چھوڑا اور اپنے دونوں ہاتھ نکال کے اس کے جانے کے راستے مسدود کر دیئے نگاہوں میں پیار وار فلی والہانہ پن لئے تہذیب کے سر اپنے کو دیکھنے لگا غصہ میں بھی وہ ہمیشہ اسے پیاری ہی لگتی تھی وہ مسکرایا۔

”کیا بد تمیزی ہے۔“ اسے فائق کی نگاہوں سے ابھرنے لگی اس دن کے وہ لمحات ایک ایک کر کے ذہن کی اسکرین پر آنے لگے۔

”پھر میری بے بسی سے فائدہ اٹھانے کا موقع تلاش کر رہے ہیں۔“ زہر میں بجھا طنز یہ تیرا چھالا۔

”شٹ اپ۔“ اس نے غراتی آواز میں ڈانٹ کے کہا۔ تہذیب اس کے حصار سے نکلنے کے لئے دانت پیس رہی تھی مگر فائق کے ارادے ایسے نہیں تھے کہ وہ آج اسے یوں ہی جانے دے۔

”تہذیب! کیا ہم اچھے موڈ میں بات نہیں کر سکتے۔“ ایک دم ہی وہ دھیمپا پڑ گیا تہذیب نے چونک کر اس کے لہجے پر غور کیا اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ بہت تھکا ہوا پریشان سا لگ رہا تھا کل تک وہ اسے چڑا کے محظوظ ہوتا تھا مگر آج انداز میں وہ خوشی طمانیت نظر نہیں آ رہی تھی۔

”اچھے موڈ میں بات کرنے کے لئے اب بچا ہی کیا ہے۔“ اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا افسردہ غمگین تھا اس کے ساتھ کی اس نے کتنی دعائیں کی تھیں مگر یوں اچانک سے اسے وہ ملنے والا تھا وہ خوشی وہ احساس کیوں نہیں تھا جانے کیوں دل کو ملال یہ ضرور تھا کاش وہ فائق کی بات مان لیتی اور وہ اپنی جاب چھوڑ دیتی مگر وہ ضد میں کرتی جا رہی تھی۔

”پلیز تہذیب! مجھے اپنی ہی نظروں میں نہیں گراؤ روز رات کو خیمہ کی عدالت میں کھڑا ہوتا ہوں۔“ اس نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار سے ہٹائے چہرہ اس کا اور افسردہ ہو گیا۔

”تہذیب! خدا گواہ ہے میں تمہارے پاس غلط نیت سے نہیں بڑھا تھا یہ میری محبت تھی کسی دوسرے شخص کو میں کیسے برداشت کرتا تھا تمہارے ساتھ وہ سب کرتا۔“ وہ دور آسمان پر دیکھتے ہوئے بولا۔

”اور میں بندھنا ہی پڑا۔“

”آپ کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟“ وہ پھر انجان بن کے پوچھنے لگی۔

”تہذیب! یہ کہنا چاہتا ہوں تم اگر مجھے نہیں ملیں تو میں ساری زندگی بے چین رہوں گا۔“ رنجور اور غمزدہ آواز میں بولا۔

”آپ کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟“ وہ پھر انجان بن کے پوچھنے لگی۔

”تہذیب! یہ کہنا چاہتا ہوں تم اگر مجھے نہیں ملیں تو میں ساری زندگی بے چین رہوں گا۔“ رنجور اور غمزدہ آواز میں بولا۔

تہذیب اس کے بولنے پر متحیر زدہ سی رہ گئی آج وہ کس انداز میں بول رہا تھا اتنی ندامت بھی چھلک رہی تھی لہجے میں سچائیاں گندھی تھیں۔

”میں اگر تمہیں کچھ کہتا تھا چڑاتا تھا صرف تمہارا غصہ دیکھنے کی وجہ سے کیونکہ تم نے میرا دل آہستہ آہستہ اپنے قبضے میں لے لیا تھا میں جتنا تمہارے حصار سے نکلنے کی کوشش کرتا تھا تم میرے سامنے نئے نئے روپ میں آ جاتی تھیں۔“

وہ اپنے دل کی ساری باتیں کتنے سادہ لہجے اور الفاظ میں عیاں کر رہا تھا وہ حیرت زدہ سی بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔

”میں بہت عام سا بندہ ہوں تہذیب! مجھے وہ الفاظ ہی بولنے نہیں آتے کہ تمہیں اپنی محبت کے جذبات واضح کروں مگر اتنا کہوں گا تمہیں دل کی گہرائیوں سے شروع سے چاہتا ہوں اس بھیا نک حادثے کے بعد سے جس نے تمہیں مجھ سے اور بدظن کر دیا۔“

”آپ کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟“ وہ پھر انجان بن کے پوچھنے لگی۔

”تہذیب! یہ کہنا چاہتا ہوں تم اگر مجھے نہیں ملیں تو میں ساری زندگی بے چین رہوں گا۔“ رنجور اور غمزدہ آواز میں بولا۔

چڑیوں کا غول اچانک سے آسمان پر شور مچا رہا تھا جیسے انہیں کوئی خوشی مل گئی ہو یا ان کا کوئی بچھڑا ہوا ساتھی مل گیا ہو۔ تہذیب نے آسمان پر نگاہ کی۔

”مجھے ایسا لگتا ہے آپ کا دل راضی نہیں ہے آپ پھر بھی ایک ایسی لڑکی سے شادی کریں گے جسے معاشرہ قبول نہیں کرتا۔“

”تہذیب پلیز! ایسی بات نہیں کرو مجھے اور احساس ہوتا ہے اپنی غلطی کا۔“ وہ تڑپ کے اس کے قریب آ گیا۔

”کاش آپ نے مجھے مرجانے دیا ہوتا۔“

”اگر تمہیں مرجانے دیتا تو میں جی کر کیا کرتا۔“ تہذیب کے نرم پڑنے پر وہ خوش سا ہو گیا۔

”مجھے معاف کب کرو گی بہت تڑپ رہا ہوں صرف تمہاری وجہ سے۔“ بالکل انداز میں حسرت اور شدت بھی پہنا رہی تھی۔

”میں آپ کے قابل نہیں ہوں آپ کے سب گھر والے مجھے تو اسی نگاہ سے دیکھیں گے میں داغ دار لڑکی ہوں۔“ اس کی آواز بھگ گئی۔

”خبردار تہذیب! اگر تم نے خود کو اٹے سیدھے الفاظ سے منسوب کیا سب گھر والے میرے ایسے نہیں ہیں سب کی تم پسندیدہ ہو۔“ اس نے نرم نرم ہاتھوں کو محبت کی گرمی سے تھاما۔

”تمہارا دل صاف ہوا یا نہیں۔“ قدرے توقف کے بعد پھر پوچھا۔ تہذیب نے سر ہلایا وہ تو خود اس کے دل کا مکین تھا انجانے میں اسے دعاؤں میں مانگا کرتی تھی مگر فائق کی سپاٹ طبیعت کی وجہ سے اس کا دل اداس ہو جاتا تھا۔

”شکر ہے مالک کا تم قابو تو آئیں ورنہ تم نے ناک سے لکیریں نکلوانے کا سوچ لیا تھا۔“ وہ شوخی سے مسکرا کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولا۔

”آپ اتنے روکھے پیکے کیوں تھے میری اتنی بے عزتی کیوں کرتے تھے یاد ہے آپ نے میرے ساتھ ماٹز بھائی کی شادی والے دن کیا کیا تھا۔“ اس نے یاد دلایا۔ فائق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ وہ شکوے شکایت کرتی کتنی متناف اور اپنی اپنی لگی تھی۔

”روکھا پیکھا اس لئے تھا کہ میں کسی لڑکی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا مگر تم نے ایسے ڈورے ڈالے مجھے محبت کی اور میں بندھنا ہی پڑا۔“

”کیا..... میں نے.....؟“ وہ پھر اپنے سابقہ رویے میں آگئی جب فائق اسے چڑاتا تھا تنگ کرتا تھا وہ ایسے ہی برہم ہوتی تھی۔

”تم فکر نہیں کرو اپنی شادی والے دن تمہارے ساتھ بہت خوبصورت اور پیارا سلوک کروں گا۔“ معنی خیزی اور شوخی سے بولتے ہوئے تہذیب کے سرخ پڑتے رخساروں کو بغور دیکھنے لگا۔

”کس کی شادی؟“ وہ انجان بننے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔

”میری تمہیں بلارہا ہوں آجانا یاد سے۔“ وہ پھر شوخ ہوا۔

”سوچوں گی۔“ اس نے بھی چڑانے کے لئے کہا۔

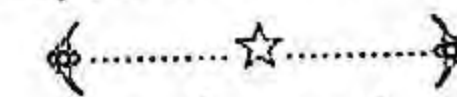
”تمہاری ایسی کی تیسری کرنے میں دیر نہیں کروں گا ایک جھنکا پہلے ہی دے چکا ہوں۔“ وہ آنکھوں میں شرارت لئے اس کے قریب آیا۔

”ایسے ہی اب کے آپ کی چلتے تھوڑی دوں گی۔“ وہ انگوٹھا دکھاتی ہوئی بھاگنے لگی تھی فائق اس کے پیچھے دوڑا تھا مگر وہ اتنی خوش خوشی یہاں سے گئی تھی فائق سرشار ہو گیا تھا اس کے دماغ سے بھی یہ بوجھ سرک گیا تھا۔

”ٹھیک کہا تھا ناں میں نے“ لڑکیوں کو بس پیار کی زبان سے رام کرو تو فوراً جھولی میں گر جاتی ہیں۔“ مائزانیکی کے پیچھے کہیں چھپا ہوا تھا۔ فائق تو گڑبڑا گیا حیرت زدہ سا اس کے ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھنے لگا پتہ نہیں کب وہ وہاں آ کے چھپ گیا تھا۔

”سرکار! میں بھی پکا جاسوس ہوں موقع واردات پر پکڑ لیا۔ ویسے یار! ڈائلاگ زیادہ ہی رومینک تھے۔“ وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ فائق چل سا جڑ سا اسے گھورنے لگا مکافضائیں تان لیا تھا۔

”خاصے خبیث آدمی ہو۔“ وہ کھسیا سا گیا تھا۔ مائز کے فلک شگاف قبضہ نے اسے اور پزل کر دیا وہاں سے نکل گیا۔



اس نے گھر میں صرف یہی کہا دادی جان نے بلایا ہے تاکہ عنانہ عذر پیش کرنے سے بچ جائے۔ سمیرا بیگم نے حریب کی خاطر تواضع میں کوئی کی نہیں کی تھی اسے دیکھ کر وہ بھرپور خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔

”اماں جی کی طبیعت ٹھیک تو ہے۔“ لہجہ میں بھی فکر مندی چھلکی جب سے اماں جی سے انہوں نے معافی تلافی کی تھی وہ اور بھی سرتاپا بدل گئی تھیں۔

”مجھے کہا کہ عنانہ کو لے آ میرا دیکھنے کا دل کر رہا ہے۔“ عنانہ اور نچ اور شانگل پٹک کنٹرا سٹ سوٹ میں شرمائی سی آگئی۔ حریب اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا نگاہوں کا تصادم بھی ہوا مگر سرسری سا۔

”سمیرا چچی! اجازت ہے رات تک آجائے گی عنانہ۔“ وہ جاتے جاتے پلٹ کے بولا۔

”ارے حریب بیٹا! شرمندہ تو نہیں کرو تمہاری بیوی ہے اور تمہارے ساتھ جا رہی ہے کوئی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ اسے ٹوکے لگیں۔

وہ دونوں نکل گئے تھے عنانہ کے قدم ایسا لگ رہا تھا من من بھر کے ہو رہے ہیں۔ فرنٹ ڈور کھول کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا بلیک ڈریس پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں وجہہ و شکل لگ رہا تھا۔ لمبا چوڑا گریس فل سو بر سا حریب ہمیشہ اس کی دل کی دھڑکنوں کو چھیڑ دیتا تھا۔ گاڑی میں مکمل خاموشی تھی وہ بڑی مستعدی سے ونڈ اسکرین سے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ لب دونوں کے سلسے ہوئے تھے خاموشی کو ابھی تک بھی عنانہ نے نہیں توڑا تھا۔ الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے ترتیب کیا دے بات کہاں سے شروع کرے کہ حریب کو اس پر اعتبار آ جائے۔

”کیا سوچ رہی ہو تم.....؟“ حریب نے اسے اس قدر خاموش دیکھ کر دریافت کیا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ چونک کے سرنگی میں بلا دیا۔

”یقین کر لوں تم کچھ نہیں سوچ رہی ہو۔“ حریب کا سرسری انداز مسکراتا ہوا تھا۔

”ہوں۔“ اس نے سر اثبات میں بلا دیا۔

”میرے خیال میں آپ سوچ رہے ہیں۔“ عنانہ نے بھرپور اعتماد سے دیکھا تھا اور انسا سوال کر ڈالا۔

”تمہیں کیسے لگا میں سوچ رہا ہوں۔“ انداز میں کسی قدر شگفتگی بھی تھی وہ اس کے بدلتے موڈ پر حیران رہ گئی۔

”اچھا کتنا جانتی ہو مجھے یا جان گئی ہو۔“ اس نے پوچھا۔

عنانہ کے دل کو جیسے اس کی اس بات نے چھو، نگاہ اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی۔

”کیا ہوا اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مجھے کوئی خاص بات کرنی تھی شاید تمہیں۔“ حریب نے اس کے دیکھے پر پھر دریافت کیا تھا وہ بھی اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتی ہوئی بولی۔

”آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں کیوں میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں؟“ آنکھوں کا زاویہ اس نے ونڈ اسکرین پر جمادیا۔

”کیسا سلوک جبکہ میں بالکل خوشگوار موڈ کے ساتھ تمہیں تمہارے کہنے پر لایا ہوں تمہیں تو مجھ سے بات کرنی تھی انسا تو مجھ پر الزام ہوا محترمہ۔“ گاڑی جھٹکے سے سی ویو کے سامنے روکی جھاگ اڑاتا سمندر دور سے نظر آ رہا تھا شام کی ہلکی سی سیلابی پھیل گئی تھی لوگوں کا ایک جم غفیر وہاں موجود تھا سیڑ ڈے ہونے کی وجہ سے لوگ لگتا تھا زیادہ تر یہیں آتے ہیں۔

”آپ مجھ سے ایسے بدلے لیں گے جو کچھ گزشتہ عرصے میں ہو چکا ہے صرف مجبوری اور حالات کی وجہ سے ہوا ہے آپ کیا سمجھتے تھے میں کیا جذبات نہیں رکھتی تھی یا میرا دل نہیں تھا ایک لڑکی کو اس طرح اگر مجبوری میں زندگی کے پل گزارنے پڑیں جبکہ نہ ماں خوش نہ مجازی خدا خوش سوچنے وہ چین سے رہ سکتی ہے میں روز روتی تھی مرنی تھی جیتی تھی مگر کسی سے کچھ نہیں کہتی تھی۔“ آہستہ لہجے میں وہ بول رہی تھی۔ حریب کو اس کی صورت پر ترس آنے لگا پیار آنے لگا وہ بولتی ہوئی اتنی معتبر لگ رہی تھی کہ وہ خواب کی سی کیفیت میں آ گیا۔

”میرا قصور صرف اتنا ہی تھا میں اپنی امی کو چاہتی تھی کہ وہ اپنا رویہ سب سے درست کر لیں وہ یہاں کسی سے خوش نہیں اور میں رخصت ہو کر چل دیتی سوچنے اگر میں یہ سب کرنی تو خاندان میں دوریاں اور بڑھ جاتیں کوئی کسی کی صورت تک نہیں دیکھتا۔“ دل اس کا بہت بھرا آیا تھا۔

”روز امی اور ابو کی لڑائی ہوتی میرا مسئلہ بنایا جاتا میرے دل پر اس وقت جو گزرتی تھی میں ہی جانتی تھی میں نے تو کسی کو غصہ نہیں دکھایا کسی سے شکوہ نہیں کیا میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔“ آواز بھینگنے لگی حریب سے آگے سننے کی تاب نہیں تھی اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا تھا۔

”خوشی کے دن آئے سب مل گئے تو آپ کہہ رہے ہیں کہ رخصتی رکودوں آخر آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں میں انسان ہوں میری سوچیں نہیں ہیں۔“ ہاتھ کھینچ لئے اور آنسو صاف کئے۔

”سوچا تھا جب بھی آپ سے ملوں گی آپ کی تشنگی بھی مٹا دوں گی۔“

”عنانہ! سوری میں شاید زیادہ ہی تمہارے ساتھ برا کرنے لگا تھا۔“ وہ شرمندگی سے بولا۔ عنانہ لب کچل رہی

تھی۔ اے سی کی کولنگ میں اس کے احساس بھی لگ رہا تھا جم رہے تھے۔
 ”میں صرف تم سے اظہار چاہ رہا تھا تنگ کر رہا تھا۔“

”میں آپ کا غصہ سب سمجھ رہی تھی آپ اس غلط فہمی کا شکار تھے میں آپ کو انور کرتی ہوں سارے زمانے کی پرواہ کرتی ہوں صرف آپ کی نہیں کرتی۔“ اس کی ایک ایک سوچ کا پہلو اس پر واضح کیا۔ وہ جزبہ سا ہو گیا خفت اور خجالت سے لب دانتوں تلے دبایا۔

”اور کتنا شرمندہ کرو گی یار! بندہ یہاں مرنے کے قریب ہو گیا ہے۔“ اس نے لب کھولے۔
 ”مجھے آپ مردوں کی کبھی سمجھ نہیں آتی ہے عورت سے چاہتے ہیں وہ اظہار کرتی رہے اپنی محبت کے پھول

نچھاور کرتی رہے ہر وقت ہاتھوں میں چاہت سمو کے آپ کو دیکھتی رہے جہاں کسی وجہ سے انور کر دیا طعنے مار مار کے زندگی دو بھر کر دیتے ہیں۔“ اسے محریب پر بھی اب غصہ آنے لگا اس نے بھی تو بہت سی جگہوں پر انور کیا تھا کتنے سخت مرحلوں میں اسے ڈال دیا تھا نکاح کے بعد اس کا موڈ ہی کب ٹھیک تھا۔

”کیا کریں ہم مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ وہ شرارت میں اس کی بات اڑانے لگا۔ عنائے کی خفگی بھری نگاہیں اس پر اٹھی تھیں کیوں جب اس کے گلے شکوے کرنے کی باری آئی تو وہ بات کو کہیں سے کہیں اڑانے لگا۔

”بولو..... گزارہ کرو گی اس چھٹ سے اونچے لیے مرد کے ساتھ۔“ وہ شرارتی لہجے میں بولتا ہوا بہت اچھا لگ رہا تھا۔
 ”آپ نے بھی میرے ساتھ بہت غلط کیا ہے آپ کا منہ کب سیدھا رہتا تھا نکاح کے بعد تو آپ لال بھبھو کا رہنے لگے تھے۔“

”اچھا اچھا بس ساری شکایتیں ایک طرف اب کچھ دوسری قسم کی باتیں ہو جائیں۔“ وہ سیٹ سے ٹیک لگا کے مخمور لہجے میں گویا ہوا عنائے نے حیا سے نگاہ پھر جھکا لی۔

”محریب نے بڑے پریم سے محبت و پیار سے اس کا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا نرم نرم ہاتھ کی انگلیوں کو وہ دبائے لگا۔
 ”گھر چلے کافی دیر ہو گئی ہے۔“ وہ گرمی شوق سے گھبرا کے بولی۔

محریب کی نگاہوں میں جو جذبے تھے روشنی تھی وہ اس کے حواس خراب کرنے کے لئے کافی تھے اتنا ریزرور ہنے والا شخص اتنے شوخ لب و لہجہ میں اسے خوشی بھی ہو رہی تھی اور یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔

آج اس کی دل کی چاہت جو تھی سب مل گئی تھی۔ بچپن سے صرف یہی چاہت تھی کہ چاہت رہے رشتوں میں دلوں میں جذباتوں میں۔

”اتنی دیر بھی نہیں ہوئی ہے۔“ وہ جانے کے موڈ میں ہی نہیں لگ رہا تھا۔
 ”پلیز.....“ لہجہ میں التجا تھی۔

”چپ کر کے بیٹھی رہو۔“ پیار بھری ڈانٹ پلائی۔
 ”ہم سے اچھا ہمارا مائز نکلا اس نے ہمارا نکاح کروادیا ورنہ مجھے تو ڈر تھا تم اپنی امی کی محبت اور کہنے میں کہیں اور

شادی کر کے چلتی بیتی۔“ اس نے اسکی ناک پر شہادت کی انگلی ماری۔
 ”شاید۔“ سر جھکا کے اسی قدر کہا۔

”اگر ایسا کرتی تو عین شادی کے وقت اٹھالیتا۔“
 ”اچھا اتنی ہمت تھی۔“ عنائے نے مسکرا کے تسخر اڑایا۔

”ہاں۔“ وہ ہنسا۔

رداؤ انجسٹ [52] جون 2011ء

دونوں ایک ساتھ ہنسنے لگے زندگی کتنی حسین ہو گئی تھی ہر طرف ایسا لگ رہا تھا خوشیاں پھوٹی پڑ رہی ہوں تھیں روشن ہوں۔

”اس دن مائز کہہ رہا تھا اس کے بچوں سے لوگ ہمارے بچوں کا موازنہ کریں گے بڑے کے چھوٹے بچے اور چھوٹے کا بڑا بچہ۔“

عنائے کی ہنسی کو بریک لگ گیا محریب کی بے باک باتیں اسے نروس کر رہی تھیں۔ دونوں میں کب اتنی بے تکلفی رہی تھی جو وہ آج اتنا شوخ ہو رہا تھا۔

”آپ کو ذرا شرم نہیں آتی؟“
 ”نہیں بالکل بھی نہیں گوروں کے دیس میں پانچ سال گزارے ہیں کچھ تو بے شرم ہوں گا ہی۔“ اس نے گاڑی اشارت کر دی۔

”مجھے نہیں پتہ تھا آپ ایسے ہوں گے۔“ لہجہ سنجیدہ بنالیا۔

”آج سے پندرہ دن بعد مکمل دیکھنا کیسا ہوں۔“ پھر شوخ معنی خیز فقرہ اچھالا اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔
 ”اب تو آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے ناں؟“ اس نے پھر معصومیت سے دل کی تسلی کیلئے پوچھا۔

”نہیں بالکل نہیں مجھے آج تم پر اتنا پیار آ رہا ہے کہ بس خود کو کنٹرول کیا ہوا ہے۔“ وہ اس کے رخسار پر انگلی رکھ کے گویا ہوا۔ عنائے کے دل کو طمانیت مل گئی اس کا مجازی خدا اس سے راضی ہو گیا تھا۔

”ایک بات کہوں؟“ گاڑی پھر رُکی۔ وہ چونک گئی وہ سنجیدہ جو ہو گیا تھا کچھ لمحوں پہلے کی شوخی معدوم تھی وہ پھر گھبرا گئی۔

”مجھے کبھی بھی انور نہیں کرنا جو بھی تمہیں برا بھلا ہے جو کچھ بھی شکایت ہے مجھ سے ڈائریکٹ کہنا مجھے وہ بیویاں بہت بری لگتی ہیں جو اپنے شوہروں کی برائیاں محفل میں کرتی نظر آتی ہیں اور کبھی بھی اپنی پرسنل لائف کی میاں ویوی کی کسی قسم کی کوئی بات بھی تم کسی سے بھی شیئر نہیں کرو گی۔“ وہ اس پر اپنی سوچ واضح کرنے لگا۔

”اگر تم دوست بن کے میرے ساتھ رہو گی میں بھی تمہارے ساتھ بہت محبت سے پیش آؤں گا۔“
 ”بے فکر رہئے آئندہ لائف میں آپ کو مجھ سے کسی قسم کی شکایت نہیں ہو گی میں بھی آپ کی تمام باتوں پر عمل کروں گی۔“ اس نے ایک جذب سے کہہ کر یقین دلایا۔

”دیکھنا ہم دونوں مثالی کیل ہوں گے لوگ ہمیں دیکھ کر رشک کریں گے۔“
 ”انشاء اللہ تعالیٰ۔“ دل سے کہا۔

”کبھی بدگمانی اور غلط فہمی کو قریب نہیں آنے دیں گے ہم دونوں۔“ عنائے نے مسکرا کے اس کی بات پر سر ہلایا۔
 ”جن رشتوں میں محبت اور چاہت ہو تو وہ تب پروان چڑھتے ہیں۔“ وہ بولی۔

چاہت ہمیشہ دل کی چاہت تھی جو اسے مل گئی تھی محریب نے گاڑی سرشار ہو کر اشارت کر دی تھی عنائے کو اس شخص کی باتوں نے جیت لیا تھا جو سوچ بھی کتنی معتبر رکھتا تھا۔

اب تو دعا یہی تھی کہ ہمیشہ پاس خوشیاں ہی رہیں غموں کی دھوپ اس خاندان کے کسی بھی شخص پر نہ پڑے زندگی کے سفر پر وہ دونوں جا رہے تھے خوشیاں محبت چاہت اپنائیت سب ہی کچھ کشیدنا تھا غموں کے بادل چھٹ گئے تھے ایک نئی چمکیلی صبح کا آغاز ہو چکا تھا ہمیشہ کے لئے اس نے وفور مسرت سے محریب کے شانے پر سر ٹیک دیا۔

☆.....☆

رداؤ انجسٹ [53] جون 2011ء